سید تقی عابدی
تعارف، تقاریب، تاثرات
جلد دوم
مرتب
پروفیسر سید شجاعت علی
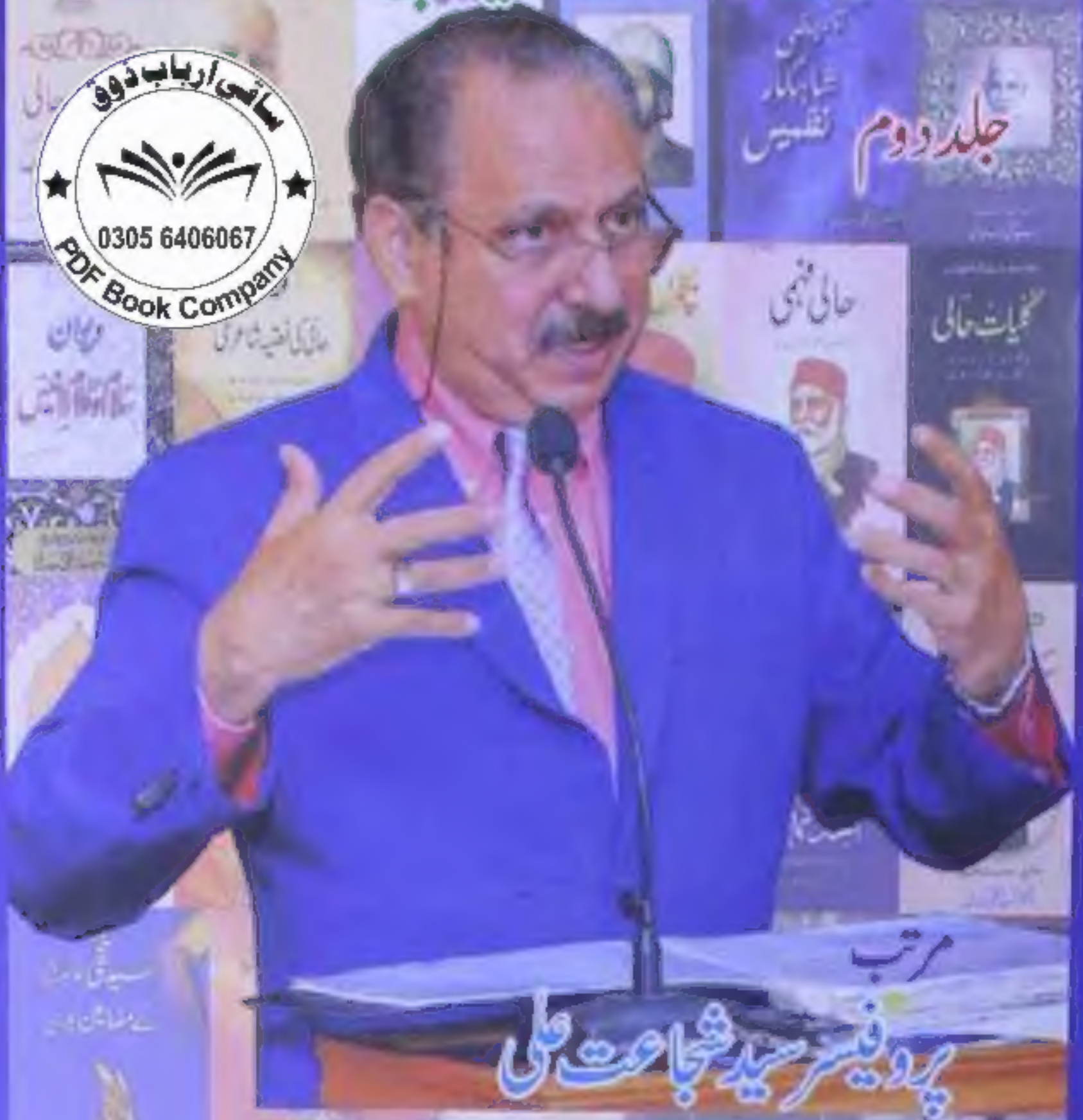
سید تقی عابدی

تعارف، تقاریب، تاثرات

(شخصیت، فن، تصانیف اور تالیفات پر مشاہیر کے خیالات)

جلد دوم

مرتب:

پروفیسر سید شجاعت علی

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

فہرست

انٹرویوز:۔

منظوم خراج عقیدت:۔

تبصرے:۔

جمال عباس فہمی
روزنامہ "قومی آواز"
31/ جنوری 2022ء

ڈاکٹر تقی عابدی: اُردو کا نابغہ روزگار عاشق

تقی عابدی کی شخصیت فن اور ادبی خدمات پر ہندوستان اور پاکستان کی مختلف یونیورسٹیوں سے تعلق رکھنے والے کم از کم اٹھارہ اُردو اسکالرز تحقیقی مقالے تحریر کر چکے ہیں۔

ڈاکٹر تقی عابدی اُن شخصیات میں ہیں جن کے شوق اور پیشے میں باہم ہم آہنگی نظر نہیں آتی۔ وہ انسانی امراض کے ڈاکٹر ہیں، لیکن ادب ان کے رگ وریشے میں رچا بسا ہے۔ رگ وریشے میں گردش کرتا ہوا اُردو ادب ہی تقی عابدی کو تحقیق وتنقید، تشریح وترجمہ، تصنیف وتالیف، تدوین وترتیب، تجزیہ اور شعر گوئی میں مصروف کار رکھتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ وہ اپنے قلم کی گردش سے اُردو ادب کے دامن کو تقریباً 70 قیمتی کتابوں کے سرمایہ سے مالا مال کر چکے ہیں۔ ان کا رخش قلم ہے کہ بے تکان دوڑ رہا ہے۔ یہ تقی عابدی کیا ہیں اور انھوں نے کیسے کیسے ادبی معرکے سر کیے ہیں اس پر تفصیل سے بات کرنے سے پہلے تقی عابدی کی پیدائش، خاندان، تعلیم وتربیت اور پیشے کے بارے میں معلومات حاصل کر لینا زیادہ مناسب ہے۔

سید تقی حسن عابدی یکم مارچ 1952ء کو دہلی میں سید سبط نبی عابدی کے یہاں پیدا ہوئے۔ تقی عابدی کے اجداد کا تعلق اتر پردیش میں امروہہ کے پاس آباد سادات بستی نوگانواں سے ہے۔ ان کا نسبی سلسلہ حضرت نظام الدین اولیا سے جا کر ملتا ہے۔ اس مناسبت سے خواجہ حسن ثانی نظامی مرحوم تقی عابدی کو اپنا رشتے دار کہتے تھے۔ تقی عابدی کے

خاندان میں بے شمار علما گزرے ہیں جو اُس وقت کے رائج علوم کے ماہر تھے۔ ان کے ایک جد نے ڈھائی سو برس پہلے ''حق الیقین'' نام سے کتاب تحریر کی تھی، جو تقی عابدی کے مخطوطات کے خزانے میں موجود ہے۔ تقی عابدی کے والد سید سبط نبی عابدی قانون کی پڑھائی کر کے دہلی میں جج ہو گئے اور دہلی سے ان کا تبادلہ حیدرآباد ہو گیا۔ اس طرح تقی عابدی دہلی سے حیدرآباد منتقل ہو گئے۔ انھوں نے حیدرآباد سے ایم بی بی ایس کیا۔ برطانیہ سے ایم ایس کیا۔ ایف سی اے پی امریکہ سے کیا یعنی وہ فیلو آف کالج آف امریکن پتھالوجسٹ بھی ہیں۔ رائل کالج آف فزیشینس بھی ہیں۔ تقی عابدی نے پتھالوجی میں ایم ایس سی برطانیہ کی گلاسگو یونیورسٹی سے کیا ہے۔ وہ امریکہ کے بورڈ آف پتھالوجی کے ڈپلومیٹ بھی ہیں۔ اس وقت تقی عابدی اونٹاریو کینیڈا کے اس کاربرو اسپتال سے بحیثیت فزیشین وابستہ ہیں۔

فارسی اہل زبان کی طرح بولتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک طویل عرصہ انھوں نے بحیثیت ڈاکٹر ایران میں گزارا ہے اور باقاعدہ ایک معلم سے فارسی سیکھی ہے۔ انھوں نے فارسی شعر و ادب کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہے۔ ایران کے قیام کے دوران ہی ان کی شادی ایک ایرانی خاتون سے ہوئی۔ جو امور خانہ داری سنبھالنے کے ساتھ ساتھ تقی عابدی کی علمی اور ادبی کاوشوں میں معاون رہتی ہیں۔ تقی عابدی دو بیٹوں اور دو بیٹیوں کے باپ ہیں۔ تقی عابدی کے گھر کا ماحول خالص مذہبی، علمی اور ادبی تھا۔ والد شعر گوئی کا ذوق رکھتے تھے۔ بچپن سے ہی تقی عابدی کو کھیل کود سے زیادہ پڑھنے لکھنے کا شوق تھا۔ مزاج میں ادب نے بچپن سے ہی جگہ بنالی تھی۔ اسکول کے زمانے سے ہی شعر و شاعری کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ شعر کہنے لگے تھے۔ موقع ملتے ہی شعر و سخن کی محفلوں میں پہنچ جاتے تھے۔ کالج کے زمانے میں بیت بازی کے مقابلوں میں حصہ لیتے تھے۔ سینکڑوں اشعار زبانی یاد تھے۔ کچھ اور سن بڑھا تو مضمون نگاری کرنے لگے۔ حیدرآباد کے معروف اُردو روزنامہ ''سیاست'' میں مضمون شائع ہونے لگے تو تصنیفی صلاحیتوں پر صیقل ہوتی چلی گئی اور مقبولیت بھی بڑھتی چلی گئی۔

اُردو شعر و ادب اور درس و تدریس کی دُنیا میں لاکھوں ایسے افراد ہیں جو کسی نہ کسی

مصنف شاعر پروفیسر عبدالمنان طرزی ہیں۔ طرزی کی جدت طرازی یہ ہے کہ انھوں نے تقی عابدی کی اس وقت تک منظر عام پر آنے والی سولہ کتابوں پر تبصرہ اور تنقید بھی منظوم طریقے سے کی ہے اور تقی عابدی کی ادبی خدمات وغیرہ کی تحسین بھی منظوم طور سے پیش کیا ہے۔ تقی عابدی کی ارتقائی ادبی خدمات کا احاطہ کرنے کے لیے ایک مضمون کا دامن ناکافی ہے ان کی ایک ایک کتاب پر تبصرہ سے اور تجزیہ کی خاطر لازما ایک ایک کتاب درکار ہے۔

صاحب کے صاحبزادے نے ہمارا پرتپاک استقبال کیا۔ اور بہت سارے مہمانوں کے ہمراہ ہم لوگوں نے بہت ہی بڑھیا ناشتہ کیا اور اس کے بعد اچھی سی چائے ہم دونوں نے پی۔ ڈاکٹر شجاعت علی صاحب نے ان کے رفقاء سے ہمارا تعارف کرایا۔

جس میں علامہ اعجاز فرخ، نورالحسنین، پروفیسر یوسف زئی، فیروز رشید، ڈاکٹر مجید بیدار، فاطمہ پروین وغیرہ حضرات سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ اس کے بعد ہم لوگ پروگرام ہال میں پہنچے۔ اسٹیج بہت ہی زبردست سجایا گیا۔ پیچھے ایک بہت بڑا سا بینر لگا ہوا تھا۔ جس میں ڈاکٹر شجاعت علی کی زندگی پر لکھی ایک کتاب "بہت [illegible] کی بات ہوئی" جو [illegible] الامین نے مرتب کی۔ سید شجاعت علی کا فوٹو اور ساتھ ہی ڈاکٹر تقی عابدی صاحب کا فوٹو دیکھ سوچنے لگا کہ تقی عابدی کون صاحب ہیں۔ جو کینیڈا سے ڈاکٹر صاحب کی کتاب کی رونمائی کے لیے ناندیڑ پہنچے۔ یہ بہت بڑی بات تھی۔ پروگرام کی نظامت فیروز رشید صاحب فرمارہے تھے۔ اسٹیج پر بڑے بڑے ادب نواز تشریف فرما تھے۔ جن میں ڈاکٹر تقی عابدی، ڈاکٹر علامہ فرخ، پروگرام کے صدر پروفیسر یوسف زئی صاحب، مجید بیدار صاحب وغیرہ شامل تھے۔ مجھے پتا بھی نہیں ڈاکٹر شجاعت علی صاحب نے میرا نام فیروز رشید کو دیا اور کہا کہ جلد ان سے تشریف [illegible] محترم چاند خان صفدر خان جو "[illegible]" کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر تقی عابدی کا استقبال کریں گے۔" یہ سنتے ہی میں سکتے میں آگیا کہ اتنا بڑا پروگرام، اتنے بڑے بڑے لوگ مسند پر براجمان اور میں ایک ادنیٰ صفت کا حامل اتنے بڑے شخص کا استقبال کر رہا ہوں۔ مجھے بہت خوشی ہوئی۔

اپنے آپ کو اس لائق سمجھا۔ نورالحسنین صاحب نے ڈاکٹر سید شجاعت علی پر ایک خاکہ پیش کیا۔ جو بہت ہی عجیب تھا۔ میں نے یہ کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ خاکہ اس طرح سے بھی پڑھا جاتا ہے۔ نورالحسنین صاحب نے اپنا حق ادا کردیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر تقی عابدی صاحب کے دست مبارک سے کتاب کا اجرا عمل میں آیا۔ علامہ اعجاز فرخ نے اپنے کلمات پیش کیے۔ معقول الفاظ سے سب محظوظ ہوتے رہے۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ تو میں نے جانا کہ ڈاکٹر تقی عابدی ایک نامی ڈاکٹر ہیں۔ لیکن انھوں نے اردو ادب میں جو مقام و مرتبہ حاصل کیا ہے اس سے پتا ان کی [illegible] ہے

پروفیسر شہاب عنایت ملک
صدر شعبۂ اردو، جموں یونیورسٹی

تقی عابدی ایک عہد ساز ادبی شخصیت

[illegible]

پندرہ روزہ "حدیث دل" دہلی

میگزین "اداریہ"

اپریل 2005ء

دبیر فہمی

[illegible]

ڈاکٹر عطاء اللہ خان کاکڑ سنجری

[illegible]

ایک مزاج شناس ادب نواز بھی

[illegible] وہ بھی ان کے پیش نظر رہتے ہیں

ساحل پہ کھڑے ہو کر تماشا نہیں کرتے
ہم ڈوبتی کشتی کا نظارا نہیں کرتے

•••

طوفاں سے لڑا دیتے ہیں جو اپنا سفینہ
ساحل کو کبھی اپنا کنارا نہیں کرتے

•••

خوشبو ہے تری یاد کی ہر وقت مرے ساتھ
ہم پھول کی خوشبو پہ گزارا نہیں کرتے

•••

وہ لوگ حقیقی حسن کی عظمت سے ہیں قائل
وہ حسن کو پردوں میں گوارا نہیں کرتے

ص:65

[illegible]

[illegible]

آج حیوان صفت پہنے ہیں انسانی نقاب
آج ہر ہاتھ میں رہتی ہے تمدن کی کتاب

•••

آج ظالم کے حوالے ہے عدالت کا حساب
آج قمری کا نگہباں ہے خونخوار عقاب

اعتبار ساجد

اُردو ہے جس کا نام!

ایک نظر شعبۂ اردو پنجاب یونیورسٹی کی تین سالہ کارکردگی پر

[illegible]

بادشاہ نصیر الدین حیدر کے زمانے میں تصنیف کی۔ اس بارے میں وہ لکھتے ہیں

ہر چند کہ یوسف پہ ہوئی آفت بے داد
پر ماتم شبیر سے فریاد ہے فریاد

[illegible]
کا تفصیلی ذکر کیا گیا۔

[illegible]

مکتوب کا یہ اقتباس قابلِ غور ہے

ہے۔" (بنام تقی عابدی، صفحہ 261)

ماہنامہ "اطراف" کراچی
دسمبر 2016ء

تہ خانوں میں کتب خانے

ڈاکٹر سید تقی عابدی کی کتابیں [illegible] آپ کا [illegible] کرتے ہیں
آمدنی کا بیشتر حصہ نادر و نایاب کتابوں [illegible] ہے۔

نام : سید تقی حسن عابدی
ادبی نام : تقی عابدی
تخلص : تقی
والد کا نام : سید سبط نبی عابدی (مرحوم)
والدہ کا نام : سنجیدہ بیگم (مرحومہ)
تاریخ پیدائش : یکم مارچ 1952ء
مقام پیدائش : دہلی [انڈیا]
تعلیم :
ایم بی بی ایس (حیدرآباد، انڈیا) [illegible]ء
ایم ایس (برطانیہ) [illegible]ء
ایف سی اے پی (امریکہ) 1995ء
ایف آر سی پی (کینیڈا) 2001ء
پیشہ : طبابت
ذوق : شاعری، ادبی تحقیق و تنقید
شوق : مطالعہ اور تصنیف
قیام : ہندوستان، ایران، برطانیہ، کینیڈا میں رہے

ڈاکٹر تقی عابدی کہتے ہیں

امریکہ میں مشاعروں کا معیار گرتا جا رہا ہے

تحقیق کے میدان کو بھی رزم بناتا ہوں اور اس میں بھی بزم سجاتا ہوں

[illegible]

ہے عمر خیام، فانی اور حقی کا بیاں
اور "ابواب المصائب" اک تفاخر کا نشاں

وصف یہ سید تقی کی ہے نگارش کا بڑا
بات کہنے کا سلیقہ خوب ہے وہ جانتا

ہے تقی عابدی کا ایسا اسلوبی نظام
جانتا ہے لفظ کا وہ معنویاتی مقام

شدت تاثیر پیدا کرتا ہے اسلوب سے
کم وہ رکھتا نہیں ہے جلوۂ محبوب سے

رحمت ترسیل ہے اسلوب کی خوبی بڑی
ہے کی تخلیق میں رفعت کی ضامن بھی یہی

•••

مقتضائے صنف پر رکھتا ہے وہ گہری نظر
ناقد و شاعر، محقق ہم ادیب باخبر

اس کو آتا ہے ستاروں سے بنا لینا قمر
چاند اور تاروں کا رکھتا فرق بھی پیش نظر

زندگی برقی بھی ہے گل کی لطافت کی طرح
سر سے پا تک ہے وہ پاکیزہ عبارت کی طرح

خدمت اردو ادب کی ہے عبادت کی طرح
ہے شرافت اور رواداری ضمانت کی طرح

رشتہ جو اردو سے ہے وہ عشق کی گہرائے کا
عاشقی سے مجھ سے پوچھو اور وہ دکھلائے کا

◆◆◆

دل بینا تو فکر آسماں پرواز رکھتے ہیں
فقیہہ علم و دانش آپ ہیں، اعجاز رکھتے ہیں

ہے وہ انداز سخن بہت ہی عامیانہ بھی
کہ جس سے معترف اہل نظر ہیں اور زمانہ بھی

ہے ان کی کاوش تحقیق جوئے شیر ہی جیسی
در زنداں پہ گرد ٹوٹی ہوئی زنجیر ہی جیسی

کسی تیشہ بدست فرہاد کی تقدیر ہی جیسی
کسی پائے جنوں کی ریگ پر تحریر ہی جیسی

کبھی نوک قلم پہ عشق کی تنویر ہی جیسی
کبھی آہ سحر یا نالہ شب گیر ہی جیسی

کبھی دشواریوں میں اک صدا تکبیر ہی جیسی
کبھی خود آگہی ذات کی تفسیر ہی جیسی

کبھی تو کم نگاہوں سے ہے تعذیر ہی جیسی
کبھی دیدہ وروں سے حق میں صد توقیر ہی جیسی

کبھی منزل رسا رہرو کی اک تدبیر ہی جیسی
کبھی وہ قیس میں لیلیٰ کی اک تصویر ہی جیسی

وفور علم سے سرشار ان کا ہر بیاں ہوتا
حقائق ہی کا مظہر، راستی کا ترجماں ہوتا

آپ کے اسلوب میں ندرت ہے وہ ترسیل کی
پا کی مشکل سے بڑھتی ہے کبھی تخئیل کی

بات کرنے کا یہ رکھتے ہیں الگ اپنا ہنر
کوئی یوں ہی تو نہیں بن جاتا بھی ہے دیدہ ور

سامنے لاتے حقائق آپ اس انداز سے
جیسے پیش روئے جاناں رکھ دے کوئی آئینے

یہ تدبر، یہ تفکر یہ تعمق آپ کا
یہ تعقل، یہ تخیل یہ تعلق آپ کا

یہ بصیرت، علم سے ایسی محبت آپ کی
تاج یکتائی ہے سر پر آپ ہی کے رکھی

ذات، اقلیم ادب میں ہے غنیمت آپ کی
راز دار عظمت اقبال و غالب آپ ہی

رکھتے تاریخ ادب پر آپ وہ گہری نظر
دسترس ماضی پہ بھی اور حال سے ہیں باخبر

ایسی باتوں کا بیاں تمہید میں پھر کر گئے
ذہن سے سارے مرحلے غالب شناسی کے ہوئے

فارسی شعرا صف اول کے جو مانے گئے
فارسی گوئی میں غالب، اُن کے ہم پلہ رہے

امیر خسرو، سنجری، فغانی، نظیری تو بھی لیں
عرفی، صائب، حزیں، بیدل، ظہوری تو بھی ہیں

حافظ و سعدی، فغانی، نظیری بھی رہیں
درد، سودا، میر، فیضی و ظہوری بھی رہیں

اشرف و مومن، حزیں کے ساتھ زلالی کو لیں
گر کلیم اس میں ہیں شامل تو قتیل اس میں رہیں

وہ سند لیتے زباں کی شاعر ایران سے
دوسروں کو سمجھتے ہرگز نہیں گرداتے

ابتدا میں طرز بیدل ہی سے رکھی واسطے
خوش نہیں آیا مگر غالب کو ایسا راستہ

شاعروں کی طرز اپنائی مغلیہ دور سے
"عندلیب گلشن ناآفریدہ" بن گئے

اپنے انداز بیاں کا تھا جو احساس قوی
"نطق من" کو "نامہ من" کہہ گئے خود آپ ہی

"شہرت شعرم بہ گیتی بعد من خواہد شدن"
پیش گوئی تھی کہ ہوگی انجمن در انجمن

ہے جو غالب کی غزل ہی پر مرتب کا خیال
جس سے ظاہر ہے شعور نقد فن کا بھی جمال

انتخاب خود ہے تحقیق میں کار گراں
راز تحسین سخن معنی کا اسی میں ہے نہاں

اس حقیقت پر مرتب نے جو ڈالی روشنی
اہمیت قاری پہ غزلوں کی ہے واضح ہوگئی

انتخابِ اشعار کا اس ضمن میں جو ہے کیا
وہ مرتب کے مذاقِ طبع کا ہے آئینہ

گر کے بعد غزل ہی مثنوی کا وہ بیاں
اس میں بھی غالبؔ نظر آتے ہیں اہلِ نکتہ داں

مثنوی میں آپ سے پاتے فقط پندرہ خوش
شستہ و شائستہ و پائندہ و تابندہ خوش

جائزہ غالبؔ کی حمد و نعت کا ہے یوں لیا
جس سے حسنِ فکری، عشقِ قلبی ظاہر ہو گیا

فکری وہ فتحِ غالبؔ کی اسے آپ ہی
اہلِ فن کے درمیاں ہے معتبر ان کی سعی

نعت پر اظہار ہے کیا علم افزا آپ کا
لفظ و معنی پر تصرف ان کا ثابت ہو گیا

ذاتی ہے معراجِ نعت پر بھی غالبؔ سے نظر
مخفی ہر پہلو سے دکھلایا ہے اُن کو دیدہ ور

منقبت پر بھی بڑا ہی عمدہ ہے بیاں
آپ ہیں بے شبہ اک ناقد بڑے ہی نکتہ داں

ہے زیرِ تجزیہ غالبؔ سے نوٹ فکری
ہیں یہاں بھی کامراں سید تقی عابدی

یوں ہیں قطعات و قصائد اور رباعی سے بیاں
نقد اور تحقیق سے جیسے کھلے ہوں گلستاں

یوں تو ہر تصنیف ہے بے شبہ اُن کی باوقار
پر الگ انداز کی اس گلستاں کی ہے بہار

اس میں دریا علم کا ہر اک طرف ہے موجزن
جانب تحقیق ہے تیشہ بدوش اک کوہکن

نقد اور تحقیق و ہی ہے روش اپنی جدا
یہ بھی ہے تصنیف ان کی شاہکار اک مرحبا

◆◆◆

عاشقی کی انتہا

ہے مستند آگہی سید تقی عابدی
معتبر دانشور سید تقی عابدی

علم و فن کی خسروی سید تقی عابدی
ایک مرد آگہی سید تقی عابدی

چارہ ساز علم جو سید تقی عابدی
خادم فن باوضو سید تقی عابدی

نیک دل اور نیک خو سید تقی عابدی
نغمہ ہائے آبجو سید تقی عابدی

خاک پائے عارفاں سید تقی عابدی
ناز ذوق کاملاں سید تقی عابدی

میر و مرزا کا بیاں سید تقی عابدی
مرثیے کی ہے زباں سید تقی عابدی

محشر جذبات ہے سید تقی عابدی
قوت جدت ہے سید تقی عابدی

زینت صفحات ہے سید تقی عابدی
علم کی سوغات ہے سید تقی عابدی

اہل دل، اہل نظر سید تقی عابدی
مشعل انوار سحر سید تقی عابدی

درد دل درد جگر سید تقی عابدی
قطرہ ہائے چشم تر سید تقی عابدی

جانب منزل قدم سید تقی عابدی
داستان خوں رقم سید تقی عابدی

صاحب سیف قلم سید تقی عابدی
جیسے وہی جام جم سید تقی عابدی

حاصل درد نہاں سید تقی عابدی
کامیاب و کامراں سید تقی عابدی

دشت وحشت کی اماں سید تقی عابدی
انتخاب دوستاں سید تقی عابدی

قامت جانان جس سید تقی عابدی
ہے یقین سب کو ہاں سید تقی عابدی

گرچہ ہیں اچھے یہاں سید تقی عابدی
پر نہیں تجھ سا کہاں سید تقی عابدی

نقد فن کا سامنا سید تقی عابدی
رب تعالیٰ کی عطا سید تقی عابدی

ڈاکٹر حافظ عبدالمنان طرزی
محلہ فیض اللہ خاں، دربھنگہ (بہار)

ناطقے بند جو کر دے وہ بلاغت اس کی

2004 30, 61, 1433, 11, 234, 9, 56, 170

وہی قوم دُنیا میں عزت ہے پاتی
جو یاد اپنے دانشوروں کی مناتی

[illegible]
[illegible]

جو احساس و جذبہ کا مظہر ہو کامل
تو خون جگر بھی ہو [illegible] فن میں شامل

صراحت میں ایمائیت کرے پیدا
ہو ایجاز [illegible] جس سے وسعت ہو پیدا

تراش حسیں، ناتراشیدہ کو دے
سرائیدگی، ناسرائیدہ کو دے

مزاج، آشنائے معانی ہو ایسا
کہ لفظوں سے تصویر سازی ہو [illegible]

زباں لفظ و معنی کی ہو جانتا ہو
تقاضائے ترسیل پہچانتا ہو

جو ہر اجنبیت کو مانوس کردے
جو شعروں کو ممنون فانوس کردے

انیس ایک ایسا ہی رمز آشنا ہے
جہان سخن کا جو اپنے خدا ہے

وہ انسانی فطرت کا ہے رازداں بھی
وہ جذبات اعلیٰ کا ہے ترجماں بھی

عبور اس کو ہے شعریت پر وہ حاصل
بنا مرثیہ جس سے اک صنف کامل

مضامین نو جمع کرلیتا ہے جب
نئے خوشہ چینوں کو وہ دیتا ہے تب

زمین سخن آسماں سے جولایا
جو اجڑی ہوئی تھیں انہیں بھی بسایا

کلی مضموں کو بند کیسے کرے بھی
چھپانے سے خوشبو نہ جس کی چھپے بھی

وہ حسن کلام اور لطف بیاں ہے
ہے وا بہار اس کی جو گلستاں ہے

جو مضموں کیے نظم ہیں وہ کتابی
کوئی بند تاثیر سے ہے نہ خالی

وہ مخفی تہ سب ہے مضموں کو بخشش
نما سے ہیں بشر صداقت منقش

بلاغت کا ہے تاج سر اس کے رکھا
فصاحت کا مسند بھی اس کو ہے بخشا

اسی نے ہے دی اجتہادی قبا بھی
گل و غنچہ خوشبو و رنگیں فضا بھی

وظیفہ یہ ہے پانچ پشتوں سے اس کا
کہ مدحت وہ آل نبی کی ہے کرتا

بیان تفاخر کو دی نغمگی شوکت
ہے تعریف و تنقید دونوں پہ قدرت

عدو کی ہے تنقید میں پر مہارت
تو ہے جزو ایمان بھی وصف امامت

کبھی رزمیہ میں ہے رنگ تغزل
حقیقت ہو جیسے وہ حسن تخیل

ملی شاعری کو زمین صداقت
صحیفہ بنا ہے بیان شہادت

ہے شاعر کی توقیر جس کے بیاں سے
وہ اوصاف ہیں سید الشہداء کے

وہ فکری بصیرت وہ تحسین شعری
ہے اہل نظر کا بھی گنجینہ علمی

صحیفہ فصاحت کا وہ ذوفن ہے
جسے کہتا میرانیس اپنا فن ہے

فصاحت[17] ہو عاشق وہ حسن بیاں دے
طلب تھی یہی اس کی اپنے خدا سے

فصاحت نمک اس کے خوان سخن کی
یہ ممتاز خوبی ہے اک اس کے فن کی

بلاغت[18] کرے ناطقہ بند ایسی
بیاں میں کروں کیا لطافت شعر کی

کاوش کی داد فصاحت میں ہم
جبین عقیدت نہ شاعری ہم

•••

۱۔ لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انبار — خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو
۲۔ سدا ہے فکر ترقی بلند بینوں کو — ہم آسمان سے لائے ہیں ان زمینوں کو
۳۔ سجایا ہم نے مضامیں کے تازہ پھولوں سے — بسا دیا ہے ان اُجڑی ہوئی زمینوں کو
۴۔ گل ہائے مضامیں کو کہاں بند کروں — خوشبو نہیں چھپنے کی جہاں بند کروں
۵۔ حسن کلام و لطف بیاں آشکار ہے — یہ وہ چمن ہے جس میں ہمیشہ بہار
۶۔ تاثیر ہر اک بند کی خالی نہ سمجھنا — مضمون کتابی ہیں خیالی نہ سمجھنا
۷۔ مضمون میں تناسب الفاظ لاجواب — ترجیع بھی فصیح، کنایہ بھی انتخاب
۸۔ ہے کجی عیب مگر حسن ہے ابرو کے لیے — تیرگی بد ہے مگر نیک ہے گیسو کے لیے
۹۔ سرمہ زیبا ہے فقط نرگس جادو کے لیے — زیب ہے خال سیہ چہرۂ گل رو کے لیے
۱۰۔ داند آں کس کہ فصاحت بہ کلامے دارد — ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقامے دارد
۱۱۔ تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں — قطرے کو جو دوں آب تو گوہر سے ملا دوں
۱۲۔ ذرّے کی چمک مہر منور سے ملا دوں — خاروں کو نزاکت میں گل تر سے ملا دوں
۱۳۔ گل دستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں — اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

۱۴۔ پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

۱۵۔ ہے گوہر محیط فصاحت سخن مرا

۱۶۔ عاشق ہو فصاحت بھی وہ دے حسن بیاں کو

۱۷۔ تمک خوانِ تکلم ہے فصاحت میری

۱۸۔ ناطقے بند ہیں سن سن کے بلاغت میری

"ڈاکٹر سیّد تقی عابدی کی تصنیفات پر ایک نظر"

ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی کے زیر اہتمام
"اردو کی نئی بستیاں" عنوان کے تحت

سہ روزہ (18-20/ مارچ) بین الاقوامی سیمینار میں پڑھے
جانے والا منظوم مقالہ

حشر خیزی را تقیؔ داند تماشہ معتبر
از متاع سوختہ پیدا کند تازہ سحر
او کہ صد رقص نفس بیند تہ دامان خویش
جستجویش خود بجوید جادہ و منزل دگر

طرزؔی

نظم میں اشعار کی تعداد بھی ہے اس قدر
پہلو یہ گرچہ نہیں کوئی اہم یا معتبر

ہو نہ پائیں ان کی تصنیفیں مجھے سب دستیاب
معتبہ چند جلوے شاید رہ گئے زیرِ حجاب

ہیں یہاں اربابِ فن، اہلِ نظر بیٹھے ہوئے
گر بساطِ نکتہ رسوا نہ کر ڈالے مجھے

جائزہ اک مختصر اب پیش ہے تصنیف وار
اہلِ فن کا اپنی کاوش پا سکے تا کہ اعتبار

زاویہ اقبال کے عرفانی ہے جو اک کتاب
کس قدر ہے مختصر شاعر کے دل کا اضطراب

نعتیہ جو شاعری ہے حضرت اقبال کی
اس پہ بھی ڈالی تقی نے ہے بخوبی روشنی

گفتگو ان کے تفکر اور تصوف پر بھی کی
جائزہ پیش کیا تقی علامہ کو عشقِ نبی

حضرت اقبال کا ہے فارسی میں جو کلام
اس کو بھی سید تقی نے بخشا ہے اعلیٰ مقام

حاصل ہے اشک پہ بھی سید تقی نے جو کتاب
مہ تابانی سے نام اس کا کیا ہے انتخاب

شاعرہ زہرہ کی بیٹی صاحبِ دیوان تھی
مستحق وہ اس لیے ٹھہری بھی اس اعزاز کی

مرثیے کے تین کم ہیں بند دو سو انتخاب
"وقت جب شب کی مسافت کر چکا تھا آفتاب"

چار اوپر آٹھ سو رکھتی ہے صفحے یہ کتاب
وزن ہے دو کیلو گر تو قیمتی ہیں چودہ باب

انچ ساڑھے گیارہ، نو، لمبائی چوڑائی کہیں
حسن میں اس کا اسیر دائمی بن کر رہیں

پانچ برسوں کی اسے محنت کا کہیے ماحصل
اک پیام وصل جاناں بن گئی ہے یہ غزل

جاودانی اس کے صدقے میں انیس بھی پا گئے
گل نہیں، دامن میں ان کے گلستاں ہی آ گئے

ہیں اس میں مرثیے کے ترجمے کو بھی یہ
تیس پہلے بندوں کا منظوم عربی ترجمہ

تھے جو اک سید علی نقی تھے، عالم بڑے
ہیں انہیں سے ترجمے یہ ساٹھ برس قبل کے

دیتے منظوم اس میں ترجمہ انگریزی بھی
ڈیوڈ میتھیوز کی کہیے اسے اچھی سعی

ہیں اضافے معتبر تصنیف پر یہ ترجمے
حسن ترتیبی پہ ان کی ہیں شہادت بن گئے

دیدہ ریزی، جاں فشانی بھی تقی کی دیکھیے
ذوقِ خوبی حرف، نقطہ و صحت کی ہیں بن گئے

باب پہلے میں حیات میر انیس ہے جو بیاں
صفحہ اٹھارہ سے پینسٹھ تک ہے پھیلی داستاں

تینتیس عنوانات ذیلی سے ہے یہ سب آراستہ
علم افزا، معتبر سب شگفتہ ہے یہ اک جائزہ

تذکرہ پتے ہیں اس میں از ولادت تا وفات
روشنی ان پر بھی، ہیں جو اختلافی واردات

زندگی کے پہلوؤں کی ہے وضاحت معتبر
فیصلہ کن سب بیاں، ان کی ہے تحقیقی نظر

دوسرا باب اہل علم و فن کی آرا سے بنا
کیسے ہیں میر انیس ایسا ہر اک نے کہا

غالب، آتش، دبیر و ناسخ و آزاد بھی
اکبر، حالی، شبلی، شاد اور امداد بھی

عبدالقادر، عبدالحق، کیفی، فراق، اشہری
پھر نظر، عباس، حامد اور احسن لکھنوی

جوش و مجروح، شارب، مسعود اور ڈپٹی نذیر
پھر ہیں محمود و ذکاء اللہ اور صوفی امیر

ابوالکلام آزاد، چکبست و اثر اور احتشام
پھر ظہیرالدین، اعجاز حسین، عبدالسلام

بعد عابد حسین اور ایک اے حیدری
نجم اور نارنگ و شارب ہوئے ردولوی

ہے نمونہ تجزیاتی کے لیے باب آٹھواں
پاتے ہیں پھیلا ہوا چوبیس صفحوں پر بیاں

وہ عظیم آبادی شاد اک اور آبد حیدری
پھر انیس، اشفاق اور جعفر علی خاں لکھنوی

ہیں وحید اختر تو احسن لکھنوی عبدالسلام
شمس رحمن، یعنی فاروقی کا بھی آتا ہے نام

مرثیے پر معتبر ہیں آپ سب کے تبصرے
پر وہ مسعود حسن کا سب سے عمدہ مانتے

ہیئت و جذبات منظر، گفتگو اور واقعہ
منطق ہو تشبیہ کا یا صنعتوں کا مرحلہ

مرزا جعفر اور اک ہیں سید اختر علی
تجزیے کو حیثیت ان کے نمونے کی ملی

تجزیہ ہے سب طریق کار پر جس میں بیاں
باب اسرار و رموز شعر ہے سب سے نواں

پاتے ہیں پھیلا ہوا ہم بائیس صفحوں پر اسے
جو مفید و کار افزا ہیں ہمارے واسطے

تجربے کا ہے فصاحت پایہ پختہ قرار
اور بلاغت نے اسے بخشا ہے حسن اعتبار

ہیں جدید الفاظ کتنے ہی ترسیت ہیں
اصطلاحوں کے معانی کے ایجازات ہیں

مختلف قسموں کی تشبیہات کا ہے جائزہ
جو مصنف کی ہے اک نکتہ رسی کا آئینہ

مرثیہ مذکور میں تشبیہیں جو آئیں نظر
ہیں وہ اقلیم انیس کے گراں قیمت گہر

اجتہادی نقش ہے یہ گوشوارتی نظام
اپنے طرز تجزیاتی سے تقی ٹھہرے امام

تجزیہ ہر بند کا ہے مرثیے کے یوں کیا
سامنے نظروں کے ہے جلووں کو لاکر رکھ دیا

مرثیے کا بند ہے اک دائیں صفحے پر رقم
صفحہ بائیں پہ ہیں تحقیقی نکتے کل بہم

تجزیے سے اس لیے محروم بند اک رہ گیا
معتبر نسخوں میں چونکہ وہ نہیں موجود تھا

شعر میں صنعت کا، حرف و لفظ کا بھی ہے شمار
لفظ کتنے ہیں زباں کے، کردیا ہے آشکارا

کتنی ہے اس میں اضافت، کتنی ترکیبات ہیں
استعارے کتنے ہیں اور کتنی تشبیہات ہیں

کچھ صنائع معنوی و لفظی کا ڈھونڈا جمال
دیکھا، کیسا ہے فصاحت اور بلاغت کا کمال

اور کچھ اس بند کو علم بیاں سے کیا ملا
ایسے ہی پہلوؤں پہ ہر بند کا ہے جائزہ

پاکیِ لفظوں کی دعوے، معنوی مہ وش کے ناز
دامنِ اظہار پر پڑھتی فصاحت ہے نماز

خوبیِ سے برتاؤ کی، کاوش ہے یہ نقشِ جمال
بن گئی فکر و نظر، علم و خبر سے لازوال

حُسن میں بھی یہ کتاب اپنا نہیں رکھتی جواب
گلستاں میں ہر طرف جیسے شگفتہ ہیں گلاب

گلستاں در گلستاں پیشِ نظر ہر اک ورق
کوئی طشتِ زرفشاں پیشِ نظر ہر اک ورق

ہر ورق تشنہ لبی کو ساغرِ عرفان ہے
ہر ورق اس کا نویدِ آگہی، ایقان ہے

ہر ورق اک مہوشِ معنی کے ہے سر کی ردا
ہر ورق ہے علم افروز، علم زار و علم زا

ہر ورق اس کا ہے اک بابِ ہنر، بابِ کمال
ہے شعورِ فن کا ہر مرقومہ سے ظاہر جمال

ہر ورق حسنِ سلیقہ کی ہے تابندہ دلیل
صفحہ صفحہ دلکشی میں مثلِ موجِ سلسبیل

ہر ورق جیسے ادبیت کا ہفتہ رواں
ہر ورق جیسے ہے مہر و ماہ و انجم ضوفشاں

ہر ورق اس کا ہے جیسے آستاں محبوب کا
ہر ورق اک شغلِ مشقِ ناز ہے مطلوب کا

ہر ورق کی دلکشی نے پایا ہے دل کا لہو
ہر ورق لکھنے سے پہلے کی عقیدت با وضو

ہر ورق ہے اک تعلق تیشہ و فرہاد کا
ہر ورق محنت سے ہے شیریں کے گھر کا راستہ

حیلۂ پرویز پر ہے فاتحہ خواں ہر ورق
پیرزن کے مکر پر ہے مرثیہ خواں ہر ورق

اللہ اللہ دلکشی اور خوبی اس کی معنوی
بن گئی ہے اک سند یہ مشق کے آئین کی

فکر و فن پر ڈالی ہے فن کار نے ایسی نظر
کیمیا سازی سے ذرے بن گئے سارے گہر

اعتبار افزا تقی کا اس قدر ہے تجزیہ
پہلو پہلو آشکارا مرثیے کا ہو گیا

ہے انیسیت کی گنج درخشاں کا یہ نور
فکر و فن نے پایا ان سے عبادت کا سرور

"گوہر شہوار کی لڑیوں" کا ایسا تجزیہ
عابدی سید تقی یہ آپ ہی کا کام تھا

یہ کسی چنگاری سے خورشید سازی کا عمل
ایک نقش کامراں ہے جاں فشانی کا بدل

یہ بصارت سے بصیرت تک کا ہے فنی سفر
جس میں جل جاتے خرد مندوں کے اکثر بال و پر

ہے سید اور سرور تقی عابدی
شرافت کا پیکر تقی عابدی

یہ ہے باغ زہرا کا بھی تازہ پھول
چمن کا گل تر تقی عابدی

ہے روشن دماغ اور روشن خیال
کہ ہے شمس اظہر تقی عابدی
(آفرین فاطمہ)

عارف حسین جونپوری

روزنامہ ''اودھ نامہ'' لکھنؤ

4/مارچ 2015ء

رباعیات پیارے صاحب رشید لکھنوی اور احوالِ پیری

[illegible] میں صرف کیا ہے۔

[illegible]

تقی عسکری ولا

20 اگست 2016ء

روزنامہ "سیاست"

رباعیاتِ رشید لکھنوی

ڈاکٹر سید تقی عابدی کی عصری تخلیق و تحقیق

[illegible]

[illegible]

ڈاکٹر فہیم احمد صدیقی

''فیض شناسی''

ڈاکٹر سید تقی عابدی کا لاثانی و لافانی تحقیقی کارنامہ

[illegible]

اہم اور امتیازی نام ہے۔ محترم پروفیسر سید وجعفری صاحب نے بالکل ٹھیک کہا ہے کہ ڈاکٹر سید تقی عابدی کی تصانیف ان کی تحقیقی بصیرت اور تنقیدی صلاحیت کی آئینہ دار ہیں۔ دکن کے معروف اردو روزنامہ "سیاست" حیدرآباد کے مدیر اعلیٰ محترم زاہد علی خان فرماتے ہیں کہ "ڈاکٹر سید تقی عابدی کی تقریباً چالیس کتابیں تحقیق و تنقید کے باب میں اردو کا بیش قیمت اثاثہ ہیں۔" ڈاکٹر سید تقی عابدی ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔ وہ شعر، تحقیق و تنقید کی سیر کرتے رہے اور یہ سلسلہ اب بھی جاری و ساری ہے۔ اردو ادب کی کئی جہتوں میں انھوں نے تحقیقی و تنقیدی کام کیا ہے۔ اس کے علاوہ وہ خود بھی بہت اچھے منفرد لب و لہجے شاعر ہیں۔ انھوں نے کئی شعری اصناف میں ایک گرانقدر تخلیقی سرمایہ اردو ادب کو دیا ہے۔ علاقہ مرٹھواڑہ کی سوامی رامانند تیرتھ مرٹھواڑہ یونیورسٹی، ناندیڑ میں ڈاکٹر سید شجاعت علی کی نگرانی میں ایک طالب علم نے ڈاکٹر سید تقی عابدی کے فکر و فن پر تحقیقی کام کیا ہے اور پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی ہے۔ ڈاکٹر سید شجاعت علی نے یہ کام بڑی توجہ اور انہماک سے مکمل کروایا۔ میرا یہ کہنا ہے کہ ڈاکٹر سید تقی عابدی نے جن جہتوں میں گرانقدر کام انجام دیے ہیں ان میں کی ہر جہت کے کام پر تحقیقی کام ہونا چاہیے۔ دکن کی مختلف جامعات کے اردو شعبوں کے ریسرچ اسکالرس اس طرف ضرور توجہ دیں گے اور "فیض شناسی" اس ضمن میں کلیدی کردار ادا کرے گی۔

"فیض شناسی" میں 42 مضامین شامل ہیں۔ ہر مضمون اپنے مواد اور منفرد تحقیقی اسلوب کے باعث شہکار ہے۔ ہر مضمون پر اظہار خیال ایک مختصر سے مضمون میں ممکن ہی نہیں ہے۔ راقم نے پھر بھی ڈاکٹر سید تقی عابدی کے چند مضامین کا انتخاب کیا۔ ان مضامین کو پڑھ کر مجھے روحانی مسرت حاصل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ راقم اپنے بچپن سے فیض احمد فیض کا شیدائی ہے۔ میں نے ان مضامین پر اپنے چھوٹے چھوٹے خیالات قلمبند کرنے کی کوشش کی ہے۔

فیض مشاہیر کی نظر میں:

"یہ انتہائی پرمغز اور معلوماتی مضمون ہے۔ جس میں [illegible]

یوں نہ تھا میں نے فقط چاہا تھا یوں ہو جائے

اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا

راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا

ان گنت صدیوں کے تاریک، بہیمانہ طلسم

ریشم و اطلس و کمخواب میں پہنائے ہوئے

جا بجا بکتے ہوئے کوچہ و بازار میں جسم

خاک میں لتھڑے ہوئے خون میں نہلائے ہوئے

لوٹ جاتی ہے ادھر کو بھی نظر کیا کیجے

اب بھی دلکش ہے ترا حسن مگر کیا کیجے

اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا

راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا

مجھ سے پہلی سی محبت مرے محبوب نہ مانگ

اس نظم میں ایک انقلاب آفریں تبدیلی ضرور نظر آتی ہے مگر اس نظم میں جو غنائیت ہے اس کی آنچ کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ فیض نے زندگی کے موقع پر جو نظم کہی تھی "نثار میں تری گلیوں پہ۔۔۔" اس میں بھی جو استعارے فیض نے استعمال کیے تھے ان کا تعلق دنیائے تغزل سے ہے۔

نثار میں تری گلیوں پہ اے وطن کہ جہاں

چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اٹھا کے چلے

جو کوئی چاہنے والا طواف کو نکلے

نظر چرا کے چلے جسم و جاں بچا کے چلے

یہ نظم جیسے جیسے آگے بڑھتی ہے بڑے تغزل آمیز استعارے سامنے آتے ہیں

بجھا جو روزنِ زنداں تو دل یہ سمجھا ہے

کہ تیری مانگ ستاروں سے بھر گئی ہوگی

چمک اٹھے ہیں سلاسل تو ہم نے جانا ہے

کہ اب سحر ترے رخ پر بکھر گئی ہوگی

زباں زد خاص و عام ہیں جن کو ضرب المثل کا درجہ حاصل ہے۔ فیض کی چند غزلوں سے زباں زد خاص و عام اشعار

رنگ پیراہن کا خوشبو زلف لہرانے کا نام
موسم گل ہے تمہارے بام پر آنے کا نام
دوستو اس چشم و لب کی کچھ کہو جس کے بغیر
گلستاں کی بات رنگیں ہے نہ میخانہ کا نام

•••

گلوں میں رنگ بھرے باد نوبہار چلے
چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے

•••

دل میں اب یوں ترے بھولے ہوئے غم آتے ہیں
جیسے بچھڑے ہوئے کعبہ میں صنم آتے ہیں

•••

نہ جانے کس لیے امیدوار بیٹھا ہوں
اک ایسی راہ پہ جو تیری رہگزر بھی نہیں

•••

تم آئے ہو نہ شب انتظار گزری ہے
تلاش میں سحر بار بار گزری ہے

•••

یوں سجا چاند کہ جھلکا ترے انداز کا رنگ
یوں فضا مہکی کہ بدلا مرے ہمراز کا رنگ

•••

دست صیاد بھی عاجز ہے کف گلچیں بھی
بوئے گل ٹھہری نہ بلبل کی زباں ٹھہری ہے

دنیا کا دل جیت لیا تھا۔ جوش ملیح آبادی کی "انقلاب پرورش" نظموں نے دھوم مچا رکھی تھی۔ اختر شیرانی کی رومانی شاعری نے بے حد مقبولیت حاصل کر لی تھی۔ یعنی فیض کی راہ میں "ہر نقش دیوار کی طرح نہیں بلکہ پہاڑ کی طرح بلند تھا۔" ان عظیم پہاڑوں سے ہوتے ہوئے فیض نے نظم نگاری میں اپنی شناخت اور پہچان بنانے میں کامیابی حاصل کی۔ یہ جو خود ایک کرشمہ ہے اور اسی بات کی ڈاکٹر سید تقی عابدی نے اپنے اس مختصر سے مضمون میں غیر جانبدارانہ انداز میں پیش کی ہے۔

فیض کی دولت تنہائی کا جائزہ:

ایک نئے زاویہ نگاہ کے ساتھ ڈاکٹر سید تقی عابدی نے فیض کی دولت تنہائی پر بڑی پرمغز گفتگو کی ہے۔ فیض کی شاعری میں تنہائی ایک مرکزی استعارہ کی حیثیت رکھتی ہے

تنہائی میں کیا کیا نہ تجھے یاد کیا ہے
کیا کیا نہ دل زار نے ڈھونڈی ہیں پناہیں

•••

آنکھوں سے لگایا ہے کبھی دست صبا کو
ڈالی ہیں کبھی گردن مہتاب میں بانہیں

"تنہائی" فیض احمد فیض کی ایک مختصر ترین نظم ہے جسے بلا شبہ فیض کا ایک شاہکار کہا جا سکتا ہے

تنہائی

پھر کوئی آیا دل زار! نہیں کوئی نہیں
راہرو ہوگا، کہیں اور چلا جائے گا
ڈھل چکی رات، بکھرنے لگا تاروں کا غبار
لڑکھڑانے لگے ایوانوں میں خوابیدہ چراغ
سو گئی راستہ تک تک کے ہر اک راہ گزر
اجنبی خاک نے دھندلا دیے قدموں کے سراغ

فیض احمد فیضؔ انقلاب کی آمد کی اطلاع بھی دیتے ہیں تو اس طرح دیتے ہیں

رنگ پیراہن کا خوشبو زلف لہرانے کا نام

موسم گل ہے تمہارے بام پر آنے کا نام

اپنے پسندیدہ نظام حیات کو ایک خوب صورت انداز میں پیش کرنے کا فن فیضؔ ہی جانتے تھے۔ فیض احمد فیضؔ کے کلام کی اس خوبی پر ڈاکٹر سید تقی عابدی نے نظر ڈالی ہے اور اسے واضح کیا ہے جس کے لیے وہ یقیناً مبارک باد کے مستحق ہیں۔

تیار کردہ فیض کی پینٹنگ اور صفحہ 5 تا 8 فیض کی مختلف تصاویر جس میں اپنی بیٹی سلیمہ اور دیگر
شخصیتوں کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔

صفحہ 11 اور 12 پر "فیض شناسی" میں شامل مضامین کی فہرست دی گئی ہے۔ ڈاکٹر
تقی عابدی کی اس تصنیف میں ممتاز اسکالر علامہ اعجاز فرخ صاحب کا تعارف "بام پہ بیٹھا
مہتاب چلا آہستہ" وغیرہ مجموعی تینتالیس (43) عناوین ہیں۔

حضرت علامہ اعجاز فرخ صاحب ایک مختصر مگر جامع تعارف بہ عنوان "بام پہ بیٹھا
مہتاب چلا آہستہ" میں کتاب "فیض شناسی" اور اس کے مصنف ڈاکٹر تقی عابدی کے بارے
میں یوں رقم طراز ہیں:

"جناب زاہد علی خان مدیر "سیاست" کی نظر انتخاب نے ڈاکٹر تقی عابدی
کی اس تحقیق اور جاں فشانی کو اہل دوستوں تک پہنچانے کا اہتمام کیا
ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر صاحبان نظر اور اہل ذوق یہ محسوس کریں
گے کہ بام پہ بیٹھا مہتاب چلا آہستہ" (ص 13)

صفحہ 14 پر فیض کا خوب صورت پورٹریٹ ہے۔ اس کے بعد "فیض کا زندگی نامہ"
عنوان کے تحت صفحہ 15 سے 21 تک حالات زندگی پیش کیے گئے ہیں۔ جس میں فیض کا
حقیقی نام، ادبی نام، مقام پیدائش، خاندان، مشاغل، شادی، ازدواجی زندگی، خدمات، قید
وتنہائی، سفر و سیاحت، شاعری، شعر گوئی، اساتذہ، مطالعہ، تصانیف، شعری مجموعے،
ڈراما نگاری اور فلمی دلچسپی پر سیر حاصل تفصیلات پیش کی گئی ہیں۔ یہاں یہ غور طلب بات
ہے کہ صفحہ 19 پر اعزازات کے تحت لکھا ہے

"1942ء میں فوجی ملازمت کے دوران ایم بی ای (M.B.E) کا
خطاب ملا۔ 1962ء میں لینن انعام دیا گیا۔ فیض پہلے ایشیائی شاعر تھے،
جنہیں یہ اعزاز دیا گیا ہے۔"

اس انعام کے پس پردہ قصہ یہ ہے کہ فیض 1962ء میں مشہور زمانہ "لینن امن
انعام" سے نوازے گئے۔ حکومت پاکستان نے روس سے نظریاتی اختلاف کے باعث
ایوارڈ کے ملنے پر ایسی کی تنگ ان کا مقابلہ میں یہ روسی حکومت نے نوبل [illegible] ہے

"کلام فیض عربی، فارسی الفاظ اور تراکیب کا گلدستہ" کے عنوان سے ایک مضمون صفحہ 97 تا 104 پر محیط ہے۔ اور "فیض کی نظری وسعتیں" صفحہ 105 تا 115 تک چھپا ہوا مضمون ہے جس کا اختتام فیض کی نظم صبح آزادی کے حسب ذیل مصرعوں پر ہوتا ہے

"وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں
نجات دیدہ و دل کی گھڑی نہیں آئی
چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی"

مضمون "کلام فیض پر فیض کا ریویو" صفحہ 116 سے 129 پر پھیلا ہے، جس میں ایلس کے نام 14/جون 1951ء سے 22/مئی 1954ء تک لکھے ہوئے خطوط بھی موجود ہیں۔ ان کے علاوہ احمد ندیم قاسمی اور خدیجہ کو لکھے ہوئے خط اور مختلف 23 انٹرویز کے اقتباسات بھی موجود ہیں۔ ان خطوط میں خود فیض نے اپنی شاعری و فنی ترجیحات کا ذکر بھی کیا ہے۔

"فیض کی دولت تنہائی" کے عنوان سے مضمون صفحہ 130 تا 136 پر چھپا ہوا ہے جس میں فیض کی تین نظموں "تنہائی"، "قید تنہائی" اور "آج شب کوئی نہیں" کا ایک خاص انداز اور نقطہ نظر سے جائزہ لیا گیا ہے، جس میں مختلف ناقدوں جیسے ڈاکٹر جمیل جالبی، پروفیسر سید عصمت اللہ، روسی اسکالر لدمیلا وسیلیوا اور پروفیسر کلیم احمد صدیقی کے نظریات کو سمجھنے اور سمجھانے کی سعی کی گئی ہے۔

"فیض، مصور نقوش قد و خال حسن" مضمون صفحہ 137 سے شروع ہوتا ہے۔ فیض کے ہاں غالب و اقبال کی طرح فلسفہ زندگی، شاعری کا موضوع نہیں بلکہ زندگی کے مسائل ملتے ہیں۔ مختلف شعراء کے اشعار کے ساتھ فیض کے اشعار کو پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر تقی عابدی لکھتے ہیں:

"فیض کا عشق ماورائی نہیں بلکہ مادی ہے، جس میں ان کی حقیقی جیتی جاگتی، خوب صورت حسین پیکر محبوب کا جلوہ نمایاں ہے۔ یہ جلوے نہ صرف وہ خود دیکھتے ہیں بلکہ رقیب کو بھی دکھاتے ہیں۔ جس سے یہ لگتا ہے فیض کو سراپا مجسم رکھتا ہے اور اسی کے ساتھ پر زندگی بسر کی۔

وہ سرو و سمن ریحانِ وطن

او دیس سے آنے والے بتا

اسی طرح فیض کی نظم کا بند ہے:

نثار میں تری گلیوں کے اے وطن کہ جہاں
بجھا جو روزنِ زنداں تو دل یہ سمجھا ہے
کہ تیری مانگ ستاروں سے بھر گئی ہوگی
چمک اُٹھے ہیں سلاسل تو ہم نے جانا ہے
کہ اب سحر ترے رُخ پر بکھر گئی ہوگی
غرض تصورِ شام و سحر میں جیتے ہیں
گرفتِ سایۂ دیوار و در میں جیتے ہیں

فیض اور اختر شیرانی کی شاعری کے مطالعے سے اس مضمون کا حاصل یہ ہے کہ فیض نے رومانی مکالمہ نگاری، تشبیہات، استعارات اور علامات کا عمدہ ذخیرہ اور انوکھا استعمال بڑی حد تک اختر شیرانی سے خوشہ چینی ہوگا۔

"کون بڑا؟ جوش یا فیض" بھی اسی طرح کا مضمون ہے جو صفحہ 153 تا 169 پر محیط ہے۔ فیض اور جوش ہم عصر تھے، تقریباً پچاس سال تک ایک دوسرے کا ساتھ رہا۔ اس میں فیض اور جوش کی شخصیتوں اور مزاجوں کے فرق پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے، جیسے فیض خاموش اور ساکت تو جوش بسیار زبان اور پُرگفتار، فیض نرم خو اور دھیمے لہجے کے مالک تو جوش گرم خو اور جوش و خروش کا پیکر، فیض منکسر المزاج اور خاکسار تو جوش جلالی مزاج اور انانیت کا خالق۔ یہ سارا مضمون لکھتے ہوئے یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اپنے مزاج کی ان ساری باتوں کے باوجود فیض نے کبھی جوش کے مقابل صف آرائی نہیں کی۔

"فیض کے کلام میں غلطیاں اور اسقام" مضمون صفحہ 176 سے 197 تک پھیلا ہوا ہے۔ یہاں یہ بات کہنا مناسب سمجھتا ہوں کہ کلامِ خالق اور مخلوق کا یہ فرق ہے کہ ایک اغلاط سے پاک اور دوسرا نقص سے بھرا۔ فیض کی شاعری بھی اغلاط اور تسامحات سے پاک نہیں ہو سکتی، دنیائے ادب میں ہر شاعر کے یہاں یہ چیزیں پائی جاتی ہیں۔ ان کی حرف

صفحۂ قرطاس پر بکھر گئی ہیں، وہ مقدم کی گئی ہیں۔" (ص 304)

فیض کا منظوم ترجمہ "پیامِ مشرق" (تحقیقی مطالعہ) صفحہ 340 تا 347 پر محیط ہے۔
یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ فیض کا شمار اردو کے ان معدودے چند شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے دوسرے شعرا کے کلام کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ فیض نے علامہ اقبال کے "پیامِ مشرق" کے انتخاب کا منظوم اردو ترجمہ کے علاوہ داغستان کے ملک الشعرا رسول حمزہ توف، ترکی کے معروف شاعر ناظم حکمت اور قزاقستان کے ممتاز شاعر اوجز محمد علی ییف کی بعض نظموں کا منظوم اردو ترجمہ بھی کیا ہے۔

"فیض کا ادبی مناظرہ بعنوان "پیکِ چند" صفحہ 348 تا 351 تک ہے۔ یہ ادبی مناظرہ کے پروگرام میں فیض اور آغا عبدالحمید کی یہ بحث 18 جون 1941ء آل انڈیا ریڈیو لاہور سے نشر کی گئی تھی۔ یہاں اس کے چند اہم حصے بطور اقتباس پیش کیے گئے ہیں۔ جس سے فیض کے نظریات کا علم ہوتا ہے، جہاں پر چند تخلیقات ان کی ادبی، لسانی، اخلاقی اور ادبی اقدار پر بحث کی گئی ہے۔

"فیض کا عقیدہ" (مستند حوالوں کی روشنی میں) صفحہ 352 تا 364 پر محیط ہے۔
اس مضمون میں ہمیں فیض کے ذاتی حالاتِ زندگی کا پتہ چلتا ہے، خصوصاً فیض کی شادی ایلس کیتھرین جارج سے جو 28 اکتوبر 1941ء کو ہوئی۔ اس وقت وہ ہیلی کالج آف کامرس لاہور میں استاد تھے۔ ایلس کی بڑی بہن کرس کی شادی ڈاکٹر دین محمد تاثیر سے ہوئی تھی اور وہ ایم اے او کالج امرتسر کے پرنسپل تھے۔ فیض اسی کالج میں 1935ء سے انگریزی ادب پڑھا رہے تھے۔ ایلس کے والد مسٹر جارج کی لندن میں کتابوں کی دکان تھی۔ وہ اپنی بڑی بہن سے ملنے کے لیے لندن سے امرتسر آئی ہوئی تھیں کہ فیض سے ملاقات ہوئی۔ دونوں کی فکر و نظر میں مماثلت اور ہم آہنگی (کمیونسٹ آئیڈیالوجی) نے ایک دوسرے کو پسند کیا اور شادی طے کر لی۔ شادی مہاراجہ ہری سنگھ کے "پری محل" سری نگر میں انجام پائی کیوں کہ اس وقت ڈاکٹر تاثیر اپنی ملازمت کے سلسلے میں سری نگر گئے تھے اور ان کے ساتھ ایلس بھی۔ اسلامی شرع کے مطابق شادی ہوئی، شیخ محمد عبداللہ نے نکاح پڑھایا۔ فیض کی والدہ نے ایلس کا اسلامی نام کلثوم رکھا جو معروف نہ ہو سکا۔

ے لطیفے" عنوان کے تحت فیضؔ سے وابستہ چند ظریفانہ لطیفے پیش کیے گئے ہیں یہاں ایک لطیفہ معروف اسکالر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد شکیب کی زبانی ملاحظہ فرمائیں

> "فیضؔ صاحب اور گوپی چند نارنگ صاحب کو ایک ہی دن لندن سے واپس ہونا تھا۔ دونوں کے ہوائی جہازوں کا فلائٹ نمبر بھی قریب قریب ایک ہی تھا، پروازیں مختلف۔ افتخار عارف اپنی کار میں ان دونوں کو لے کر ہیتھرو ایئرپورٹ کی طرف اس طرح چلے کہ سامنے افتخار عارف کے برابر میں نیازی بیٹھے تھے اور پچھلی نشست پر فیضؔ صاحب اور گوپی چند نارنگ کے ساتھ میں بیٹھا ہوا تھا۔ راستے میں سامنے سے ایک بہت بڑی ویگن اس طرح گزری کہ نوسکھ افتخار عارف کسی قدر گھبرائے اور اس کا اثر ان کی گاڑی چلانے پر اس طرح ہوا کہ ان کی گاڑی کسی قدر ڈگمگائی۔ اس پر نارنگ صاحب نے کہا "فیضؔ صاحب! اردو شاعری کا مستقبل خطرے میں معلوم ہوتا ہے۔" فیضؔ صاحب نے برجستہ کہا "اردو تنقید کا مستقبل بھی کچھ زیادہ محفوظ نہیں ہے۔"

صفحہ 485 سے 489 پر دو مختصر مضمون "فیضؔ کی نعت" اور "شام غربت" ہیں۔ یہاں صاف محسوس ہوتا ہے کہ اشتیاق عابدی صاحب نے ترتیب کا خیال نہیں رکھا۔ اس سے پہلے بھی ایک مضمون "فیضؔ کا مرثیہ امام" شامل ہے۔ کاش کہ یہ مضامین ایک ساتھ ترتیب وار پیش ہوتے۔ بہر حال یہاں جو خاص پیش کش ہے، وہ فیضؔ کے مجموعہ کلام "غبار ایام" میں شامل "نعت" جو فارسی میں لکھی ہوئی ہے۔ اس نعت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ہر شعر محروم، مجبور، مظلوم اور مغموم افراد کے جذبات سے بھرپور عقیدت سے کہی ہوئی جذبات نگاری ہے۔ فیضؔ کی حمد ہو کہ نعت ہو کہ مرثیہ ان کا انداز بہت جداگانہ ہے۔ یہاں مصنف نے اس نعت کے ہر شعر کی تشریح اردو میں کی ہے۔ نعت کا پہلا شعر اور اس کی تشریح پیش ہے ملاحظہ فرمائیں:

"اے تو کہ ہست ہر دل محزوں سرائے تو
آوردہ ام سرائے دگر از برائے تو

ایسا سناٹا کہ شمشانوں کی یاد آتی ہے
دل دھڑکنے کی بہت دور صدا جاتی ہے"

اس کے بعد آیندہ صفحات میں "فیض اور ایرانی انقلاب" "جو میر احمد رشتہ نے (فیض کے خطوط سرفراز کے نام۔۔۔) صفحہ 490 تا 504 پر پیش ہیں۔ صفحہ 505 سے 565 تک فیض کی تصانیف، فہرست، منتخب کلام، تراجم، نوادرات، انتسابات تصانیف، فیض کا غیر مدون کلام (جو کسی مطبوعہ مجموعہ میں نہیں ہے) تحقیقات فیض پر ایک نظر، فیض پر مرتبہ کتب و رسائل، فیض پر مرتبہ مضامین کا ذخیرہ، فیض کا غیر مدون کلام اور تہنیت تفصیل سے لکھے گئے ہیں اور "فیض شناسی" کے اختتامی تین صفحات پر مکمل صادقین کے ہاتھ کی 19 جنوری 1977ء کے خوب صورت نمونے شامل ہیں۔

آخر کار اردو ادب کا یہ بلند قامت شاعر جسے ہم فیض احمد فیض کے نام سے جانتے ہیں۔ 20 نومبر 1984ء کو اس جہانِ فانی سے کوچ کر گیا۔ ایلس فیض بھی 12 مارچ 2003ء لاہور کے ایک ہسپتال میں دم توڑ دیں اور اپنے رفیقِ حیات سے جا ملیں۔ ماڈل ٹاؤن لاہور کے قبرستان میں مدفن ہیں۔۔۔ "اب وہ جو چاہے شہ و مدام"

"فیض شناسی" اردو ادب میں ایک قابل قدر اضافہ ہے، جس کا مطالعہ فیض سے شناسائی کے لیے واقعی ہر زاویۂ نگاہ سے بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ ڈاکٹر تقی عابدی قابل مبارک باد ہیں کہ انھوں نے اردو ادب میں فیض پر نہ صرف "فیض شناسی" جیسی بلکہ ایک اور مستند و معتبر کتاب "فیض فہمی" بھی بہت پہلے 2011ء میں شائع کی ہے۔

یہ حال کہ بھوپال کے اس پر احسان مند تھے کہ اس شہر نے علامہ اقبال کی مہمان نوازی کی تھی۔

فیض کا عقیدہ - یہ باب اس معنی میں بہت اہم ہے کہ اس کے مطالعہ سے بہت سی مہلک غلط فہمیوں کا ازالہ ہوتا ہے۔ ترقی پسندوں کے بارے میں یہ تصور عام ہے کہ وہ خدا کے وجود کے انکاری ہوتے ہیں۔ عابدی صاحب نے بہت محنت سے اور مستند حوالوں کی روشنی میں کثیر مواد اس ضمن میں جمع کر دیا ہے کہ جس کو پڑھ کر ہر طرح کا Confusion دور ہو جاتا ہے۔ افتخار عارف کے سوال علامہ اقبال سے ملاقات کا جواب دیتے ہوئے فیض فرماتے ہیں۔ ''انجمن اسلامیہ کا ہر سال ایک جلسہ ہوتا تھا، ہماری عمر چار پانچ سال رہی ہوگی، ہم نے قرآن حفظ کرنا شروع کیا تھا، جلسہ میں ہمیں قرأت کرنے کے لیے کھڑا کر دیا گیا۔ ہم نے وہاں تھوڑی سی تلاوت کی۔'' یہ ہماری پہلی Public appearance تھی۔'' فیض نے ۳ پارے حفظ بھی کر لیے تھے۔ آنکھوں کی بیماری کی وجہ سے یہ سلسلہ قائم نہ رہ سکا۔'' (ص ۳۵۲-۳۵۳)

فیض مسلمان خاندان میں پیدا ہوئے۔ گھر کا ماحول مذہبی تھا۔ ان کی آخری رسومات بھی اسلامی شرع پر ہوئیں۔ ۱۹۴۱ء میں ایک انگریز خاتون سے عقد نکاح کرکے گھر میں ہوا۔ شیخ عبداللہ نے نکاح پڑھا۔ انگریز خاتون کا اسلامی نام کلثوم رکھا گیا۔ فیض نے اپنی کتاب ''دست صبا'' کا انتساب کلثوم کے نام کیا۔ (ص ۳۵۳)

فیض کے کلام میں غلطیاں اور اسقام -- یہ باب ہمارے نزدیک ڈاکٹر تقی عابدی کے لیے اصل امتحان رہا ہوگا۔ اس باب میں فیض کے کلام پر مشاہیر ادب کے اعتراضات کا ذکر ہے۔ یہاں ڈاکٹر عابدی کی جرأت اظہار کی داد دینی پڑتی ہے کہ بڑے حوصلے سے اعتراضات کو صحیح ٹھہرایا ہے یا غلط قرار دیا ہے یہ دیکھے بغیر کہ معترض کون ہے اور کس مرتبہ کا حامل ہے۔ اس سے ڈاکٹر عابدی کے خلوص کا اعتبار قائم ہوا ہے۔

مرحوم رشید حسن خاں جنھوں نے ''فسانۂ عجائب'' جیسی مشکل کتاب سے متن کی تحقیق جدید سائنٹفک اصولوں پر کرکے اردو ادب پر احسان کیا ہے، فیض کی شاعری پر شدید قسم کے اعتراضات کیے ہیں۔ عابدی صاحب نے رشید صاحب کے تمام مراتب و عظمت

جانے والا جو کھم بھرا کام ہے۔

مختار شمیم

ڈاکٹر سید تقی عابدی اور فیض شناسی

اردو تحقیق و تنقید کے باب میں کئی ایک بڑی شخصیتیں ہیں، جو ہمارے لیے باعث افتخار ہیں۔ انھیں میں سے ایک مشفق خواجہ مرحوم اور ان کے بعد اب ڈاکٹر سید تقی عابدی ہیں جنھیں بلا شبہ معاصر اردو ادب کی آبرو کہا جا سکتا ہے۔

ادب سے دیوانگی کی حد تک مشفق خواجہ کے ذوق و شوق کی حکایات صفحہ در صفحہ ان کی تصنیفات میں موجود ہیں۔ ان کے جیسے ذہن رسا اور ان کے مطالعہ کی جہت سے یقینی ایک خلا محسوس کیا گیا۔ لیکن اسی دوران ڈاکٹر سید تقی عابدی کی ہمہ گیر شخصیت نے جہان ادب کو متوجہ کیا اور اپنے پاکیزہ تحقیقی و تنقیدی ذوق کی بدولت جلد ہی اپنی ادبی فتوحات کا اعلان بھی کر دیا۔ محققین ادب کے شمس الرحمن فاروقی اور پروفیسر گوپی چند نارنگ بھی ڈاکٹر سید تقی عابدی کے ان کارناموں پر انگشت بدنداں ہیں۔

بقول میر انیس ؎

لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

ڈاکٹر سید تقی عابدی کی مہاجر زندگی نے جو پیشہ اپنایا، وہ مسیحائی کا ہے۔ تاہم مسیحائی نے انسان اور انسان کے دکھ اور درد کی چبھن محسوس کرائی اور ادب سے ان کا رشتہ مضبوط کیا۔ جس کے ساتھ مذہبی، اخلاقی اور سماجی جہتیں انھیں راہ دکھاتی رہیں۔ یہاں تک کہ زندگی کی تہذیب کے لیے ان کی تنقیدی فکر نے اعلیٰ ادبی معیار قائم کیا اور تحقیقی شعور نے عرفان، آگہی اور بصیرت و فضیلت کی راہیں ہموار کیں۔

ادبی تنقید و تحقیق کے باب میں ڈاکٹر سید تقی عابدی کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے

بھی در آتی ہے، تاہم ڈاکٹر سید تقی عابدی کی ذکاوت، ذہانت، نقد و نظر کی ہمہ گیریت، تحقیقی بصیرت اور مطالعہ کی وسعت نے انھیں صرف اور صرف صداقت کا پیروکار بنایا ہے۔ اس سے خود بخود ان کی تحریروں میں متوازن نقطۂ نظر پیدا ہو گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ ادب کی کوئی صورت ہو ذاتی ذوق اور وجدان کی کارفرمائی اسے نہ صرف یکسر دلچسپ بناتی ہے بلکہ کسی نہ کسی قدر کی علامت کے طور ہمارے لیے اس کا مطالعہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔ یوں "فیض شناسی" بھی فیض قدر شناسی ہے اور یہ ہماری تہذیبی اقدار کی آئینہ دار ہے۔

صاحبو! فراق کا یہ دعویٰ غلط تو نہیں تھا کہ ایک دن آنے والی نسلیں اس پر فخر کریں گی کہ فراق کو دیکھا تھا۔ وہ میری خوش نصیبی کا دن تھا جب "جشن فیض" کے موقع پر جے پور میں نہ صرف میں نے فیض کو دیکھا تھا بلکہ ان سے ملاقات اور گفتگو کا شرف بھی مجھے حاصل ہوا تھا۔ فیض نے بھرے جلسے میں بار بار کہا تھا۔ "ہم تو محبت بانٹتے ہیں، ہم تو محبت کی بات کرتے ہیں" یعنی فیض کا پیغام انسان کے نام محبت کا پیغام تھا۔ ۱۹۸۲ء کی اس مختصر ملاقات میں فیض کے چہرے کی معصومیت اور شفقت، گفتگو میں پھول جھڑنے کی علامات ان کی دھیمی دھیمی مسکراہٹ میں موجود تھیں، آج بھی ان کی زمزمہ باتوں کی خوشبوؤں سے دل و جاں معطر ہے۔

فیض محبت کے شاعر تھے اور واقعی ان کی شاعری محبت کا حوالہ ہے۔ اردو تنقید کی عام روش کے مطابق فیض نے اپنی شاعری کا سفر غم جاناں سے شروع کیا تھا، اسے غم دوراں کی منزلوں تک بھی جاری رکھا۔ بعض ناقدین نے فیض کو خالص رومانی شاعر کہا ہے تو بعض کے نزدیک "مجھ سے پہلی سی محبت مرے محبوب نہ مانگ" کے حوالے سے انھیں ترقی پسند شاعر اور ایک معنی میں نجات دہندہ قرار دیا ہے۔ چند دوسروں کا خیال ہے کہ فیض کے یہاں رومانیت اور اشتراکیت شیر و شکر نظر آتی ہیں۔

رومانیت اور اشتراکیت یا ترقی پسندی کے حوالے سے میری گزارش ہے کہ یہ ایک طویل بحث کا موضوع ہے لیکن کئی وجوہ سے اس بحث کے لیے یہ موقع مناسب نہیں ہے۔ بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ فیض کی شاعری کے نکات و نکتے کے لیے "فیض شناسی" کے ایک مضمون سے ڈاکٹر سید تقی عابدی کی تحریر کے اقتباس یہاں درج کرنا چاہیے۔

کہی جا سکتی ہیں۔ یہ نظمیں کشاکشِ حیات، ظالم و مظلوم کا مقابلہ اور عظمتِ کردار کے ذکر
کے ساتھ ساتھ عالمِ انسانیت کی فلاح و بہبود کے تناظر میں لکھی گئی ہیں۔ فیض اپنے دلکش
اسلوب، اختصار و جامعیت، الفاظ کی معنویت اور دردمندانہ لہجے کی وجہ سے ہم عصر اردو
شاعری میں مابہ الامتیاز بنے ہیں۔ میں ڈاکٹر سید تقی عابدی کے ذہنِ رسا کی داد دیتا ہوں کہ
انھوں نے فیض کی ان نظموں کا سیر حاصل تجزیہ اور ان کا ترجمہ پیش کیا ہے۔ فیض کی ان
نظموں میں مذہبی عناصر کے باوجود ان کی تمکنت، انداز و اسلوب اور پروقار لہجے کے ساتھ
عالمی برادری میں امن و امان کی صورت گری اور انسانیت کے سوز و غم کو جس طرح پیش کیا
ہے وہ فیض ہی کا حصہ ہے۔ "شامِ غربت" (یا شامِ غریباں)، "ویبقی وجه ربك"
(ایران میں اسلامی انقلاب کے سلسلے میں) اور "مرثیہ امام" فیض کی اعلیٰ شاعری کی
مثالیں ہیں۔ ان نظموں کا عالمانہ تجزیہ ڈاکٹر سید تقی عابدی کی بصیرت، ان کی گہری فکری
جہت کے ساتھ ہی خیالات کی پاکیزگی، ندرت کی روشن دلیل اور یادگار حقیقت ہے۔ واقعہ یہ
ہے کہ "فیض شناسی" کا ہر صفحہ ان کی کشادگیٔ قلب و نظر سے منور ہے۔

عجیب واقعہ ہے کینیڈا سے ہی ۱۹۹۳ء میں جناب اشفاق حسین کی دو جلدوں میں
"مطالعۂ فیض" کی پیشکش کے بعد کینیڈا میں ہی رہائش پذیر ڈاکٹر سید تقی عابدی نے
"فیض فہمی" کے بعد ۲۰۱۳ء میں "فیض شناسی" کی اشاعت کو ممکن بنا کر یہ ثابت کیا
ہے کہ "دیکھو اس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا"۔

انداز کی ہو۔ کتاب ایسی نوعیت کی ہے کہ جہاں سے دیکھیں۔ وہ حصہ آپ کو اپنی گرفت میں لے لے گا۔ بقول فیضی، آپ مجھے Blasphemy میں ملزم نہ گردانتے، تو مہدی صاحب عرض ہے ؎

آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

آپ اس عرصہ میں تین اور مضامین لکھ چکے ہیں ؎

قلم و دوات و کاغذ ہمہ تیغ کردہ فرس

کہ بہ وصف چشم خوباں ورقے سیاہ سازد

(غنی کاشمیری)

فراہم کیا ہے۔ فیض پر ریزہ ریزہ معلومات کو ذہن میں رکھ کر مواد جمع کیا۔ تحقیق و تنقید کی راہ
ہموار کی ہے۔ دراصل "فیض شناسی" ڈاکٹر عابدی کا ایک بڑا تحقیقی کارنامہ ہے جو ان کے
مستحکم ارادے اور پرعزم حوصلے کی ایک زندہ مثال ہے۔

ادبی دنیا کے وسیع و عریض پہلوؤں کا مطالعہ دل جمعی کے ساتھ کرنا، متعدد اہل
قلم کے حوالوں کے مثبت پہلوؤں کو پیش کرنا یا غور و فکر کے بعد تحقیقی مواد جمع کرنا تحقیق کی
اصل روح ہے۔ فیض کی ذات اور فن سے لگاؤ کے باعث مصنف نے تحقیق کا بیڑا اٹھایا اور
کل 160 مضامین کا انتخاب کیا جس میں ڈاکٹر عابدی کے 40 تحقیقی مضامین شامل
ہیں۔ یہ مجموعہ مضامین "فیض فہمی" کے نام سے 2011ء میں لاہور سے شائع ہوا۔ بعد میں
یہی 40 مشمولہ تحقیقی مضامین انفرادیت کے باعث مشہور ہوئے اور "فیض شناسی" کے
نام سے شائع ہو کر ہمارے سامنے آئے ہیں۔ مذکورہ مضامین میں ڈاکٹر تقی عابدی نے فیض کے
چھوٹے اور اچھوتے پہلوؤں کو پیش کیا ہے جو تحقیق فیض میں نظر انداز نہیں کیے جا سکتے۔
پچھلے صفحات میں ہم نے ان کے چند مخصوص مضامین کا ذکر کیا ہے تاکہ فیض کے حوالے سے
ڈاکٹر تقی عابدی کی تحقیقی عظمت واضح ہو سکے۔

آخر میں ان کی اس مشہور کتاب "فیض فہمی" پر بھی سرسری نظر ڈالنا ضروری ہے۔
اس حوالے سے اگر ہم ڈاکٹر تقی عابدی کی ادبی فکر و نظر کا مجموعی طور پر مطالعہ کریں تو ان کی
تحقیق ادب یا تدوین ادب پیش کرنے میں اولیت رکھتی ہے جو ہمارے مطالعے کے بغیر
ممکن نہیں۔ کتاب "فیض فہمی" بھی ڈاکٹر عابدی کے ذوق مطالعہ کی ترجمان ہے۔ اس
کتاب کے مطالعے سے علم ہوتا ہے کہ مرتب و مصنف کی نظر ادب پر گہری ہے۔ فیض
سے متعلقہ مضامین سے خصوصی واقفیت بھی ہے اور انھوں نے ہر مضمون کا بغور مطالعہ
بھی کیا ہے۔ انھوں نے اپنی اس انتخابی مہم میں مشاہیر اہل قلم کے منتخب مضامین شامل
کیے ہیں۔ یہ مضامین تنقید، تحقیق، تبصرہ اور تجزیہ کی شکل میں ہیں۔ جو مفید ارشادات و
نظریات کے حامل ہیں اور فیض کی شخصیت اور فکر و فن کے کئی نئے پہلوؤں پر روشنی ڈالتے
ہیں۔ انھوں نے فیض کے مختلف شخصی اور ادبی پہلوؤں سے بھرے ہوئے سرمایۂ ادب کو
بڑی جاں فشانی اور خوبی کے ساتھ جمع کیا ہے۔ یقیناً یہ ایک بڑا کارنامہ ہے۔ مرتب کی

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھہرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں

پھر مولانا حالی کی تصویر نظر آتی ہے اور وہ سر پر رنگ کی ٹوپی پہنے ہوئے اپنے گلے میں گاندھی کالے گلوبند پہنے نظر آتے ہیں۔ اس کے نیچے یہ عبارت درج ہے۔ تحقیق، تدوین، تشریح ڈاکٹر سید تقی عابدی

یہ دیدہ زیب کتاب دہلی ایجوکیشنل پبلشنگ کی طرف سے شائع شدہ ہے۔ ایک ورق چھوڑ کر ہی اردو زبان کے اس محسن کے تعارف کے سلسلے میں قارئین کرام کے مطالعہ کے لیے درج ذیل احوال لکھے گئے ہیں

• نام سید تقی حسن عابدی، • ادبی نام تقی عابدی، • تخلص تقی، • والد کا نام سید سبط نبی عابدی مرحوم، • تاریخ پیدائش یکم مارچ ۱۹۵۲ء، • مقام پیدائش دہلی، • پیشہ طبابت، • ذوق شاعری، ادبی تحقیق وتنقید، • قیام ہندوستان، ایران، برطانیہ، امریکہ، کینیڈا

اس کے بعد اور بھی چند معلومات ہیں جن کو طوالت کے خوف سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر تقی عابدی کے بارے میں اس شخصی تعارف کے بعد کتاب میں ایک فہرست مرتب کی گئی۔ جس کے باب اول میں مولانا حالی مرحوم کے بارے میں ابتدائیہ شخصیت وفن کے عنوان کے تحت درج ذیل سرخیاں ہیں

عکس مولانا حالی۔ اس کے تحت اس ضخیم کتاب کے صفحہ نمبر 30 پر مولانا حالی بیٹھے ہوئے ایک چادر اوڑھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کے پیچھے شیشوں پر چھت کی تنیں ہیں اور تصویر کے نیچے مولانا الطاف حسین حالی مشہور مصور آفتاب ظفر کی نظر میں لکھا ہوا ہے۔ صفحہ نمبر 36 پر حالی کی ایک خوشنما تصویر ہے اور اس کے نیچے مولانا الطاف حسین حالی 1836ء۔1914ء درج ہے۔ صفحہ نمبر 37 پر راست سے چپ۔ مولانا حالی، ڈپٹی نذیر احمد، محسن الملک، وقار الملک، شمس آزاد، شبلی نعمانی کی تصویریں ہیں۔ صفحہ نمبر 38 پر مولانا حالی مرحوم کا عکس تحریر ہے جو کہ موجودہ دور کے عام قاری کی تحریری صورت میں ہے اور عام آدمی کے لیے اس کا پڑھنا قدرے محال ہے اس کے بعد صفحہ نمبر 39 پر سرسید اور حالی کی تصویر ہے جس کے نیچے یہ درج ہے۔ عکس مکتوب سرسید بنام مولانا حالی۔ اس کا پڑھنا بھی مشکل ہی نظر آتا ہے

حالی سخن میں شیفتہ سے مستفید ہے
غالب کا معتقد ہے، مقلد ہے میر کا

محمد حسین آزاد، شبلی نعمانی، ڈپٹی نذیر احمد وغیرہ کے مصاحب رہے تھے۔ حالی تنقید اور جدید نظم کے پیشوا بھی تھے، نثری کارناموں میں وہ "حیات جاوید"، "حیات سعدی" اور "یادگار غالب" اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔ اور شعر و شاعری کے میدان میں مولانا حالی نے ساڑھے نو ہزار اشعار قلم بند کیے تھے۔ مگر مولانا حالی کا اصلی کارنامہ شعر و ادب میں جدت، مقصدیت اور سماجی شعور بیدار کرنا ہے جو ان کا مطمح نظر تھا۔

اس عنوان "حرف چند" پیش لفظ کے تحت تقی عابدی رقم طراز ہیں کہ حالی نے اپنی زندگی کے آخری سال یعنی 1916ء میں اپنی فارسی و عربی نثر و نظم کا مجموعہ ضمیمہ اردو "کلیات نظم حالی" مرتب کر کے شائع کیا۔ مگر کلیات کی ترتیب اور طباعت نہ ہو سکی۔

ڈاکٹر تقی عابدی کی اس بیش بہا کتاب کے صفحہ نمبر 53 پر حالی کی کہانی حالی کی زبانی کے تحت ایک اور مضمون درج ہے جو کہ نواب عماد الملک بہادر مولوی سید حسین صاحب بلگرامی کی فرمائش سے لکھی گئی تھی۔ اس میں مولانا حالی اپنی ولادت اور دوسری سوانحی کیفیات کو اپنی خودنوشت رقم کرتے ہیں۔ دیباچہ دیوان حالی، دیباچہ مسدس مد و جزر اسلام، دیباچہ متعلق بہ ضمیمہ مسدس مد و جزر اسلام مرقومہ ۱۳۰۳ھ مطابق 1886ء، دیباچہ نظم حالی (مولانا حالی) مرقومہ ۱۲۹۶ھ مطابق 1879ء، دیباچہ ضمیمہ اردو کلیات نظم حالی (مولانا حالی) کے مضامین کے بعد مولانا حالی کی حیات اور شخصیت کا عنوان کتاب میں موجود ہے۔ اس عنوان کے تحت مولانا حالی کا نام، تخلص، تاریخ ولادت، مقام ولادت، والد، دادا، پردادا، جد، خاندان، بھائی بہن کی تفصیلات درج کی گئی ہیں۔ سوانحی تفصیلات پر مبنی یہ مضمون طویل ہے اور 40 صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس میں اردو ادب سے دلچسپی رکھنے والے شاعر کے بارے میں اور بھی بہت سی باتیں لکھی گئی ہیں۔ مثلاً حالی کی شریک حیات، اولادیں، حالی اور فیضی، اخلاق و کردار، قومی درد سے محبت، مذہب، اوقات، مسافرت، شمس العلماء کا خطاب، پوشاک، خوراک، آغاز شاعری، پرانے شاگرد، شیفتہ کی مصاحبت جیسی سرخیاں لگا کر تحقیق کرنے والے اسکالرز کے لیے کتاب کا یہ مضمون بہت

محمد رکن الدین
ریسرچ اسکالر، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

ڈاکٹر تقی عابدی کی حالی فہمی

("کلیات حالی" کی روشنی میں)

مولانا الطاف حسین حالی اردو ادب میں کئی جہتوں سے متعارف اور مشہور ہیں۔ ان کی ادبی خدمات پر ہر دور اور ہر زمانے میں لکھا گیا ہے، آج بھی ان پر کام ہو رہا ہے اور آئندہ بھی ان کے فکر و فن پر اہل قلم خامہ فرسائی کرتے رہیں گے۔ کسی بھی شخصیت کے پہلو پر گفتگو کرنے یا لکھنے میں صاحب قلم کی دلچسپی، اس کے ذہن کی رسائی، دور رسی کی فکر کے ساتھ ساتھ طریقہ کار پر منحصر ہوتا ہے کہ ممدوح موصوف نے کن گوشوں کو اپنی تحریر میں موضوع بحث بنایا؟ اور اس میں وہ کتنا کامیاب رہا؟ نیز کون سا پہلو تشنہ رہ گیا؟ اور اسے مزید بہتر بنانے کی کیا صورت ہو سکتی تھی؟ موجودہ عہد میں حالی کی شعری خدمات کو یکجا کرنے کے باب میں عصر حاضر کا ایک بڑا نام ڈاکٹر سید تقی عابدی کا ہے۔ جنھوں نے خواجہ الطاف حسین حالی کی کلیات کو جدید انداز میں سجایا، انوکھے طریقے سے سنوارا اور اسے دستاویزی شکل دینے کی مبارک سعی کی ہے۔ اس اہم تحقیقی تصنیف کا نام "کلیات حالی" ہے۔ حالی کی عکسی تحریریں، تصویریں اور حالی کا مسودہ اس کتاب کا اہم حصہ ہیں اور اس کی خوب صورتی کو دوبالا کرتی ہیں۔ جو یقیناً حالی فہمی اور شخصیت شناسی میں بے حد معاون اور سود مند ہیں۔ تقی عابدی کی اس تحقیق میں کائنات حالی کی مختلف جہتیں اور گوشے ہیں جو ارباب حل و عقد کے لیے نایاب تحفہ، قند شیریں اور ایک لاجواب ہدیہ ہے۔ حالی ترقی پسند شاعر، اردو تنقید کے بنیاد گزار اور جدید نظم کے روح رواں تھے۔ شعری تنقید میں حالی کی تصنیف "مقدمہ شعر و شاعری" کو اولیت حاصل ہے۔ نثر کی نمونے "حیات جاوید"، "یادگار غالب" اور "حیات سعدی" اردو ادب میں تاریخی اور سوانحی تحریروں میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ حالی کی شعری

حالی" 1890ء میں اور "دیوانِ حالی مع مقدمہ شعر و شاعری" 1893ء
میں۔ حالی نے اپنی زندگی کے آخری سال یعنی 1914ء میں اپنی فارسی
اور عربی نظم و نثر کا مجموعہ "ضمیمہ اردو کلیاتِ نظمِ حالی" مرتب کر کے شائع
کیا لیکن افسوس زندگی نے وفا نہ کی۔ چنانچہ ضمیمہ تو چھپ گیا مگر کلیات
کی ترتیب اور طباعت نہ ہو سکی۔ حالی کے انتقال کے بعد اگرچہ حالی کے
نواسے نے حالی کا جانشین ہونے سے حالی کی مختلف اہم تصانیف عمدہ
طریقے پر شائع کیں لیکن کلیاتِ نظمِ حالی کی طباعت میں مشکلات کی یہ
رہیں کہ حالی کی بعض نظموں کے حقوقِ اشاعت بعض قومی اداروں اور
تاجروں کو حالی نے دے رکھے تھے اور وہ ان نظموں کی کلیات میں
شمولیت پر راضی نہ تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے مختلف مقامات اور مختلف
چھاپہ خانوں سے حالی کی تصانیف جن میں علاحدہ علاحدہ رباعیات
حالی، قطعات حالی اور حالی کی دیگر نظمیں شائع ہوتی رہیں۔"

مذکورہ بالا سطور حالی کی شعری تصنیفات سے واقفیت کے لیے کافی ہیں۔ حالی کے
بعد کن لوگوں نے اس طرف توجہ دی؟ یہ بھی ایک اہم سوال ہے۔ اس لحاظ سے کلیات
حالی کا جائزہ لیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ 1922ء میں شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے حالی کا غیر
مدوّن کلام یعنی باقیات حالی کا مجموعہ "جواہرات حالی" کے نام سے شائع کیا۔ جواہرات
حالی کی قدر دانی سے متاثر ہو کر اسماعیل پانی پتی نے "کلیاتِ نظمِ حالی" دو جلدوں میں
شائع کرنے کی ہمت کی لیکن یہ کام بہت مشکل تھا پھر بھی انھوں نے پہلی
جلد میں "دیوانِ حالی" مطبوعہ 1893ء اور "جواہرات حالی" 1922ء میں شائع شدہ کلام
کو اصناف کی ترتیب سے کلیات 1924ء میں پیش کیا مگر دوسری جلد کی طباعت سے
اردو دنیا محروم رہی۔ اس کے تقریباً پچیس سال بعد افتخار احمد صدیقی نے دو جلدوں میں
"کلیاتِ نظمِ حالی" کے عنوان سے حالی کے شعری سرمائے کو مجلس ترقی ادب لاہور سے شائع
کیا جو (بقول تقی عابدی) حالی کے کلام کے موجودہ نسخوں میں معتبر ثابت ہے۔

تقی عابدی حالی پر اپنی تصنیفات کی اہمیت بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں

3. رنج اور رنج بھی تنہائی کا
وقت پہنچا مری رسوائی کا
عمر شاید نہ کرے آج وفا
کاٹنا ہے شب تنہائی کا

•••

4. الغرض چپتے وقت مروت سے دور تھا
رو رو کے ہم کو اور رلانا ضرور تھا
تھی ہر نظر نہ محرم دیدار ورنہ یاں
ہر خار نخل ایمن و ہر سنگ طور تھا

•••

5. دل سے خیال دوست بھلایا نہ جائے گا
سینے میں داغ ہے کہ مٹایا نہ جائے گا
تم کو ہزار شرم سہی مجھ کو لاکھ ضبط
الفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائے گا

•••

6. مجھ میں وہ تاب ضبط شکایت کہاں ہے اب
چھیڑو نہ تم کہ میرے بھی منہ میں زبان ہے اب
وہ دن گئے کہ حوصلہ ضبط راز تھا
چہرے سے اپنے شورش پنہاں عیاں ہے اب

•••

دور جدید (1874ء تا 1893ء) کی غزلوں کی کل تعداد 201 ہے جن میں (863) اشعار ملتے ہیں۔ ان غزلوں کے چند شعر نمونے کے طور پر پیش ہیں

1. قبضہ ہو دلوں پر کیا اور اس سے سوا تیرا

اک بندہ نافرماں ہے حمد سرا تیرا

•••

2. اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا
جس گھر سے سر اٹھایا اس کو بٹھا کے چھوڑا
ابرار تجھ سے ترساں احرار تجھ سے لرزاں
جو زد پہ تیری آیا اس کو گرا کے چھوڑا

•••

3. جہاں میں حالی کسی پہ اپنے سوا بھروسہ نہ کیجیے گا
یہ بھید ہے اپنی زندگی کا بس اس کا چرچا نہ کیجیے گا

•••

4. معنی کا تم نے حالی دریا اگر بہایا
یہ تو بتائیں حضرت کچھ کرکے بھی دکھایا
[illegible]
خواب گراں سے تو نے ناحق ہمیں جگایا

•••

5. [illegible]
رنج اترے جی سے دل اکثر ایسا کرتا رہا
[illegible]
وہ عطا کرتا رہا اور میں خطا کرتا رہا

•••

[illegible] (1893ء-1914ء) [illegible]
جن میں کل (90) اشعار شامل ہیں۔

1. کہاں فکر میں اب وہ جولانیاں
وہ دریائے معنی کی طغیانیاں

کہاں وہ طبیعت کی رنگینیاں
وہ بزم سخن میں گل افشانیاں

•••

2 نفس کی فرماں روائی ہو چکی
خود پسندی خود نمائی ہو چکی
اب ہیں پیری کی عبودیت کے دن
بس جوانی کی خدائی ہو چکی

•••

3 تیر پیہم لگائے جاتا ہے
نظروں نظروں میں کھائے جاتا ہے
دیکھیے اور کیا دکھائے فلک
ابھی آنکھیں دکھائے جاتا ہے

•••

مذکورہ اشعار میں حالی کی نظمیں قومی و ملی اہمیت کی حامل ہیں باوجود اس کے حالی کی قدیم غزلیں ان کے شعری شعور اور فن کی غماز تھیں۔ جن میں تخیل کی روایتی چاشنی نے دو آتشہ کر دیا تھا۔ حالی شیخ سعدی، میر، غالب، انیس اور شیفتہ سے متاثر تھے جس کی جھلک ان کی غزلوں میں عیاں اور آشکارا ہے۔

حالی سخن میں شیفتہ سے مستفید ہے
غالب کا معتقد ہے مقلد ہے میر کا

حالی کی قدیم غزلوں کا مطالعہ بھی بتاتا ہے کہ وہ روایتی مضامین مثلاً معاملہ بندی، خمریات، تصوف اور فلسفہ وغیرہ سے دلچسپی رکھتے تھے لیکن ایسے اشعار ان کے مطبوعہ دیوان میں نہیں ملتے۔ بقول تقی عابدی

"یہ اور بات ہے کہ اگر حالی نے انھیں نکال دیا [illegible] ان کے
مضامین تمام تر اساتذہ شعرا کے باندھتے تھے جن سے حالی [illegible] تقلید"

دل پر درد سے کچھ کام لوں گا
اگر فرصت ملی مجھ کو جہاں میں

اپنی روداد تھی جو عشق کا کرتے تھے بیاں
جو غزل لکھتے تھے ہوتی تھی سراسر حالی

اردو شعری صنف سخن میں سب سے مقبول اور معروف صنف غزل ہے۔ حالی بھی اسی سمت میں طبع آزمائی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن انھیں سماج اور قوم کی ذہنی اور فکری تبدیلی کا خیال آیا تو اس طرف انھوں نے کافی سنجیدگی سے غور کیا اور محسوس کیا کہ یہ تعمیرِ قومی کی سطح پر کسی بھی طرح مناسب نہیں اس لیے اس صنف میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ واضح ہو کہ وہ دور ہندوستانی سیاست اور زندگی کے مختلف شعبوں میں تبدیلی کا دور تھا۔ ہر شعبے میں تبدیلی ہو رہی تھی۔ ہندوستانی سیاست عجیب و غریب کیفیت سے گزر رہی تھی اس لیے اردو ادب میں بھی حوالے سے غور و فکر کی ضرورت تھی۔ چنانچہ حالی اور دیگر دانشوروں کی مشترکہ کوششوں سے اردو کی شعری اصناف میں بھی تبدیلی آنے لگی۔ محمد حسین آزاد کی جہد مسلسل سے انجمن پنجاب کا قیام لاہور میں ہو چکا تھا۔ اس انجمن کے تحت نئی طرز کے جلسے کیے گئے جس میں منتخبہ موضوع پر شعری تخلیقات پیش کرنے کا تجربہ پہلی دفعہ اردو ادب میں سامنے آیا۔ پہلی بار غزل سے نظم کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی جا رہی تھی گویا اردو شعری ادب ایک تجرباتی دور سے گزر رہا تھا اور بہت حد تک کامیاب بھی رہے۔ دوسری طرف سرسید تحریک 1857 کی جنگ آزادی میں ناکام قوم کے سدھار کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔ سرسید تحریک بیک وقت تعلیمی اور سیاسی تبدیلیوں کے ساتھ اردو ادب میں تبدیلی کے خواہاں تھے۔ اتفاق ایسا کہ ان کے ہم عصر اردو ادیبوں نے بھی ان کی تحریک کو عملی جامہ پہناتے ہوئے نثری اور شعری اصناف تخلیق کر رہے تھے۔ جس کی وجہ سے اردو ادب میں حقیقی زندگی کا تصور سامنے آیا۔ نذیر احمد، شرر، سرشار اور رسوا وغیرہ نے جہاں نثر میں حقیقی زندگی کا نمونہ پیش کیا وہیں آزاد، حالی اور اکبر الہ آبادی وغیرہ نے شعری سرمایے میں تنوع پیدا کرتے ہوئے شاعری کو زندگی سے قریب کرنے میں نمایاں رول ادا کیا جو بعد کے ادیبوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوئے۔ حالی اس دوران مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کر رہے تھے۔ مسدس حالی دیکھ کر سرسید نے کہا تھا

"عنایت نامہ مع پانچ جلد مسدس پہنچے۔ جس وقت کتاب ہاتھ میں

چھاپ ہے جس سے بعد کی نسلوں نے کافی استفادہ کیا۔ اب شعری طبع آزمائی صرف ذہنی نہیں بلکہ مقصد حیات ثابت ہوئی۔ تقی عابدی نے "مسدس حالی" کی تفہیم آسان کرتے ہوئے ایک ضخیم مقدمہ لکھا ہے۔ جس میں "مسدس حالی" کی ادبی اور اصلاحی اہمیت افادیت پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے تقی عابدی لکھتے ہیں

"یہاں ہم "مسدس حالی" کی ادبی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ اصلاحی نظم کی ہیئت مسدس اس لیے رکھی گئی ہے۔ یہاں مختلف موضوعات کو مختلف شعری بندوں میں پیش کرکے زنجیر کے حلقوں کی طرح ایک دوسرے میں پیوست کیا جا سکے۔ مسدس واقعہ نگاری، واقعہ نگاری، منظر نگاری اور جذبات نگاری کے لیے شعری ہیئتوں میں سب سے عمدہ ہیئت یا فورم ہے۔ مسدس کی زبان سلیس، صاف، شگفتہ اور سادہ ہے۔ اس میں حالی کے عام فہم کے لیے سہولتیں موجود ہیں۔ تشبیہات، استعارات اور مشکل زبان کا ہجوم یہاں نہیں ہے۔ صنائع اور بدائع کا گورکھ دھندہ بھی یہاں نہیں۔ یہاں رمزیت اور تخیل کی خیال نگاری کی جگہ اصلیت اور حقیقت کا اظہار ہے۔ اس نظم میں مغربی طرز کی قدروں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے اور عربی فارسی کی تراکیب اور رنگین تعقید سے بھی اجتناب کیا گیا ہے۔ نظم کے لہجے میں مبالغہ، جھوٹ، تصنع، بناوٹ، خوشامد اور چاپلوسی کے مضامین کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ یہاں ادب برائے ہدف، شعر زندگی کی تفسیر اور شاعری کا مقصد حیات کی بیداری اور اخلاق کی بلندی کا ضامن ہے۔ بعض افراد جن کی زبانوں پر شاعری کے مشتبہ مضامین کا چٹخارہ لگا ہوا ہے مسدس کو چٹکلی نظم یا قومی مرثیہ کہتے ہیں لیکن اس مسدس کو اصلاح طلب شاعروں اور ترقی پسند ادیبوں نے کسی وقت کی رائی سمجھا، چناں چہ اپنے انداز میں اقبال، سرور جہاں آبادی، چکبست لکھنوی، جوش ملیح آبادی، نجم آفندی، سردار جعفری، فیض، م

مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں
کہے جو طبیب اس کو ہذیان سمجھیں

•••

دوا اور پرہیز سے جی چرائیں
یوں ہی رفتہ رفتہ مرض کو بڑھائیں

اردو ادب کا المیہ رہا ہے کہ ہر دور میں محسنِ اردو کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ آج بھی یہی صورت حال ہے۔ حالی، غالب اور بعد کے ادبا و شعرا زمانے کی تنگ نظری کا شکار ہوئے۔ لیکن مخالفین کی بدقسمتی کہ آج بھی وہ زندہ ہیں ان کی تخلیقات زندہ ہیں۔ اسی لیے تو حالی نے مسلمان قوم کے جو ذمہ داران کی غفلت سے پیدا شدہ صورت حال کا یوں جائزہ لیا ہے۔

یہی حال دُنیا میں اس قوم کا ہے
بھنور میں جہاز آ کے جس کا گھرا ہے

•••

نہیں لیتے کروٹ مگر اہلِ کشتی
پڑے سوتے ہیں بے خبر اہلِ کشتی

•••

نہ افسوس انھیں اپنی ذلت پہ ہے کچھ
نہ رشک اور قوموں کی عزت پہ ہے کچھ

غفلت اور پس ماندگی اس حد تک ان کی فکر اور تہذیب کا حصہ بن چکی ہے کہ وہ جانوروں کی طرح زندگی بسر کرنا، ذلت و خواری کو اپنی تقدیر سمجھنا اور اسی پر مطمئن رہ کر ظاہری طور پر اسے دین داری سمجھتے ہیں۔

لیا عقل و دیں سے نہ کچھ کام انھوں نے
کیا دینِ برحق کو بدنام انھوں نے

تقی عابدی کا مقدمہ اہلِ فکر و نظر کو دعوتِ مطالعہ پیش کرتا ہے جس میں ’’مسدس حالی‘‘ کی فکری، فنی، اصلاحی، تعلیمی، تنقیدی خوبی اور اس کا ادبی درس موجود ہے۔ حالی نے

[illegible] شوقی اور علی [illegible] پر شعر ملتے ہیں جن میں خود پسندی، غرور، تکبر، حسد اور فتنہ پردازی، تعصب اور غیبت وغیرہ [illegible] سے [illegible] نہیں اس لیے چند چیدہ چیدہ شعر [illegible] پیش ہیں

جہالت نہیں چھوڑتی ساتھ دم بھر
تعصب نہیں بڑھنے دیتا قدم بھر

• • •

منھ اپنا گو ہو دین و دُنیا میں کالا
نہ ہو ایک بھائی کا پر بول بالا

• • •

مجالس میں غیبت کا زور اس قدر ہے
نہ مُلّا نہ صوفی کو اس سے حذر ہے

• • •

نشہ میں تکبر کے ہے چور کوئی
حسد کے مرض میں ہے رنجور کوئی

• • •

نہیں دستیاب ایسے دو مسلماں
کہ ہو ایک دیکھ کر ایک شاداں

• • •

شریعت کے جو ہم نے پیمان توڑے
وہ لے جا کے سب اہلِ مغرب نے جوڑے

• • •

نہیں [illegible] پیتے [illegible] وہ
مبارک نہیں جیسے پر چیونٹی کو

حالی نے مسدس میں [illegible]

طباعت اور حکیموں کی نااہلی اور شاعروں کی جھوٹی اور بیہودہ چاپلوسی کی
شاعری پر کھل کر اعتراضات کیے ہیں۔ حالی کے مسدس کا یہی وہ حصہ
ہے جو برصغیر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلا اور حالی واعتراضات اور
سخت تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ شعرا، ادبا اور صحافیوں نے حالی کے پیغام و
جام باطل اور سم قاتل سمجھ کر اس کو پاش پاش کرنے کی بھرپور کوشش کی۔
اس تعلق سے تقی عابدی لکھتے ہیں "پس مسدس حالی، نقش پر خیالی،
ذوقی، نقلی اور جعلی وغیرہ عناوین کے تحت اعتراضات ہوتے رہے لیکن
حالی کا مسدس عوام وخواص میں مشہور اور معروف ہوتا رہا۔ حالی نے
یونان کے فلسفہ کو ایک بے کار مشق بتایا ہے جو صحیح نہیں۔ اسلامی فلسفہ
اور یونانی فلسفہ میں مشترک قدریں موجود ہیں۔ یہ سچ ہے کہ حالی فلاسفر
نہیں تھے شاید انھیں فلسفہ کا ابتدائی قاعدہ بھی پڑھنے میں نہ آیا ہو۔ اسلامی
فلسفیوں نے یونانی، ہندی اور دوسرے قدیم فلسفوں سے استفادہ
کیا ہے[11]"

تقی عابدی حالی کے فن پر تنقید طرح کی افراط کی نشاندہی کرتے ہوئے اس طرف بھی
اشارہ کرتے ہیں کہ کسی پر بے جا تنقید فن کار کے لیے مناسب نہیں۔ یہی سبب ہے کہ انھوں
نے حالی کے تنقیدی نظریے کی مخالفت کی ہے کہ حالی کا فلسفہ یونان و شعر و ادب سے نہیں
جاں کر آگے تقی عابدی نے لکھا ہے کہ "اس مختصر تحریر میں اس بات کی گنجائش نہیں ہے ہم
یہاں بحث کا دفتر کھول دیں۔ حالی کے مسدس کا یہ حصہ ہمیشہ بحث ومباحثہ کا محور رہا ہے۔" تقی
عابدی بحث ومباحثہ کے لیے دانشوران کو مدعو کرتے ہیں تاکہ حالی کے متنازعہ پہلوؤں کو
مزید بہتر معنی ومفاہیم میں سمجھا جائے۔

"مسدس حالی" جہاں حالی کا ایک انمول اور نایاب تحفہ ہے۔ حالی کا رنگ سب
سے جداگانہ ہے۔

حالی، مسدس اور بعض نظموں میں جب وہ حضرات مسلمان قوم کے بزرگوں
کے کارناموں کو بیان کرتے ہوئے فخر کرتے ہیں کہ قوم کے بزرگوں سے کی قوم کی

بیاہی گئیں اس وقت تم، جب بیاہ سے واقف نہ تھیں
جو عمر بھر کا عہد تھا وہ کچے دھاگے سے بندھا

***

بیاہا تمھیں ماں باپ نے اے بے زبانو اس طرح
جیسے کسی تقصیر پہ مجرم کو دیتے ہیں سزا

ان نظموں میں حالی نے صنف نازک اور دنیا کی بے رونق ذات کا ذکر کرتے ہوئے یہ پیغام دینے کی کوشش کی ہے کہ عورتوں سے اس دنیا میں بہار ہے ورنہ اس کی حقیقت ایک اندھے کنویں کی ہے اس لیے عورتوں کے متعلق سے سوچ و فکر بدلنے کی ضرورت ہے۔ حالی کی نظمیں ہمارے لیے درس عبرت ہیں۔ تقی عابدی نے اس کلیات میں کس طرح کی نظمیں شامل کی ہیں؟ اس متعلق سے موصوف حالی کی نظموں پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حالی نے اپنی نظموں کے پہلے مجموعے میں چودہ نظمیں شائع کیں جس میں مدوجزر اسلام، مناجات بیوہ، شکوۂ ہند وغیرہ شامل نہیں کیا کہ وہ پہلے اور مسلسل شائع ہو رہی تھیں۔ حالی دیباچے میں لکھتے ہیں کہ اس مجموعے میں 1874ء تک کی نظموں کو شامل کیا گیا ہے۔ 1874ء میں جب محمد حسین آزاد کی تحریک اور کرنل ہالرائیڈ کی تائید سے مشاعرے کی بنیاد ڈالی گئی جس میں مصرعہ طرح کے بجائے مضمون دیا جاتا کہ اردو شاعری کو فرسودہ عشقیہ اور مبالغہ آمیز مضامین سے نجات دلائی جائے تو انھوں نے بھی جو نظمیں پڑھیں یعنی برکھا رت، نشاط امید، حب الوطنی اور مناظرہ رحم و انصاف وہ اس مجموعہ کا حصہ بنیں۔"[14]

حالی اس بات سے متفق تھے کہ انھیں اگرچہ مغربی شاعری کے نمونوں سے واقفیت نہیں لیکن انھیں مبالغہ اور اغراق سے نفرت ہے جس کا ثبوت خود ان کا کلام ہے۔ حالی نے یہ بھی کہا تھا کہ سائنٹفک سوسائٹی کے اخبار اور 1872ء سے جاری شدہ "تہذیب الاخلاق" کے علاوہ مغربی لٹریچر کی ترجمہ شدہ کتابوں نے مسلمانوں کے ذہنوں میں [illegible]

اور بعض الفاظ کا املا غلط درج ہونے کے باعث مصرعے وزن سے خارج ہو گئے تھے وہ تصحیح کر کے شامل کر لیے گئے اور مزید ایک قطعہ جو غلطی سے رباعیوں میں شامل تھا خارج کر دیا گیا ہے جس کا پہلا مصرعہ یہ ہے

ع : ''موتی ہزار سمندر میں ہوں نہاں''

چند رباعیاں ملاحظہ کریں۔

حمدیہ رباعی

اے عقل کی فہم کی رسائی سے دور
ادراک سے اوجھل تو نظر سے مستور
یہ حسرت دید دل میں قائم رکھیو
بس یاس کی ظلمت میں یہی ہے اک نور

مختلف مذاہب اور عقائد کے لوگ بھی کسی طرح سے معبود کے قائل ہیں۔ اس حوالے سے ایک رباعی:

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا
آتش پہ مغاں نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے
انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

نعتیہ رباعی

بطحائے عرب کو محترم تو نے کیا
اور امیوں کو خیر امم تو نے کیا
اسلام نے ایک کر دیا روئے تتار
بچھڑے ہوئے گلے کو بہم تو نے کیا

سامنے زانوے تلمذ تہ کیے بیٹھے ہیں اور حالی مختلف عناوین پر بحث کرتے ہیں)۔ قصائد اردو (مختلف قصائد پر تقی عابدی کا مختصر ریویو)۔ نظمیں، منظومات مدحیہ، سیاسیہ اور دعائیہ، مراثی، اخلاقی، درس اور مناظراتی نظمیں، حقوق زناں اور ہمدردی نسواں کی نظمیں، قومی و ملی نظمیں، تعلیمی اور اصلاحی نظمیں، بچوں کی نظمیں، تراجم، قطعات تاریخ اور تاریخی قطعے متفرقات حالی، باقیات حالی اور آخر میں تفصیلی طور پر "کلیات حالی" فارسی (یہ کلیات حالی کا ایک اہم حصہ ہے)۔

حالی کے فارسی کلام الف تا ی تک ردیف کے ساتھ ترتیب وار پیش کیا گیا ہے۔ کلیات حالی کا ہر ایک باب اپنے آپ میں جامع اور مانع ہے۔ ہر ایک فرداً فرداً تفصیل کا متقاضی ہے۔ اس لیے اس مختصر تحریر میں اس کی گنجائش ہی نہیں ورنہ اس عظیم انسائیکلوپیڈیا کی بے حرمتی ہوگی۔

واضح ہو کہ "کلیات حالی" میں شامل تمام ابواب میں تقی عابدی کے تحقیقی و تنقیدی مضامین، مقدمہ، پیش لفظ، تجزیے شامل ہیں۔ جو متعلقہ ابواب کی خوبی، فکری، فنی ضرورت اور ادبی منظر نامے پر حالی کی اہمیت سے واقف کراتے ہیں۔

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھہرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں

حواشی:-

۱ "کلیات حالی"، از تقی عابدی، ص 44-43
۲ "کلیات حالی"، از تقی عابدی، ص 45
۳ "کلیات حالی"، از تقی عابدی، ص 46
۴ "کلیات حالی"، از تقی عابدی، ص 47
۵ "کلیات حالی"، از تقی عابدی، ص 192
۶ "کلیات حالی"، از تقی عابدی، ص 48-47
۷ "کلیات حالی"، از تقی عابدی، ص 41

۸ ''حیات حالی''، از: تقی عابدی، ص 40

۹ ''حیات حالی''، از: تقی عابدی، ص 74

۱۰ ''حیات حالی''، از: تقی عابدی، ص 76

۱۱ ''حیات حالی''، از: تقی عابدی، ص 96

۱۲ ''حیات حالی''، از: تقی عابدی، ص 548

۱۳ ''حیات حالی''، از: تقی عابدی، ص 50

۱۴ ''حیات حالی''، از: تقی عابدی، ص 51 - 52

۱۵ ''حیات حالی''، از: تقی عابدی، ص 48

۱۶ ''حیات حالی''، از: تقی عابدی، ص 48

۱۷ ''حیات حالی''، از: تقی عابدی، ص 48

۱۸ ''حیات حالی''، از: تقی عابدی، ص 34

ڈاکٹر سلیم محی الدین
صدر شعبۂ اردو،
شری شیواجی کالج، پربھنی

حالی شناسی اور تقی عابدی

غالب وحالی ملے اور غالب شناسی کے مرحلے طے کیے۔ بالکل اسی طرح تقی عابدی نے حالی کی بازیافت کے حوالے سے حالی شناسی کا ایک نیا جہان آباد کیا۔ 2014ء میں حالی کی سو سالہ برسی کے موقع پر تقی عابدی نے ''حالی فہمی'' کی اس کتاب کا آغاز کیا اور تقریباً ایک درجن کتابیں تصنیف کیں۔ تقی عابدی اردو کے ایک بے مثال محقق، مترجم، نقاد، ادیب و شاعر ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر وہ اردو کے ایک شیدائی، خادم اور مجاہد ہیں۔ وہ جب کسی کام کا بیڑا اٹھاتے ہیں تو اسے سر کر کے ہی دم لیتے ہیں۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے اور حالی پر اب تک کیے گئے کام سے بھی وہ بخوبی واقف ہیں لیکن حالی شناسی کی راہ میں حائل دشواریوں اور اکیسویں صدی میں حالی کی عصری معنویت نے انھیں اس کام پر اکسایا۔ خود انہی کے الفاظ میں۔

> ''حالی کے کلام کی بیاض اور پرانی کتابت کی غلطیوں سے بھرے ہوئے نسخوں کی طباعت حالی شناسی میں خلل انداز ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گزشتہ چالیس پچاس سال میں حالی پر کوئی خاص کارآمد تحقیقی اور تنقیدی کام نہ ہو سکا۔ چند مقدمے، تبصرے اور تجزیے ''مقدمہ شعر و شاعری'' پر ضرور ہوتے رہے اور یہ صدائیں بھی وقتاً فوقتاً بلند ہوتی ہوئیں۔ راقم نے حالی شناسی کے فروغ کے لیے حالی کے کلام کو صرف نصاب میں شامل کرنا ضروری نہ جانا بلکہ عوام میں بھی اس کے پہنچنے کو لازم جان کر اس کی فراہمی کا منصوبہ بنایا۔ جس میں اکیسویں صدی کے اردو ماحول میں حالی کا کلام جدید تحقیقی اور تنقیدی زاویوں سے

نمونہ، ان کو لکھا گیا۔ سرسید کا مکتوب بھی شامل کیا گیا ہے تاکہ آئندہ نسلیں ان کے کام سے پوری طرح آگاہ ہو سکیں۔

تقی عابدی اپنے اس علمی و ادبی کارنامے میں اس اصلاحی نظم کے لیے مسدس کے فارم کے انتخاب کی توضیح پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حالی نے مختلف موضوعات و شعری بندشوں کی شکل میں پیش کرنے کی غرض سے مسدس کی ہیئت کا انتخاب کیا ہے کیوں کہ مسدس میں مکالمہ نگاری، واقعہ نگاری، منظر نگاری اور جذبات نگاری کی گنجائشیں سب سے زیادہ ہیں۔ وہ حالی کی نظم نگاری کے محاسن کا فنی تجزیہ بڑے خوب صورت انداز میں کرتے ہیں ساتھ ہی اس کے معنوی حسن کو بھی سراہتے ہیں۔

"حالی کے مسدس کی جان ان کا فطری انداز بیان ہے۔ جو سیدھا سادہ ہے مگر اس میں زور، جوش اور روانی ہے۔ یہ سادہ سلیس اور شعر دل و دماغ میں اتر جاتے ہیں کیوں کہ ان میں صداقت اور حقیقت ہے۔ جوش اور خلوص نے اس نظم کو دلکش بنا دیا ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ ان مقامات پر جہاں وہ تاریخی واقعات کو ایک مورخ کی طرح پیش کرتے ہیں وہاں ان کی شاعری سپاٹ اور بے رنگ محسوس ہو جاتی ہے۔ لیکن اس سے بھی وہ اثر پذیر رہتی ہے۔"

حالی کی سوانح کے حوالے سے خود حالی کا مضمون "حالی کی کہانی حالی کی زبانی" کا انتخاب ان کی ژرف نگاہی کا بین ثبوت ہے۔ کتاب میں شامل مضمون "حالی کی حیات اور شخصیت" تحقیق کا اعلیٰ نمونہ ہے جس میں تقی عابدی نے نہایت عرق ریزی سے حالی کی شخصیت کے ان مخفی گوشوں کو بھی اجاگر کیا ہے جو اس سے قبل بیان نہیں کیے گئے تھے۔ تقی عابدی کا کمال یہ ہے کہ وہ ذیلی عنوانات قائم کرتے ہوئے حالی کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں۔ انھیں ذیلی عنوانات کے تحت وہ اپنی گفتگو مدلل بنانے کے لیے حالی کے مختلف واقعات بھی بیان کرتے ہیں جس سے حالی کی شخصیت اور بھی نکھر کے سامنے آتا ہے۔

"مسدس حالی کا اجمالی جائزہ" اس کتاب کا اہم ترین مضمون ہے جس میں تقی

اصل نام سید تقی حسن عابدی ہے۔ ادبی نام تقی عابدی اور تخلص تقی ہے۔ آپ کی پیدائش 1 / مارچ 1952ء کو اردو کے شہر دہلی میں ہوئی۔ آپ کے والد دہلی کی عدالت میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ والد کا تبادلہ دہلی سے حیدرآباد ہو گیا۔ جس کی بنا پر تقی عابدی کو بھی حیدرآباد جانا پڑا۔ حیدرآباد دکن ادبی معاملے میں اپنی ایک منفرد شناخت رکھتا ہے لہذا تقی عابدی کی ادبی نشو و نما اچھے انداز میں ہوئی۔ تقی عابدی کو یہ شہر بہت راس آیا۔ تعلیم و تربیت یہیں پر ہوئی۔ عربی زبان کی تعلیم شمس الدین قادری سے حاصل کی جب کہ فارسی زبان کے لیے آپ نے حاجی منصور خراسانی کی استادی حاصل کی۔ جہاں تک ادبی ذوق کا معاملہ ہے بچپن ہی سے رہا۔ تقریری مقابلوں میں شرکت کر کے شہرت حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ہی شعر گوئی کی جانب توجہ دی۔ شعر فہمی، سخن دوستی ابتدائی زمانوں سے ہی آپ کی سرشت میں شامل تھی خود اس کے متعلق آپ فرماتے ہیں۔

> "مطالعے کا عادی تھا۔ اخبار پڑھتا، اخبار سے ادبی گوشوں کو پڑھ کر نوٹس بناتا اور تراشے جمع کرتا تھا۔ ہفتے میں کئی کتابیں ختم کر ڈالتا اور اکثر کتابوں کے حاشیوں پر نوٹس بناتا اور اسی طرح کئی دفتر اپنے لیے نوٹس اور مطالب تیار کر لیے تھے۔ ادب کے مطالعے کا اتنا شوق تھا کہ جب بھی ملک سے باہر جاتا، واپس وطن پہنچتا تو سوائے کتابوں کے کچھ نہیں لاتا، دوستوں سے کہتا کہ کتابیں بھیجیں، بعض بیش قیمتی کتب بھیجتے تھے۔"

(ڈاکٹر تقی عابدی بحیثیت محقق۔ محمد زین الدین، 2016، ص 24-25)

"بچوں کے حالی" تقی عابدی کی چند نادر و نایاب کتابوں میں سے ایک ہے۔ اس کتاب کی ادبی حیثیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ اوراق کے اعتبار سے یہ کتاب مختصر ہی کہی جائے گی جہاں تک کتاب کی جامعیت کا معاملہ ہے تقی صاحب کی یہ تصنیف کافی ضخیم معلوم ہوتی ہے۔ اپنی اس تصنیف میں انھوں نے اردو کے اہم ستون، شاعر، سوانح نگار، نقاد، مورخ، ادیب، اردو نظم کے موجد، سعدی ہند، مولانا الطاف حسین حالی کو موضوع قلم بنایا ہے۔ وہ وطن اس لائق و فائق ہونہار فرزند پر جتنا فخر کرے کم ہے۔ مولانا حالی کا قد اردو میں بہت اونچا ہے۔ وہ اردو کے ایک غیر معمولی شاعر تھے۔ اپنی شاعری کے ذریعے حالی نے سماج

ڈاکٹر سید تقی عابدی اس سے قبل اردو کے کئی بڑے ادبا و شعرا پر اپنے قلم کا [illegible]
کر چکے ہیں۔ جیسے انیس، دبیر، فیض احمد فیض، غالب، اقبال، امیر خسرو، جوش وغیرہ ان کی
شخصیت اور فن پر کئی کتابیں تحریر کی جا چکی ہیں اور آج بھی ہو رہی ہے لیکن ادب اطفال
اور حالی کو موضوع بنا کر تقی عابدی نے جو کام کیا ہے اسے ہمیشہ اردو ادب میں قدر و منزلت
کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ "بچوں کے حالی" یہ ایک ایسی دستاویز ہے جس میں تقی عابدی
نے حالی کے تمام گوشوں اور ان کے تنقیدی شعور کو اجاگر کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔
اس کتاب کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ تقی عابدی نے مولانا حالی کا بہت عمیق نظر سے مطالعہ کیا
ہے۔ تقی عابدی کے گہرے مطالعے اور فہم و ادراک کی وافی جھلک ہمیں اس کتاب میں دیکھنے
کو ملتی ہے۔ کتاب کے ابتدائی حصے میں تقی صاحب نے حالی کی شخصیت پر روشنی ڈالی ہے
ساتھ ہی ان کے رہن سہن، برتاؤ، یہاں تک کہ اخلاق و کردار کو بھی بحسن و خوبی پیش کیا
ہے اس نادر و نایاب کتاب میں حالی کے متعلق ہمیں وہ سب پڑھنے کو مل جاتا ہے جو جاننا
چاہیے۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی سے متاثر ہو کر خالد حسین لکھتے ہیں

> "تقی عابدی ایک عہد ساز شخصیت کے مالک ایسے انسان ہیں جنہیں
> قدرت نے تخلیق، تحقیق، تنقید اور تنظیم کے اعلیٰ جواہر سے مالا مال کیا اور
> بشرط استواری کا جوہر اس قدر فیاضی سے عطا فرمایا کہ جس کام میں بھی
> ہاتھ ڈالتے ہیں مکمل جزئیات کے ساتھ پورا کرتے اور اس کی جہت ہر
> طرف کی تنقید و خندہ پیشانی سے صرف قبول کرتے ہیں جس کی روشنی
> میں ہمیشہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔"

(ماہنامہ "چہار سو" راولپنڈی پاکستان، ص ۶۵)

تقی صاحب کو یہ ملکہ حاصل ہے کہ وہ جو بات کہنا چاہتے ہیں وہ بات قاری کے
ذہن میں آسانی سے اتر جاتی ہے۔ کتاب میں ہمیں حالی کے بچپن، اخلاق و کردار، مذہب
کے متعلق نظریات، شمس العلما کا خطاب، حالی کی شاعری وغیرہ تمام ضروری باتیں مل
جاتی ہیں جو ایک اردو قاری کے لیے بے حد ضروری ہے۔ بقول باقر زیدی

"گزشتہ تقریباً دس سالوں میں میں نے تقی عابدی کو جس حیثیت سے دیکھا ہے

پر پیش کی جا رہی ہیں جس کا ڈول ہم نے کئی سال قبل اردو کے اندھے کنوئیں میں ڈال کر چلو چلو پانی جمع کر کے جامِ سخن میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔"

ڈاکٹر تقی عابدی آگے لکھتے ہیں:

"راقم نے حالی شناسی کے فروغ کے لیے حالی کے کلام کو صرف نصاب میں شامل کرنا ضروری نہ جانا بلکہ عوام میں بھی اس کے چھپے ہوئے لازوال جواہرِ گراں کی فراہمی کا منصوبہ بنایا جس میں اکیسویں صدی کے اردو ماحول میں حالی کا کلام جدید علمی، تحقیقی اور تنقیدی زاویوں پر استوار کر کے تجزیے اور تشریح کے ساتھ ایسی ترتیب اور تدوین کے ساتھ پیش کیا جائے کہ عام اور خاص اس سے مستفید ہو سکے۔ چناں چہ حالی کے کلام کے ہر صفحے پر تحقیق، دیدہ ریزی اور مستند حوالوں کی آبیاری سے گلشنِ تجزیہ و تشریح کو سنوارا گیا ہے۔"

اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے "حالی کی کہانی حالی کی زبانی" عنوان سے حالی کی زندگی کے حالات نہایت تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ حالی کی ولادت کے بعد ان کی والدہ کا دماغ مختل ہو گیا، والد کا انتقال جب ہوا تو حالی نو برس کے تھے۔ ان کے بھائی بہنوں نے ان کی پرورش کی۔ بچپن میں قرآن حفظ کرایا گیا۔ اس کے بعد مسلسل تعلیم کا کوئی باقاعدہ انتظام نہیں تھا۔ پانی پت میں ایک بزرگ سید جعفر علی صاحب فارسی، عربی ادب اور طب میں ید طولیٰ رکھتے تھے، ان سے فارسی کی دو چار کتابیں پڑھیں۔ پھر مولوی حاجی ابراہیم انصاری سے عربی صرف و نحو پڑھی۔ سترہ برس کی عمر میں گھر والوں نے ان کی شادی بی اسلام النساء سے کرا دی۔ لیکن حالی کو تعلیم کا شوق تھا، اس لیے وہ گھر چھوڑ کر دلی چلے گئے۔ یہاں انھوں نے شرح مسلم، ملا حسن اور میبذی پڑھنی شروع کی۔ اور مختلف علما سے فیض حاصل کرتے رہے۔ غدر کے بعد ان کی شناسائی نواب مصطفیٰ خان سے ہوئی جو اردو میں شیفتہ تخلص رکھتے تھے اور مرزا غالب سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ اسی زمانے میں حالی کو اردو و فارسی میں غزلیں لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ جب ان کی ملاقات غالب سے ہوئی تو

ہمسایہ ہوں یا بیگانے ہوں۔ حالی ایک بلند مرتبہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم انسان بھی تھے۔ وہ معمولی انسان کی بھی عزت کا خیال رکھتے۔ ہر چھوٹے بڑے سے خلوص و محبت سے ملتے۔ اس تعلق سے ڈاکٹر تقی عابدی نے کئی قصے قلمبند کیے ہیں جن میں سے ایک کا ذکر یہاں کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے۔

"علی گڑھ کے طالب علمی کے زمانے میں عبدالحق اور حمید الدین دونوں حالی سے ملنے گئے تو حالی تعظیم کے لیے کھڑے ہوگئے۔ حمید الدین نے کہا آپ ہمیں شرمندہ کررہے ہیں تو حالی نے جواب دیا کہ آپ لوگوں کی تعظیم نہ کروں تو کس کی کروں۔ آئندہ آپ ہی تو قوم کے ناخدا ہونے والے ہیں۔"

حالی نے اپنے کردار اور عجز و انکسار سے یہ ثابت کردیا کہ عظیم شخص وہی ہے جس کے اخلاق و کردار بلند ہوں۔

بابائے اردو مولوی عبدالحق نے حالی کی سیرت میں دو خصوصیات کا ذکر کیا ہے، ایک سادگی اور دوسرے دردِ دل۔ اور یہ دونوں خصوصیات ان کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔
بچوں کے ادب کے تعلق سے ڈاکٹر عابدی کہتے ہیں

"علم و ہنر، اخلاق و کردار اور تعلیم و تربیت کی نشو و نما بچپن سے کی جاتی ہے۔ اسی لیے مہذب خاندانوں، تعلیم یافتہ گھرانوں میں بچوں کے لیے اتالیق رکھے جاتے جو ہر قدم پر موقع و محل کے حساب سے بچوں کی تہذیب کی پرورش کرتے تھے۔ شعر و ادب بھی ایک ایسی کوشش کا نام ہے جس میں شاعر اور ادیب سچی، معنوی تصویریں کیے جاتے جو تحریروں اور تقریروں کے ذریعے بچوں کا ادب تشکیل دے کر ان کی تربیت کے عمل کے ساتھ تعمیری فرائض بھی انجام دیتے ہیں۔"

وہ آگے لکھتے ہیں

"بچوں کے ادب کی زبان سیدھی سادی، سلیس و شگفتہ اور پیچیدہ تشبیہات اور استعارات سے پاک ہونی چاہیے۔ ایسی تخلیق مشکل بھی

تم کو نہیں خبر کچھ اپنے بُرے بھلے کی
جتنی ہے عمر چھوٹی اتنی ہے عقل چھوٹی

•••

ہے بہتری اسی میں جو ہے بڑوں کی مرضی
چاہو اگر بڑائی کہنا بڑوں کا مانو

اسی طرح ''مرغی اور بچے'' نظم میں حالی ماں اور بچے کے رشتے کو بیان کرتے ہیں ''پیشے'' اس نظم میں حالی بچوں کو مختلف پیشوں سے متعارف کراتے ہیں جیسے مالی، دھوبی، بڑھئی، مستری وغیرہ لیکن ساتھ میں وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ کوئی کام چھوٹا یا بڑا نہیں ہوتا۔ ہر کام کی اپنی اہمیت ہے اور اگر کاریگر اپنے کام کو حسن و خوبی سے انجام دے تو وہ اس میں کمال پیدا کر سکتا ہے۔

''روٹی کیوں کر میسر آتی ہے'' اس نظم میں حالی نے کسان کی محنت کش زندگی کو بڑے خوب صورت انداز میں بیان کیا ہے

یہ کھاتے ہو جو تم ہر روز روٹی
بتاؤ کیوں کر ہے تیار ہوتی

•••

کسانوں کا ہے یہ احسان ہم پر
کہ ہوتے ہیں گیہوں ہم کو میسر

غرض یہ کہ حالی باتوں باتوں میں بچوں میں نیکی، ہمدردی اور مدد کا جذبہ ابھارتے ہیں۔ ''نیک ہو، نیکی پھیلاؤ'' ان کی ایسی ہی ایک نظم ہے

رحم ہے سب کو رحم سکھاتا
ظلم ہے سب کو ظلم سجھاتا

•••

نیک ہے نیکی سب کو بتاتا
بد اوروں کو بد ہے بناتا

ڈاکٹر محمد اسلم فاروقی
صدر شعبۂ اردو این ٹی آر ڈگری کالج
محبوب نگر تلنگانہ اسٹیٹ

ڈاکٹر سید تقی عابدی کی تصنیف

"بچوں کے حالی" ایک مطالعہ

ڈاکٹر سید تقی عابدی اردو ادب کے عالمی منظر نامے پر ایک جانا پہچانا نام ہے۔ وہ برصغیر، یورپ، امریکہ اور کینیڈا میں اردو کے نامور محقق، ماہر اقبالیات، غالب، انیس و انیس کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی پیشے سے طبیب ہیں لیکن اکثر اپنے خطابات میں اپنے آپ کو مریض اردو قرار دیتے ہیں۔ پیشہ وارانہ سرگرمیوں کے لحاظ سے کینیڈا میں مقیم ہیں لیکن اپنے ادبی ذوق کی تکمیل کے لیے سال میں ایک یا دو مرتبہ برصغیر کا دورہ کرتے ہیں۔ حیدرآباد، دہلی، لکھنؤ، لاہور، کراچی وغیرہ میں مختلف ادبی جلسوں میں شرکت کرتے ہیں۔ اور اپنے تحقیقی مطالعے سے ادب کے چاہنے والوں کو مستفید کرتے جاتے ہیں۔ خطابت کے علاوہ تصنیف و تالیف بھی ان کا اہم مشغلہ ہے۔ غالب، اقبال، انیس اور حالی پر ان کی کئی شاہکار کتابیں سامنے آئی ہیں۔ وہ اپنی تحقیق کے دوران اردو ادب کے ذخیرے سے بیش قیمت جواہر تلاش کر کے نکال لاتے ہیں اور اپنی منفرد تحقیق سے اسے ادب کے چاہنے والوں کے لیے پیش کرتے ہیں۔ بچوں کے ادب کے ضمن میں ان کی ایک تحقیقی کتاب "بچوں کے حالی" کے عنوان سے حالی کی صد سالہ برسی کے موقع پر 2014ء میں بک کارنر جہلم پاکستان سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے "حالی کے احوال"، "بچوں کے ادب کی اہمیت"، "بچوں کے لیے حالی کی شاعری" اور ان کی نظموں کا انتخاب پیش کیا ہے۔ کتاب کی شروعات میں حالی کے تحت حالی کی تصویر، عکس تحریر مولانا حالی کے تحت حالی کی تحریر کا عکس، پیش لفظ سید تقی عابدی

''بچوں کے حالی'' کتاب کے آغاز میں ڈاکٹر سید تقی عابدی نے ''حالی کی کہانی حالی کی زبانی'' شامل کی ہے جس میں حالی کی جانب سے اپنی سوانح کا بیان ہوا ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر سید تقی عابدی نے حالی کی مکمل اور مفصل سوانح مختلف سرخیوں کے تحت پیش کی ہے۔ جس میں ان کے حالات زندگی اور تصانیف کا ذکر کیا ہے۔ حالی پر تحقیق کرنے والوں کے لیے یہ مواد کافی معاون ثابت ہوسکتا ہے۔ حیدرآباد میں حالی کو وظیفہ مقرر کیے جانے کے ضمن میں ڈاکٹر سید تقی عابدی نے حالی کے حوالے سے ایک واقعہ لکھا ہے

> ''جب حیدرآباد کے نواب سر آسمان جاہ نے حالی کی شعری اور ادبی کاوشوں سے متاثر ہوکر انھیں ماہانہ وظیفہ دینے کا فیصلہ کیا تو سر سید نے پوچھا آپ کو گزر بسر کرنے کے لیے کتنا وظیفہ چاہیے۔ حالی نے جواب دیا۔ مجھے اینگلو عربک اسکول سے جو ساٹھ روپے ماہوار ملتے ہیں تو حیدرآباد کے سکہ رائج الوقت کے چھہتر روپے ہوتے ہیں۔ یہی میری زندگی بسر کرنے کے لیے کافی ہے۔'' (''بچوں کے حالی''، ص ۹۱)

اس واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حالی سادگی اور قناعت پسند تھے۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی نے لکھا کہ حالی نے اپنی تخلیقات سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ سوائے ایک کتاب کے دیگر کتابوں پر پبلیشرز اشاعت کے بعد مالی فائدہ اٹھاتے تھے۔ حالی کے بارے میں تفصیلات فراہم کرنے کے بعد مصنف کتاب ڈاکٹر سید تقی عابدی نے بچوں کی نظموں پر ایک نظر کے عنوان سے بچوں کے ادب کی افادیت پر روشنی ڈالی ہے۔ بچوں کے ادب کی کمی کا شکوہ کرنے کے بعد انھوں نے بچوں کے ادب کی خصوصیات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے

> ''بچوں کے ادب کی زبان سیدھی سادی، سلیس، شگفتہ اور پیچیدہ تشبیہات اور استعارات سے پاک ہونی چاہیے۔ ایسی مشکل اور ثقیل بھی نہ ہو کہ جس کے سمجھنے میں دقت پیش آئے۔ ان کے مطابق وہ ادب جس میں بچکانہ پن نہ ہو وہ صحیح معنوں میں بچوں کا ادب نہیں کہلائے گا۔ کسی شعر و ادب میں بچوں کے سن و سال سے ہم آہنگ مواد اور طرز بیان ہونا چاہیے جو بچوں کی نفسیات

ترے غم میں بسر ہو گئی
زندگی معتبر ہو گئی

•••

مرے دل میں ہے غم لب پر نہیں ہے
اسی کا نام شاید زندگی ہے

شاعر نے انسانی قدروں میں غم کو شامل کر رکھا ہے۔ غم میں مبتلا ہونا [illegible]
شخص کے بس کی بات نہیں۔ اور اسے غم انسانی کی اعلیٰ منزل [illegible] ہے۔

عطا کر اس کو یارب دولت غم
[illegible] ہے (کلیات ص ۹۱۱-۹۱)

[illegible] شاعری سے چند اشعار ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں

ان کا سایہ نہیں تھا سچ ہے مگر
کائنات ان کے زیر سایہ ہے

•••

جو بھی لیتا ہے ترا نام مدینے والے
اس کے بن جاتے ہیں سب کام مدینے والے

•••

سکوں ملا ہے دل بے قرار کو کیا کیا
زباں پہ جب بھی محمد کا نام آیا ہے

•••

اپنی قسمت کی بلندی پہ نہ کیوں ناز کریں ہم
[illegible]

منتخب منقبتی اشعار:

آ گیا مری بالیں پہ مولا مرا
موت میرے لیے زندگی ہو گئی

اس بیان پر دال کرتا ہے کہ:

سعید آواز دے بجلی کو بڑھ کر
نشیمن پھر بنانا چاہتا ہوں

(شیئت، ص 110-114)

[illegible]

کی نمائندگی کے بعد آخر میں کتابیات کے توسط سے ایک صفحے کے ذریعے معاون کتابوں کے نام اور ان کی اشاعت کی تفصیلات بھی درج کی گئی ہیں۔ اس قدر ضخیم، جامع اور دیدہ زیب کتاب کی اشاعت اور انتہائی سادہ لیکن دلچسپ سرورق کے ساتھ اس مجلد کتاب کی اشاعت خود اس بات کا ثبوت ہے کہ ڈاکٹر سید تقی عابدی کی تحقیق و تدوین کا کارنامہ کتابوں کی نکاسی اور اپنا نام محققین اور ناقدین میں شامل کرنے کے لیے نہیں، بلکہ وہ اردو زبان و ادب کی خدمت انجام دیتے ہوئے شاعروں اور ادیبوں کے کارناموں کو منظر عام پر لانا چاہتے ہیں، اسی لیے ان کی لکھی ہوئی ان قیمتی کتابوں کی کوئی قیمت نہیں ہوتی، بلکہ وہ طبابت کے پیشے سے انصاف کرتے ہوئے ہر کتاب ضخیم انداز سے پیش کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مادری زبان کی خدمت ان کا بنیادی وصف ہے اور اسی کی تکمیل کی غرض سے انھوں نے ''کلیات سعید شہیدی'' مرتب کر کے اردو داں طبقے کے روبرو ایسا زرین کارنامہ پیش کر دیا ہے کہ آنے والے محققین کو مزید تحقیق کی ضرورت نہیں، بلکہ اس ایک کتاب کے ذریعے سعید شہیدی کی شاعری اور ان کے عہد ہی نہیں، بلکہ ان کے کارناموں کو بھی پوری طرح سمجھا اور پرکھا جا سکتا ہے۔ ایک کتاب کے ذریعہ شاعر برق وشیاں کے تمام کمالات کو یکجا کر دینے کی وجہ سے دل کی گہرائی سے مبارکباد دی جاتی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر سید تقی عابدی پر اپنی مادری زبان کا جو قرض ہے، اس کے چکانے میں وہ ضخیم کتابوں کی اشاعت عمل میں لا کر اردو زبان و ادب ہی نہیں، بلکہ اردو تہذیب و ثقافت کی خدمت انجام دینے کے خوشگوار فریضہ کی تکمیل انجام دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر شیخ عبدالکریم
اسسٹنٹ پروفیسر اُردو
کالج آف لینگویجس اینڈ چیئرمین بورڈ آف اسٹڈیز
اُردو، فیکلٹی اورینٹل لینگویجز، عثمانیہ یونیورسٹی

کلیاتِ سعید شہیدی کا معروضی مطالعہ

ڈاکٹر تقی عابدی اُردو کے ایک معروف ادیب، شاعر اور محقق ہیں آپ کی کتاب ''چوں مرگ آید'' اقبالیات میں ایک انفرادیت اور امتیاز رکھتی ہے جو آپ کی مرتبہ کتابیں ''کلیاتِ سعید شہیدی''، ''رباعیاتِ انیس''، ''دیوانِ غالب فارسی''، ''کلیاتِ حالی'' وغیرہ وغیرہ ہیں۔ اسی طرح آپ ایک اچھے نقاد بھی ہیں۔ آپ کی کتابیں اس حوالے سے ''شعر فہمی''، ''فیض شناسی''، ''مطالعہ دبیر کی روایت'' عالم نقد پر شہرہ پا چکی ہیں۔ وہ ایک اچھے ادیب اور نفیس انسان ہیں۔

مجھے یاد ہے اقبال کی سوانح کو موضوع بنا کر لکھی گئی کتاب ''چوں مرگ آید'' کی رسم اجرا شعبہ اُردو حیدرآباد یونی ورسٹی میں انجام پائی تھی۔ پروفیسر بیگ احساس اور ڈاکٹر حبیب نثار سے گفتگو کرتے ہوئے محترم تقی عابدی نے بتایا تھا کہ جب وہ اپنے گھر میں ہوتے ہیں تو وہ ہر روز چار گھنٹے مطالعہ کرتے ہیں۔ ڈاکٹر تقی عابدی کا یہی ذوق و شوق ہے جس کی وجہ سے بڑی محنت اور مشقت سے اور مستقل طور پر وہ ضخیم سے ضخیم کتاب مرتب کر رہے ہیں۔ ادب ان کا جنون ہے پروفیشن نہیں۔ آپ کو مطالعہ کا وہ ذوق ہے کہ اُردو کے اساتذہ و تحقیق کے اسکالرز بھی اس پابندی کے ساتھ مطالعہ نہیں کرتے ہیں۔

''کلیاتِ سعید شہیدی'' کو ڈاکٹر تقی عابدی نے اپنی روایتی شائستگی کے ساتھ مرتب و شائع کیا ہے۔ ابتداء میں مضامین کی فہرست اور کلام کے بعد انھوں نے سعید شہیدی کے کہے ہوئے کل کلام کا ایک جدول درج کیا ہے جس میں تمام اصناف نظم کے تحت نظموں اور نظموں کی تعداد بتائی ہے اور ساتھ ہی اس پورے کلام کے کل اشعار کی تعداد بھی واضح کی

ہے۔ سعید شہیدی نے جملہ 283 غزلیں کہی ہیں، قصیدہ، رباعی اور مناجات ایک ایک ہی ان کی یادگار ہے۔ نعت شریف 7 ہیں۔ منقبت 118 قطعات 6، سلام 32، مرثیے دو اور نوحے 49 ہیں۔ ان تمام اصناف نظم کے جملہ اشعار کی تعداد 3879 ہے۔ تقی عابدی نے مرثیہ اور نوحے کی علیحدہ نشاندہی کی ہے۔ بعض مقامات پر دونوں کو خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔

سعید شہیدی کی کہی ہوئی اصناف نظم کے جدول کے بعد قابل مرتب نے کلام سعید پر مشاہیر اور ممتاز ادیبوں کی رائے کو درج کیا ہے جس کو پڑھنے سے سعید شہیدی کے کلام کی ارتقائی منزلیں سامنے آتی ہیں چنانچہ جناب اختر حسین مقدمہ برق و آشیاں میں لکھتے ہیں:

> ''سعید شہیدی کا شمار مشاعرہ لوٹنے والے شاعروں میں ہوتا ہے۔ زبان کی صحت و سلاست الفاظ کی سلیقہ مندانہ دروبست اور روزمرہ کے محاورں کا بے ساختہ استعمال ان کے اشعار میں ایسی چنچی رہ پیدا کر دیتی ہے کہ قدرتی طور پر سامعین کو مزہ آنے لگتا ہے اور نعرہ ہائے تحسین و آفرین سے شعر و سخن کی فضاء گونج اٹھتی ہے۔ ان کو پڑھنے کا انداز بھی بہت ڈرامائی ہوتا ہے۔'' (ص:65)

جناب اختر زیدی قبلہ شاعر ''کوثر و تسنیم'' میں لکھتے ہیں

> ''غزل میں ایک مخصوص لب و لہجہ ہے جسے انھوں نے بڑی خوب صورتی سے قائم رکھا ہے اور اس انداز شعر گوئی کو خواص و عوام سب بے حد پسند کرتے ہیں۔ اس طرح ان کے مذہبی کلام میں بھی ان کا اپنا ایک رنگ ہے۔ اس سلسلہ میں خاص طور پر ان کے جذبات عقیدت کے والہانہ اور بے ساختہ اظہار کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔'' (ص.67)

جناب اختر حسین صاحب نے کلام سعید شہیدی میں زبان کی صحت و سلاست، روزمرہ کے محاوروں کے استعمال کی خوبی کا بیان کیا ہے اور قبلہ اختر زیدی نے شاعر کے مذہبی کلام کی انفرادیت کو واضح کیا ہے۔ جب کہ پروفیسر سید مجاور حسین رضوی نے شاعر کی شخصیت اور ان کی قلمی وراثت پر روشنی ڈالی ہے۔

پروفیسر مجاور حسین رضوی ''آفتاب غزل'' کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں

''سعید شہیدی اسی گداز قلب کے شاعر ہیں۔ انھیں شاعری کے ساتھ گداز قلب کی دولت بھی وراثت میں ملی ہے۔ وہ حیدرآبادی تہذیبی روایت کے امین اور پاسدار ہیں۔ شرافت، وضع داری، خوش گفتاری کے ساتھ سلیقہ نفاست، تہذیبی اقدار کا احترام بھی ان کی سرشت میں شامل ہے اور یہ تمام صفات ان کی شاعری میں ڈھل گئی ہیں۔'' (ص 70)

ڈاکٹر زینت ساجدہ نے شاعر کے ذاتی غم کے آفاقی غم بن جانے کی نشاندہی کی ہے وہ لکھتی ہیں:

''ان کی شاعری ایک پگھلنے اور پگھلانے والی کیفیت ہے جو ان کے کسی ذاتی غم کے رگوں میں دوڑنے کے باعث پیدا ہوئی۔ اس پر اعتبار غم حسین نے بخشا۔ انھوں نے اپنے ذاتی غم کو اپنے اس آفاقی غم میں ضم کرلیا۔ اس لیے شعر میں جو مختلف کیفیتوں کا اظہار ہوتا ہے ان میں اثر آفرینی بھی ہے اور لب ولہجہ کی معتبری بھی۔'' (ص 71)

''کلیات سعید شہیدی'' کے مرتب ڈاکٹر تقی عابدی نے اپنی مرتبہ کتاب میں یہ اہتمام کیا ہے کہ سعید شہیدی کی تصانیف جن ادیبوں اور شعراء نے اظہار خیال کیا ہے ان تمام کو درج کیا ہے۔ راقم نے اس مختصر سے مضمون میں صرف چار آرا درج کی ہیں تاکہ شاعر کی شخصیت اور کلام کے جملہ اوصاف سامنے آجائے۔

ہر شاعر اپنے کلام میں اپنی شخصیت اور اپنے فن کے بارے میں اظہار خیال کرتا ہے۔ سعید شہیدی کے کلام میں بھی یہ عنصر موجود ہے۔ تقی عابدی نے ''سعید کی شخصیت اور فن بارے میں اشعار میں'' کی سرخی کے تحت ایسے اشعار یکجا کیے ہیں۔ اس ضمن میں وہ خود لکھتے ہیں

''سعید نے زیادہ تر غزلوں میں اپنے فن پر ریویو کیا ہے جو تعلّی کے ساتھ حسب بیانی بھی ہے۔ اپنی شخصیت کا بانکپن غزلوں اور عجز وانکساری کا درپن نعت منقبت اور سلام میں کیا ہے۔ عقیدہ کی سرشاری اور چاشنی ان نظموں کے مقطعوں میں کئی جگہ جھلک اور چمک رہی ہے۔''

تقی عابدی نے سعید شہیدی کو ''روایتی غزل کا آخری پیامبر'' قرار دیا ہے اس کی تائید میں انھوں نے شعبہ کی غزل سے کئی اشعار بھی پیش کیے ہیں چناں چہ شراب، صراحی، پینا اور پلانا کے روایتی مضمون کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''سعید استاد شاعر، زندہ غزل گو اور فطری تخلیق کار ہیں۔ سعید کی شاعری کا قد بہت بلند ہے جس کو تنقید کے بونے ناپ نہیں سکتے۔'' (ص 81)

شراب کا پینا اور پلانا، ساقی و میخانہ کے ساتھ جام و صراحی کا تذکرہ اردو شاعری کا قدیم سرمایہ ہے۔ غزلوں میں ان موضوعات پر سب کچھ کہے جانے کے بعد ابھی بہت کچھ کہا جا رہا ہے۔ سعید کا لہجہ فقیرانہ نہیں بلکہ رندانہ ہے۔ جس کی تائید میں خود یہ خود لفظ بولنا شروع کر دیتے ہیں۔

صراحی میری میرا جام میرا ساقی ہے
میں میکدے پہ حکومت جتا کے پیتا ہوں
(ص 87)

اسی لیے تقی عابدی کہتے ہیں کہ سعید کے پاس موجود روایتی مضامین بھی اپنی ایک انفرادیت رکھتے ہیں۔ انھیں ہم سیدھے سادے روایتی مضامین نہیں کہہ سکتے۔ لکھتے ہیں

''سعید کی غزلوں پر سیدھی سادی روایتی غزل کی مہر لگا کر فرسودہ بے ذوق شعری ذخیرہ میں جمع کر دینا سعید سے زیادہ اردو غزل سے ناانصافی ہے۔'' (ص:95)

سعید کی بیشتر غزلیں چھوٹی بحر میں ہیں۔ زیادہ تر غزلیں مردف ہیں۔ کئی غزلیں غزل مسلسل کی صف میں شمار کی جا سکتی ہیں۔ سعید کی غزل کی پہچان اور آن بان یہ بھی ہے ان میں عربی فارسی الفاظ کی بھرمار نہیں ہوتی۔ یہی نہیں بلکہ اضافتیں بھی کم نظر آتی ہیں۔ سعید نے مقطع میں کرشمہ سازی کی ہے جو بہترین مقطع کی صفت میں شمار کی جا سکتی ہیں۔

سعید شہیدی اردو دنیا میں شاعر برق و آشیاں کے طور پر مشہور تھے۔ انھوں نے ان دو لفظوں کو بھی استعارہ کبھی تشبیہ اور کبھی تلمیح کے طور پر استعمال کیا ہے جسے تقی عابدی نے شاعر برق و آشیاں کی کرشمہ سازی قرار دیا ہے اور لکھتے ہیں۔

''سعید شہیدی اُردو شاعری کا وہ واحد تخلیق کار ہے جس نے شاعرِ برق و
نشیمن کا خطاب بھی حاصل کر لیا ہے۔ جتنے اشعار اور موضوعات سعید نے
برق و نشیمن پر تخلیق کیے کوئی اور نہ کر سکا۔ برق و نشیمن اور اس سے
مترادفات جیسے بجلی آشیانہ، آتش آگ، آشیاں وغیرہ قدیم گھسے پٹے الفاظ
میں جو بطور استعارات، علامات اور اشارات استعمال ہوتے رہے لیکن
ان کا استفادہ ایک یا دو جہات میں محدود رہا۔ سعید نے اس موضوع پر ہر
ممکن زاویہ سے روشنی ڈالی۔'' (ص 110)

تقی عابدی نے سعید شہیدی کی کلیات مرتب کرتے ہوئے حیدرآباد کے اس شاعر کے کل کلام کو محفوظ کر دیا ہے اور اس کلیات میں سعید شہیدی کی کل کائنات آگئی ہے۔ تقی عابدی کی کتابیں بڑی نفیس شائع ہوئیں۔ کلیات شہیدی کا شمار بھی اسی میں ہوتا ہے۔ اس معیاری کتاب میں سنہ اشاعت کا نہ ہونا اچھا نہیں معلوم ہوتا البتہ مقدمہ پر اکتوبر 2017ء کی تاریخ موجود ہے۔

روداد الفت کریں مکمل
کچھ تم سناؤ کچھ ہم سنائیں

پروفیسر سید فضل امام رضوی
لکھنؤ

کلیاتِ سعید شہیدی اور تقی عابدی

تقی عابدی اُردو فارسی شعر وادب کے ان نابغۂ روزگار میں ہیں جن کو پڑھنا، سمجھنا، لکھنا اور برتنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ وہ پیشے کے اعتبار سے طبیب (فزیشین) ہیں لیکن مشاغل اور ذوق وشوق کے اعتبار سے معتبر محقق، نقاد اور دانشور ہیں۔ اُن کا پہلا شاہکار میر انیس کے مشہور مرثیہ ''جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے'' کا تجزیہ اور تشریح ہے۔ یہ کام اس قدر مستند ہے کہ برصغیر کی دانش گاہوں میں بھی اس عرق ریزی اور دقت نظر سے کام نہیں کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ان کی پے در پے کتابیں ضخامت، افادیت دقت نظر سے منظر عام پر آتی رہیں۔ جس پر گفتگو کرنے کو جی چاہتا ہے۔ وہ کتب تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں اور ایک سے ایک جواہر پارے سے اُردو دنیا کو نوازتے رہتے ہیں۔ وہ بہت سلجھے اور سنجیدہ لہجے میں اپنی گزارشات پیش کرتے ہیں۔ کوئی دعوائے ہمہ دانی اور طمطراق نہیں۔ لیکن حقیقت ہے کہ اکیسویں صدی میں ان جیسے تلاش وتجسس کا ادیب نہیں ہوگا۔ وہ پوری اُردو دنیا کے لیے باعث صد افتخار ہیں۔ رثائی ادب کے بہت سے پوشیدہ خزانوں سے موصوف نے تعارف کرایا ہے۔ ان کی ذرہ نوازی ہے کہ مجھے اپنی نادر ونایاب کتابیں عنایت فرماتے رہتے ہیں۔ میرے پیش نظر ان کی متعدد کتب ہیں لیکن جی چاہتا ہے کہ ''کلیات سعید شہیدی'' پر اظہار خیال کیا جائے۔ اُن کے شعری محرکات وعوامل مجھے بہت پسند ہیں۔ انھوں نے غزلیں بھی کہی ہیں، سلام، مرثیہ، نوحہ، قصائد، رباعی وغیرہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے اور ہر صنف میں اپنا منفرد رنگ وآہنگ کا جلوہ دکھاتے ہیں۔

غزل انتہائی نازک اور چھوئی موئی سے زیادہ حساس صنف سخن ہے۔ اس کی خاطر پر ذرہ برابر بال گوارہ نہیں۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے بڑی محنت، کاوش اور دیدہ ریزی سے

"کلیاتِ سعید شہیدی" کو ترتیب و تدوین و تشریح سے مزین کیا ہے۔ اس میں 282 غزلیں، 118 نعت و منقبتیں ہیں۔ 32 سلام،،، (2) مختصر مرثیے، (19-11 بند)، پچاس (50) نوحے، پانچ (5) قطعات، ایک رباعی اور ایک مناجات شامل ہے۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے "کلیات سعید شہیدی" کی تحقیق، تدوین اور تشریح کو شائع کر کے نہایت اہم کام انجام دیا ہے۔

سعید شہیدی کی غزلوں میں فکر و فن کا ارتباط نمایاں ہے۔ وہ سوز دروں سے روحِ غزل کو متعارف کراتے ہیں۔

سعید شہیدی کی شخصیت اور ان کے فن پر اشعار کی روشنی میں بہت مستند رپورٹ تقی عابدی صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ ڈاکٹر تقی عابدی ان کی تہذیبی اور تمدنی صفات کے متعلق رقم طراز ہیں:

"سعید دکنی تہذیب کے تابندہ ستارے ہیں جن کی روشنی آخری عمر تک اسی طرح باقی رہی۔ شہرت، ثروت اور سیاست سے کوئی واسطہ نہ رکھا۔ متمدن لباس میں قلندرانہ مزاج رکھتے تھے۔ گوشہ نشینی، نبیؐ و آلِ نبیؐ کی مداحی اور کلاسیک شاعری کا سفر وضع داری کے ساتھ تمام عمر جاری رہا۔ ان نکات کو سعید نے کتنے خوب صورت اشعار میں پیش کیا ہے۔ سنئے اور سر دھنئے کہ یہ اشعار سلیس، سادہ اور صداقت پر مبنی ہیں ؎

سیکڑوں جھونکے حوادث کے تھے شہرت کے سعید
مصلحت تھی میں چراغ زیرِ داماں ہوگیا

•••

حیرت یہ ہے کہ آپ نہیں بدلے اے سعید
بحرِ سخن کے کتنے شناور بدل گئے

•••

وضع داری میں سعید اپنی کبھی آیا نہ فرق
بن بلائے ہم کسی کی بزم میں جاتے نہیں (ص 79)

تقی عابدی نے سعید کی شاعری کا محاسبہ بہت عمیق اور فنی اعتبار سے کیا ہے۔ اس لیے سعید کی شاعری کا اصل مزاج اور کیفیت تغزل ہے جو آئینۂ غزل میں جھلکتا اور اپنی سج دھج دکھاتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کو نظر انداز کیا گیا۔ بقول ڈاکٹر تقی عابدی:

"سعید کی شاعری کے ساتھ کاروانِ نقد و تبصرے کے اجارہ داروں نے انصاف نہیں بلکہ خاموشی اور بے اعتنائی کر کے ظلم کیا۔ چناں چہ بیسویں صدی کے آخری دہوں غزلوں کے مطالعے میں اس توانا رجحان کو جو سلیس زبان میں پیش ہوا اور نظر انداز کیا گیا۔ شعر و ادب کے حق شناس جیالوں نے اپنے تنقیدی بیانوں میں سعید کی غزل کے متوالوں کی بہکتی شراب پیش کر کے ظرف دارانِ سخن فہموں پر لطف و عنایت کی ہے۔" (ص 87)

تدوین، تشریح اور توضیح کرنا بھی فن ہے جسے فاضل مدون ڈاکٹر سید تقی عابدی نے بڑی خوب صورتی سے ادبی نگار خانے میں سجایا ہے۔ "کلیات سعید شہیدی" میں ایک جگہ توضیح فرماتے ہیں:

"شراب کا پینا پلانا، ساقی و مئے خانہ کے ساتھ جام و صراحی کا تذکرہ اردو شاعری کا قدیم سرمایہ ہے۔ غزلوں میں ان موضوعات پر سب کچھ کہے جانے کے بعد بھی بہت کچھ کہا جا رہا ہے۔ سعید کا لہجہ فقیرانہ نہیں بلکہ رندانہ ہے جس کی تائید میں خود لفظ بولنا شروع کر دیتے ہیں ؎

صراحی میری میرا جام میرا ساقی ہے
میں مئے کدے پہ حکومت جتا کے پیتا ہوں

یہاں میں اور میرا کے ادعائے لہجہ کی قوت اور قدرت کا بھرم رکھا لیکن چوں کہ مئے خانے میں کمزور و قوی یا شاہ و گدا کا فرق نہیں رہتا، شاعر اس کو بہت عمدہ طریقے پر نبھاتا ہے اور اس خوب صورت شعر کا جنم غزل میں ہوتا ہے۔

سعید مسلک و مشرب ہے میرا رندانہ
میں اپنے ساقی پہ ایمان لا کے پیتا ہوں" (ص ۸۸)

شاعری میں تشبیہ، استعارہ اور علامت وغیرہ کو ہمیشہ ہی بنیادی اہمیت حاصل رہی ہے۔ اس شعری وسائل کے ذریعہ ہی کلام میں حسن بیان اور دل کشی پیدا ہوتی ہے۔ استعارہ اور علامت کی وجہ سے کلام میں معنی آفرینی کی صفت پیدا ہوتی ہے اور ہر زمانے میں شاعری کے نئے سے نئے معنی کا امکان پیدا ہو سکتا ہے۔ سعید شہیدی کی غزلوں میں یہ صفات بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں ؎

رخِ پُر نور پر بکھرے ہوئے گیسو کا سماں
امتزاجِ سحر و شام ہے کیا عرض کروں (ص 88)

•••

تیری مسکراہٹ کے ساتھ ہیں میری آنکھیں
صبح کے اُجالے میں دو چراغ جلتے ہیں

•••

آنچ ان کے گھر کی آپ کے گھر تک بھی آئے گی
کرنا ہے جو بھی کام ذرا سوچ کر کریں

•••

نشیمن پر نشیمن اس قدر تعمیر کرتا جا
کہ گرتے گرتے بجلی آپ خود بیزار ہو جائے

•••

برق کی زد میں نشیمن جو بنا سکتا ہے
وہی گلشن کو تباہی سے بچا سکتا ہے

سعید شہیدی کے سلام بھی بڑی شہرت اور اہمیت کے حامل ہیں جسے تقی عابدی نے ان کے والہانہ انداز کو سمجھتے ہوئے مثال کے طور پر تحریر کیا ہے ؎

فرشتوں کیسا سوال و جواب تُربت میں
اب آگئے ہو تو بیٹھو علیؑ کی بات کرو

•••

مدح کرنے چلا ہے علی کی
حوصلہ دیکھیے آدمی کا

•••

عباسؑ لینے آئے جو میدان کی رضا
زینب بس اپنے بازوؤں کو دیکھتی رہی

مختصر یہ کہ اگر ''کلیات سعید شہیدی'' نہ شائع ہوتی تو بہت بڑا ادبی خسارہ ہوتا۔ ڈاکٹر تقی عابدی کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے اس گراں قدر سرمایہ کو محفوظ کردیا۔

ڈاکٹر عنبرین صلاح الدین

"امجد فہمی" کچھ تاثرات

ہماری نسل کا امجد اسلام امجد صاحب کی شاعری سے تعلق اُس وقت سے قائم ہے جب سے ہم شعر کی طرف مائل ہوئے۔ شعر و سخن کی وادی میں داخل ہونے کا تحیّر اور اس کی حیرت اس لیے آج بھی دل و دماغ پر نقش ہے کہ اس وادی میں جن شاندار غزلوں اور نظموں سے واقفیت حاصل ہوئی ان میں ایک بڑا حصہ امجد صاحب کی شاعری کا تھا۔ ہماری بیاضوں میں امجد صاحب کے اشعار درج ہوتے تھے اور یہ ہماری خوش قسمتی رہی کہ ہم انھیں براہ راست دیکھ اور سن پائے۔ امجد صاحب سے ذاتی تعلق کی نوعیت عقیدت اور احترام کی ہے جو کہ میرے نانا مرزا منوّر کی وساطت سے پیدا ہوئی۔ اسی نسبت سے میں انھیں انکل بھی کہتی ہوں اور ان کی شفقت مجھے ہمیشہ میسر رہی ہے۔ اور پھر کالج دور میں مشاعروں اور بین الکلیاتی مقابلوں میں امجد صاحب کو سنا، اپنی ٹوٹی پھوٹی شاعری پر ان کے ہاتھوں انعامات وصول کیے اور ان کی کتابیں پڑھتی رہی اور آج یہ موقع بھی آ گیا کہ امجد صاحب کی شاعری پر شائع ہونے والی کتاب پر مجھے اپنے تاثرات بیان کرنے کا موقع مل رہا ہے جو میرے لیے کسی اعزاز سے کم نہیں۔

امجد اسلام امجد کے ادبی قد کا ٹھیک اندازہ لگانے کے لیے بس ان کی شخصیت کی جہات شمار کر لینا کافی ہے۔ انھوں نے شاعری کے ساتھ ساتھ ڈرامہ نگاری، کالم نگاری، سفرنامہ نگاری اور ترجمہ نگاری بھی کی۔ ٹیلی ویژن کے لیے سیریل بھی لکھے۔ تراجم، تنقید، تدوین اور تبصرہ نگاری بھی کی۔ صرف یہی نہیں، وہ درس و تدریس سے وابستہ رہے اور انتظامی ذمہ داریاں بھی بخوبی نبھاتے رہے۔ انھوں نے اتنا سب کچھ کیسے کیا، ان سب امور میں وہ کب اور کیسے وقت کو manage کرتے رہے۔ یہ اپنی جگہ ایک جواب طلب

بات ہے کیوں کہ میں نے انھیں جب دیکھا، مجھے یہی محسوس ہوا کہ وہ کل وقتی شاعر ہیں۔ He is a poet through and through. نظم اور غزل پر یکساں دسترس کے ساتھ ساتھ عصر حاضر کی شاعری اور اُردو شعری روایت دونوں ان کی نظر میں ہیں اور نئے پرانے کے نام سے ان کی مرتب کردہ کتاب میں انھوں نے نہ صرف اس تذہ کے کلام کا بہت اچھا انتخاب کیا انھوں نے اس کلام پر جو تبصرے لکھے ہیں، وہ خاصے کی چیز ہیں۔ روایت سے تعلق، معاصر شاعری اور نئے شعر سے واقفیت کے ساتھ ساتھ نئے شاعروں کی حوصلہ افزائی ان کے بڑے پن کی دلیل ہے۔ ایک اور اہم بات یہ ہے کہ انھوں نے مختلف اصناف میں جتنا بھی کام کیا، وہ ان کی شاعری سے گویا جڑی ہوئی ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ اس قدر تنوع کے باوجود ان کا کام ان کے نام کے ساتھ بہت آسانی سے پہچانا جاتا ہے۔ ایک مصنف کا نمایاں ترین وصف بھی یہی ہے کہ اسے اس کے اپنے انداز، اس کے اسلوب سے پہچانا جاسکے۔ میں یہاں خاص طور پر امجد اسلام امجد کی نظم کا ذکر کرنا چاہوں گی۔ انھوں نے جس خوبی اور خوب صورتی سے نظم کے امکانات کو دریافت کیا ہے، یہ ان کا کمال ہے۔ انھوں نے ردھم، ردائم اور قوافی کے امکانات کو بھرپور طریقے سے دریافت کیا ہے۔ انھیں زبان اور اصوات کا گہرا ادراک بھی ہے جو ان کی شاعری میں موسیقیت اور غنائیت پیدا کرتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری سن کر یاد رہ جاتی ہے۔ اس کی دو وجوہات مجھے سمجھ میں آتی ہیں، ایک تو یہ کہ امجد صاحب چوں کہ ایک باکمال ڈرامہ نگار ہیں، سو ڈرامائیت ان کی نظموں میں خاص طور پر الگ فضا بناتی نظر آتی ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ انتہائی فلسفیانہ یا گنجلک مسائل کو بھی سادہ پیرائے میں بیان کر دیتے ہیں۔ میں کئی سال سے فلسفے کی کلاس پڑھاتے ہوئے ہیراکلیٹس کے تغیر کے فلسفے یعنی you cannot step into the same river twice کی رٹ ہیں سمجھاتے ہوئے۔ امجد اسلام امجد صاحب کی نظم کی لائنیں، ''ہم تم بھی یہیں ہوں گے، یہ پل بھی یہیں ہوگا، اس وقت جو دریا ہے، وہ اور نہیں ہوگا'' کو اس یقین کے ساتھ دوہراتی ہوں کہ ان طلباء کو یہ بات آسانی سے سمجھ آجاتی ہے۔

اس وقت امجد صاحب زندگی کے اہم ترین مقام پر کھڑے ہیں جب وہ کئی ہم

سنگ میل عبور کر چکے ہیں۔ سو اس وقت ''امجد فہمی'' جیسی کتاب کا سامنے آنا ضروری بھی تھا، بر وقت بھی اور اہمیت کا حامل بھی۔ اس کے لیے ڈاکٹر سید تقی عابدی بے حد مبارک باد کے مستحق ہیں اور امجد صاحب کو بھی اس کتاب کی اشاعت کی مبارک باد پیش کرنا بنتا ہے۔

''امجد فہمی'' میں سید تقی عابدی صاحب نے عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ ان کے مضامین پڑھ کر امجد صاحب کی شاعری کے کچھ بالکل نئے زاویے سامنے آتے ہیں۔ عابدی صاحب نے امجد صاحب کی حمدیہ، نعتیہ اور سلام کی شاعری پر الگ مضامین لکھے اور ان مضامین کی خاصیت یہ ہے کہ ان میں تقی عابدی صاحب نے ایک مرکزی استعارہ دریافت کر کے اس کے گرد مضامین بنے ہیں۔ ان مضامین کے علاوہ مضامین میں بھی تقی عابدی صاحب نے استعاروں پر ہی مضامین کی بنیاد رکھی ہے۔ یہ سب مضامین بہت دلچسپ ہیں اور مضامین کے عنوانات امجد صاحب کی مخصوص لفظیات کے قریب دکھائی دیتے ہیں۔ امجد صاحب کی شاعری کو محبت کی شاعری کہا جاتا ہے۔ اس پہلو کو یہ کتاب جا بجا اجاگر کرتی دکھائی دیتی ہے۔ اور ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ امجد صاحب نے محبت کی شاعری بھی کی اور انھوں نے زمان و مکاں، لامکاں، ازل اور ابد اور عصری مسائل بھی بہت سہل مگر مکمل شعریت، پہلوداری اور آفاقیت کے ساتھ اپنی شاعری میں سموئے۔ امجد صاحب کی شاعری کا دھیما مزاج بھی ان مضامین میں بہت خوب صورتی سے بار ہا سامنے لایا گیا ہے۔

عموماً تجزیاتی اور تاثراتی کتب اور وہ بھی اتنی ضخیم کتب بوریت کا شکار کر دیتی ہیں لیکن یہ کتاب خاص طور پر دلچسپ اور قابل مطالعہ ہے۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی نے امجد اسلام امجد کے موضوعات، اسلوب، ڈکشن، استعاروں، کرافٹ غرض یہ کہ ہر زاویے سے ہر موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ''امجد فہمی'' کے سلسلے میں، امجد صاحب کی شاعری پر آئندہ اعلیٰ سطح کا تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے یہ کتاب تادیر حوالہ ثابت ہوگی۔

مرکز شعر و ادب یعنی لاہور کی ہر ادبی تقریب کا مرکز امجد اسلام امجد ہیں۔ ہم نے امجد اسلام امجد سے بہت کچھ سیکھا اور سیکھ رہے ہیں اور دعا ہے کہ اللہ پاک انھیں تادیر سلامت رکھے۔ تقی عابدی صاحب نے اس شاندار شاعری سے بہترین نثر بھی نکالے ہیں جو خاصے کی چیز ہیں، ان میں سے چند ایک یہاں پیش کرنے کی اجازت لوں گی

اس حرفِ کن کی ایک امانت ہے میرے پاس
لیکن یہ کائنات مجھے بولنے تو دے

•••

حسابِ عمر کا اتنا سا گوشوارہ ہے
تمہیں نکال کے دیکھا تو سب خسارہ ہے

•••

اپنی گلی میں اپنا ہی گھر ڈھونڈتے ہیں لوگ
امجد یہ کون شہر کا نقشہ بدل گیا

ایک مرتبہ پھر عابدی صاحب اور امجد انکل کو بہت بہت مبارک باد۔ بہت شکریہ۔

سلطان ناصر

محبت کا پھیلاؤ

(ڈاکٹر سید تقی عابدی کی تصنیف ''امجد فہمی'' امجد اسلام امجد کے جہان شعر کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ'' کی تقریب رونمائی مورخہ 17 رنومبر 2018ء میں پیش کرنے کے لیے تحریر)

حمد و ثنا اُس معبودِ محبوب کے لیے جس نے اپنی محبت کو مومنین کی پہچان بنا دیا کہ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبّاً لِلّٰہِ اور درود و سلام حبیب لبیبؐ کے لیے جنھوں نے لَاایْمَانَ لِمَنْ لَّامَحَبَّۃَ لَہٗ فرما دیا۔ گویا جس بیٹے کی پوٹلی میں درہم محبت نہیں وہاں دینار ایمان بھی نہیں ہو سکتا۔

اگلے وقتوں میں حافظ شیرازی نے ایک شعر کہا تھا جسے فیض صاحب سمیت کئی بڑے لوگوں نے منشورِ حیات بنائے رکھا۔ شعر یوں ہے ؎

خلل پذیر بود ہر بنا کہ می بینی　　　بجز بنائے محبت کہ خالی از خلل ست

یعنی ہر بُنیاد میں خلل ہے اور وہ واحد بُنیاد جسے خلل کا خوف نہیں ''محبت'' کہلاتی ہے۔ جی ہاں!

محبت ایسا دریا ہے
کہ بارش روٹھ بھی جائے
تو پانی کم نہیں ہوتا

یہاں جس محبت کا ذکر ہے اُس میں ایک ایسی جہاں گیر گشش ہے جو ''حقیقت'' اور ''مجاز'' کے مصنوعی تفرقے سے آزاد ہے۔ جناب امجد اسلام امجد کی شخصیت اور فن کا جو ہیولا میرے ذہن میں اُبھرتا ہے اُسے محبت کی تجسیم کہہ دوں تو حسب حال ہوگا۔ پھر امجد

صاحب کی علمی و ادبی خدمات اس قدر متنوع اور کثیر ہیں کہ اُن پر بات کرنے کے لیے ڈور کا سرا پکڑنا نہایت دُشوار ہے۔ وہ بیک وقت ایک نظم نگار، غزل گو، مترجم، سفرنامہ نگار، ڈرامہ نویس، کالم نگار، مزاح نگار، نقاد، مبصر، محقق، ماہر تعلیم، عالم علوم عمرانی اور خدا جانے کیا کیا کچھ ہیں اور جس جہت کو بھی دیکھیں ع

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

چناں چہ میں نے ڈور کا سرا پکڑنے کا خیال ترک کر دیا اور سوچا کہ کیوں نہ بدن کے جسم پر بات کرنے کی بجائے اس کی رگوں میں بہتے خون پر بات کی جائے۔ امجد صاحب کے جملہ علمی ادبی کام کو ایک جسم مان لیا جائے تو اس کا خون سوائے ''محبت'' کے اور کچھ نہیں۔ جیسے خون دل سے نکل کر سر، پاؤں اور تمام اعضا تک پہنچ جاتا ہے، اسی طرح امجد صاحب کے ہاں محبت شاعری سے نکل کر ان کے کالم، سفرناموں اور ڈراموں وغیرہ کو جا چھوتی ہے۔ میرا خیال ہے انسان کو شعوری یا لاشعوری طور پر اپنے باطن میں محبت جمع کرتے کچھ وقت لگتا ہے اور جب اُس کا پیالۂ وجود لبریز ہو جاتا ہے تو وہ محبت آس پاس تقسیم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ وہ محبت ایک انسان سے بلند ہو کر انسانیت تک پھیل جاتی ہے۔ تب کہیں جا کر ادراک ہوتا ہے کہ ع

جو بھی کچھ ہے محبت کا پھیلاؤ ہے

محبت جب پھیلتی ہے تو کبھی سرحد پاکستان سے دور فلسطینی شعرا کی غیرت و مظلومیت کا عکس پیش کرتی ہے اور کبھی کالے لوگوں کی نظموں کو اپنی زبان میں روشن کرتی ہے۔ مگر امجد صاحب کے ہاں ''انسانیت'' تک کے اس پھیلاؤ میں بھی ''انسان'' نظر انداز نہیں ہوتا۔ لہٰذا محبت ہر سطح پر ''تائید تازہ'' مانگتی ہے۔ عمر کا سورج جوانی کے نصف النہار پر ہو یا بڑھاپے کی اُفق غرب پر، محبت اپنا بچپنا نہیں بھولتی اور مصر رہتی ہے

کہو۔ مجھ سے محبت ہے   کہو۔ مجھ سے محبت ہے

امجد صاحب کے ساتھ محبت کا ایک اور معاملہ بھی رہا اور وہ یہ کہ انھوں نے محبت کو بانٹا ہی نہیں، پایا بھی بہت ہے۔ اُن کے نصف صدی پر محیط اس ادبی سفر میں اُردو زبان کے چاہنے والوں نے ان پر جتنی چاہتیں نچھاور کی ہیں وہ کم لوگوں کے حصے میں آتی ہیں۔

ہماری ادبیات کی تاریخ میں کئی اصحاب علم وفضل ایسے گزرے ہیں جن کی زندگی میں اُن کی نہ تفہیم ہوسکی نہ تحسین۔ اور بعض تو جاتے جاتے زمانے سے بے قدری کا گلہ بھی کر گئے۔ اقبال نے غالباً اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ

اے بسا شاعر کہ بعد از مرگ زاد   چشم خود بربست و چشم ما کشاد

مگر امجد صاحب اُس خوش بخت گروہ سے ہیں جنھیں زندگی میں ہی اپنے فن کو بام عروج پر دیکھنا نصیب ہوا۔ شاعر کی تاثیر شعریت اور فن کار کے کمالِ فن کا تو خیر ایک جہان معترف ہے، مگر یہاں کریم کے کرم کا معاملہ بھی واضح ہے کہ

ایں سعادت بزورِ بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ڈاکٹر سید تقی عابدی صاحب کی خوب صورت کاوش ''امجد فہمی'' اسی سلسلۂ تحسین و تفہیم کی ایک سنہری کڑی ہے۔ اس کتاب میں تحقیق بھی ہے۔ تالیف بھی اور تخلیق بھی۔ کتاب کے پہلے چار ابواب حمد پر ہیں۔ ابتدا میں محققانہ انداز میں حمد کی لغوی، معنوی، تاریخی اور ادبی تفصیل بیان کی گئی ہیں اور پھر امجد صاحب کی حمد کو تنقیدی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ یہاں صرف باقاعدہ حمدیہ شاعری ہی نہیں بلکہ جہاں کہیں بھی شاعر کا خدا سے کلام غزل یا نظم میں ملا ہے، اُس کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ یوں بھی خدا، کائنات، انسان اور تینوں کا باہمی ربط دُنیا کی بڑی شاعری کے ہمیشہ سے مرغوب موضوعات رہے ہیں۔ اس کے بعد ایک مضمون امجد صاحب کی نعتِ رسولِ مقبولؐ پر جب کہ ایک مضمون امامِ عالی مقامؑ کی بارگاہ میں سلام پر شامل کیا گیا ہے۔ بعد کے مضامین میں ڈاکٹر صاحب نے امجد صاحب کی شاعری کو فنی اور فکری ہر دو زاویوں سے دیکھا اور دکھایا ہے۔

کتاب معنوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ صوری محاسن سے بھی مالا مال ہے۔ ممتاز مفتی نے سلطان ارشد القادری کے مجلّہ ''دستگیر'' کے بارے میں ایک یادگار جملہ کہا تھا: ''سلطان ارشد رسالہ نہیں چھاپتے، دلہن سجاتے ہیں۔'' اگر یہی جملہ ٹک کارنر کے امر شاہد اور گگن شاہد صاحبان کی طباعت کتب کی توصیف میں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ کتاب کی عمدہ طباعت اور بالخصوص کثیر تصاویر کی شمولیت نے کتاب کے حُسن کو دوبالا کیا۔ اور تصاویر بھی ایسی کہ ہر ایک انگریزی مقولہ ''تصویر بقدرِ ہزار لفظ'' کے مصداق۔ ان تصاویر کی

اشاعت سے جہاں امجد صاحب کی ذاتی و خانگی زندگی کے کئی نقش محفوظ ہوگئے ہیں، وہیں مشاہیر علم و ادب سے اُن کی وابستگی کی کئی یادیں بھی دستبردِ زمانہ سے مامون ہوگئی ہیں۔ مجھے ذاتی طور پر امجد صاحب کی شخصیت کے جن پہلوؤں میں بہت کشش محسوس ہوتی ہے اُن میں سے ایک یہ ہے کہ اُنھوں نے نہ صرف گزشتہ نسل کے کئی کاملینِ فن کا زمانہ پایا بلکہ اُن کے ساتھ قریبی مراسم رہے۔ امجد صاحب جب فیض احمد فیضؔ، احمد ندیم قاسمی یا صادقین وغیرہ کی گفتگو کرتے ہیں تو سننے والا اُن گزشتگان کو اپنے آس پاس محسوس کرنے لگتا ہے۔ خوش قسمتی سے مجھے امجد صاحب کی محفل میں چند بار یہ سعادت نصیب ہوئی ہے۔ اکابر سے محبت اور اصاغر سے شفقت امجد صاحب کے مزاج کے دو روشن پہلو ہیں۔ اور ملّت بیضا کی شانی بھی تو یہی ہے کہ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَيُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا۔ سچ تو یہ ہے کہ امجد صاحب کی بزرگ شناسی اور خورد نوازی دونوں پر جدا جدا مضامین لکھے جاسکتے ہیں۔ القصہ، مجھے امجد صاحب کے فکروفن میں اور اُن کے آس پاس محبت ہی محبت نظر آتی ہے۔

آخر میں ڈاکٹر سید تقی عابدی صاحب اور بک کارنر جہلم کو اس سلسلۂ محبت میں کامیاب شمولیت پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ بہت شکریہ۔

نعیم الرحمٰن

''امجد فہمی'' امجد اسلام امجد کے جہانِ شعر کا تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ

امجد اسلام امجد ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔ وہ دورِ حاضر کے صفِ اول کے شاعر ہیں، جن کی نظم وغزل دونوں ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ بہترین ماہر تعلیم، بے مثال ڈرامہ نگار، عمدہ کالم نگار، شاندار سفرنامہ نگار اور اعلیٰ نقاد ہیں۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی نے ''امجد فہمی'' میں امجد اسلام امجد کے جہانِ شعر کا تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ کیا ہے۔ کتاب میں امجد کی شعری اور نثری تخلیقات کا بہترین انتخاب بھی شامل کیا ہے۔

''امجد فہمی'' کے ابتدائی دوسواٹھانوے صفحات میں شاعر کی مختلف شعری اصناف کا بھرپور جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ایک سوتیس صفحات کے شعری انتخاب میں امجد اسلام امجد کی ستر شعری تخلیقات دی گئی ہے۔ ایک سو بائیس صفحات میں ان کی نثری اصناف کا انتخاب شامل ہے۔ جس میں کالم، ڈرامہ، سفرنامہ، تنقید وغیرہ سب شامل ہیں۔ جب کہ کتاب کے آخری ڈیڑھ سو صفحات میں تصاویر کے آئینے میں امجد اسلام امجد اور ان سے وابستہ افراد کی پوری زندگی کو پیش کیا گیا ہے۔ بہترین آفسیٹ پیپر پر بڑے سائز کے سات سو بارہ صفحات جس میں دوسو صفحات پر رنگین تصاویر بھی شامل ہیں۔ اس بہترین کتاب کو بک کارنر جہلم نے اپنے عمدہ روایتی انداز میں شائع کیا ہے اور اس کی قیمت ڈھائی ہزار بہت مناسب ہے۔

ڈاکٹر سید تقی عابدی ایم بی بی ایس ڈاکٹر اور بے شمار کتابوں کے مصنف ہیں۔ شاعری اور ادبی تحقیق اور تنقید ان کا خاص میدان ہے۔ ان کی تصنیف میں ''اقبال کے عرفانی زاویے''، ''انشاء اللہ خاں انشا''، ''رموزِ شاعری''، ''اظہر حق''، ''مجتہد نظم مرزا

دبیر''، ''طالع مہر''، ''سلک سلام''، ''تجزیہ یادگارِ انیس''، ''ابواب المصائب''، ''عروضِ سخن''، ''مثنویات دبیر''، ''فیض فہمی''، ''اردو کی دو شاہکار نظمیں''، ''رباعیات رشید لکھنوی''، ''رباعیات انیس''، ''فیض شناسی''، ''حالی فہمی'' اور بہت سی دیگر کتب شامل ہیں۔ ان کی ایک گراں قدر تصنیف ''باقیاتِ فیض'' بھی ہے اور بھی کئی کتب زیر تصنیف ہیں۔

سید تقی عابدی ''امجد فہمی'' کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں: ''فنون لطیفہ کے گلشن کا گل سرسبد شاعری ہے۔ شعور کی وجہ سے یہ حیوان ناطق انسانی کہلاتا ہے۔ چناں چہ وہ فن انسانی شعور کی نمو اور اس کی قدروں کی جلوہ نمائی کرتا ہے۔ جزو پیمبری بن جاتا ہے۔ کیوں کہ وہ مشیت الٰہی اور پیامبروں کو تشہیر کر کے انسانوں کی تعلیم و تربیت کرتا ہے۔ موجودہ دور انسانیت کی تلاش میں ہے۔ چناں چہ حقوق آدم، مقام آدم اور احترام آدم آدمیت کے لیے ضروری ہے۔ امجد اسلام امجد کی تخلیقات کا محور انسان ہے۔ امجد ایک ہمہ جہت تخلیق کار ہیں لیکن ان کی شاعری دوسری تخلیقات کے مقابل توانا، نمایاں اور افضل ہے، اس لیے ''امجد فہمی'' دور حاضر کی ضرورت اور اردو شعر و ادب کی ترقی کی ضامن بھی ہے اور اسی وجہ سے یہاں صرف ان کی شاعری کا تجزیاتی اور تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے تاکہ اس سیر گل گشت سے عامی اور عالم دونوں مستفید ہوسکیں۔ عمدہ شاعری ادب عالیہ ہے۔ ٹی ایس ایلیٹ کہتا ہے: ''جس زبان میں ادب عالیہ موجود ہو وہ فنا نہیں ہوسکتی۔'' آج کے گلوبل ولیج کے سماجی ماحول کے تقاضوں، جدید سائنسی اور بہشتی انکشافات کے ساتھ خود انسان شناسی کے موضوعات اکیسویں صدی کی زندہ شاعری کی ضروریات ہیں۔ امجد اسلام امجد اردو کے ان ممتاز چند شاعروں میں ہیں، جنھوں نے اپنی شاعری کو ان مطالب سے جوڑ کر مثبت نتائج پیش کیے ہیں۔ یہ دستاویزا نہی جواہر پاروں کی روشنی سے تابناک ہے۔ امجد جیسے قادر الکلام، کہنہ مشق، نکتہ سنج اور پرگو شاعر کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ سچ ہے اگر دریا کا شیریں پانی پورا سمیٹا نہ جا سکے تو کم از کم اتنا تو اپنے ساغر میں بھر لیا جائے کہ تشنگی کسی حد تک کم ہو جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ امجد اسلام امجد درخشاں ستارے کی مانند اردو شاعری کے آسمان پر چمکتے رہیں گے۔

رہتا سخن سے نام قیامت تلک ہے ذوق
اولاد سے تو ہے یہی دو پشت چار پشت''

کتاب کی ابتدا امجد اسلام امجد کے زندگی نامے سے کی گئی ہے۔ جس کے مطابق 4، اگست 1944ء کو پیدا ہوئے۔ ان کی شریک حیات فردوس امجد ہیں، روشین امجد بیٹی، تحسین امجد اور علی ذیشان امجد بیٹے ہیں۔ پیشہ ورانہ سرگرمیوں میں سینئر وزیٹنگ پروفیسر، مشیر ''دُنیا'' ٹی وی، ڈائریکٹر پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، پراجیکٹ ڈائریکٹر چلڈرن لائبریری، ڈائریکٹر جنرل اُردو سائنس بورڈ، ایسوسی ایٹ پروفیسر ایم اے او کالج رہے۔ 1987ء میں اعلیٰ ادبی خدمات پر حکومت پاکستان نے پرائیڈ آف پرفارمنس سے نوازا، 1998ء میں ''ستارہ امتیاز'' حاصل کیا۔ امجد اسلام امجد کے فن اور شخصیت پر تیس سے زیادہ پی ایچ ڈی، ایم اے اور ایم فل کے مقالے لکھے گئے ہیں۔ یہ مقالے پاکستان، مصر، بھارت اور ترکی کی یونی ورسٹیوں میں پایہ تکمیل کو پہنچے۔

''عکس باطن'' کے عنوان سے امجد اسلام امجد سے ایک سوال نامے کے جواب حاصل کیے گئے۔ جن کے مطابق ان کا مزاج جیو اور جینے دو، خون کا رنگ تمام تحریر سفید نہیں ہوا، بلا پرکھے ہر کسی پر اعتماد کرنا کمزوری، وہ شخص جو زندگی کے ارتقا پر یقین نہیں رکھتا اسے دشمن سمجھتے ہیں، اللہ کے فضل سے بہت دوست ہیں، ہر اس شخص کی قدر کرتا ہوں جو محنت کی عظمت پر یقین رکھتا ہے، اس صحبت سے اجتناب کرتے ہیں جہاں انسان کا مرتبہ اس سے زیادہ ہو، موت کے سامنے انسان کی بے بسی دیکھ کر رو پڑتے ہیں۔ پسندیدہ کتاب ''دیوانِ غالب'' اور غیر ادبی سرگرمی کرکٹ سے محبت ہے۔ ان سوالات سے امجد اسلام امجد کی پوری سوچ اور شخصیت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ امجد اسلام امجد کی ترسٹھ کتابوں کے رنگین سرورق بھی دیے گئے ہیں۔

امجد اسلام امجد کی شاعری میں غزلوں کی کلیات اور انتخاب سمیت اٹھارہ، نظم کی کلیات سمیت پانچ، گیتوں کی کلیات اور دو مزید کتب، بچوں کے گیتوں کی تین کتابیں، غیر ملکی شاعری کے آٹھ تراجم، کالمز کی گیارہ کتب، جن میں ایک کتاب تعزیتی کالموں پر مبنی ہے۔ امجد اسلام امجد کے فن اور شخصیت پر دو کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ انھوں نے پروین شاکر کا انتخاب، اُردو شاعرات، کلاسیکی شاعری اور افسانوں کے انتخاب کی کتابیں مرتب کیں۔ پانچ سفرنامے ''ریشم ریشم''، ''شہر در شہر''، ''چلو جاپان چلتے ہیں''، ''سات دن'' اور ''سفر پارے''

شائع ہو چکے ہیں۔ تنقید کی ایک کتاب "سچ کی تلاش" ٹی وی سیریز اور انفرادی ڈراموں کی کئی کتب شائع ہوئیں۔ انھوں نے سترہ ٹی وی سیریل، سترہ طویل ڈرامے، چوالیس انفرادی ڈرامے تحریر کیے۔ بائیس کی ڈرامائی تشکیل کی۔ تین بچوں کے ڈرامے بھی لکھے۔ پانچ فلمیں اور تین اسٹیج ڈرامے بھی انھوں نے تحریر کیے۔ ٹی وی کے تین پروگراموں کی میزبانی بھی کی۔ ان تمام تفصیلات سے واضح ہے کہ امجد اسلام امجد کی شخصیت کتنی ہمہ جہت ہے اور انھوں نے کس قدر کام کیا ہے جو مختلف اصناف میں پھیلا ہوا ہے۔

"امجد فہمی" کا آغاز ڈاکٹر سید تقی عابدی نے "امجد اسلام امجد کے بہتر نشتر" کے عنوان سے شاعر کے بہتر یادگار اشعار درج کیے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ کریں۔

اُس حرفِ کُن کی ایک امانت ہے میرے پاس
لیکن یہ کائنات، مجھے بولنے تو دے

•••

اے کے سمندر، کہا تو نے جو بھی، سنا پر نہ سمجھا
جوانی کی ندی میں تھا تیز پانی، ذرا پھر سے کہنا

•••

زمیں سے آسماں تک جس قدر اچھے مناظر ہیں
محبت کے کنائے ہیں وفا کے استعارے ہیں

•••

کسی کو پھر نہ ملا رنگ میرؔ و غالبؔ کا
اگرچہ یوں تو ہزاروں ہی خوش بیاں گزرے

"امجد اسلام امجد کے زرّیں فقرے" میں ان کی برجستہ گوئی کی مثال چند یادگار فقرے دیے گئے ہیں۔ یہ فقرے دیکھیں۔

"خواہش ایسا اسم ہے جو سب بھیدوں کی کنجی ہے۔"

لطیفہ نسلِ آدم کی میراث ہوتا ہے اسی لیے جہاں تک ہو سکے اسے خلقِ خدا تک پہنچنا چاہیے۔ اتنی گھٹن اور پریشان زندگی میں مجھ تو اپنے ہونے کا احساس ہو۔"

''میر کا پرابلم یہ ہے کہ اس کی دستار ہمیشہ خطرے میں رہتی ہے۔ سودا ہمارے کلاسیکی شاعری کا پرابلم چائلڈ ہے۔ نظیر اکبر آبادی ایک اعتبار سے اردو شاعری کا محمد تغلق ہے۔''

''اسلام کو اپنے دونا موں کے بیچ میں رکھا ہے تا کہ جو آنچ بھی آئے میرے نام پر آئے، اسلام پر نہ آئے۔ جہاں تک زمانے اور تجربے کا تعلق ہے اس کا قصہ یوں ہے کہ ازل سے ایک منظر ہے فقط آنکھیں بدلتی ہیں۔''

''زندگی جیسی نظر آتی ہے ویسی ہے نہیں، اور جیسی ہے ویسی نظر نہیں آتی۔''

موضوعات اپنا اسلوب ساتھ لے کر آتے ہیں لیکن شاعر کا اصل کمال انھیں اپنے فطری اسلوب سے ہم رنگ اور ہم آواز کرنا ہے اور یہ وہ وصف خاص ہے جو ہر زبان کے تمام بڑے شاعروں کا مشترک ورثہ ہے۔

''دورِ حاضر کے حمدیہ موضوعات کا جائزہ'' جس کا ذیلی عنوان ''امجد کا شعری انکسار اور فکری اجتہاد'' ہے۔ سید تقی عابدی لکھتے ہیں ''ہمارا یہ مضمون امجد اسلام امجد کی حمدیہ منظوم نگارشات کا تجلیلی، تحلیلی، تشریحی، توصیفی، مذہبی، قرآنی، عقیدتی، ادبی اور شعری جائزہ ہے جو شریعت، طریقت اور حقیقت کے نقش و نگار کے ساتھ ساتھ اکیسویں صدی کے سماجی تہذیبی اور تربیتی قدروں کا صحیفہ بھی ہے۔ چناں چہ اس گلستان کی سیر اور گل چینی آسان اور محدود اس لیے بھی نہیں کہ یہ ذکر و بیان اس رب العالمین سے مربوط ہے جو نہ صرف **لا اله کا الا الله** ہے بلکہ اس کے صفات لامحدود کمالات برکات لا انتہا اور اس کی ذات پر انسانی عقل لاعاقل اور عاجز ہے پھر بھی اس محدودیت میں ہماری یہ توفیق کی فراوانی ہے کہ اس رب العالمین کی حمد، تعریف، ثنا، تسبیح اور تحلیل کے کچھ پھول امجد کے گلشن حمد سے گل گشت کے دوران گل چیں کر کے گل دستۂ عشق کی شکل میں پیش کریں تا کہ عامی و عالم، مسلم اور غیر مسلم سب اس کی خوشبو اور رنگینی سے فیضیاب ہو سکیں۔ ورنہ سچ تو یہ ہے کہ اگر سمندر روشنائی، تمام اشجار قلم اور تمام جن وانس کاتب بن جائیں تب بھی اس رب العزت کی حمد بیان نہیں ہو سکتی۔''

اس مضمون میں حمد کیا ہے؟ حمد کی تاریخ، حمد شعر وادب کی روشنی میں، حمد کا ارتقا اور امجد کی حمدیں۔ ان سب کی وضاحت کی گئی ہے۔ ''حمدوں میں ''کن فیکون'' کا تجنیس اور

تحقیق'' ایک بہت دلچسپ اور معلومات افزا مضمون ہے۔ ''حمدوں میں مناجاتی اور دعائیہ تجلیات'' اور ''حمدوں میں کعبے کی قبلہ نمائی'' ان چاروں مضامین میں مجموعی طور پر حمدیہ شاعری کا آغاز و ارتقا اور اس میں صرف امجد اسلام امجد کی حمدیہ شاعری نہیں بلکہ پوری تاریخ بیان کی گئی ہے۔ امجد کے حمدیہ اشعار نے مضامین کی اہمیت اور دلچسپی میں اضافہ کیا۔

اگلا مضمون ''نعتیہ کلام کی تجزیاتی'' اور ''سلاموں کی اہمیت اور افادیت'' میں نہ صرف امجد کی نعتیہ شاعری اور سلاموں کا جائزہ لیا ہے بلکہ ان کی تاریخ اور ارتقا کو بھی عمدگی سے پیش کیا گیا ہے۔ ایک دلچسپ مضمون ''علامت نگاری میں خوابوں کی کرشمہ سازیاں'' میں امجد اسلام امجد کی شاعری میں علامات اور خوابوں کا ذکر اور انھیں استعمال کرنے میں شاعر کی فنی مہارت کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

''برگزیدہ اور امجد کی نظموں کا تجزیہ'' میں مصنف نے لکھا ہے۔ ''امجد شناسی شعریت کی بنیاد پر قائم ہوئی ہے۔ یعنی ان کی وہ نظمیں جو ذات اور کائنات فہمی سے تعلق رکھتی ہیں اور جن سے ہمیں کون و مکان کے رموز اور خالق کائنات کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اس سے عوام تو کجا خواص بھی واقف نہیں۔ شاید آنے والی نسلیں اس سے استفادہ کریں کیونکہ امجد چھپ چکا ہے اور سچ ہے۔ ع

چھپ نہیں سکتا ہے شاعر شعر کے چھپنے کے بعد

امجد کی نظم ''آب حیات'' ہمیں آب حیات پی کر جاوداں ہونے کی دعوت دیتی ہے'' یہاں امجد کی نظموں کے ٹکڑے بھی بہت عمدہ ہیں اور مضمون کی تفہیم میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

''غزل میں خیال اور الفاظ کے اتصال کا جمال و کمال'' میں امجد اسلام امجد کی غزلیہ شاعری کا جائزہ لیا گیا ہے۔ امجد اگرچہ نظم کے شاعر مشہور ہیں لیکن ان کی سوا تین سو غزلیں مطبوعہ شکل میں کلیات غزل ''ہم اس کے ہیں'' میں موجود ہیں۔ مضمون میں امجد کی منتخب غزل کے اشعار پر تنقیدی، تجزیاتی اور تشریحی تبصرے سے پہلے اردو شعر و ادب میں غزل اور امجد کی غزل گوئی پر بھرپور نظر ڈالی گئی ہے اور ان کے انتخاب سے اس کے معیار کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اگرچہ شاعری کو حتمی طور پر خانوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا، پھر بھی نظم نظم ہے اور غزل غزل ہے۔

ممتاز شاعر اور نقاد خورشید رضوی نے ''شاعر امجد'' میں سچ کہا ہے:

''امجد نے جس بے ساختہ اور سچے انکسار سے کام لیا ہے اس سے اس کے اندر کی بڑائی منکشف ہوتی ہے۔ امجد کی غزلوں کے قارئین کا حلقہ واقعی خاصا بڑا ہے وہ ہمارے مقبول ترین ہم عصروں میں ہے اور ان کی غزل میں ان کے بہت سے احباب سے بہت بہتر شعر نکل آتے ہیں جو اپنے مقام کے تعین میں خود میر و غالب کو بھی کہیں میلوں پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔''

امجد کی غزل میں کچھ نئے مضامین یہ ہیں ؎

کاٹے ہیں اس طرح سے ترے بعد روز و شب
میں سانس لے رہا تھا پہ زندہ نہیں رہا

•••

اُس کی گلیوں میں گردِ سفر کی صورت
سنگِ منزل نہ بنے، راہ کا پتھر نہ ہوئے

•••

دن کے بھولے کو اور کیا کہیے
جو سرِ شام بھی نہیں آیا

''کلام امجد میں وقت کی تصویر کشی'' میں تقی عابدی لکھتے ہیں:

''وقت امجد کی شعری اُپج کا ایک خاص سبجیکٹ ہے۔ امجد نے اسے کسی خاص ضابطے کے تحت نہ کہا ہے اور نہ اس کو کسی خاص ترتیب کے ساتھ جمایا ہے بلکہ یہ افکار و خیالات ان کے شعری کوہ و دمن میں قدرتی پھولوں کی طرح بکھرے پڑے ہیں۔ جن کو چُن کر گل دستہ بنانا بھی اس لیے آسان نہیں کہ وقت کے موضوعات کی طرح ان کی شکلیں، رنگ اور جسامتوں میں فرق ہے لیکن اشعار فکری زاویوں کو متحرک اور خیالات کو منہمک کرتے ہیں اور آگاہی کے دروازوں پر دستک دیتے ہیں۔ ہمارے مطالعے میں بعض فارسی اور اُردو کے شاعروں جن میں اساتذہ بھی شامل ہیں انھوں نے تصوف اور فلسفہ کی منطقی اور وجدانی سیر کی ہے۔ وقت اور زمان و مکان پر شعر کہے ہیں۔ ان میں سے بعض کا ذکر خود امجد نے اپنی تنقیدی

کتاب ''نئے پرانے، میں کیا ہے'' ان کی نظم آج دیکھیں۔

یہ ''آج'' جو کل میں زندہ تھا

یہ ''کل'' جو آج میں زندہ ہے

وہ کل ''جو کل'' کے ساتھ گیا

وہ کل ''جو ابھی'' آئندہ ہے

گزر چکے اور آنے والے جتنے ''کل'' ہیں ''کل'' سچے

ان کا کوئی وجود نہ ہوتا

ہم اور تم بے اسم ہی رہتے

''آج'' اگر موجود نہ ہوتا

کتاب کے دیگر مضامین میں ''کلام میں رزق کی فراوانی''، ''شعری آہنگ میں محبت کے ڈھنگ''، ''اشعار میں آنکھوں کی جلوہ گری''، ''سحر آثار کی رونمائی''، ''شعریات امجد کے چند ہنری نکات''، ''اقربا اور مشاہیر پر دلکش نظمیں''، ''امجد کا شاعر اور شاعری پر منظوم تبصرہ'' شامل ہیں۔ جس کے بعد ''امجد کا کلاسیک شعرا پر ریویو اور شعری انتخاب'' اور ''امجد کی شاعری پر مشاہیر شعر و ادب کے تاثرات'' میں ان کے کلاسیکی شعرا پر تبصرے اور ان کی شاعری کے بارے میں مشاہیر علم و ادب کے تاثرات دیئے گئے ہیں۔

''امجد فہمی'' کے آخری حصے میں امجد اسلام امجد کے شعری انتخاب سے منظومات میں حمد و نعت، نظم و غزل اور دیگر اصناف دی گئی ہیں۔ نثری انتخاب تیرہ تخلیقی شہ پارے شامل ہیں۔ جن میں ''وارث'' کا ٹکڑا ایک اور ڈرامے ''سمندر کے نیچے''، سفرناموں میں ''لندن''، ''بانگ چو''، ''چلو جاپان چلتے ہیں'' اور ''گرہ'' کے اقتباسات ہیں۔ چھ کالم بھی اس حصے میں شامل ہیں۔ جب کہ گنتی کے بارے میں امجد اسلام امجد کا ایک مضمون بھی دیا گیا ہے۔ آخری ایک سو ساٹھ صفحات پر امجد اسلام امجد کی تصاویر دی گئی ہیں۔ اس طرح ''امجد فہمی'' بنیادی طور پر امجد اسلام امجد کی شاعری کا بھرپور تجزیہ ہے۔ لیکن کتاب میں مجموعی طور پر ان کے فن کی مختلف جہات کو پیش کیا گیا ہے۔ شعر و ادب سے تعلق رکھنے والوں کے لیے ''امجد فہمی'' بہترین کتاب ہے اور سے اپنی ذاتی لائبریری میں رکھا جانا چاہیے۔

شاکر حسین شاکر

ڈاکٹر تقی عابدی کی ''امجد فہمی''

جہلم جانے کا ہم ایک عرصے سے پروگرام بنا رہے تھے اور آخر کار ہم جہلم جانے میں کامیاب ہوئے۔ اور یہ کامیابی حاصل کرنے کے لیے ہمیں پاکستان کی تیز ترین ریل گاڑی ''تیز گام'' کا انتخاب کرنا پڑا، بعد ازاں بوجوہ ہمیں لاہور سے پھر تیز گام کو خیر باد کہہ کے پنڈی جانے والی ریل کار کا انتخاب کرنا پڑا۔ راستے میں صاحب طرز شاعر اور بڑے بھائی قمر رضا شہزاد کی محبت میں ہمیں لالہ موسیٰ اترنا پڑ گیا کہ قمر رضا شہزاد نے حکم دیا جہلم جانے کی بجائے لالہ موسیٰ آ جاؤ، ہم بذریعہ جی ٹی روڈ جہلم چلتے ہیں۔ جب سے موٹر وے بنی ہے تب سے ہم نے جی ٹی روڈ کو خیر کہہ رکھا تھا۔ لالہ موسیٰ میں ہمارا قمر رضا شہزاد دونوں ہاتھوں سے خوش آمدید کہنے کے لیے موجود تھا۔ اگلے لمحے ہم جی ٹی روڈ سے جہلم کی جانب رواں دواں تھے۔ اس جی ٹی روڈ کو آخری مرتبہ ہم نے بیس برس پہلے دیکھا تھا اور اب ہم جی ٹی روڈ کو دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ دنیا جہان کے تمام بڑے برانڈز سڑک کے دونوں طرف کھل چکے تھے۔ نئے ہوٹلز، شوز اور کپڑے کے شوروم میں گھرا ہوا جی ٹی روڈ لاہور کے ایم ایم عالم روڈ سے کم نہ تھا۔ گہما گہمی میں جہلم آ گیا۔ جہلم جو جوگی جہلم کی پہچان، گلزار کا پسندیدہ شہر اور علم و ادب کا ایک ایسا مرکز جس نے پوری دنیا میں اپنی شناخت کرا رکھی ہے اور ایسے میں حمید شاہد کا بک کارنر جس کو اب ان کے ہونہار بیٹے گگن شاہد اور امر شاہد کتاب پڑھنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کر رہا ہے۔ بک کارنر داخل ہوتے ہی جس کتاب نے ہمیں اپنی طرف متوجہ کیا وہ ڈاکٹر سید تقی عابدی کی نئی کتاب ''امجد فہمی'' ہے۔ جس میں انھوں نے امجد اسلام امجد کے جہانِ شعر کا تجزیاتی اور تنقیدی جائزہ لیا ہے۔

ڈاکٹر تقی عابدی سے ہماری پہلی ملاقات 2005ء میں ٹورنٹو میں ہوئی جب ملاقات

کے لیے ہم نے ان سے رابطہ کیا تو انھوں نے کہا کہ ''مجھے اپنے تحقیق وتنقید کے کاموں میں یہ زندگی بھی کم لگتی ہے اس لیے میں لوگوں سے ملاقات نہیں کرتا۔ اگر آپ آنا چاہیں تو میری لائبریری حاضر ہے جب آپ لائبریری سے فارغ ہو جائیں تو ہم اکٹھے بیٹھ کے کافی پی لیں گے۔'' تقی عابدی کی لائبریری ٹورنٹو شہر میں اُردو سے محبت کرنے والوں کے لیے کسی توشے سے کم نہیں ہے کہ اس میں مخطوطوں کے علاوہ اُردو کی نادر و نایاب کتب بھی موجود ہیں۔ کافی کی میز پر جب ہم نے ان سے گفتگو کا آغاز کیا تو وہ تقی عابدی جو ہم سے ملاقات نہیں کرنا چاہ رہے تھے وہ نشست گھنٹوں میں تبدیل ہوگئی۔ وہ مرثیے جو کبھی شائع نہیں ہوئے اس کے بارے میں عابدی صاحب نے بتایا کہ ''انھوں نے بھارت اور پاکستان جا کر اُن مرثیوں کے مخطوطے حاصل کر لیے ہیں۔ تحقیق کا کام جاری و ساری ہے۔'' کئی گھنٹے بعد جب ہم نے ان سے اجازت چاہی تو یہ وعدہ کیا اب وہ جب پاکستان تشریف لائیں گے تو ملتان بھی رونق بخشیں گے۔ اس دوران انھوں نے میرے ذریعے ''کائنات نجم''، ''روپ کنوار کماری''، ''دربار رسالت''، ''فکر مطمئنہ''، ''خوشۂ انجم''، ''در دریائے نجف''، ''تاثیر ماتم''، ''مجھی میا''، ''روش انقلاب''، ''رباعیات انیس'' اور ''مطالعہ دبیر کی روایت'' کی اشاعت کروائی۔ انھوں نے ٹورنٹو میں جو ہم سے وعدہ کیا تھا وہ اگلے ہی برس وفا ہوگیا۔ ملتان تشریف لائے بہاءالدین زکریا یونی ورسٹی اور پریس کلب میں ان کے ساتھ تقریبات کا اہتمام کیا گیا۔ اور جب میں بک کارنر جہلم پہنچا تو وہاں ''امجد فہمی'' جیسی کتاب سے ملاقات ہوئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ جناب امجد اسلام امجد کے فن اور شخصیت پر اس سے پہلے بھی بے شمار کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے بالکل مختلف ہے کہ اسے صرف ایک شخص نے نہ صرف لکھا بلکہ امجد اسلام امجد کی تمام تخلیقی پہلوؤں کا تفصیل سے جائزہ لیا۔ امجد اسلام امجد کے زریں فقرے ہوں یا حمدیہ موضوعات نعتیہ کلام کی معجز بیانی کا تذکرہ ہو یا علامت نگاری میں خوابوں کی کرشمہ سازی۔

غزل میں خیال اور لفظ کے اتصال کا جمال و کمال یا وقت کی تصویر کشی۔ شعری آہنگ میں محبت کے ڈھنگ یا اشعار میں آنکھوں کی جلوہ گری۔ یہ وہ موضوعات ہیں جس پر ڈاکٹر تقی عابدی نے اپنے مخصوص انداز میں قلم اُٹھایا ہے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب

کا یہ کام اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ مستقبل میں جب بھی کوئی امجد اسلام امجد پر کام کرنا چاہے گا یہ کتاب ان کے لیے بنیادی ریفرنس کی حیثیت رکھے گی۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد علم ہوتا ہے کہ امجد اسلام امجد کی اب تک اڑسٹھ کتب شائع ہو چکی ہیں جس میں بچوں سے لے کر جوان کی کتاب ہے اس کی تین جلدیں شامل ہیں۔ اپنی شاعری، ڈرامے، کالم، ٹی وی سیریل، سفرناموں کی وجہ سے امجد اسلام امجد اس وقت پوری دنیا میں ہر دل عزیز ادبی Legend کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور یہ کتاب ان کے چاہنے والوں کے لیے کسی تحفے سے کم نہیں، کہ اس کتاب میں جناب امجد اسلام امجد کی نہ صرف تحقیقات پڑھنے کو ملتی ہیں بلکہ پیدائش سے لے کر اب تک تصویری البم بھی اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے اس کتاب کے ذریعے ان کی شاعری کے وہ پہلو لکھے ہیں جو اس سے پہلے کسی بھی نقاد کے ہاں نہیں ملتے۔ کہا جاتا ہے کہ امجد اسلام امجد کی نظم ان کی غزل سے زیادہ مقبول ہے جب کہ ہماری یہ رائے ہے کہ ان کی غزل بھی نظم سے کم نہیں ہے۔ وہ ہمارے عہد کے وہ شاعر ہیں جن کو سننے کے لیے لوگ گھنٹوں انتظار کرتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اب جب وہ اپنی شاعری سنا رہے ہوتے ہیں تو پہلا مصرعہ وہ خود پڑھتے ہیں اور دوسرا ان کے مداح۔

امجد اسلام امجد کے فن اور شخصیت پر لکھی گئی کتب پر یہ کتاب سب سے زیادہ خوب صورت ہے۔ بک کارنر اس اعتبار سے مبارک باد کا مستحق ہے کہ اس نے اس سے پہلے مختار مسعود اور مشتاق احمد یوسفی پر اسی طرح کی خوب صورت کتابیں شائع کیں لیکن یہ کتاب جو اپنی نوعیت کی بالکل مختلف کتاب ہے اسے ہر گھر اور ہر لائبریری کا حصہ ہونا چاہیے۔ امجد اسلام امجد نے کہا تھا

حساب عمر کا اتنا سا گوشوارا ہے
تمہیں نکال کے دیکھا تو سب خسارا ہے

اگر لائبریری میں سینکڑوں اور ہزاروں کتابیں موجود ہیں اور ان کتب میں ڈاکٹر تقی عابدی کی ''امجد فہمی'' موجود نہیں تو پھر وہ لائبریری نہیں کتابوں کا وہ ڈھیر ہے جس کو ہم لائبریری تو نہیں کہہ سکتے، لیکن وہ اس وقت لائبریری کا درجہ حاصل کر سکتی ہے جب اس طرح کی کتابیں اس میں موجود ہوں۔

خالد بہزاد ہاشمی
ہفت روزہ "فیملی" پاکستان
10-16 رفروری 2019

اُردو شاعری کے آسمان پر چمکتا درخشاں ستارہ

امجد فہمی

اُردو اور فارسی زبان و ادب میں ڈاکٹر سید تقی عابدی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں وہ علم و ادب کا مستند اور معتبر حوالہ ہونے کے ساتھ تشنگان ادب کی پیاس اپنے تحقیقی فرحت بخش اور شیریں نابغہ روزگار کام سے گاہے بگاہے بجھاتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی کا خمیر دہلی مرحوم کی مٹی سے اُٹھا، وہی دہلی جہاں حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء اور ان کے محبوب خلیفہ حضرت امیر خسرو آسودۂ خواب ہیں۔

ڈاکٹر سید تقی عابدی جن کا خاندان سید بڑے کے خاندان کے نام سے مشہور ہے اور ان کا تعلق حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے خانوادے سے ہے اور ہمارے پیر و مرشد مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی کے صاحبزادے حضرت خواجہ حسن نظامی ثانی دہلوی مرحوم انہیں اپنا رشتہ دار بتایا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ آسمان سے بلند اس خانوادے سے نسبت رکھنے والے ڈاکٹر سید تقی عابدی کی علمی و ادبی دسترس، جمالیاتی ذوق لطیف طوطی ہند، شکر مقال حضرت امیر خسرو سے روحانی فیض کا پرتو نظر آتی ہے اور پھر یہیں بستی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء میں محو خواب اسد اللہ غالب کے جلوہ صد رنگ کا آہنگ بھی ان کی تخلیقات کو جلا بخشتا ہے۔

حضرت علامہ اقبال سے فکری رہنمائی نے ان کے ذہن و دل کے دریچوں کو مزید نکھارا ہے۔ سونے پہ سہاگہ یہ کہ انہیں شریک سفر بھی ایرانی ملیں، یوں فارسی سے ان کے ذوق اور شغف کو از خود اکتساب فیض کے نادر مواقع میسر آئے اور گھر میں بھی فارسی بولنے لگے یہاں مجھے فارسی زبان کے چیمپئن ڈاکٹر آفتاب اصغر مرحوم اور ان کی اہلیہ مرحومہ یاد

آ میں جو دونوں گھر میں فارسی بولا کرتے۔

ڈاکٹر سید تقی عابدی کے فن و شخصیت کے لیے درجنوں صفحات کم پڑ جائیں گے ان کی ایک کے بعد نگارشات بغیر کسی تشہیر کے اپنا آپ منواتی رہتی ہیں میں نے ''فیملی میگزین نوائے وقت'' کی محنتی کارکن غلام زہرا سے ان کا تفصیلی انٹرویو بھی کرایا تھا اس وقت جہلم سے ناشر امر شاہد اور گگن شاہد نے تبصرہ کے لیے ''فیض فہمی'' اور ''امجد فہمی'' ارسال کی ہیں۔

اس پر مختصر تبصرہ تو یہی بنتا ہے کہ ڈاکٹر سید تقی عابدی نے کسی ماہر و مشتاق اور پکے عامل کی طرح عہد حاضر کے مقبول ترین شاعر امجد اسلام امجد کو ''امجد فہمی'' کی تخمینہ، خوب صورت و مرصع جلد میں بوتل کے جن کی طرح بند کر دیا ہے۔ یہ ست رنگی بوتل حسن تخلیق کی پھوار سے شرابور منقش شہ پاروں کو چہار سو منعکس کرتی رہتی ہے اور یہ ایسی اسیری ہے کہ امجد اسلام امجد بھی اس قید پر یقیناً نازاں ہوں گے۔

پیش لفظ میں ڈاکٹر سید تقی عابدی رقم طراز ہیں ''فنون لطیفہ کے گلشن کا گل سرسبد شاعری ہے۔ شعور کی وجہ سے یہ حیوانِ ناطق انسان کہلاتا ہے، چناں چہ وہ فن جو انسانی شعور کی نمو اور اس کی قدروں کی جلوہ نمائی کرتا ہے، جزو پیمبری بن جاتا ہے کیوں کہ وہ مشیت الٰہی اور پیامبروں کے پیام کو تشہیر کر کے انسانوں کی تعلیم و تربیت کرتا ہے۔

موجودہ دور انسانیت کی تلاش میں ہے چناں چہ حقوق آدم، مقام آدم اور احترام آدم آدمیت کے لیے ضروری ہے۔

امجد اسلام امجد کی تخلیقات کا محور انسان ہے۔ امجد ایک ہمہ جہت تخلیق کار ہیں لیکن ان کی شاعری دوسری تخلیقات کے مقابل توانا، نمایاں اور افضل ہے اس لیے امجد فہمی دور حاضر کی ضرورت اور اُردو شعر و ادب کی ترقی کی ضامن بھی ہے اور اسی وجہ سے یہاں صرف ان کی شاعری کا تجزیاتی اور تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے تا کہ اس سیر گل گشت سے عامی اور عالم دونوں مستفید ہو سکیں۔

عمدہ شاعری ادب عالیہ ہے۔ ٹی ایس ایلیٹ کہتا ہے، ''جس زبان میں ادب عالیہ موجود ہو وہ فنا نہیں ہو سکتی۔''

آج کے گلوبل ولیج کے سماجی ماحول کے تقاضوں، جدید سائنسی اور کہکشانی

انکشافات کے ساتھ خود انسان شناسی کے موضوعات اکیسویں صدی کی زندہ شاعری کی ضروریات ہیں۔ امجد اسلام امجد اُردو کے ان ممتاز چند شاعروں میں ہیں جنھوں نے اپنی شاعری کو ان مطالب سے جوڑ کر مثبت نتائج پیش کیے ہیں۔

یہ دستاویز انہی جوہر پاروں کی روشنی سے تابناک ہے۔ امجد جیسے قادر الکلام، کہنہ مشق، نکتہ سنج اور پُرگو شاعر کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ امجد اسلام امجد درخشاں ستارے کے مانند اُردو شاعری کے آسمان پر چمکتے رہیں گے۔

امجد فہمی میں ڈاکٹر سید تقی عابدی کے تحریر کردہ پیش لفظ سمیت اٹھائیس مضامین کی تفصیل درج ذیل ہے۔

پیش لفظ، زندگی نامہ امجد اسلام امجد، عکسِ باطن، امجد اسلام امجد بحیثیت شاعر، جدول، امجد اسلام امجد کے زریں فقرے، دورِ حاضر کے حمدیہ موضوعات کا جائزہ، حمدوں میں "کن فیکون" کا تجسس اور تیقین، حمدوں میں مناجاتی اور دعائیہ تجلیات، حمدوں میں کعبے کی قبلہ نمائی، نعتیہ کلام کی معجز بیانی، سدموں کی اہمیت وافادیت، علامت نگاری میں خوابوں کی کرشمہ سازی، برگزیدہ اور امجدی نظموں کا تجزیہ، غزل میں خیال اور لفظ کے اتصال کا جمال و کمال، کلامِ امجد میں وقت کی تصویر کشی، کلام میں رزق کی فراوانی، شعری آہنگ میں محبت کے ڈھنگ، اشعار میں آنکھوں کی جلوہ گری، "سحر آثار" کی سحر نمائی، شعریاتِ امجد کے چند ہنری نکات، اقربا اور مشاہیر پر دلکش نظمیں، امجد کا شاعر اور شاعری پر منظوم تبصرہ، امجد کا کلاسیک شعرا پر ریویو اور شعری انتخاب، امجد کی شاعری پر مشاہیر شعر وادب کے تاثرات، شعری انتخاب امجد اسلام امجد (70 منظومات)، نثری انتخاب امجد اسلام امجد (13 تحقیقی شہ پارے)، امجد اسلام امجد تصویریں۔

امجد اسلام امجد کی مطبوعات کی زنبیل میں ہاتھ ڈالیں تو ان کی 68 تخلیقات میں سے ایک کے بعد ایک فن پارہ اور شہ پارہ ہاتھ میں آتا ہے۔ برزخ (شاعری)، عکس (جدید فلسطینی مزاحمتی شاعری کا منظوم اُردو ترجمہ)، وارث (ٹی وی سیریل)، ساتواں در (شاعری)، کالے لوگوں کی روشن نظمیں (یوایس اے اور افریقہ کی جنگ شاعری کا اردو

ترجمہ)، دہلیز (ٹی وی سیریل)، فشار (شاعری)، شہر در شہر (سفر نامہ)، ذرا پھر سے کہنا (شاعری)، آنکھوں میں ترے سپنے (گیت)، چشم تماشا (کالموں کا مجموعہ)، بو میں پھول (ماخوذ ڈرامے)، نئے پرانے (کلاسیکی اُردو شاعری پر ایک نئی نگاہ)، اپنے لوگ (طویل ڈرامے)، In The Last Day of Autumn (منتخب اُردو شاعری کا انگریزی ترجمہ)، خزاں کے آخری دن [چار کتابیں] (شاعری)، یہ افسانے (افسانوں کا انتخاب اور تنقید)، کہکشاں (اُردو شاعرات کا منتخب کلام)، اس پار (شاعری)، ریشم ریشم (سفر نامہ)، وقت (ٹی وی سیریل)، اتنے خواب کہاں رکھوں گا (شاعری)، کٹے بیٹھے (کالموں کا مجموعہ)، یا نصیب کلینک (مزاحیہ کھیل)، سپنے بات نہیں کرتے (گیت)، دن (ٹی وی سیریل)، امجد اسلام امجد (فن اور شخصیت [تالیف])، رات (ٹی وی سیریل)، سمندر (ٹی وی سیریل)، بارش کی آواز (شاعری)، دیکھتے چلے گئے (کالموں کا مجموعہ)، سحر آثار (شاعری)، نئی آنکھیں پرانے خواب (کالموں کا مجموعہ)، سپنے کیسے بات کریں (گیت)، جہنم کی دسویں گہرائی (ترجمہ)، میرے بھی ہیں کچھ خواب (نظموں کا مجموعہ)، ہم اس کے ہیں (غزلوں کا مجموعہ)، بندگی (ٹی وی سیریل)، ساحلوں کی ہوا (شاعری)، چھاؤں (کالموں کا مجموعہ)، پھر یوں ہوا (شعری مجموعہ)، محبت ایسا دریا ہے (نظموں کا انتخاب)، ستارے مرے ہم سفر (فن و شخصیت [تالیف])، Love Encompasses All (انگریزی تراجم)، سات دن (سفر نامہ)، یہیں کہیں (شاعری)، تیسرے پہر کی دھوپ (کالم)، خواب جاگتے ہیں (ڈرامے)، سپنوں سے بھری آنکھیں (کلیات گیت)، چلو جاپان چلتے ہیں (سفرنامہ)، اسباب (حمد و نعت)، یہ میرا شہر سخن (انتخاب پروین شاکر)، نزدیک (شاعری)، دُھند کے اس پار (کالم)، رات سمندر میں (منتخب غزلیں)، شام سرائے (شاعری)، کوئی دن اور تعزیتی (کالم)، Shifting Sands (انگریزی ترجمہ)، باتیں کرتے دن (شاعری)، Kara Bayu (ترکی ترجمہ)، Cento Poesis Damore (اطالوی ترجمہ)، گیت ہمارے [بچوں کے گیت] (تین جلد)، گرہ (ٹی وی سیریل)، چراغ رہ گزر (کالم)، سفر پارے (سفرنامہ)، زندگی کے میلے میں (شاعری)، سچ کی تلاش (تنقید)، الحب وناہر (عربی ترجمہ)۔

ان کی T.V سیریلز نے مقبولیت کے ریکارڈ توڑے جن میں وارث (13)، دہلیز (18)، سمندر (18)، وقت (13)، فشار (13)، رات (13)، دن (13)، ایندھن (13)، افکار (13)، اگر (13)، گرہ (13)، شیرازہ (80)، بندگی (18)، سلطنت (13)، جگّا (9)، اور دامن کی آگ (4)، شامل ہیں۔

طویل دورانیے کے ڈراموں میں، بازید، دکھوں کی چادر، اپنے لوگ، لیکن دھند کے اس پار، شام سے پہلے، نظامِ لوہار، گھنٹی، ٹی وی ٹی وی، یہ ستارا چاہا کہ ناؤ چلی، بازگشت، ابھی تو میں جوان ہوں، مٹھی سے پھسلتی ریت، آگ سب کو جلاتی ہے، نزدیک شامل ہیں۔

"امجد فہمی" کا ایک حصہ ان کی تقریباً تین سو تصاویر پر مشتمل ہے، جن میں ہر ایک تصویر ازخود ایک حکایت بیان کرتی دکھائی دیتی ہے اور اس میں قدیم و جدید ادیب و شعرا کا حسین امتزاج ہر تصویر کی اہمیت کو مزید بڑھا دیتا ہے۔

علاوہ ازیں ان کے منتخب ڈراموں کی چوبیس بلیک اینڈ وائٹ اور کلر تصاویر، کو ان کو کئی کہانیاں یاد کی آ کے رہ گئیں کا عنوان کہا جا سکتا ہے۔ ڈرامہ سیریل "وارث" کی تصاویر میں محبوب عالم، عظمیٰ گیلانی، عابد علی، فردوس جمال، اورنگزیب لغاری، ثمینہ احمد، طاہرہ نقوی، آغا سکندر، شجاعت ہاشمی کو بھلا کون بھول سکتا ہے؟

712 صفحات پر مشتمل اس خوب صورت اور دیدہ زیب حوالہ جاتی دستاویز کو ناشران بک کارنر، شوروم، اقبال لائبریری روڈ، بک اسٹریٹ جہلم نے بہت عمدگی سے شائع کیا ہے جب کہ اس کے ناشر گگن شاہد اور امر شاہد اور مطبع زاہد بشیر پرنٹرز لاہور ہیں۔

طارق سعید
(ایم۔فل اسکالر یونیورسٹی آف اوکاڑا)

ڈاکٹر سید تقی عابدی کی امجد فہمی
(حمدیہ شاعری کے تناظر میں)

اُردو ادب میں ڈاکٹر سید تقی عابدی کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ وہ بیک وقت محقق، نقاد اور شاعر ہیں۔ وہ اگرچہ پیشے کے اعتبار سے طبیب ہیں اور اس میدان میں اپنا ایک الگ مقام رکھتے ہیں لیکن اُردو ادب بھی ان کی رگ رگ اور نس نس میں رچا ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ اُردو ادب میں بھی وہ ایک نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔ ان کا مشہور قول ہے کہ وہ صحت کے طبیب ادب کے مریض اور اُردو کے وکیل ہیں۔ وہ عرصہ دراز سے کینیڈا میں مقیم ہیں جہاں وہ اُردو کی سرپرستی کو اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔ وہ مغربی ممالک میں اُردو کی شمع کو روشن کیے ہوئے ہیں۔ 65 سے زائد کتب کے مصنف و مرتب ڈاکٹر سید تقی عابدی نے اُردو کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہوا ہے۔

امجد کی شخصیت اور فن پر بہت کام ہو چکا ہے۔ انہی میں سے ایک کام ڈاکٹر سید تقی عابدی کی کتاب ''امجد فہمی'' بھی ہے۔ یہ کتاب دسمبر 2018ء میں بک کارنر جہلم کے پلیٹ فارم سے شائع ہوئی جس میں ان کے جہانِ شعر کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ ان کی شاعری کے حوالے سے ان کا ایک الگ اور منفرد اسلوب انھیں اپنے معاصرین میں جداگانہ قد و قامت کا حامل ٹھہراتا ہے۔ اُردو ادب میں امجد اسلام امجد کی شاعری خاصی اہمیت کی حامل ہے۔ ان کی شاعری میں حمد، نعت، منقبت، نظم، غزل قریب تمام اصنافِ سخن کے نمونے پائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی ''امجد فہمی'' میں امجد کی حمدیہ شاعری کے سلسلہ میں اپنے مضمون ''دورِ حاضر کے حمدیہ موضوعات کا جائزہ'' کا مقصد بیان کرتے ہیں کہ ان کا یہ مضمون امجد اسلام امجد کی حمدیہ منظوم نگارشات کا تحلیلی، تجلیلی، تشریحی، توصیفی،

مذہبی، قرآنی، عقیدتی، علمی، ادبی اور شعری جائزہ ہے جو طریقت، شریعت اور حقیقت کے نقش ونگار کے ساتھ ساتھ اکیسویں صدی کی سماجی، تہذیبی اور تربیتی قدروں کا صحیفہ بھی ہے۔

امجد اسلام امجد کی حمدوں کے بارے میں ڈاکٹر سید تقی عابدی بتاتے ہیں کہ ان کے کلام میں پینتیس (35) سے زیادہ حمدیں، چار (4) مناجاتیں، چھ (6) نظمیں کعبے اور مناسک حج سے متعلق ہیں۔ امجد کی حمدیں غزل کی ہیئت مردف اور غیر مردف، مثنوی، قطعات، ماہیے اور نظموں کی شکل میں ملتی ہیں۔ نظموں میں پابند نظم، نظم معریٰ اور آزاد نظم دکھائی دیتی ہیں۔ انھوں نے اپنا یہ تمام کلام مجموعہ ''اسباب'' میں نعت اور سلام کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ امجد کی حمد نگاری کے حوالے سے ڈاکٹر سید تقی عابدی کچھ یوں رقمطراز ہیں

> ''یہاں یہ بات بھی فخر ومباہات اور مبارک باد کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ امجد کا شمار اردو ادب کے ان چند شعراء میں ہوتا ہے، جنھیں حمدیں کہنے کی خاص توفیق ہوئی۔ اتنا زیادہ حمدیہ کلام مرثیہ گویوں اور نعت نگاروں کے دفتر میں تو نظر آتا ہے لیکن دوسرے غزل اور نظم کے ممتاز شعراء کے پاس موجود نہیں۔ ہم صرف یہاں امجد کی زبانی یہی کہہ سکتے ہیں۔ ھذا من فضل ربی۔'' (1)

امجد کی حمدیہ شاعری کی انفرادیت بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر سید تقی عابدی کہتے ہیں کہ انھوں نے حمد کو نیا لہجہ اور نئی وسعت دی ہے۔ ان کی حمد نگاری کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ حمد نگاری کو موجودہ دور اور اس کے موجودہ مسائل سے جوڑ رہے ہیں جن میں سائنسی ترقیاں، خدائی اطلاعات اور کہکشاؤں کی ہر روز نئی نئی موشگافیاں شامل ہیں۔ حمد کا بیانی حسن خود اس نظم کی سانی دستکاری ہے اگرچہ ظاہر مصرعے اور فقرے خیالات میں شعری رنگ و بو بکھرتے ہیں لیکن بطن ان میں تمام صفات کبریا کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ حمدوں میں انھوں نے خوب صورت پیکر تراشے ہیں جو زیادہ تر کائناتی یا فطری ہیں جیسے خلا، جہان، کہکشاں، سورج، روشنی وغیرہ انسانی پیکر جیسے آنکھیں، پلکوں، پتلیوں، لہو وغیرہ کے ساتھ چرند اور پرند کی پیکر سازی نے مضمون میں ندرت پیدا کی ہے۔ حمد کے اصلی

موضوعات جن میں شاعر نے اثبات وجود اور اقرار وحدت کا ذکر کیا ہے۔ امجدؔ کی حمدیہ شاعری کی نمایاں خصوصیات کے متعلق ڈاکٹر سید تقی عابدی کچھ اس طرح رقمطراز ہیں

''امجد کی پیکر سازی میں آنکھ، نیند اور خواب مختلف معنی کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔ حمد میں یہ مضامین بالکل جدید ہیں اور جدید حمد کی قلمرو میں ان کا مقام اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تمام اسمائے حسنیٰ حرفوں سے بنے ہیں اور جب یہ الفاظ زبان پر آتے ہیں تو آواز بن جاتے ہیں چنانچہ پڑھنے والا ہی نہیں بلکہ خود حروف اور اس کے اندر ہر یز صدائے بھی معبود حقیقی کو ہر قدم پر پکارا ہے۔''(2)

ڈاکٹر سید تقی عابدی کے مطابق امجدؔ کی حمدوں کے مطالعے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر نے دس بارہ چھوٹی بڑی حمدوں میں توصیف اور تجلیل کے ساتھ چند سوالات بھی اٹھائے ہیں جن میں ''کن فیکون'' مسئلہ جبر وقدر، مسئلہ جزا و سزا پر بحث کی گئی ہے اور حضور اقدسؐ سے روشنی بھی مانگی ہے۔ ان کی حمدوں میں وقتاً فوقتاً انسانی فکری ذہین میں اٹھنے والے سوالات نہایت سلیقے سے بیان کیے گئے ہیں، جس کا مبدا اسلامی فلسفہ ہے۔ اس ضمن میں علامہ اقبالؔ کے لہجے کا رنگ بھی نمایاں ہے لیکن امجدؔ کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے مطالب کو آسان فہم بنانے کے لیے حتی الامکان ادق الفاظ تلمیحات اور اصطلاحات سے دوری اختیار کی ہے سادہ اور عام فہم انداز کو فوقیت دی ہے۔

ڈاکٹر سید تقی عابدی اپنے مضمون ''حمدوں میں کن فیکون کا تجسس اور تیقن'' میں اظہار خیال کرتے ہوئے اُردو شاعری میں ان الفاظ کے استعمال کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہیں کہ علامہ اقبالؔ کے کلام میں قرآنی اصطلاحات، آیات کے فقرات اور الفاظ میں ''کن فیکون'' کو خاصی اہمیت حاصل ہے۔ ان کے مطابق ایسا نہیں کہ اُردو شعر و ادب میں ''کن فیکون''، ''کن فکون'' یا ''کن فکان'' یا اس کا مخفف ''کن'' کا پہلے استعمال نہیں تھا بلکہ اس لفظ کی مختلف جہات میں استعمال کا وسیع استعمال علامہ اقبالؔ کے کلام میں ملتا ہے۔ اللہ کے حکم کے مطابق تخلیق کائنات میں رب العزت نے کہا: ''ہوجا'' اور اُسی وقت وجود کائنات کا عمل مکمل ہوگیا۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی ان الفاظ کے اُردو ادب میں استعمال کے متعلق لکھتے ہیں

"جہاں تک اُردو شاعری کا تعلق ہے علامہ اقبالؔ کے بعد اگر کسی شاعر نے سب سے زیادہ اس مسئلہ سے متعلق لکھا ہے تو میرے مطالعے میں امجد اسلام امجد ہیں۔ امجد نے "کن فکان" کا سوال ہر اس مقام پر اٹھایا ہے جہاں حیرت، عظمت، وحدت، خلقت کے مسائل ربوبیت کی معرفت سے متعلق ہیں۔"(3)

ڈاکٹر سید تقی عابدی کے نزدیک اللہ کے فضل وکمال پر جو سوالات امجدؔ نے اٹھائے ہیں ان کا جواز اور جواب بھی پیش کیا ہے جس کے سبب گمان یقین میں بدل جاتا ہے۔ معرفت کی عدمیت کے باعث عبادت تجارت کا روپ دھار لیتی ہے۔ سوال و جواز کے سلسلے میں امجدؔ کی نظم "مجھے ہی کیوں" اس کا عمدہ نمونہ ہے۔ اس کے ذیل میں جو سوالات اٹھائے گئے ہیں وہ خود دوسرے زاویہ نظر سے ان کے جواب بھی ہیں مصرعے سوال کے ساتھ اس کے مخفی جواب بھی ہیں۔

فلسفہ وجودِ باری تعالیٰ پر صفات اور کمالات کی روشنی میں علماء اور صوفیا نے کئی بحثیں کی ہیں۔ یہاں امجد نے اپنی نظموں کے مجموعہ میں سوال کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ حادثہ نہیں بلکہ ایک ترتیب شدہ واقعہ ہے جس میں ہر چیز قاعدہ اور منصوبہ بندی کے تحت وجود میں آئی ہے، کیوں کہ ان کا بنانے والا موجود ہے۔

ڈاکٹر سید تقی عابدی اپنے مضمون "حمدوں میں مناجاتی اور دعائیہ تجلیات" میں امجدؔ کے حمدیہ کلام میں موجود مناجاتی اور دعائیہ اشعار کا تنقیدی تجزیہ پیش کرتے ہیں۔ ان کے مطابق حمد میں مناجاتی اور دعائیہ اشعار ہمیشہ کم یا زیادہ موجود رہے ہیں اسی لیے حمد، دعا اور مناجات کو جدا جدا خانوں میں پوری طرح نہیں رکھا جا سکتا۔ امجد کی کوئی بھی حمد ایسی نہیں جس میں کم از کم ایک شعر اس موضوع پر موجود نہ ہو لیکن قریب قریب ایک درجن حمدیں ایسی ہیں جن میں مناجاتی اور دعائیہ مضامین کی کثرت ہے اور اسی لیے شاعر نے بعض حمدوں کو مناجات، دعائیہ، حمدیہ، مناجات کا عنوان بھی دیا ہے۔ موضوع اور مطالب کی ہم آہنگی کے پیشِ نظر ایسی تمام حمدوں اور مناجاتوں اور دعاؤں کو چند عنوانات کے تحت مذکورہ مضمون کے تحت ترتیب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

فن کسی بھی شخصیت کا آئینہ ہوتا ہے۔ ''امجد فہمی'' سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کی شخصیت میں عجز و انکساری اور خاکساری دوسرے شعراء کی نسبت بہت زیادہ ہے جو دین اور دنیاوی لحاظ سے ایک بڑی فضیلت ہے۔ اپنے منہ میاں مٹھو بننا ناپسندیدہ عمل ہے لیکن صرف شریعت شاعری میں یہ نہ صرف مستحب ہے بلکہ بعض شاعروں نے تو اس کو واجب اور فرض جان کر ہر موقع پر اسے ادا کیا ہے۔ امجد کی ایک نظم ''سمندر کو دیکھو'' میں وہ بڑائی اور تکبر کو صرف خدا واحد کی ذات کا خاصہ قرار دیتے ہیں۔ اللہ کی ہی ذات کو یہ زیبا ہے کہ وہ اپنی آپ تعریف کرے۔ انھوں نے اپنے کلام میں بہت کم اس دولت سے فائدہ اٹھایا ہے۔ حمدوں میں تو عجز و انکساری کی بڑائی قدم قدم پر ان کے کردار کے روشن مینار دکھتی ہے اور اس کی انتہا مناجات، دعا وغیرہ میں فلک بوس ہے۔ ان کی مناجاتی اور دعائیہ شاعری اس بات پر مدلل ہے کہ انھوں نے عجز و انکساری کو بندے کے لیے ضروری خیال کیا ہے۔ شاعر کی عجز و انکساری کا یہ عالم ہے کہ وہ دست دعا تو بلند کرتا ہے لیکن رب اقدس کی بڑائی اور عظمت بیان کرنے کے لیے اپنے پاس الفاظ کی محتاجی کو پیش کرتا ہے۔

امجد کے حمدیہ کلام کے مقاصد کو بھی ڈاکٹر سید تقی عابدی موضوع گفتگو بناتے ہیں ان کے مطابق امجد کی حمدیہ مناجاتوں اور دعاؤں میں عالی مقاصد پنہاں ہیں۔ وہ اپنے ذاتی، شخصی مسائل میں بھی تو مغفرت اور بخشش کی دعا کرتے ہیں یا اپنے پیغام کو پہنچانے کے لیے فن کی بالیدگی اور تاثیر کی دعا مانگتے ہیں۔ وہ کبھی کعبے کے سامنے، کبھی گنبد خضری میں، کبھی حضور اکرمؐ کے وسیلے سے اپنی حاجات کو پیش کرتے ہیں۔ رحمت حق کو جوش میں لانے کے لیے شاعر نے ''میرے آقائے محترم کے فدا'' لکھ کر قلبی تعلق اور وابستگی کا والہانہ اظہار کیا ہے۔ حدیث دل کا اظہار یہاں کی بناوٹ کے تحت نہیں بلکہ دل کی آواز الفاظ میں بھر دی گئی ہے کہ جس کے تحت حضور ختمی مرتبتؐ سے وسیلہ برصغیر کی مناجات کی تہذیب، ترتیب اور تطہیر سمجھی جاتی ہے جو قبولیت کی ضامن ہے۔ وہ اپنے دفتر اعمال پر نظر نہ کرنے کی دعا مانگتے ہیں اور نیک راستے کی توقعات چاہتے ہیں۔ ہر بڑے شاعر کی طرح امجد نے بھی اپنے کلام کی مقبولیت اور دوام کے ساتھ ساتھ شاعری کے نزول یعنی آمد کی دعا مانگی ہے۔ ''تم سچے برحق سائیں'' میں وہ خدا برحق سے فکر و خیال، رازو رموز، اسرار اور افکار کی طلب کرتے ہیں۔

ڈاکٹر سید تقی عابدی کی رائے میں شاعر کے فن میں اس کی شخصیت اور حیات کے دل کش اور دردناک حالات ہر لحہ رقم ہوتے رہتے ہیں۔ وہ اپنی ذات کے عرفان کا حصول ممکن بنانا چاہتے ہیں تاکہ علم و آگہی کی روشنی اپنے کلام میں بکھیر سکیں۔ شاعری فکر و دید کا کرشمہ ہے اور یہ سعادت بازو کے زور اور آنکھوں کی بصارت سے نہیں بلکہ الہامی توفیقات اور دلوں کی بصیرت سے حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امجد نے اپنے فن میں عجز بیانی کی دعا کی ہے۔ بڑی شاعری داخلی تجربات کو لفظوں میں ڈھال کر سننے اور پڑھنے والے کے دل میں وہی کیفیت کا مقصد پیدا کرآتی ہے۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی رقمطراز ہیں:

"امجد اللہ کے کرم اور رحم کے علاوہ اس کے فضل کا بھی شکر گزار ہے۔ انسان مہد سے لحد تک ہر قدم پر معبود کے کرم، رحم، فضل کا محتاج ہے۔ اگر انسان اپنا خود محاسبہ کرے تو معلوم ہوگا کہ یہ مشت خاک کی ترقی اور کامیابی سب کچھ اسی کا دین ہے۔ شکر درحقیقت اللہ کے الطاف کا اقرار ہے جس سے اس کے لطف میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ ہم سب بخوبی واقف ہیں کہ امجد اسلام امجد کو قدرت نے ہر طرح سے نوازا اور عزت و احترام سے مالا مال کیا ہے جس کے لیے وہ با آواز بلند کہہ سکتے ہیں کہ **هذا من فضل ربي**۔"(4)

ڈاکٹر سید تقی عابدی امجد کے کلام میں وطنیت کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وطن سے محبت کا جذبہ ہر شاعر کے ہاں ملتا ہے۔ امجد کی مناجاتوں اور دعاؤں میں اپنی خاک اور اپنے قومی درد کی ترجمانی تو ہے لیکن تفریق نہیں۔ وہ کسی ایک ذات، مذہب یا قوم کی بات نہیں کرتے بلکہ وہ تمام قوموں کے محرومین اور مظلومین کی بات کرتے ہیں۔ ایک طبعی کیفیت کے تحت ہر شخص کو اپنا دین اور وطن عزیز ہے۔ اسی لیے امجد کے کلام میں دوسری قوموں کے شعرا کی نظموں کے تراجم بھی شامل ہیں جو رنگ و نسل کی بنیاد پر دوسروں سے علیحدہ کر دیے گئے تھے۔ ان کے کلام کو ہر طبقے کے لوگ پسند کرتے ہیں یوں کہ ان کی مناجاتوں اور دعاؤں کا ایک جذباتی اور احساسی پہلو ان کی وطن دوستی، وطن پرستی اور وطن کے ستم رسیدہ غریب اور محروموں سے ہے۔ امجد کی شاعری کی طرح ان کے ڈراموں

میں بھی ملک کی جاگیردارانہ ذہنیت پر کھل کر اظہار ہو چکا ہے۔ اسی لیے وہ بہت مقبول ہوئے۔ جہاں انھوں نے ملک کے غیر منصفانہ وسائل کے خلاف احتجاج کیا ہے اپنی قلبی واردات میں خدائے برتر سے اس مہم میں لوگوں کی مدد کی دعا بھی کی ہے۔

ڈاکٹر سید تقی عابدی کی رائے میں امجد دعا کی ضرورت واہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ سمیع وعلیم ہے وہ دلوں کے بھید خوب جانتا ہے۔ وہ دعا میں ہونٹوں پر آنے سے پہلے ان سے واقف ہوتا ہے تو پھر ان دعاؤں کی تاکید اور وہ بھی عجز وانکساری اور گریہ وزاری کے ساتھ کیوں ہو؟ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں کہ یہ سچ ہے کہ بعض دعا میں مانگنے سے پہلے مستجاب ہو جاتی ہیں۔ دعا دراصل سوال اور طلب ہے حضور باری تعالیٰ میں دعا ہر مقام پر اور ہر قوم کا غیبی سہارا ہے۔ امجد دعائیہ لہجہ اور اس کی تاثیری وسعت کو نظم کے عنوان سے جوڑ دیتے ہیں۔ امجد کی احساساتی نظم ''ماں'' ان کی والدہ کے انتقال پر ہے اس طویل نظم میں دعا کے کچھ پہلو سوز وگداز کے ساتھ روشنی بکھیرتے ہیں۔ اسی طرح ایک نجی نظم میں وہ اپنے والدین اور اپنے اہل وعیال کی پر رونق زندگی کا شکر ادا کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ کا فضل ہے۔

امجد نظم میں موضوع اور موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ امجد کی شاعری میں رزق کا پیکر درجنوں طریقوں سے مصرف ہوا ہے۔ ایک نظم ''سبق'' میں بتاتے ہیں کہ بہت سی قومیں اس دنیا میں ایسے تباہ وتاراج ہوئیں کہ مشکل سے ان کا نام ونشان کتابوں میں ملتا ہے۔ یہ وہ قومیں تھیں جن کے فیصلے دوسرے لوگ کرتے تھے۔ عمدہ شاعری کے لیے سب سے ضروری اور اہم چیز مفہوم ومطلب کا ابلاغ ہے جو اس نظم میں روزمرہ کی شکل میں ایسے موجود ہے جیسے کوئی بات کر رہا ہو۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی اس نظم کا تنقیدی جائزہ کچھ اس طرح پیش کرتے ہیں:

> ''اس میں رزق کی نادر پیکر تراشی، منزل سراب کی صورت کی خوب فہم تشبیہ کے علاوہ مراعات النظیر یا ایک ہی مضمون سے رشتے رکھنے والے الفاظ کا اژدھام ہے۔ جیسے سروں، جھکا، عبادت خدا، قبول کے ساتھ راہ گزار منزل سفر کے علاوہ فنا، بے نشاں وغیرہ ہیں۔''(5)

ڈاکٹر سید تقی عابدی نے امجد کے گیتوں میں حمدیہ عناصر کا سراغ بھی لگایا ہے ان کے مطابق گیت بھی ابلاغ کا اہم ذریعہ ہیں۔ امجد نے گیتوں میں بھی بعض گیت اور بعض اشعار مناجاتی اور دعائیہ کہے ہیں۔ ان گیتوں میں رحمت کو جلال میں لانے کے لیے اللہ کی صفات سے فائدہ اٹھا کر سوالات سے استغاثہ کیا ہے۔ ایک اور گیت میں علم کی اہمیت، عظمت اور اس کے حصول کی دعا کو خوب صورت انداز میں پیش کیا ہے۔ سارا گیت خدا، علم، زندگی اور روشنی کے پیکروں سے بنایا گیا ہے۔ تکرار نے مفہوم کو بہت گہرا رنگ اور نغمگی کو غنائیت دے کر گیت کو غنی کر دیا ہے۔

ڈاکٹر سید تقی عابدی اپنے مضمون ''حمدوں میں کعبے کی قبلہ نمائی'' میں امجد کی حمدیہ شاعری میں کعبے کی قبلہ نمائی کا ناقدانہ جائزہ پیش کرتے ہیں۔ ان کے مطابق امجد کا مجموعہ کلام ''اسباب'' کی پہلی حمد جو غزل کی ہیئت میں سات اشعار مردف متوسط بحر کی تخلیق ہے، خود صحن کعبہ میں لکھی گئی ہے۔ اس حمد کے اشعار کعبے سے جوڑے گئے ہیں۔ یہاں شعروں میں الفاظ کعبہ، گھر، باب وغیرہ کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ یہاں پر شعر میں فقرہ یا فقرے، جو قافیہ کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں بذات خود ایک مکمل حمدیہ عنوان اور قلبی واردات ہے۔ اس حمد میں امجد کے معروف علامتی پیکر خواب اور آنکھ کا ذکر خوب صورت انداز میں ملتا ہے۔ اسی لیے یہ مقام دعاؤں کی قبولیت کا مرکز ہے اور اس کا سفر بھی حصول ثواب کا ذریعہ ہے۔ پوری حمد روزمرہ میں نہایت سادہ اور آسان الفاظ سے مزین ہے۔ سچی اور تاثیری شاعری کے ضمن میں سچے جذبات اور بیانات میں صداقت اہم چیز ہے۔

ڈاکٹر سید تقی عابدی کے مطابق امجد کے کلام میں ارکان اسلام کی اہمیت پر بھی زور دیا گیا ہے ان کی رائے میں امجد کی حمدیہ شاعری کی نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ نہ صرف کعبہ کی عظمت، احترام، تاریخ اور تجلیات کے بارے میں لکھتے ہیں، بلکہ طواف، مناسک حج کے علاوہ الگ الگ نظمیں چاہ زمزم، منیٰ وغیرہ پر لکھ کر بڑے پُر تاثیر اشعار بھی پیش کرتے ہیں۔ امجد کی حمدیہ شاعری ان کی معروف اور مستحب روایت کی بہترین عکاس ہے۔ شاعر کی جب پہلی نظر کعبہ پر پڑی تو ہوش و حواس، شدت جذبات اور روحانی تب و تاب سے گم ہو جاتے ہیں، آنکھیں موند جاتی ہیں۔ ذہن گنگ اور زبان بند ہو سکتی ہے۔ اس حمد کے

بارے میں ڈاکٹر سید تقی عابدی کچھ یوں رقمطراز ہیں

''ایک کامیاب ذہن جہاں بھی جاتا ہے اپنے لیے ایک کامیاب بارگاہ بنا لیتا ہے۔ چناں چہ امجد نے کعبہ پر پہلی نظر کو نہ صرف شعری رنگ میں رنگا بلکہ اس میں دقیق ندرت بیانی سے مضمون کے کئی گوشوں کو روشن بھی کیا۔ ان نظموں سے اکیسویں صدی کی مدرن کی دقیق نگاری اور جزئیات بیانی بھی جو امجد کی شاعری کی پہچان ہے ظاہر ہوتی ہے۔''(6)

حج کی سعادت اور مناسک کی ادائیگی کے دوران قیام مکہ بھی شاعر کے لیے کلام پیام لایا اور شاعر نے انھیں بھی لفظوں میں قید کر دیا تاکہ جذبات کا اظہار ایک عمدہ انداز میں کیا جا سکے۔ اس تین شعر کی حمد میں امجد نے حج کے پیکر اس سفر کی روداد کو نہ صرف کوزے میں بند کیا بلکہ ان میں جذبات کا تلاطم بھی پیدا کیا۔

امجد کی ایک نظم ''کعبہ کہیں جسے'' پانچ اشعار کی ایک خوب صورت نظم ہے جس کی خوب صورتی یہ ہے کہ سیدھے سادے رواں دواں الفاظ میں جذبات، محسوسات جو شعور کی غیر مرئی صورت حال ہے الفاظ کی صورت پر خال بنا کر پیش کیے گئے ہیں۔ اس میں داخلیت کے ایسے پہلو نمایاں ہیں جس میں ہر خارجی پیکر شامل ہو جاتا ہے۔ امجد کی کعبہ سے متعلق حمدیہ شاعری کے بارے میں ڈاکٹر سید تقی عابدی کچھ یوں لکھتے ہیں:

''حج کے سفر میں کئی درجن حمدیں اور نعتیں مسلسل باران رحمت کی طرح ذہن پر برستی رہیں۔ کئی نظمیں کعبے کے سامنے بیٹھ کر بھی لکھی گئیں۔ چنانچہ ان میں خارجی مشاہدہ اور داخلی جذبے کی ملی جلی تاثیر ہے جو حاجی یا ہر تصور ذہنی کو اسی طرح متاثر اور محظوظ کرتی ہے جس طرح کہ خود شاعر کو یہی عمل کامیاب اور مقبول شاعری کی سند بھی ہے۔''(7)

ڈاکٹر سید تقی عابدی کے مطابق امجد قادر الکلام شاعر ہیں۔ انھوں نے حمد میں ششدر صفت ابہام اور ایہام کا استعمال بھی کیا ہے۔ اسی میں صنعت سیاق الاعداد کا استعمال بھی ملتا ہے۔ صنعت مراعات النظیر میں آنکھیں، نظر، روشنی، صنعت تکرار میں سب نام و نشاں، صنعت تضاد میں قطرہ، دریا وغیرہ بھی نظر آتے ہیں۔ امجد نے خود مضمون کو داور

محشر سے منسلک کیا ہے۔ یعنی پروردگار مجھے بخش دے میرے عصیاں کو مٹا دے تاکہ میں شرمندہ نہ ہوں۔

امجد کی ایک آزاد حمدیہ نظم "حطیم" ہے۔ اس نظم کو حمدیہ کہنے کی بابت ڈاکٹر سید تقی عابدی کہتے ہیں کہ اس نظم کا تعلق بیت اللہ اور ذکر اللہ سے ہے۔ امجد کی وہ نظمیں جو کعبہ کے ذکر سے بھر پور ہیں پڑھنے اور سننے والے کو نہ صرف کعبہ کی عظمت بلکہ اس کی تاریخ اور ساخت و تعمیر سے بھی باخبر کرتی ہیں۔ اس ضمن میں سید تقی عابدی لکھتے ہیں:

"حطیم کعبہ کی قدیم دیوار کا حصہ ہے جو ہزاروں برس قدیم ہے جس میں وہ تاثیر ہے جس کو شاعر نے اپنی قلبی آواز سے جوڑا ہے۔"(8)

قرآنی آیت کی روشنی میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے سب سے پہلا مبارک گھر (کعبہ) بنایا جو سارے جہانوں کے لیے ہدایت کا مرکز ہے۔ چناں چہ اس گھر کے حصے حطیم میں جو دنیا کی سب سے پہلی ربانی عمارت کعبہ کا جزو ہے وہی اثر اور تاثیر ہونی چاہیے جس طرح سے شاعر نے محسوس کی اور قرطاس پر نقش کی۔

امجد کی حمد میں نئے تجربات کا پتہ چلتا ہے۔ طواف کرتے وقت **اللھم لبیک** کا جملہ بھی حمد کی ردیف میں تکرار کے ساتھ "میں حاضر ہوں"، "میں حاضر ہوں" کہہ کر لایا گیا ہے۔ شاعر حمد میں اپنی عاجزی کے ذکر کے ساتھ اللہ رب العزت کی ذات، صفات، کمالات اور عظمت پر سپردگی اور حیرت کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ شعار اللہ کے بیان کے ساتھ امجد کا شعوری اور غیر شعوری پیرا آنکھیں اور خواب کا بیان دل کش اور دلفریب ہے۔

الفاظ کی تکرار، ردیف کا ردھم، ہم قافیہ الفاظ اس طویل بحر کی حمد کو نغمگی اور غنائیت سے سرشار کر دیتے ہیں۔ حمد کو نورانیت سے بھر پور کرنے کے لیے تضاد الفاظ ارض، سما، ازل، ابد کے ساتھ پوری حمد میں معتبر اور متبرک تراکیب کا ہجوم ہے۔ حمد میں تلمیحات کے ذریعے دل کشی پیدا کرنے کی سعی بھی کی گئی ہے۔

ڈاکٹر سید تقی عابدی کی تحقیق کے مطابق امجد نے حمدیہ نظم "یہ بستی منی کی ہے" الٰہی۔ بھرپور کیفیت سے دو رچار منی پر لکھی گئی ایک نظم اس سے پہلے اردو اور فارسی میں نہیں لکھی گئی۔ حمد کی تفہیم واضح کرتی ہے کہ منی صرف خیموں کا پڑاؤ نہیں بلکہ یہ حق کا راستہ ہے جو نئی

سے اثبات یعنی لا سے الا کی طرف ہے۔ یہاں ہر شخص دل شاد ہے مستی عشق خدا سے سرشار ہے۔ یہاں کی خاک دوا اور یہاں کی فضا شفا ہے۔ شاعر دوران تخلیق جزئیات کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ بالخصوص جہاں مسئلہ واردات قلبی کا ہے۔ حاجی کے لیے وہ لمحہ جب وہ کعبہ سے وداع ہوتا ہے بہت سخت ہوتا ہے اسی لیے وہ اشکبار اور غم زدہ رہتا ہے۔ امجد ان رخصتی کے لمحات کو مثبت رنگ دے کر مصرعوں میں درد و گداز کے ساتھ امید اور دعاؤں کی تاثیر پیدا کرتے ہیں۔ اس نظم ''طواف وداع'' میں جہاں وہ ایک طرف بچھڑنے کی وجہ سے غم زدہ ہیں تو وہیں وہ اس امید کا دامن بھی تھامے ہوئے ہیں کہ یہ خوش نصیبی پھر دوبارہ نصیب ہو۔

سید تقی عابدی ان کی حمدیہ شاعری کی جزئیات کو نہایت باریک بینی سے دیکھتے ہیں۔ کلاسیک اور موجودہ دور کے رنگ شاعری کو ایک نئے زاویہ نگاہ سے دیکھنے کی سعی کرتے ہیں۔ حمدیہ شاعری میں موجود الفاظ کے تناظر اور پس منظر کو دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حمد کی سائنسی انداز میں پیش کش کو پہلی مرتبہ عابدی نے امجد کی شاعری میں ڈھونڈنے کی کامیاب کوشش ہے۔ مذہبی عقائد خصوصاً حج اور اس سے مناسک کو امجد کی شاعری میں خاصی اہمیت دی گئی ہے جس پر عابدی نے ناقدانہ نگاہ ڈالی ہے۔ امجد کی حمد نگاری جدیدیت اور عصر حاضر کے تمام تر لوازمات سے بھرپور ہے۔ ان کی حمدیہ شاعری جہاں ان کی قلبی واردات کا اظہار ہے وہیں مناجاتی انداز اللہ کے حضور دست دعا بھی ہے۔ ان کی صنف حمد نگاری کی انفرادیت انھیں اردو ادب میں کمال درجے پر فائز کیے ہوئے ہے۔

حوالہ جات:-

1۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی، ''امجد فہمی'' (جہلم: بک کارنر، 2018ء)، ص 46

2۔ ایضاً، ص:47 3۔ ایضاً، ص 58 4۔ ایضاً، ص 68

5۔ ایضاً، ص:78 6۔ ایضاً، ص 83 7۔ ایضاً، ص:85

8۔ ایضاً، ص:88

انور مسعود

امجد فہمی

امجد میرا ہمدمِ دیرینہ ہے۔ عزیزداری تو کہیں بعد کی بات ہے۔ مجھے اُس سے جو ممتاز رفاقت حاصل رہی ہے اُس کے پیشِ نظر اُس کے بارے میں میرے لیے کچھ کہنا اتنا آسان نہیں اس کا سبب یہی ہے کہ آدمی اگر اس قریب نہ آئے کہ تماشا حال ہو جائے۔

دوسری دشواری یہ ہے کہ ''امجد فہمی'' مجھے آج سے دو تین دن پہلے ملی ہے جب کہ مجھے دبئی اور اُس کے فوراً بعد پشاور کا سفر درپیش تھا۔ لہٰذا سفر بہ سفر کے ان مرحلوں میں امجد کے جہانِ شعر کا تجزیاتی اور تنقیدی مطالعہ کرتے ہوئے اس عظیم اور اہم کتاب کے مطالعے اور اس پر تبصرے کا حق ادا کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا۔

سامعینِ گرامی! ادب کے میدان میں امجد کے اتنے کارنامے ہیں جن کا شمار بھی آسان نہیں وہ شاعر بھی ہے، ڈرامہ نگار بھی، کالم نگار بھی، سفرنامہ نگار بھی، مترجم بھی، اردو کے کلاسیکی شعرا کی شاعری کا سخن شناس بھی، امجد کے اتنے متنوع فیلڈ ہیں کہ اُسے اس دور کے اردو ادب کا فیلڈ مارشل کہا جا سکتا ہے۔

مجھے اس وقت جو کچھ درپیش ہے وہ تعارف در تعارف ہے۔ امجد کی شاعری کے مبسوط تعارف پر مبنی کتاب کے بارے میں یہ چند سطریں تعارف کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کتاب میں ڈاکٹر سید تقی عابدی نے اس ہمہ جہت تخلیق کار کی شاعری کا بھرپور تجزیاتی اور تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ 712 صفحے کی اس کتاب میں امجد کی زندگی، شخصیت اور فن اور اس کے اعزازات اور ایوارڈ کے بارے میں اتنی معلومات جمع کر دی گئی ہیں کہ ان کے اس عظیم کام کا خراجِ تحسین ہی پیش کیا جا سکتا ہے ان کا یہ تحقیقی کارنامہ امجد کے لیے ہی نہیں بلکہ اردو ادب کے بھی متاعِ بے بہا ہے۔

اس کتاب کے 546 صفحات بڑی علمی انداز کی تحقیقی وتحسین تجزیئے اور کنج کاری پر مشتمل ہیں اور اس کے بعد کتاب کے آخر تک امجد صاحب جس طرف آنکھ اٹھائیں تیری تصویراں ہے۔

ڈاکٹر عابدی صاحب نے امجد کی تحریر کردہ، حمد، نعت، سلام، نظم اور غزل ان سب اصناف سخن کے بارے میں تاریخی پس منظر اور دور حاضر کے تناظر میں امجد کی انفرادیت کو اس طرح اُجاگر کیا ہے کہ اُن کا یہ کارنامہ بلاشبہ حیرت آور ہے۔ حمد و نعت و سلام کی یہ تجلیاں اُردو ادب کا بڑا مقدس سرمایہ ہے۔

ڈاکٹر سید تقی عابدی نے امجد کی شاعری کے بارے میں اُردو ادب کے مشاہیر اہل قلم کے تاثرات کی جمع آوری کا زبردست اہتمام کیا ہے۔ ان مشاہیر نے اپنے تاثرات سے امجد کی جو تخلیقی جہتیں اُجاگر کی ہیں وہ امجد شناسی کے ضمن بڑی مستند آرا کا درجہ رکھتی ہیں۔

فیض احمد فیض صاحب کے نزدیک امجد کو اپنے نئے پیرایہ اظہار میں بڑی سہولت ودولیعت ہوتی۔

احمد ندیم قاسمی فرماتے ہیں، ''امجد بیرائی نہیں وہ اپنے معاشرے اور اپنی تہذیب اور تاریخ سے مربوط ہے اس لیے مضبوط شخصیت رکھتا ہے۔ امجد کی نظموں نے سب مدایوں کے طلسم توڑ رہے ہیں۔''

فرمان فتح پوری فرماتے ہیں، ''امجد نئی نسل کے نمائندہ ادیبوں میں خاص ذکی دراک اور شوخ وطرار ہے۔''

شہزاد احمد کہتے ہیں کہ ''امجد کا مرکزی مسئلہ محبت ہے، وقت کا مسئلہ بھی، اس کے لیے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔''

جمیل الدین عالی امجد کی غزل کے اُس کی نظم سے بڑھ کر معترف ہیں۔

کشنا یاد نے کہا کہ ''امجد نے نظم میں تغزل کو راہ دی ہے۔ اُس کی اکثر نظموں کو پڑھتے ہوئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ غزل کا شعر پڑھ رہے ہیں یا نظم کی لائنیں، امجد کا کمال یہ ہے کہ اُس نے پابند نظم سے ایسا انحراف کیا جو انحراف محسوس نہیں ہوتا۔''

پیرزادہ قاسم کہتے ہیں کہ ''امجد کا موضوع، انسان، انسان دوستی اور عظمت انسانی ہے۔''

امجد کی شاعری کے بارے میں سب سے زیادہ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اُس کی اپیل کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اُس نے اپنا مسلکِ شعر بیان کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے۔ ''میں وہ بات کروں گا جو سب سمجھتے ہیں، اور وہ بات سب کے دل میں ہے۔'' یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ امجد کا کلیدی لفظ رزق ہے۔ امجد کی غزل ہو نظم یا گیت، رزق کا لفظ ہر جگہ ملتا ہے کہیں یہ رزقِ انتظار، کہیں رزقِ غبار، کہیں رزقِ غنچہ، کہیں رزقِ اجل، کہیں غریب کا رزق   ڈاکٹر تقی عابدی کے نزدیک امجد کی شاعری میں رزق ایسا تلازمہ ہے جو اپنے ساغر میں ہر قسم کے مشروب کو سمو لیتا ہے۔

خدا کا رزق تو ہرگز زمیں پر کم نہیں یارو
مگر یہ کاٹنے والے، مگر یہ بانٹنے والے

اس لفظ کو امجد نے جس مختلف معنوی اور پیرائے میں استعمال کیا ہے۔ یہ بس اُسی کا حصہ دینی عقیدت ہے۔ امجد کی نظموں کا کوئی مجموعہ ایسا نہیں جس کا آغاز حمد و نعت سے نہیں۔ اسلام سے اپنی محبت کے بارے میں اُس نے اپنے نام کی کتنی خوب صورت توجیہ بیان کی ہے۔ ''اسلام کو اپنے دو ناموں کے بیچ میں رکھا ہے تاکہ جو آنچ بھی آئے میرے نام پر آئے اسلام پر نہ آئے۔''

''امجد فہمی'' وہ کتاب ہے جو صرف امجد کی شاعری کی تحسین و تفہیم کے حوالے سے اُس کے شاعرانہ مرتبے کا تعین کرتی ہے۔ اگر اُس کی تخلیق کاری کے سارے پہلوؤں کا تذکرہ مقصود ہو تو اس کے لیے ایک کتاب نہیں بلکہ ایک کتابستان درکار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اُس کو جو گوناگوں صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں اُس نے اُن سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ اور مقامِ شکر ہے کہ اُس کا رُخ خیر کی جانب رہا ہے۔ اُس کا قلم ادب و شعر کی دنیا کے لیے متاعِ بے بہا ہے اور انسانیت کے لیے ایک نادر سرمایہ۔

ڈاکٹر سید تقی عابدی قابلِ صد مبارک باد ہیں کہ انھوں نے محنظ کاری اور ادب اعتراف کا عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔

''امجد فہمی'' بلاشبہ امجد کی شاعری کے تعارف کے لیے دائرۃ المعارف ہے۔ میں ان کو بھی اور امجد کے بے شمار شیدائیوں کو بھی اس کتاب کی اشاعت پر تہِ دل سے

مبارک دیتا ہوں۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک زمانے میں مرحومہ پروین شاکر نے اسلام آباد میں امجد کے اعزاز میں ایک شام کا اہتمام کیا اور مجھ سے یہ فرمائش کی کہ اس تقریب کے لیے دو چار قطعات لکھ دیجیے۔ میں نے امجد کی انتھک محنت، اُس کی حاضر جوابی اور طبیعت کی شگفتگی کو پیش نظر جو قطعے لکھے، وہ سنا کر اجازت چاہتا ہوں۔

موسم گل ہے طبع امجد بھی، سب جسے خوش گوار کہتے ہیں
میرا من بھی کہہ اُٹھے انور، اس کو باغ و بہار کہتے ہیں

•••

اُس کو محنت کی بڑی توفیق ارزانی ہوئی
اُس کو یہ دُھن ہے کہ بس لکھتا رہے لکھتا رہے
کیسے ممکن ہے کہ رفع خستگی کے واسطے
دن کا وارث رات کی دہلیز پر بیٹھا رہے

سامعین کرام اب میں اُس فرصت کی تلاش میں ہوں کہ امجد فہمی کے بارے میں ایک بھرپور مضمون لکھوں اور اپنے ہی ایک شعر پر مضمون ختم کروں۔

پھر کسی وقت میری جان مفصل ہوگی۔ یہ ملاقات،، اقتباسات، دیباچہ، میں نے اس مضمون میں ''امجد فہمی'' کے آخری حصہ کی تصویری البم کی طرف بھی اشارہ کیا تھا، یہ تصویر خانہ بڑا بھرپور ہے۔ اس میں امجد کے والد صاحب اور والدہ صاحبہ کی تصاویر بھی موجود ہیں۔ بیگم امجد اور امجد اپنے جملہ عزیز و اقارب کے ساتھ بھی دکھائی دے رہے ہیں۔ امجد کی اپنے بچی اور قدیمی دوستوں اور احباب کے ساتھ کئی ایک تصویریں ہیں۔ بیگم امجد اور امجد بڑی نامور ہستیوں کے ساتھ، بڑی یادگار تصویریں۔ دلیپ کمار، امیتابھ بچن اور گلزار صاحب بھی ان تصاویر کا حصہ ہیں۔ پاکستان کی عظیم اور نامور شخصیتیں بھی اس تصویر خانے میں سجی ہوئی ہیں۔ اور اُن اداکاروں کی Stills بھی دکھائی ہیں جن کو امجد کے ڈرامے کی کاسٹ بننے کا اعزاز حاصل ہوا، یادگار مشاعروں کی تصویریں بھی اس فہرست میں شامل ہیں جن میں امجد کا کلام بھی بے پناہ داد وصول کر رہا ہے۔

ڈاکٹر شہناز قادری

اُردو میں تروینی پر اہم کتاب

''گلزار کی تخلیقی صنف تروینی......تشریح و تجزیہ''

زیرِ نظر مضمون میں راقمہ گلزار کی تخلیقی صنف ''تروینی   تشریح و تجزیہ'' ڈاکٹر سید تقی
کی تصنیف کے حوالے سے بات کرنے کی جسارت چاہتی ہوں۔

تمام صفحے کتابوں کے پھڑپھڑانے لگے
ہوا دھکیل کے دروازہ آ گئی گھر میں

کبھی ہوا کی طرح تم بھی آیا جایا کرو

کتاب پڑھنے سے پہلے مصنف کا مختصر تعارف پیشِ خدمت ہے۔ ڈاکٹر تقی عابدی کی علمی و ادبی شخصیت مختلف جہات کا احاطہ کرتی ہے۔ دورِ حاضر میں اُردو زبان و ادب کی ترویج و ترقی کا دعویٰ کرنے والے مفکروں، ناقدوں اور ادیبوں میں اگر کوئی شخصیت متاثر کن ہے تو وہ موصوف کی ادبی شخصیت ہے جس کا خمیر چمن اُردو سے جدید حیدرآباد میں ایم. بی. بی. ایس، برطانیہ میں ایم ایس امریکہ میں ایف. سی. اے پی اور کینیڈا میں ایف. آر. سی. پی کی اعلیٰ ترین ڈاکٹری کی ڈگریوں سے تو تیار ہوا لیکن ان تمام ڈگریوں پر تصرف مغز کرنے سے پہلے ہی ڈاکٹر تقی عابدی اُردو شعر و ادب کو اپنا دل دے چکے تھے۔ موصوف ڈاکٹری کی بڑی بڑی ڈگریاں انسانی امراض کا معالج بننے کی غرض سے حاصل کرتے رہے لیکن خود اس سے پہلے ہی اُردو ادب کے مرضِ عشق میں مبتلا ہو گئے تھے۔ چناں چہ اُردو شعر و ادب کے بال و پر سنوارنے کے کام میں جٹ گئے۔

ڈاکٹر تقی عابدی کا ہندوستان سے دور یورپ کے ممالک میں رہ کر اردو زبان و ادب

مشاغل کے فرائض انجام دینا ایک بہت بڑی بات ہے۔ چناں چہ ہمارے لیے اُردو میں لکھنے پڑھنے اور تحقیق وتدوین کا کام اس قدر مشکل نہیں جس قدر یورپ میں یہ کام وقت طلب ہے تاہم اس کے باوجود بھی ڈاکٹر تقی عابدی کا تحقیق کردہ اُردو ادبی سرمایہ قابل صدر شک ہے ان کی شہرۂ آفاق تصانیف کی ایک بہت بڑی فہرست اُردو زبان وادب کے لیے باعث وُسعت کشادگی اور باعث فخر ہے۔ موصوف کی تصانیف کی تعداد 60 سے تجاوز کرچکی ہیں۔ جنھیں ایک تواربابِ علم وفن اورادب ونقد نے بہتری اور عمدگی کی اسناد سے بھی نوازا ہے اوردُنیا بھر کی مختلف علمی وادبی انجمنوں نے انعام اکرام سے بھی نوازا ہے۔

ڈاکٹر تقی عابدی خود مستند شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ شاعری کے اسرار ورموز سے واقفیت رکھتے ہیں۔ ''حالی فہمی''، ''غالب شناسی''، ''میر شناسی''، ''گلزار شناسی'' وغیرہ کے مطالعہ سے ان کی فن شناسی اور فنکار شناسی کی دلیل فراہم ہوتی ہے۔ بہر حال ڈاکٹر سید تقی عابدی بے شک اپنی ذات میں انجمن ہیں یہاں ہم ان کی ایک نئی اور اہم تصنیف ''گلزار کی تخیلقی صنف تروینی تشریح وتجزیہ'' کے حوالے سے بات کریں گے۔ زیرِ نظر کتاب کو اردو زبان وادب کی تاریخ کا ایک اہم حصہ قرار دیا جا سکتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ موجودہ دور میں اُردو شاعری کی ایک اہم ترین صنف تروینی اور تروینی کے موجد گلزار کے حوالے سے یہ کتاب اُردو زبان وادب کے ضمن میں ایک اہم اضافہ ہے۔ کتاب ''گلزار کی تخیلقی صنف تروینی تشریح وتجزیہ'' بے حد خوب صورتی سے تحریر کی گئی ہے۔ سیاہ رنگ کور میں اردو ادب کی دو اہم شخصیات صاحب کتاب اور موضوع کتاب۔ تقی عابدی اور گلزار کی جاذب نظر تصاویر ہی قاری کا من موہ لینے کے لیے کافی ہیں۔ کتاب کے گردوپوش میں اندر چند خوب صورت اور بہترین تروینیوں کا عمدہ انتخاب خالقِ کتاب کی تروینی شناسی کا پتہ دیتا ہے۔ تقی عابدی نے فہرست مضامین کی شروعات ہی غالب کے اس حصہ شعر سے کی ہے کہ ''رو میں ہے رخشِ عمر'' یعنی قاری شروع میں ہی غالب اس شعر کے مصداق

رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے
نہ ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

یعنی بقول حالی مرحوم ومغفور کہ:

"سواری بے اختیاری اور گھوڑے کا اس کے قابو سے باہر ہونا چابک سواروں کی زبان میں اس سے بہتر بیان نہیں ہوسکتا۔ عمر کو ایسے بے قابو گھوڑے سے تشبیہ دینا، حسن تشبیہ کا حق ادا کرنا ہے۔"

یہاں صاحب کتاب کی فلسفیانہ سوچ اور عالمانہ سنجیدگی سے پردہ وا ہوتا ہے۔ آگے چل کر گلزار کے سوانحی کوائف، شاعری خصوصاً تروینی کی نشاندہی اور تشریح و تجزیہ اور چند انتخاب شدہ تروینیوں کا اجمالی تجزیہ دیکھنے کو ملتا ہے اور اس کے بعد گلزار کی شہرۂ آفاق صنف تروینی کی ترتیب وار فہرست دی گئی ہے۔

زیرِ نظر کتاب کا تجزیہ کرنے سے پہلے میں ادب اُردو کے گلستان کے دلکش، دل پذیر اور جاذبِ نظر گل سمپورن سنگھ کالرا گلزار کی حیات و خدمات پر سرسری روشنی ڈالنے کی جسارت چاہوں گی۔ گلزار کا اصل نام سمپورن سنگھ کالرا اور تخلص گلزار ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام ماکھن سنگھ کالرا اور والدہ ماجدہ کا نام سجان کور ہے۔ دینہ (ضلع) جہلم پنجاب (برٹش انڈیا) کو آپ کی جائے پیدائش کا فخر حاصل ہے۔ یہیں 18 اگست 1934ء میں آپ تولد ہوئے۔ آپ کی تعلیم و تربیت کالج تک اور فلمی دُنیا میں بمل رائے کے سایۂ شفقت میں ہوئی۔ 1973ء میں عقدِ ازدواج میں معروف فلمی اداکارہ راکھی سے بندھ گئے آپ کے مشاغل میں شاعری، افسانہ نگاری، کہانی نویسی، گیت اور مکالمہ نگاری، اسکرپٹ رائٹنگ، فلمی ہدایت کاری، فلم سازی، مصوری اور ادبی خدمات کے علاوہ چانسلر آسام یونی ورسٹی کا اعلیٰ پایہ منصب شامل ہے۔ گلزار اعلیٰ ظرف انسانی خصائل کے مالک ہیں ان کے کردار و گفتار میں اعلیٰ صفات کی آمیزش ہے جب بولتے ہیں تو نرم لہجے میں متانت کے ساتھ تحت اللفظ سے اپنے بیان میں سحر انگیزی پیدا کر دیتے ہیں۔ ان کے اخلاق میں عجز و انکساری دلآویزی اور مسکراہٹ ان کے چاہنے والوں کو مسخر کر دیتی ہے۔ غرض گلزار صاحب کی باغ و بہار شخصیت ایک مقناطیسی کشش کی حامل ہے۔ ان کی شخصیت کی ان ہی خصوصیات کو ذاکر تقی عابدی نے یوں خوب صورت الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔

"یوں تو گلزار ایک اچھے افسانہ نگار، کہانی نویس، اسکرپٹ رائٹر، مصور، گیت کار، ہدایت کار، فلم ساز اور مختلف ہنرمند ہیں جن کی شخصیت میں عجز و

انکسار کے ساتھ برصغیر کا تہذیبی نبھاؤ اور تربیتی سلیقہ موجود ہے لیکن جو خصوصیت انھیں ان تمام ہنری قدروں سے اونچا بناتی ہے وہ ان کی انسانیت، انسان دوستی ہے جو ایک بڑے انسان کی سب سے بڑی شناخت ہے۔"

اپنی ذات میں انجمن کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کی حیات کے دیگر دل کش، دلفریب اور متاثر کن پہلوؤں سے قطع نظر اگر چہ ان کی ادبی شخصیت کو ہی لے لیا جائے تو اس پر اظہار خیال کرنے کے لیے ایک وسیع نگاہ و تخیل درکار ہے۔ چناں چہ زیر نظر تحریر کو ان پر لکھی گئی ایک منتخب تصنیف کا تجزیہ کرنے کی غرض سے صفحۂ قرطاس پر ابھارا گیا ہے لہذا تفصیل میں جانے سے احتراض کرکے یہاں پر ان کی منتخب صنف تروینی کو ہی زیر بحث لانا مقصود ہے تاہم ان کی تخلیقات کی فہرست کو پیش کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔ گلزار کی ادبی شخصیت ہمہ جہت ہزار شیوہ ہے وہ بیک وقت ایک شاعر، گیت کار، مکالمہ نگار، افسانہ نگار، ناول نگار اور منظر نامہ نگار ہیں۔ ان کی تصانیف اور شعری مجموعے اردو ادب کا ایک غیر معمولی سرمایہ ہے جن میں "چاند پکھراج" کا شعری مجموعہ (سی کلیات)، "رات پشمینے کی" (شعری مجموعہ)، "پندرہ پانچ پچھتر" (شعری مجموعہ)، "پلوٹو" (شعری مجموعہ)، "کچھ تو کہیے" (شعری مجموعہ)، "تروینی" (شعری مجموعہ)، "یار جلاہے" (نظمیں)، "گلزار" (شعری مجموعہ)، "عمر سے لمبی سڑکوں پر" (کلیات گیت)، "بال و پر سارے"، "چوری رات" (افسانوی مجموعہ)، "دھواں" (افسانوی مجموعہ)، "ڈیوڑھی" (افسانوی مجموعہ)، "قدم زیرو لائن پر" (افسانوی مجموعہ)، "دو لوگ" (ناول)، "پچھلے پنے" (یادگاری)، "مرزا غالب" (غالب کا ایک سوانحی منظر نامہ)، "معصوم اور پریچے" (دو منظر نامے)، "آندھی"، "خوشبو"، "کوشش"، "لباس میرا"، "میرے اپنے"، "ہو تو تو"، "معصوم"، "اجازت" (منظر نامے) ان ادبی جواہر پاروں کے علاوہ گلزار صاحب نے تقریباً پچاس سے زائد فلموں کی کہانیاں تحریر کیں ہیں۔ اتنی ہی تعداد میں فلموں کے مکالمے لکھے۔ پچاس سے زیادہ اسکرین پلے رقم کیے اور پچاس سے زیادہ فلمی گیت لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی ادبی اور ثقافتی زندگی کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ آپ نے دو ٹی وی سیریل دوردرشن کے لیے بنائے۔ کردار اور

مرزا غالب تحریر پریم چند کی (گئو دان، نرملا اور دس افسانے)۔ علاوہ ازیں امجد علی خان اور پنڈت بھیم سین جوشی پر دستاویزی فلمیں بنائی اور ساتھ ہی ساتھ آپ نے دس سے زیادہ میوزک البم بنائے جو غیر فلمی ہیں۔ آپ کی اس غیر معمولی ادبی اور فنی کارکردگی کے لیے آپ کو وقتاً فوقتاً فتوحات و اعزازات سے بھی نوازا گیا۔ آپ کو 2004ء کے پدم بھوشن صدارتی ایوارڈز سے نوازا جا چکا ہے۔ 2003ء میں ساہتیہ اکادمی نئی دہلی نے آپ کے افسانوی مجموعہ ''دھواں'' کو ساہتیہ اکادمی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ سمبل پور یونیورسٹی نے 2006ء کے گنگا دھر پنیل ایوارڈ کو آپ کی نذر کیا۔ انڈین انسٹی ٹیوٹ نے 2001ء میں آپ کو تاحیات اعزازی فیلوشپ سے نوازا۔ 2013ء کے دادا صاحب پھالکے ایوارڈ کے لیے آپ کو منتخب کیا گیا۔ اس کے علاوہ آپ کے دس سے زائد بہترین گیت کار ایوارڈ، چار سے زیادہ بہترین مکالمہ نگار ایوارڈ، چار سے زیادہ بہترین ڈاکیومینٹری ایوارڈ، کئی بہترین ہدایت کار، بہترین اور تفریحی فلم ایوارڈ سے نوازا جا چکا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ گلزار صاحب کی ان صلاحیتوں کا اعتراف بین الاقوامی سطح پر بھی کیا گیا ہے جس کی بنا پر آپ کو 2009ء کے۔

Oscar Academy Award for best original song "Jai Ho/Slum dog Millionaire

Grammy Award for Best Song Written for Motion Pictures, Television or other visual media-2010"Jai Ho"Slum dog Millionaire.

بہر حال گلزار صاحب کی اس غیر معمولی اور متحرک شخصیت کے لیے ہمارے دل سے یہی دعا نکلتی ہے کہ ع

الٰہی یہ بساطِ رقص اور بھی بسیط ہو

گلزار کی شاعری کے حوالے سے ڈاکٹر سید تقی عابدی نے عالمانہ انداز بیان اختیار کیا ہے۔ انھوں نے ''گلزار اکیسویں صدی کے شاعر کیوں ہیں'' کے عنوان سے اپنی تنقیدی آراء کو ظاہر کرتے ہوئے نکلسن کے حوالے سے اچھے شاعر کی پہچان یہ بتائی ہے کہ وہ اپنے دور میں محدود نہیں رہتا اور واقعہ بھی یہی ہے کیوں کہ تاریخ گواہ ہے۔ آج کے انسان کی سخت جانی اور تنہائی کا شکوہ بہت پہلے غالب نے کرتے اور انھیں صبح سے شام کے مسائل بھرے دن

کی مسافت جوئے شیر لانے کے مترادف معلوم نہ ہوتی۔ اس لیے اگرچہ بعض ناقدین مثلاً گوپی چند نارنگ اور احمد ندیم قاسمی نے گلزار کو اکیسویں صدی کا شاعر قرار دیا تاہم ڈاکٹر تقی عابدی نے ان کے کلام کے معروضی اور سائنسی تجزیے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ گلزار کی شاعری میں روایت اور جدیدیت کا عمدہ میلان دیکھا جا سکتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"گلزار کی شاعری روایت اور جدیدیت کے درمیان ایک پل کی طرح ہے جو آج کے دور میں اردو شاعری کی بقا، اور ارتقاء کے لیے لازم ہے۔"

ڈاکٹر تقی عابدی نے اپنی اس رائے کے حوالے سے ہر قسم کا جواز فراہم کیا ہے کہ کن وجوہات کی بنا پر گلزار روایت اور جدیدیت کے درمیان پل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کہ کونسی خصوصیات انھیں اکیسویں صدی اور گلوبل ویلیج کا ممتاز شاعر بناتی ہے۔ اس ضمن میں کلام گلزار کی سب سے بڑی اہمیت تقی عابدی یہ گناتے ہیں کہ وہ شاعری میں پیر وجوان، امیر و غریب، عامی عالم، دیہاتی وشہری غرض ہر کسی سے مخاطب ہیں۔ اس کے علاوہ گلزار نے اپنے شعری اظہار کے لیے آج کی رائج الوقت سیدھی سادی اور عام فہم زبان کو استعمال میں لایا ہے نہ صرف یہ بلکہ گلزار کی شاعری انسانی اقدار سے جڑی ہوئی ہے ان کے یہاں ادب برائے ادب اور ادب برائے ہدف کا حسین امتزاج دیکھنے کو ملتا ہے۔ علاوہ ازیں ان کی شاعری میں گل وبلبل کی ہوش ربا داستانوں سے قطع نظر سائنسی نقطۂ نظر سے زندگی کے معاملات ومسائل کو پیش کیا گیا ہے۔ بقول ڈاکٹر تقی عابدی:

"گلزار ان انگشت شمار اُردو کے شاعروں میں ہیں جس نے اپنی شاعری کو جہاں کہیں بھی موقع اور محل پایا ان (جن کا تقاضا موجودہ نسل کرتی ہے) سائنسی مطالب اور وسائل سے جوڑا۔"

گلزار کی شاعری میں مقامی زبان کی رنگ وبو کی آمیزش ہے کیوں کہ ان کے یہاں اُردو شاعری میں ہندی کے عام فہم، شیریں اور رسیلے الفاظ اور برصغیر کی تلمیحات و اصطلاحات اس طرح شیر وشکر ہوگئیں ہیں گو کہ ان ہی کی زبان کا حصہ معلوم ہوتی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ گلزار کی شاعری کو عالمگیر شہرت یافتہ گلوکاروں کی ایک بڑی تعداد نے گایا ہے جس

ہے ان کا شعری مقام مرتبہ اور زیادہ بلند ہوتا چلا جاتا ہے۔ گلزار اگرچہ فلمستان کی چکاچوند دنیا میں ایک عظیم المرتبت شان رکھتے ہیں تاہم اس بات میں کوئی شک کی گنجائش نہیں کہ گلزار کی شاعری انھیں تا ابد زندہ و جاوید رکھے گی بقول ڈاکٹر تقی عابدی

''گلزار کی شاعری ہی ہوگی جس سے انھیں شاید صدیوں کی زندگی ملے۔''

آگے چل کر ڈاکٹر سید تقی عابدی اپنی اس اہم ترین تصنیف کے حوالے سے اصل موضوع یعنی اس کے لب باب تروینی پر مفصل گفتگو کرتے ہیں۔ مصنف ''تروینی اردو شاعری کا نیا صنفی تجربہ'' کے باب میں بیان کرتے ہیں کہ تروینی کیا ہے؟ کب معرض وجود میں آئی اور کس کی تخلیق و ایجاد ہے؟ بہر حال ان سوالات کا جواب اور جواز صاحب کتاب نے نہایت تفصیل سے پیش کیا ہے۔ اقسام شاعری میں تین مصرعوں والی اصناف کے زمرے میں بہت سی قسمیں آتی ہیں جن میں تروینی کے علاوہ مثلث، ہائیکو، ماہیہ، ثلاثی، ترسیے، تکونی، تپائی اور سہ سطری وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں سے بعض اصناف کی اچھی خاصی تعداد ملتی ہے اور بعض شعرا کے انفرادی تجربوں سے زیادہ کچھ شعر و ادب کے لیے سودمند ثابت نہ ہو سکیں۔ اب جہاں تک تروینی کا تعلق ہے۔ یہ تین مصرعوں والی تمام نظموں میں سہل آسان اور متنوع ہے جس میں ردیف اور قافیہ کی پابندی نہ ہونے سے کثرت سے مضامین نظم کیے جا سکتے ہیں اور شعرا اپنے کمال فن کے جوہر اپنی بساط کے تحت دکھا سکتے ہیں یہ ایک تین مصرعوں پر مشتمل نظم ہے جو چار دہائیوں قبل معرض وجود میں آئی۔

اس صنف شاعری کے موجد جناب سمپورن سنگھ کالرا گلزار ہیں۔ جہاں تک اس صنف سخن (تروینی) کی ساخت کا تعلق ہے اس میں تین مصرعے ہوتے ہیں اس کے بعد شاعر ایک سطر چھوڑ کر تیسرا مصرعہ رقم کرتا ہے اور تیسرا مصرعہ پہلے دو مصرعوں سے پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے نظم کے معنی میں تبدیلی یا معنی آفرینی اور وسعت و جامعیت پیدا ہوتی ہے۔ بعض شارحین اور ناقدین نے تروینی کی چھوڑی ہوئی سطر کو بھی اہمیت دی ہے اور اسے خط سکتہ (Pause line)، مصرعہ سکوت، مصرعہ توقف جیسے نام دیئے ہیں۔ بہر حال تروینی کے تینوں مصرعے ایک ہی بحر میں ہوتے ہیں اسے کسی بھی بحر میں لکھا جا سکتا ہے۔ تروینی ایجاز و اختصار کی ریاضت فراہم کرتی ہے۔

گلزار نے اس جدید صنف شاعری میں ہندی کے شیریں الفاظ اور انگریزی کے مرمریں لفظوں کو اس طرح برتا ہے کہ یہ روزمرہ زبان کی عام فہم ضرورتوں کے مطابق معلوم ہوتی ہے۔ تروینی خالص ہندوستانی نژاد نظم ہے۔ اس کی کوئی روایت فارسی یا عربی میں نہیں ملتی۔ اگرچہ تین مصرعوں کے اُردو اور پنجابی قبیلوں سے بھی اسے جوڑا جاتا ہے تاہم یہ خود ایک مستقل صنف سخن ہے۔ یہ صنف اکیسویں صدی کے گلوبل ویلیج کے جدید تقاضوں کے مطابق بھی ہے اور روایت کی پاسداری بھی۔

گلزار صاحب کے نئے اور منفرد شعری تجربے تروینی کی ساخت، اہمیت اور افادیت پر اگرچہ اُردو اور ہندی کے بہت سے ادبا اور ناقدین نے اپنی اپنی رائے ظاہر کی ہے تاہم ڈاکٹر تقی عابدی تروینی کے موجد گلزار کی گفتگو کے زیر نظر اقتباس کے حوالے سے یوں رقمطراز ہیں۔

"تروینی نہ تو مثلث ہے نہ ہائیکو نہ تین مصرعوں میں کہی ایک نظم۔ ان تینوں فارمز میں ایک خیال، ایک امیج کا تسلسل ملتا ہے لیکن تروینی کا فرق اس کے مزاج کا فرق ہے۔ تیسرا مصرعہ پہلے دو مصرعوں کے مفہوم کو کبھی نکھار دیتا ہے۔ کبھی اضافہ کرتا ہے یا ان پر کمینٹ کرتا ہے۔ تروینی نام اس لیے دیا گیا تھا کہ سنگھم پر تین ندیاں ملتی ہیں۔ گنگا، جمنا اور سرسوتی۔ گنگا اور جمنا کے دھارے سطح پر نظر آتے ہیں لیکن سرسوتی جو ٹیکسلا کے راستے سے بہہ کر آئی تھی وہ زمین دوز ہو چکی ہے۔ تروینی کے تیسرے مصرعے کا کام سرسوتی دکھانا ہے جو پہلے دو مصرعوں سے چھپی ہوئی ہے۔"

اگر تروینی کی ہیئتی ساخت کو لیا جائے تو اس میں تین مصرعے ہوتے ہیں اور تین مصرعوں میں دو کے بعد ایک سطر شاعر خالی چھوڑ کر تیسرا مصرعہ تحریر کرتا ہے۔ دو مصرعوں سے قاری تخیل کی اڑان بھرتا ہے اور پھر تیسرے مصرعے پر جب لوٹ آتا ہے تو پہلے دو مصرعوں کے معنی یا تو بدل جاتے ہیں یا تو پھر وسعت و کشادگی سے ہمکنار ہو جاتے ہیں اس ضمن میں ڈاکٹر تقی عابدی نے گلزار صاحب کے ایک ریکارڈ شدہ انٹرویو کا حوالہ یوں رقم کیا ہے۔

"اس تین مصرعوں کی چھوٹی سی نظم کے پہلے دو مصرعے ایک مکمل شعر

ہوتے ہیں مگر تیسرے مصرعے سے یا معنی بدل جاتے ہیں یا معنی میں توسیع ہو جاتی ہے۔"

غرض تروینی میں دو مصرعوں کے بعد ایک سطر چھوڑ کر تیسرا مصرعہ خاص اہمیت اور افادیت کا حامل ہے اس طلسم خیز مصرعہ کی مثال کو زیر نظر تروینی میں یوں دیکھا جا سکتا ہے۔

کبھی کبھی بازار میں یوں بھی ہو جاتا ہے
قیمت ٹھیک تھی، جیب میں اتنے دام نہیں تھے

ایسے ہی اک بار میں تم کو ہار آیا تھا

گلزار کے یہاں تروینی کے موضوعات میں تنوع دیکھنے کو ملتا ہے۔ ان کی تروینیوں میں حسن و عشق، وصل و جدائی، دنیا کی بے ثباتی وغیرہ جیسے مضامین کو نظم کیا گیا ہے وہیں ان کی تروینیوں میں شعری صنعتوں کو بھی نہایت ہنرمندی کے ساتھ برتا گیا ہے۔ پیش ہے اس ضمن میں یہ تروینی:

نہ ہم مڑے، نہ کہیں راستہ مڑا اپنا
نشیب آئے کہیں، اور کہیں فراز آئے

میں نیچے نیچے چلا، تم بلندیوں پہ رہیں!

تروینی کا مضمون عام فہم الفاظ میں بنا کسی اضافی غیر مناسب لفظ کے ایک ہی بحر میں عمدگی کے ساتھ سمو دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ تروینی میں شعری صنعتیں تکرار لفظی یعنی صنعت تکرار اور صنعت تضاد اور صنعت ایہام کی بہترین مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ مثلاً صنعت تکرار کے الفاظ کو دیکھیے۔

مڑے، مڑا، کہیں کہیں۔ آئے آئے اور نیچے نیچے
اب صنعت تضاد کی مثالیں ملاحظہ کیجیے۔
نشیب فراز، نیچے بلند، ہم تم

اس طرح صنعت ایہام دیکھیے۔ نیچے اور بلندیوں کا پہلا اور نیچے کے علاوہ رتبے کی

اونچ نیچ یا علم اور فکر وفن کو بھی لیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح ایک اور تروینی کو نمونہ پیش کیا جا سکتا ہے

اتنے عرصے بعد ہینگر سے کوٹ نکالا
کتنا لمبا بال ملا ہے کالر پہ

پچھلے جاڑوں میں پہنا تھا، یاد آتا ہے

زیرِ نظر تروینی میں شاعر نے پہلے دو مصرعوں میں شعری صنعت "مجاز مرسل" کو برتا ہے۔ سبب سے مسبب کو جاننا مجاز مرسل ہے۔ لمبا بال کالر پر ملنے سے شاعر نے معشوق کی قربت کا جواز پیش کیا ہے اور تیسرے مصرعے نے اسے ایک یاد بنا کر جدائی کی بہترین منظر کشی کی ہے۔ یوں اس تروینی میں جذبات اور منظر نگاری کی عمدہ مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں۔

شعری صفات کے ساتھ ساتھ گلزار کی تروینیوں میں بلند نگاہ تخیل، فکر و فلسفہ، حسن و عشق، زندگی و موت وغیرہ جیسے موضوعات کو بہت ہی فنکارانہ اور عالمانہ طور پر برتا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے یہ تروینی

اک نوالے سی نگل جاتی ہے یہ نیند مجھے
ریشمی موزے نگل جاتے ہیں پاؤں جیسے

صبح لگتا ہے کہ تابوت سے نکلا ہوں ابھی

گلزار نے عالمانہ سنجیدگی کے ساتھ سائنسی نقطۂ نگاہ سے نیند اور موت کی مشابہت کی ہے اسی موضوع کو علامہ اقبال نے بھی اپنے کلام میں کچھ اسطرح برتا ہے کہ:

اے برا دمن ترا از زندگی دادم نشاں
خواب را مرگِ سبک داں مرگ را خواب گراں

ڈاکٹر سید تقی عابدی ان الفاظ میں اس تروینی کی تشریح و تجزیہ پیش کرتے ہیں۔

"گلزار نے اس تروینی کو ندرت فکر سے آراستہ کیا ہے۔ آج کے سائنسی علم کے مطابق نیند اور موت میں مشابہت ہے۔ شاید نیند آدھی موت ہو۔ اسی لیے موت کو ابدی نیند بھی کہتے ہیں جس طرح ریشمی موزے چپساں

طور پر پاؤں کو ایسا پہن لیتے ہیں کہ پاؤں ہوتے ہوئے بھی نہیں معلوم ہوتے۔ اس تروینی کا داخلی عمل سرسوتی کی طرح نہاں ہے جو تیسرے مصرعے میں آکر ظاہر ہوتا ہے۔ شاعر نے تابوت کے لفظ سے مضمون کو نیا رخ دیا ہے۔ صنعت مراعات النظیر میں نوالے، نگل، پاؤں اور موزے شامل ہیں۔"

گلزار کے یہاں عشقیہ مضامین میں اعلیٰ ترین وارفع ترین خیالات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ درج ذیل تروینی میں عشق کی انتہا کو کس باریک بینی سے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ ذرا دیکھئے۔

تیری صورت جو بھری رہتی ہے آنکھوں میں ہمیشہ
اجنبی لوگ بھی پہچانے سے لگتے ہیں مجھے

تیرے رشتے میں تو دنیا ہی پرو لی میں نے!

ڈاکٹر تقی عابدی اس تروینی میں عاشق کے فنا فی المعشوق ہونے کا جواز پیش کرتے ہیں اور اس خیال کا موازنہ حضرت امیر خسرو کے اس شہرۂ آفاق شعر سے کرتے ہیں کہ

من تو شدم تو من شدی، من تن شدم تو جان شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

آگے ڈاکٹر تقی عابدی اس شعر کی تفسیر و تعبیر کے ضمن میں کہتے ہیں کہ

شاعر نے یہ مضمون نکالا ہے کہ تیری صورت میں جو میری آنکھیں بھری ہیں تو میں کچھ حالت میں جس کسی نامعلوم شخص کو دیکھتا ہوں۔ تو آشنا معلوم ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد ڈاکٹر عابدی موازنے کے طور پر قتیل شفائی کے اس شعر کو پیش کرتے ہیں کہ

جب بھی آتا ہے مرا نام تیرے نام کے ساتھ
جانے کیوں لوگ مرے نام سے جل جاتے ہیں

اس کے بعد تروینی کے تیسرے مصرعے میں صنعت ایہام کی معنی کو برتا گیا ہے یعنی ایک مفہوم یہ کہ جو رشتہ قربت رشتہ داری سے قائم رہتا ہے اور دوسرے معنی میں دھاگہ

دھاگا جس میں دانے پروئے جاتے ہیں یعنی تیسرے مصرعے نے مضمون کو اس قدر وسعت بخشی ہے کہ رشتے کو جس طرح سے بھی لیں معنی مکمل طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔

گلزار کی تروینی میں ہر قسم کے موضوعات پر اظہار خیال کے ساتھ شعری کیفیات و صفات کا انوکھا امتزاج ملتا ہے مندرجہ ذیل تروینی میں موت وحیات کے موضوعات کا مترنم پیرایۂ اظہار دیکھیے۔

سب پہ آتی ہے سب کی باری ہے
موت منصف ہے کم و بیش نہیں

زندگی سب پہ کیوں نہیں آتی؟

شاعر نے پہلے دو مصرعوں میں خوب صورتی کے ساتھ اس حقیقت پر اظہار خیال کیا ہے کہ موت ایک کامل حقیقت ہے۔ جو ہر انسان کو آنی ہے اور یہی موت کا انصاف ہے کہ اس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ بقول مرزا شوق لکھنوی

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

تروینی کا خاص منصب یعنی تیسرے شعر میں معنی بدل دینا بھی ہے اس لیے یہاں تیسرے مصرعے کے پہلے دو مصرعوں کے مفہوم کو ایک جذباتی کیفیت کا سوال اٹھا کر دھندلا کر دیا کہ زندہ تو سارے ہی ہوتے ہیں مگر زندگی کو سب نہیں جی پاتے یعنی بعض زندوں کی زندگی المناک گزرتی ہے۔ یعنی موت سے بدتر زندگی کا ہونا۔ یہاں شاعر نے دکھایا ہے کہ موت منصف ہے لیکن زندگی میں کہیں کہیں انصاف نہیں۔

ڈاکٹر تقی عابدی نے تروینی کے تیسرے مصرعے کے لیے بہترین تجزیہ ان الفاظ میں کیا ہے کہ:

''یوں تو سب زندہ ہیں لیکن زندگی زندگی میں فرق ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض زندوں پر کبھی زندگی نہیں آتی۔ یہاں دنیا میں سب کچھ ہے لیکن انصاف نہیں ہے اور شاید اسی لیے کہتے ہیں۔ World is''

"not fair

بہر حال اُردو ادب میں ترویني کی اہمیت و افادیت کو دیکھ کر بعض شعراء نے گلزار کی تقلید میں اب ترویني کی طرف رجوع کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہ صنف یقیناً اُردو ادب کی کامیاب صنف ثابت ہوگی کیوں کہ اس رہنمائی کا فریضہ آنے والے دور کے پیغام رساں شاعر گلزار انجام دے رہے ہیں۔ گلزار کی معتبر اور ہمہ جہت ادبی شخصیت کی ایک اہم جہت یقیناً ترویني کو بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ ترویني کی شعری خصوصیت اور اہمیت کی بنا پر ڈاکٹر تقی عابدی کی یہ تجویز بجا ہے جس میں انھوں نے یہ مطالبہ کیا ہے کہ

''ترویني کو تدریسی نصاب میں شامل کیا جائے۔ چوں کہ گلدستے کی طرح ان میں روایتی موضوعات کے علاوہ ترقی پسند عناصر، جدیدیت، مابعد جدیدیت اور عصری حسیت کی جھلکیاں موجود ہیں جو زبان کے تحفظ اور ارتقاء میں ضروری ہے۔''

تاہم خاکسار اس تجویز کے ساتھ اپنی تجویز رکھنے کی جسارت ان الفاظ میں چاہے گی کہ ڈاکٹر سید تقی عابدی کی کتاب ''گلزار کی تخلیقی صنف ترویني تشریح و تجزیہ'' اپنی انفرادیت اور ترویني کی تعبیر و تفسیر اور گلزار کی شخصیت اور شاعری پر ایک مبسوط تصنیف کا درجہ رکھتی ہے لہٰذا اسے بھی شامل نصاب کرنے کی اہم ضرورت ہے تا کہ ہمارے طلب و طالبات اس تاریخ ساز شاعر اور اس کی عہد ساز صنف شاعری سے مستفید ہو سکیں۔ مجھے امید قوی ہے کہ اس کتاب کو پڑھا اور سراہا تو جائے گا ہی تاہم طلبہ و طالبات کو اس سے فیض یاب ہونے کی از حد ضرورت ہے۔

زندگی کیا ہے جاننے کے لیے
زندہ رہنا بہت ضروری ہے

آج تک کوئی بھی رہا تو نہیں

پروفیسر رحمت یوسف زئی
سابق صدر شعبۂ اُردو
سینٹرل یونی ورسٹی آف حیدرآباد

ڈاکٹر تقی عابدی کی تنقیدی نظر

(اُن کی کتاب ''گلزار کی تخلیقی صنف تروینی: تشریح و تجزیہ'' کے حوالے سے)

ڈاکٹر تقی عابدی ویسے تو ایک بہت ہی مشہور میڈیکل ڈاکٹر ہیں اور کینیڈا میں پریکٹس کرتے ہیں لیکن اُردو ادب اور شاعری سے اُن کا لگاؤ اس قدر زیادہ ہے کہ بیان کرنا مشکل ہے۔ میں نے کبھی ان کی زبان سے کسی بیماری یا علاج کے بارے میں نہیں سنا۔ جب بھی بات کیجیے تو وہ ادب ہی پر گفتگو کرتے نظر آئیں گے۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر تقی عابدی کو صرف میڈیسن کا ڈاکٹر ہی نہیں بلکہ اُردو ادب کا بھی ڈاکٹر ماننا چاہیے۔ میں نے ایک عرصہ قبل اُن کی خدمت میں اپنی کتاب ''اُردو شاعری میں صنائع و بدائع'' پیش کی تھی۔ کئی برس گزر گئے۔ ایک دن اُردو ہال، حمایت نگر میں ایک ادبی پروگرام منعقد ہونے والا تھا اور شاید پروگرام کے انعقاد میں کچھ تاخیر ہوئی یا ڈاکٹر تقی عابدی وقت سے کچھ پہلے تشریف لائے تھے اور دفتر کے ہال میں بیٹھے کسی سے گفتگو کر رہے تھے۔ میں پہنچا تو بڑی محبت سے بات کی اور صنائع پر بات کرتے ہوئے اُنھوں نے میری کتاب سے اپنی یادداشت کے بل پر ایسے ایسے نکات بیان کیے کہ مجھے خوشی کے ساتھ ساتھ بے حد حیرت بھی ہوئی کہ اُن کے ذہن میں مجھ ناچیز کی کتاب آج بھی محفوظ ہے۔

اب تک ڈاکٹر تقی عابدی کی اَسّی کتابیں شائع ہو کر دنیا بھر میں مقبولِ خاص و عام ہو چکی ہیں۔ کون سا ایسا شعری موضوع ہے جس پر اُنھوں نے اپنی علمیت ثابت نہیں کی۔ اظہار کی بے پناہ قوت کی بدولت کچھ اتنی ضخیم کتابیں بھی شائع کیں کہ پڑھنے ہی میں ایک دو مہینے لگ جائیں اور اسی دوران خبر ملتی ہے کہ ان کی ایک اور کتاب چھپ چکی ہے۔ میں

سوچتا ہوں کہ ان کے قبضے میں شاید کوئی جن ہے یا پھر یہ خود ہی.....!

ڈاکٹر تقی عابدی قیامت کا حافظہ رکھتے ہیں اور تقریر کرتے ہوئے برو قت حوالے پیش کرتے ہیں تو عش عش کرنے کو جی چاہتا ہے۔ زبان اور ادائگی میں ایسی چاشنی ہے کہ وقت کے گزرنے کا احساس تک نہیں ہوتا۔ تحقیق کے میدان میں اُنھوں نے ایسے کارنامے انجام دیئے جنھیں پڑھ کر لوگ دنگ رہ جاتے ہیں۔ اور تنقید... اُن کی تنقید کبھی معاندانہ نہیں رہی۔ اگر کسی نے غلطی کی تب بھی اُنھوں نے نظر انداز کر کے ہمیشہ اچھائیاں ہی گنوائیں۔ یعنی وہ تنقیص سے دور رہنا ہی بہتر سمجھتے ہیں۔

اب آیئے اس کتاب کی طرف، میری مراد ''گلزار کی تخلیقی صنف تروینی۔ تشریح و تجزیہ'' سے ہے جسے ڈاکٹر تقی عابدی نے مرتب کیا ہے۔ یہ اُن کی اکسٹھویں کتاب ہے جو 2019ء یعنی اسی سال شائع ہوئی ہے۔ گلزار کے نام سے سبھی واقف ہیں۔ بحیثیت شاعر اور افسانہ نگار، اُردو اور ہندی کے ادبی حلقوں میں اُنھیں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اُنھوں نے بالی ووڈ کی کئی فلموں کے لیے گیت، مکالمے اور اسکرپٹ لکھنے کے علاوہ ہدایت کاری کی اور فلمیں بھی بنائیں۔ اُنھیں مصوری سے بھی دلچسپی ہے۔ گلزار کو پدما بھوشن کے اعزاز سے بھی نوازا گیا۔ گلزار کے کئی شعری مجموعوں سے تقی عابدی نے تروینیاں جمع کیں۔ پھر گلزار کی تروینیوں پر ناقدین نے جو کچھ لکھا اُن میں سے اہم اقتباسات چُن کر اس کتاب میں شامل کیے۔ صرف اتنا ہی نہیں، انھوں نے کئی تروینیوں کی تشریح اور وضاحت بھی کی۔ بات یہیں ختم نہیں ہوتی۔ گلزار کی تخلیقات کے تفصیلی مطالعے کے بعد ڈاکٹر تقی عابدی نے اُنھیں دلائل کے ساتھ اکیسویں صدی کا شاعر قرار دیا۔ اس ضمن میں یہاں میں ڈاکٹر تقی عابدی کی تحریر سے ایک اقتباس پیش کرنا چاہتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں

> ''اکیسویں صدی کی نسل سائنس کا دودھ پی کر توانا اور سیانا ہوئی ہے۔ آج کا نوجوان دنیا کو سائنس کی نظر سے دیکھتا، سائنس کی نظر سے سوچتا، اور سائنس کے ہاتھوں سے تولتا ہے۔ سائنس کے رنگوں سے وہ اپنی ذہنی دھنک بنانا چاہتا ہے گلزار اُن انگشت شمار اردو شاعروں میں ہیں جس نے اپنی شاعری کو جہاں کہیں بھی موقع اور محل پایا، اُن سائنسی مطالب اور

وسائل سے جوڑا۔ یہاں تک کہ اپنے ایک مجموعہ کلام کا نام نظام شمسی کے
عاق شدہ سیارہ ''پلوٹو'' پر رکھا۔ اس طرح کا adoptation ہمیں اُردو
شعر و ادب میں بہت ہی کم نظر آتا ہے۔ سائنسی تجربات ہوں کہ کہکشاں
کے انکشافات، سیاہ بھنور (Black hole) ہو کہ مارز (مریخ) اور جوپیٹر
(مشتری) کا گزر، چاند سورج کا ذکر ہو کہ گراوٹی (کشش ثقل) کا اثر،
سب کچھ گلزار کے صحیفۂ شاعری میں اسی طرح سے اُبھرتے ہیں جس
طرح تصوفی اصطلاحات قدیم کلاسیکل شاعری میں۔ یہ تمام مطالب
گلزار کی شاعری کی آکسیجن ہیں جو اُن کی شاعری کو آئندہ بہت گہری اور
بہت بلند منزلوں پر زندہ رکھیں گے۔'' (ف 5 ص 24)

گلزار نے تقریباً چار دہائیوں قبل اُردو ادب کو ایک نئی صنف ''تروینی'' سے
متعارف کروایا۔ ''تروینی'' کے بارے میں خود گلزار رقم طراز ہیں

''تروینی نام اس لیے دیا تھا کہ سنگم پر تین ندیاں ملتی ہیں، گنگا جمنا اور
سرسوتی۔ گنگا اور جمنا کے دھارے سطح پر نظر آتے ہیں لیکن سرسوتی جو ٹیکسلا
کے راستے سے بہہ کر آتی تھی، وہ زمین دوز ہو چکی ہے۔ ''تروینی'' کے
تیسرے مصرعے کا کام سرسوتی ڈھونڈنا ہے جو پہلے دو مصرعوں میں چھپی
ہوئی ہے۔''

''تروینی'' کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ صنف تین مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے لیکن دو
مصرعوں کے بعد ایک سطر چھوڑ کر تیسرا مصرعہ لکھا جاتا ہے۔ ویسے تو دو مصرعوں سے ایک مکمل
شعر وجود میں آجاتا ہے لیکن چوتھی سطر میں تیسرا مصرعہ پڑھ کر معنی و مفہوم کے نئے در کھل
ہو جاتے ہیں۔ گویا تیسری سطر جس میں بظاہر کچھ نہیں، اگلے مصرعے میں موجود شعری اظہار
کے ربط کی طرف کھینچ لے جاتی ہے

یہ صحیح ہے کہ الہ آباد کے قریب جو سنگم ہے وہاں گنگا اور جمنا تو ملتے ہی ہیں، اُس کے
ساتھ ساتھ یہ بھی مانا جاتا ہے کہ ایک اور دریا سرسوتی ٹیکسلا سے گزرتا ہوا کہیں زمین دوز
ہو کر بالآخر تہہِ زمین ہی سے سنگم کے مقام پر آملتا ہے اور اسی لیے اس سنگم کا نام ہی تروینی

سنگم ہے۔ لیکن ایک اور اہم بات یہ بھی ہے کہ سرسوتی صرف دریا کا نام ہی نہیں، عقائد کے مطابق سرسوتی علم کی دیوی بھی ہے۔ شاید اپنی اختراع کردہ صنف کا نام ''تروینی'' رکھتے ہوئے گلزار کے ذہن میں یہ بات بھی رہی ہو۔ ایک سوال ذہن میں یہ بھی ابھرتا ہے کہ گلزار کی اس صنف تروینی میں تین مصرعے ہیں یا چار! اگر تین مصرعے مان لیے جائیں تو درمیان میں جو ایک مصرعے کی جگہ چھوڑ دی گئی ہے اُس کا کیا مقصد ہے۔

اس کتاب ''تروینی'' میں ڈاکٹر تقی عابدی نے ف۔س۔اعجاز کی تحریر سے ایک اقتباس پیش کیا ہے۔ ف۔س۔اعجاز لکھتے ہیں:

''یوں تو ''تروینی'' کی ہیئتی شکل تین مصرعے ہیں لیکن میں انھیں چار شمار کرتا ہوں۔ شاعر دو سطریں لکھنے کے بعد ایک خالی سطر چھوڑ کر تیسری سطر لکھتا ہے۔ خالی چھوڑی ہوئی سطر کو بھی میں ایک مکمل مصرعہ مانتا ہوں اور اُسے مصرعہ سکوت یا مصرعہ توقف کا نام دینا چاہتا ہوں ...یہ خاموش اور ان کہا مصرعہ ہوا کا وہ ہلکا جھونکا ہوتا ہے جو خیال کی لو میں تھرتھراہٹ پیدا کرتا ہے اور اکثر و بیشتر معنی کی سمت بدل دیتا ہے۔ اگر ایسا نہیں تو پھر شاعر دوسرے مصرعے کے فوراً بعد تیسرا مصرعہ کیوں نہیں لکھتا۔''
(ص 33-32)

اسی طرح ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط نے گلزار کے شعری مجموعے ''رات پشمینے کی'' پر اپنے تاثرات پیش کرتے ہوئے ''تروینی'' کی تیسری ان لکھی سطر کو خط سکتہ کا نام دیا۔ (ص 36) اور ڈاکٹر حسن رضا عباس اپنے مضمون ''یہ ہے گلزار'' میں لکھتے ہیں کہ ''مگر ''تروینی'' کا تیسرا مصرعہ بظاہر الگ ہوتے ہوئے بھی خیال مسلسل کی عکاسی کرتا ہے'' (ص 37)۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے تروینی کی وضاحت کرتے ہوئے یوں لکھا ہے کہ ''تروینی میں تیسرا مصرعہ پہلے دو مصرعوں سے پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے نظم کے معنی میں تبدیلی یا معنی آفرینی یا وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔'' (ص 43 ف 5)

میں ان سب سے اتفاق کرتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ گلزار پہلے دو مصرعوں میں بظاہر مکمل طور پر اپنے خیال کو پیش کرتے ہیں اور یہ دو مصرعے غزل کے شعر کی طرح محسوس

ہوتے ہیں، لیکن اس کے بعد وہ قاری کو سوچنے کے لیے تھوڑا سا وقفہ شامل کرتے ہیں۔ یہ وقفہ ہی ''تروینی'' کی خصوصی شناخت کا کام کرتا ہے اور اردو شاعری میں رائج سہ سطری اصناف جیسے مثلث، ثلاثی، ہائیکو وغیرہ سے ممیز کرتا ہے۔ یہ وقفہ جو ابہام کی ایک خوب صورت شکل ہے، اس صنف میں بڑی اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ اس کے بعد گلزار ایک وضاحتی قسم کا مصرعہ شامل کر کے کبھی اپنے دو مصرعوں کو مزید قوت عطا کرتے ہیں یا پھر ان دو مصرعوں میں پیش کیے جانے والے خیال کو ایک تحیر آمیز مفہوم سے آراستہ کر دیتے ہیں اور یوں تروینی مکمل ہو جاتی ہے۔ ایک بات اور افسانے کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ افسانے کے اختتامی چند جملوں میں افسانہ نگار ایک دھماکے کی سی کیفیت پیدا کر کے قاری کے ذہن کو سوچنے پر مجبور کرتا ہے اور یوں افسانہ قاری کے آگے ایک نیا منظر نامہ پیش کرتا ہے۔ گلزار افسانہ نگار بھی ہیں۔ انھوں نے کئی متاثر کن افسانے لکھے اور شاید اسی لیے اپنی نئی تخلیقی صنف ''تروینی'' کی ہیئت میں تیسری سطر کا وقفہ دینے کے بعد افسانے کی اس مخصوص تکنیک کو چوتھی سطر میں استعمال کرنے کا ہنر گلزار نے شعوری یا لاشعوری طور پر اختیار کیا۔ میں تیسری سطر کو وقفہ کہوں گا، بالکل اسی طرح جیسے مرثیے کے بند کے آخری دو مصرعے الگ ردیف اور قافیے کے ہوتے ہیں اور ان مصرعوں کو پچھلے چار مصرعوں سے ممیز کرنے کے لیے قدرے ہٹا دیا جاتا ہے۔ یہ دو مصرعے پورے بند کے مفہوم کو واضح کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کچھ ایسی ہی تکنیک گلزار نے ''تروینی'' میں استعمال کی ہے۔

ڈاکٹر تقی عابدی نے اس کتاب میں چند منتخب تروینیوں کا اجمالی تجزیہ بھی پیش کیا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کی نظر کتنی گہری ہے اور وہ فن شاعری کی نزاکتوں پر کتنا عبور رکھتے ہیں۔ ان کے انتخاب کی ایک ''تروینی'' یوں ہے

کچھ خوابوں کے خط ان میں، کچھ چاند کے آئینے، سورج کی شعاعیں ہیں
شعروں کے لفافے ہیں، کچھ تجربے ہیں میرے، کچھ میری دعائیں ہیں

نکلو گے سفر پر جب، یہ ساتھ میں لے لینا، شاید کہیں کام آئیں

یہ ''تروینی'' گلزار نے اپنی بیٹی کے لیے لکھی تھی لیکن یہ ہر اس شخص کے دل کی آواز

ہے جوانی اولاد سے بے پناہ محبت کی وجہ سے اُسے نصیحتوں سے نوازتا ہے۔ اس ''تروینی'' میں چھپے کرب کو ایک باپ ہی سمجھ سکتا ہے۔ ''خوابوں کے خط''، ''چاند کے ٹیکے''، ''شعروں کے لفافے'' جیسے خوب صورت علامتی اظہار کو ڈاکٹر تقی عابدی نے ''نادر اور جدید معنی کے در یچے'' کہہ کر مفہوم کو اس قدر پھیلا دیا کہ جس زاویئے سے سوچا جائے، لگے گا کہ شاید کچھ اور بھی ہے۔

اس کتاب میں گلزار کی 172 تروینیاں ہیں جن میں سے 21 تروینیوں کا ڈاکٹر تقی عابدی نے مفصل تجزیہ کر کے یہ بتایا ہے کہ گلزار کے شعری اظہار میں کتنی قوت ہے اور ساتھ ہی ساتھ انھوں نے تروینیوں میں موجود اُن تمام صنعتوں کی بھی نشاندہی کر کے صنائع، بدائع کے فن پر اپنی گرفت وقدرت کو بھی ثابت کیا ہے۔ اگر ڈاکٹر تقی عابدی کی تحریر کردہ تشریحات اور تجزیوں پر کہا جائے تو ہو سکتا ہے، ایک کتاب ہی تیار ہو جائے۔

آخر میں شعریت کے عنوان سے ایک باب میں ڈاکٹر تقی عابدی نے گلزار کی دو نظموں ''غالب'' اور ''کتابیں'' کا بھی تجزیہ کیا ہے۔ یہ دونوں نظمیں گلزار کی شاہکار نظمیں کہی جا سکتی ہیں۔ نظم ''غالب'' تین صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، جس کی ہر سطر غالب کی زندگی کی مختلف جھلکیوں سے مرصّع ہے۔ ڈاکٹر تقی عابدی گلزار کو نظم کا شاعر قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''گلزار دراصل نظم کے شاعر ہیں۔'' پھر کہتے ہیں ''یہ بھی حسنِ اتفاق ہے کہ بیسویں صدی کے کئی عظیم شاعر جنھوں نے اگر چہ کئی اصناف میں شاعری کی لیکن وہ نظم ہی کے شاعر کہلائے جن میں اقبال، جوش اور فیض سر فہرست ہیں۔'' گلزار کی یہ نظم ایک طرح سے غالب کی زندگی کا البم ہے اور ڈاکٹر تقی عابدی نے ہر تصویر کے پس منظر کی بھرپور وضاحت کی ہے۔

دوسری نظم جس کا عنوان ''کتاب'' ہے، گلزار کی کتابوں سے عشق کی عکاسی کرتی ہے۔ ڈاکٹر تقی عابدی خود بھی کتابوں کے عاشق ہیں۔ اسی لیے یہ نظم ان کی پسندیدہ نظم ہے جس پر انھوں نے مفصل تبصرہ کیا ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر تقی عابدی نے اس نظم کے ذریعے گلزار کے ذہن کی سیر کی، اور پھر اپنے ذہن میں موجود کتابوں سے عشق کو لفظوں میں ڈھال دیا۔

آخر میں ڈاکٹر تقی عابدی بتاتے ہیں کہ انھوں نے نہ صرف گلزار کے کل شعری اثاثے کو پڑھا ہے بلکہ کتابوں پر ہی حاشیے بھی لکھ چھوڑے ہیں۔ یعنی اب وہ دن زیادہ دور نہیں جب ہمارے ہاتھوں میں ہندوستان کے بے حد پسند کیے جانے والے شاعر گلزار کے کلام پر ڈاکٹر تقی عابدی کی ایک اور ضخیم کتاب شائع ہوگی اور ان کی دوسری کتابوں کی طرح وہ بھی پسند کی جائے گی۔ ان کے لیے دل کی گہرائیوں سے یہ دعا نکلتی ہے کہ

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

یونس فہمی

ڈاکٹر سیّد تقی عابدی اور گلزار کی تخلیق ''تروینی''

ایک جائزہ

ابھی کچھ سالوں قبل اُردو کی دُنیائے شاعری میں صنف تثلیث یا ثلاثی داخل ہوئی جس کے بارے میں یہ بتایا گیا کہ یہ ایک ایسی صنف شاعری ہے جس میں شاعر اپنی بات تین مصرعوں میں مکمل کر دیتا ہے جب کہ غزل کے دو مصرعے یعنی ایک شعر بھی مکمل ہوتا ہے، تفہیم و ترسیل میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ لیکن ایک شعر میں نظم کی سی کیفیت نہیں پائی جاتی اس لیے جدت کے پیش نظر ایک مصرعہ کا اضافہ جدت طرازی کے زیر اثر کیا جاتا ہے۔ ایک شعر دیکھیے ؎

ایک بات جو کتاب مقدس میں درج ہے
آثار سب وہی ہیں قیامت کو کیا ہوا

اُردو شاعری میں رباعی کا رواج رہا ہے لیکن علمائے ادب و شعر یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر شعر رباعی نہیں کہہ سکتا کیوں کہ رباعی کی فنی اور عروضی پابندیاں آڑے آجاتی ہیں۔ تو کیا کیا جائے رباعی نہ سہی قطعہ کہہ کر نظم کے دائرے میں داخل ہو جائیں۔ قطعہ بھی چار چھ مصرعوں والی نظم میں شامل ہو جاتا ہے۔

ثلاثی یا تثلیث کے بارے میں جدید محققین کا یہ خیال ہے کہ یہ صنف پاکستان کے شاعر حمایت علی شاعر کی ایجاد ہے اور بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس کے موجد ولی دکنی ہیں۔ کہا جاتا ہے، ولی کے کلام میں ولی نے ثلاثی کو بہت کم استعمال کیا لیکن حمایت علی شاعر نے اس صنف سخن پر باقاعدہ طبع آزمائی کی جس کے ضمن میں ان کی بہت پذیرائی بھی ہوئی۔ ان کی دو تثلیثات پیش ہیں ؎

کوئی تازہ شعر، اے ربِ جلیل
ذہن کے غارِ حرا میں کب سے ہے
فکر محوِ انتظارِ جبرئیل

•••

کس طرح تراش کر سجائیں
نادیدہ خیال کے بدن
لفظوں کی سِلی ہوئی ہوں قبائیں

•••

حمایت علی شاعؔر (مرحوم) کی یہ دو ثلاثیات نذرِ قارئین ہیں کہ جن کی تفہیم کے لیے کسی شارح کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ ان کی بعض ثلاثی ایسی بھی ہیں جو عروضی پابندیوں سے بے نیاز نظر آتی ہیں لیکن ترسیل کے المیہ سے پاک ہیں۔ حمایت علی شاعؔر پاکستانی شاعر کے طور پر پہچانے جاتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ولی، سراجؔ، قاضی سلیم، سکندر علی وجد، اختر الزماں ناصر، جاوید ناصر، شاہ حسین نہری، بشر نواز اور قمؔر اقبال وغیرہ کے وطن یعنی ادب و شعر کی زرخیز سرزمین اورنگ آباد دکن کے باسی ہیں۔

یہ بحث کہ ثلاثی کس کی ایجاد اور کب ایجاد ہوئی اس کی تحقیق غیر ضروری ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس صنفِ شاعری پر کس نے مکمل طور پر محنت کی اور شاعری کی اس انوکھی صنف سے استفادہ کیا۔ حقیقت تو بس یہی ہے کہ حمایت علی شاعؔر ہی وہ شاعر ہیں جنھوں نے اس صنفِ سخن کی آبیاری کی اور ان ہی کی تتبع میں دیگر شعراء بھی متاثر ہوئے۔ نتیجے میں ان کی تخلیقات منظرِ عام پر آنی شروع ہوئیں اور عوام و خواص نے پسند بھی کیا۔

اس تمہیدی نوٹ میں میں اگر ایک جواں سال شاعر (جو اب اس دنیائے رنگ و بو سے رخصت ہو چکے ہیں) کا ذکر نہ کروں تو ناانصافی ہوگی۔ میں اورنگ آباد کے متوطن اُس شاعر کے بارے میں قلم اُٹھا رہا ہوں جو جوانی ہی میں یہاں سے کوچ کر گیا۔ نام ہے اقبال محمد خاں ادبی نام ہے قمؔر اقبال۔ ان کا ایک شعر میں یہاں درج کر رہا ہوں ملاحظہ فرمایئے ؎

اپنے ہی شہر کی گلیوں میں جب غیروں جیسا حال ہوا
اقبال محمد خاں سے کوئی اک روز قمرؔ اقبال ہوا

قمرؔ اقبال کی زندگی میں ان کے دو شعری مجموعے شائع ہوئے۔ ایک "موم کا شہر" (غزلیات) اور دوسرا "تتلیاں" (تثلیثات)۔ میں نہیں جانتا کہ اس کے علاوہ کچھ اور بھی شائع ہوا ہے۔ قمرؔ اقبال ایک پرگو شاعر تھے، انداز بیان نکھرا ہوا نہایت شستہ اور سادہ تھا۔ بنیادی طور پر قمرؔ اقبال غزل کے کامیاب ترین شاعر تھے۔ ان کا مشاہدہ باریک بینی کا مظہر تھا، ظہر رخیاں بے حد انوکھا اور چونکا دینے والا تھا۔ ایک شعر دیکھئے؎

ایک ڈوبے تو ابھرتا ہے قمرؔ ایک سورج
لوگ حیراں ہیں کہ یہ خاک دکن کیسی ہے!

مندرجہ شعر کی خوبی یہ ہے کہ شاعر نے خود شناسی کا مظاہرہ کیا اور خاک دکن سے اپنا اور دیگر فن کاران شعر و ادب کا خوب صورت پیرائے میں ذکر کیا (بہت خوب)۔ اب آیئے ان کی کتاب "تتلیاں" سے کچھ ثلاثی دیکھیں۔ ان تثلیثات کو یہاں لکھنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ آئندہ کے سطور میں گلزار کی "تروینی" کا انداز اور اس کی تاثیر سے لطف اندوز ہونا ہے۔ زیرِ نظر دو تین تثلیثات کے بعد ہم نہایت احترام سے گلزار صاحب کی تروینی کے حسن و تاثیر سے مستفید ہوں گے۔ اول قمرؔ اقبال کی یہ ثلاثی دیکھئے؎

۱۔ تھے عجب کرب و اضطراب میں ہم
خود کو لفظوں میں منتقل کرکے
سو گئے چین سے کتاب میں ہم

...

۲۔ وہ پرندے جو ملک ہوتے ہیں
ان کے بچھڑے ہوئے سبھی رشتے
سرحدوں سے لپٹ کے روتے ہیں

...

۳۔ یاد ہے وہ فساد کا منظر
رو رہی تھی گلی میں ایک بچی

اپنی گڑیا کو گود میں لے کر

...

۴۔ روشنی کون کس کو دیتا ہے
شام ہوتی ہے جب تو سورج بھی
اپنی کرنیں سمیٹ لیتا ہے

...

۵۔ یوں تو بانکی پلک سے کام کرے
جیسے نادر کا سنگ دل لشکر
شہر دلّی میں قتل عام کرے

مندرجہ بالا قمر اقبال کی پانچ تثلیثات محض اس لیے لکھی گئیں کہ اس کے بعد گلزار کی تروینی کی بات کرنی ہے کیوں کہ تروینی اور ثلاثی میں بہت حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ تکنیکی فرق محسوس کیا جا سکتا ہے لیکن گلزار نے اپنی انفرادیت محترم سید تقی عابدی جیسے عظیم قلم کار سے منوالی ہے۔ بلکہ میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ اگر کوئی قاری گلزار کی تروینیوں کو سمجھ نہ پا رہا ہو تو وہ محترم سید تقی عابدی کی تصنیف سے رجوع ہو جائے تو مکمل طور پر مطمئن اور مستفید ہو جائے گا۔ اس لیے کہ محترم تقی عابدی کی تشریحات اس قدر جامع ہیں کہ ان کی مذکورہ تشریحات، انداز بیان، شستہ اور دل موہ لینے والی اُردو کسی دوسرے فنکار کے پاس شاید ہی مل سکے۔ میں موصوف کو دل کی گہرائیوں اور دماغ کی اونچائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں اور تروینی کی بات آگے بڑھاتا ہوں۔

جناب سیّد تقی عابدی ممتاز شاعر گلزار کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''گلزار اکیسویں صدی اور اس گلوبل ولیج کے ممتاز شاعر اس لیے بھی ہیں کہ گلزار کی شاعری روایت اور جدیدیت کے درمیان ایک پل کی طرح ہے یعنی دونوں سے جڑی ہوئی ہے جو آج کے دور میں اُردو شاعری کی بقا اور ارتقاء کے لیے لازم ہے۔''

''گلزار نے اپنی شاعری کے لیے آج کی رائج الوقت سیدھی سادی زبان

استعمال کی ہے جس میں سلاست، سادگی، شیرینی اور روانی ہے۔ کیوں
کہ وہ فقروں، مصرعوں میں الفاظ کے دھنی اور ماہر ہیں۔ وہ الفاظ کی
اندرونی غنائیت جس کو Organic Rhythm کہتے ہیں مصرعے کو
دوسرے الفاظ کی نغمگی سے جوڑ کر مصرعہ کو رواں دواں اور ترنم خیز کر
دیتے ہیں۔"

محترم ڈاکٹر تقی عابدی کے یہ بیانات گلزار کی شاعری اور فنکاری کے لیے سند کا کام
کرتے ہیں کہ قارئین ان جملوں اور الفاظ کی غنائیت اور در و بست الفاظ میں کھو جاتے
ہیں۔ شاید یہی وہ انداز بیان ہے جس کے بارے میں یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ عابدی
صاحب اپنی نثر میں شاعری کی سی کیفیت پیدا کر کے قاری کو اپنا بنا کر اس کے دل میں
براجمان ہو جاتے ہیں۔

اپنی انفرادیت اور پہچان کی خواہش کے زیر اثر گلزار نے شوقیہ کو تروینی بنا دیا۔
اسی کے ساتھ انھوں نے ایک دھارمک آستھا کو بھی تروینی کے وجود کا ذریعہ بنا لیا۔
یہاں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ گلزار ایک ذہین و فطین شاعر ہیں کہ نہایت ہوشیاری سے
اپنے لیے ایک نئی راہ تروینی کے حوالے سے پیدا کر لی۔ اسی بات کو ثابت کرنے کے لیے
انھوں نے تحریر فرمایا:

"تروینی نہ تو مثلث ہے نہ ہائیکو، نہ تین مصرعوں میں کہی ایک نظم۔ ان
تینوں فارم میں ایک خیال، ایک امیج کا تسلسل ملتا ہے لیکن تروینی کا فرق
اس کے مزاج کا فرق ہے۔ تیسرا مصرع پہلے دو مصرعوں کے مفہوم کو کبھی
نکھار دیتا ہے، کبھی اضافہ کرتا ہے یا ان پر کمنٹ کرتا ہے۔ تروینی نام اس
لیے دیا تھا کہ سنگم پر تین ندیاں ملتی ہیں گنگا، جمنا اور سرسوتی۔ گنگا اور جمنا
کے دھارے سطح پر نظر آتے ہیں لیکن سرسوتی جو ٹیکسلا کے راستے سے بہہ
کر آتی تھی وہ زمین دوز ہو چکی ہے۔ تروینی کے تیسرے مصرعے کا کام
سرسوتی دکھانا ہے جو پہلے دو مصرعوں سے چھپی ہوئی ہے۔"

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سرسوتی ٹیکسلا سے نکلتی ہے تو اس کو کس نے دیکھا؟

اور اُس کا زمین دوز ہو جانا یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ صرف خیالی یا تصوراتی ندی ہے۔ پھر بھی ہم اُن کی آستھا کے مطابق اس پر یقین کر لیتے ہیں۔ ڈاکٹر قمر رئیس اُردو شعر و ادب کے مستند نقاد ہیں۔ فرماتے ہیں:

"سچ تو یہ ہے کہ ذہانت کے باوجود گلزار غزل کی روایت اور اُس کے مزاج سے آشنا نہیں ہو سکے۔ اس طرح تروینی کی ایجاد بھی کرتب یا بے معنی تجربے سے زیادہ مثبت حیثیت نہیں رکھتی۔ وہ بنیادی طور پر نظم کے شاعر ہیں۔ یہی وہ صنف ہے جو ان کے تخلیقی تجربات اور سائنسی وژن کو سہار سکتی ہے۔"

گلزار اور "تروینی" کے بارے میں ڈاکٹر قمر رئیس کی رائے قارئین پر بڑی گراں گزرتی ہے تاہم اُن کی باتوں کو نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مخمور سعیدی صاحب رقم طراز ہیں:

"گلزار نے فنی سطح پر کچھ ایسی آزادیاں اپنے لیے روا رکھی ہیں جنھیں اُن سے بعض شعراء نے گاہے بگاہے روا رکھا ہے۔ مثلاً بحروں کے بعض ارکان کو توڑ دینا، سبب خفیف کو حذف کر دینا یا بڑھا دینا وغیرہ لیکن گلزار نے ایسا تواتر کے ساتھ کیا ہے۔ اُنھوں نے زیادہ تر آزاد نظمیں کہی ہیں۔ نظموں میں اسے اُن کی ترجیح کہا جا سکتا ہے لیکن تروینی میں بھی اُنھوں نے اسے روا رکھا ہے۔"

تروینی

سامنے آئے مرے، دیکھا مجھے، بات بھی کی
مسکرائے بھی پرانی کسی پہچان کی خاطر

کل کا اخبار تھا، بس دیکھ لیا، رکھ بھی دیا

مخمور سعیدی صاحب فرماتے ہیں کہ "دوسرے مصرعے میں لفظ خاطر کا دوسرا ٹکڑا "طر" وزن سے نکل گیا ہے۔" گلزار کی یہ تروینی دیکھیے۔

زمیں اُس کی، زمیں کی یہ نعمتیں اُس کی
یہ سب اُسی کا ہے، گھر بھی، یہ گھر کے بندے بھی

خدا سے کہئے، کبھی وہ اپنے گھر آئے

گلزار صاحب کی مندرجہ بالا ''تروینی'' اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہے کہ خدا ہر چیز یا ہر شئے پر قادر ہے۔ وہی ہے جس نے اپنی تخلیق یعنی انسان کو نعمتوں سے نوازا، وہ زمین کا مالک اور آقا ہے۔ اس صداقت کو گلزار نے قبول کرلیا پھر نہ جانے کیوں خدا کو گھر بلانا چاہتے ہیں۔ لفظ ''اپنے'' بڑے تذبذب میں ڈال دیتا ہے کہ خدا کو شاعر اپنے گھر بلا رہا ہے یا خدا کے اپنے گھر کی بات ہو رہی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ شاعر کی بات غیر واضح ہے۔ خدا کی خدائی کا اعتراف تو ہو رہا ہے لیکن اُس کو بلا کر اپنی شان و شوکت بتانا چاہتا ہے یا اپنی مفلسی یا نکبت دکھانا مقصود ہے بہر حال مفہوم واضح نہیں ہو رہا ہے۔ اسی نوع کی دوسری تروینی ملاحظہ فرمائیے۔

خدا خدا کی رٹ لگانے والے اداکاروں کی حقیقت سے

جسم اور چال ٹٹول کر دیکھیں
یہ پٹاری بھی کھول کر دیکھیں

ٹوٹا پھوٹا اگر خدا نکلے

دورِ حاضر کا المیہ سے

سانولے ساحل پہ گُل مہر کا پیڑ
جیسے لیلیٰ کی مانگ میں سندور

دھرم بدلا گیا اری کا!

میر و غالب کی یاد آگئی سے

لب ترے میں نے بھی دیکھے ہیں
پنکھڑی اک گلاب سی ہے

باتیں سنتے تو غالبؔ ہو جاتے

ایک طنز جس کی وضاحت نہیں کی جا سکتی ہے۔

جسم کے خول کے اندر ڈھونڈ رہا ہوں
ایک جو میں ہوں ایک جو کوئی اور چلتا ہے

ایک میان میں دو تلواریں کیسے رہتی ہیں

حالات حاضرہ پر کاری ضرب ہے۔

پرچیاں بٹ رہی ہیں گلیوں میں
اپنے قاتل کا انتخاب کرو

وقت یہ سخت ہے چناؤ کا

ڈاکٹر سید تقی عابدی کی زیر مطالعہ کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے گلزارؔ کی 172 تروینیاں شامل کی ہیں۔ اُن میں سے بیشتر تروینیوں کی تشریحات میں ڈاکٹر صاحب کے رشحات قلم نے جو جادو جگایا ہے، جو ستھری اور نکھری ہوئی زبان استعمال کی ہے وہ اس قدر دل نشیں اور دل و دماغ کو آسودگی بخشنے والی ہیں کہ دل چاہتا ہے کہ اس کتاب کو بار بار پڑھا جائے جیسے کہ اکثر لوگوں نے فلم ''مغل اعظم'' کو بار بار دیکھا پھر بھی مزید دیکھنے کے متمنی ہیں۔ میں نے پچھلے صفحات میں ڈاکٹر صاحب کو مبارکباد دی ہے لیکن دل چاہتا ہے کہ مبارکباد بھی بار بار دوں۔

اسی کتاب میں ڈاکٹر قمر رئیس نے گلزارؔ کے تعلق سے فرمایا کہ ''وہ بنیادی طور پر نظم کے شاعر ہیں'' چلیے مان لیتے ہیں کہ گلزار نظم کے اچھے شاعر ہیں لیکن دیگر اصناف سخن پر طبع آزمائی نہ کرنے کا فتویٰ تو نہیں دیا جا سکتا۔ کیوں کہ فن کار کی ذہنی اُپج دوسری اصناف پر طبع

آزمائی پر اکساتی ہے اور وہ اپنے ذہنی ارتقاء اور پختہ تفکر سے نئی صنف دریافت کرتا ہے جس کو پیش کرتا ہے اور تحسین و داد کا مستحق قرار پاتا ہے۔ گلزار نے بھی اپنے ذہنی فکری صعود کو کامیابی کے ساتھ منظر عام پر تروینی کے نام سے پیش کیا۔ جو کہا بہت خوب کہا جس کو ڈاکٹر تقی عابدی نے بام عروج تک پہنچا کر اپنی فراخدلی اور اعلیٰ ظرفی کو واشگاف کیا۔ فارسی زبان سے میں واقف نہیں ہوں لیکن گلزار کے لیے تحریر کردہ فارسی شعر میں ڈاکٹر صاحب موصوف کے لیے لکھ رہا ہوں ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

گلزار غالب کے عاشق ہیں۔ اس کتاب میں اُن کی نظم ''غالب'' پڑھتے تو محسوس ہوگا کہ فلمی دُنیا سے وابستگی کے باعث گلزار نے اسے قرطاس ابیض پر گویا فلما دیا ہے۔ گلی قاسم جان میں غالب کی ڈیوڑھی پر گلزار کا رکنا، آواز دینا، یوں لگتا ہے کہ ہم پردے پر یہ منظر دیکھ رہے ہیں۔ پوری پڑھ جائیے ایسا محسوس ہوگا ہم غالب، ان کی ڈیوڑھی، ان کی بیگم امراؤ پردے میں، کوئلوں کی سیاہی مٹائی جارہی ہے وغیرہ۔ نظم ''غالب'' گلزار کی ایک شاہکار نظم ہے۔ جی چاہتا ہے کہ پوری نظم یہاں تحریر کردوں تاکہ اس مضمون کے قارئین بھی اس نظم کی خوب صورتی اور دلکشی سے محظوظ ہوں اور میں اپنی بات ختم کروں ؎

غالب

گلی قاسم میں آ کر
تمہاری ڈیوڑھی پر رُک گیا ہوں
تمھیں آواز دوں پہلے
چلی جائیں ذرا پردے میں اُمراؤ
تو پھر اندر قدم رکھوں
چلمچی، لوٹا، سینی اُٹھ گئے ہیں
برستی تھی جو دو گھنٹے مینہ، چھت چار گھنٹے تک
برستی تھی ....

اس چھلنی سی چھت کی اب مرمت ہو رہی ہے
صدی سے کچھ زیادہ وقت آنے میں لگا
افسوس ہے مجھ کو!
اصل میں گھر کے باہر دونوں کی نال کی سیاہی لگی تھی
وہ مٹانی تھی..
اسی میں بس
کئی سرکاریں بدلی ہیں تمھارے گھر پہنچنے میں!
لفافے جوڑتے تھے تم لئی سے
خطوں کی کشتیوں میں اُردو بہتی تھی
اچھوتے ساحل اُردو نثر چھونے لگ گئی تھی
وہیں بیٹھے کمپیوٹر......
وہاں سے لاکھوں خط بھیجا کرے گا
تمھارے دستخط جیسے وہ خوش خط تو نہیں ہوں گے
مگر پھر بھی
پرستاروں کی گنتی اسدؔ اب تو کروڑوں ہے!
تمھارے ہاتھ کے لکھے ہوئے صفحات رکھے جا رہے ہیں
تمھیں تو یاد ہوگا .....
"مسودہ جب رام پور، لکھنؤ سے، آگرہ تک
گھوما کرتا تھا
شکایت تھی تمھیں، "یا رب سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات
انھیں دل اور دے یا مجھ کو زباں اور......"
(یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات
دے اور دل اُن کو، جو نہ دے مجھ کو زباں اور)
یہیں شیشوں میں لگوائے گئے ہیں

پیراہن اب کچھ تمہارے

ذرا سوچو تو قسمت چار گرہ کپڑے کی اب غالب

کہ تھی قسمت یہ اُس کپڑے کی، غالب کا گریباں تھا!

تمہاری ٹوپی رکھی ہے

جو اپنے دور سے اونچی پہنتے تھے،

شکایت تھی کہ سارے گھر کو ہی مسجد بنا رکھا ہے بیگم نے!

تمہارا بُت بھی اب لگوا دیا ہے، اونچی قد دے کر،

جہاں سے دیکھتے ہو اب، تو سب بازیچۂ اطفال لگتا ہے!

سبھی کچھ ہے مگر نوشتہ (غالب)

اگرچہ جانتا ہوں بت میں جنبش نہیں بت کے

تمہارے سامنے اک سر غرور مینا تو رکھ دیتے

بس اک آواز ہے جو گونجتی رہتی ہے اب گھر میں

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا

ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا!!

حمیرہ اطہر
Punjnud.com
22 نومبر 2015ء

گلزار کی تروینی اور تقی عابدی ایک تجزیاتی مطالعہ

سید تقی حسن عابدی اُردو ادب کے افق کا وہ تابندہ ستارہ ہے جو کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ سید تقی عابدی خلق خدا کی خدمت بطور سرجن تو کرتے ہی ہیں اس کے ساتھ ہی اُردو زبان و ادب کی خدمت میں لگے رہنا بھی ان کی زندگی کا اہم حصہ ہے۔ وہ ہمہ گیر شخصیت کے مالک ہیں۔ انھوں نے بیک وقت شاعر، ادیب، نقاد، محقق کی حیثیت سے کئی اہم ادبی کارنامے انجام دیے ہیں۔ اُردو اور فارسی ادب میں اپنی تحقیقی و تنقیدی تخلیقات سے بیش بہا اضافے کیے اور اپنی ادبی خدمات سے اُردو زبان کا دامن وسیع کیا۔ اُردو کے نامور شعرا مرزا اسد اللہ خاں غالب، محمد اقبال، انشا اللہ خاں انشا، مرزا دبیر، میر انیس، فیض احمد فیض، رشید لکھنوی، مولانا حالی، فراق گورکھپوری، فانی بدایونی وغیرہ کے کلام پر ان کی طائرانہ نظر رہی ہے لہذا تصنیف و تالیف کا سلسلہ اب بھی یوں جاری و ساری ہے۔ اسی ادبی سلسلے کی ایک کڑی ان کی تنقیدی کتاب ''گلزار کی تخلیقی صنف تروینی تشریح و تجزیہ'' ہے۔ جس میں گلزار کی تخلیقی صنف ''تروینی'' پر مدلل تجزیہ کیا گیا ہے۔ اقسام شعر میں موضوع اور ہیئت کی بنا پر مختلف اصناف مثلاً رباعی، قطعہ، غزل، قصیدہ، مثنوی، ترجیع بند، مرثیہ، ترکیب بند، مستزاد و مسمط وغیرہ آتے ہیں ان ہی میں سے ایک صنف تروینی ہے جو تین مصروں پر مشتمل ہے۔ تروینی مذکورہ اصناف سے حد درجہ مختلف ہے کیوں کہ اس کے دو مصرے ایک مکمل شعر کی اکائی میں ہوتے ہیں اور تینوں مصرے ردیف و قافیہ کی پابندی سے آزاد بھی ہوتے ہیں۔

دراصل تروینی کو کئی مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔ جاپان میں ہائیکو، اُردو میں ثلاثی، پنجابی میں ماہیا وغیرہ کے نام سے یہ کافی معروف رہی ہے لیکن گلزار کی تروینی ان

بھی اصطلاحات سے مختلف ہے۔ کیوں کہ ان کی تروینی کے موضوعات میں بڑا تنوع
ہے۔ اس میں جہاں ایک رخ واردات عشقی کیفیات ہیں، وہیں حادثات زمانہ کے احوال
بھی ہیں، ان کی تروینی محض عشق ومحبت تک محدود نہیں بلکہ معاشرتی واخلاقی مضامین بھی اس
میں شامل ہیں۔ قدرتی مناظر کی منظر کشی، معاملاتی زندگی کی تلخیاں، سماجی حالات کی عکاسی
ان کی تروینیوں کا حصہ ہیں۔ مثلاً

بھیگا بھیگا سا کیوں ہے یہ اخبار
اپنے ہاکر کو کل سے چینج کرو

پانچ سو گاؤں بہہ گئے اس سال

یا

زمین بھی اس کی، زمین کی یہ نعمتیں اس کی
یہ سب اسی کا ہے، گھر بھی، یہ گھر کے بندے بھی

خدا سے کہیے، کبھی وہ بھی اپنے گھر آئے

اس قدر تلخ حقیقت کا نرم لہجہ میں طنز یہ انداز بیان شاید ہی کہیں اور ملے۔ آسان
اور سادہ الفاظ میں خدا، سماج، سیاست سب کی حقیقت مختصر سے تین مصرعوں میں روانی و
تسلسل سے بیان کر دینا کوئی آسان نہیں۔ تروینی کا یہی انداز بیان اسے دوسری اصناف
سے بالکل جدا کرتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ گلزار کی جدت پسندی نے شاعری میں
خاص طور سے غزلوں اور نظموں میں نئی امیجری کے ساتھ ساتھ اردو شاعری کی نئی صنف یعنی
تروینی سے بھی متعارف کرایا ہے۔ تین مصرعوں پر مشتمل یہ صنف حقیقت وتخیل کی آمیزش
خیال مسلسل کی عکاسی کرتی ہے۔
بقول گلزار:

"تروینی کے پہلے دو مصرعے گنگا جمنا کی مانند ملتے ہیں جس ایک شعر کو مکمل
کرتے ہیں، اس میں ایک خیال، ایک تصور، ایک جذبہ ہوتا ہے۔ لیکن"

دھاروں کے نیچے ایک اور ندی ہے سرسوتی کی ندی جو بظاہر پوشیدہ ہے مگر تروینی میں تیسرے مصرعے کا کام یہ سرسوتی دکھاتی ہے۔ (ص 38)

دراصل دو مصروں کا آپسی تعلق تیسرے مصرعے کو عمیق گہرائی عطا کر کے قاری پر ایک ایسی کیفیت طاری کرتا ہے۔ جس میں فکر کے نئے زاویے ذہن میں ہلچل پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ ایک ایسی صنف ہے جس میں ہر طرح کا موضوع نظم کیا جا سکتا ہے۔ چاہے وہ انسانی زندگی کا المیہ ہو یا موت کی روداد، دنیا کی بے ثباتی ہو یا انسان کی بے کسی ہر فلسفہ ان میں موجود ہے۔ ان تروینیوں میں موت اور زندگی کے بکھرے موتیوں کو گلزار نے بڑے انوکھے منفرد انداز میں پرو دیا ہے۔ مثلاً

زندگی کیا ہے جاننے کے لیے
زندہ رہنا بہت ضروری ہے

آج تک کوئی بھی رہا تو نہیں

یا

کیا پتہ، کب کہاں سے مارے گی
بس کہ میں زندگی سے ڈرتا ہوں

موت کا کیا ہے ایک بار مارے گی

زبان کے مسئلہ پر لڑ رہے افراد کی صورت حال تین مصرعوں میں یوں پیش کی ہے کہ طنز و مزاح کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔

وہ دونوں دعویدار تھے اپنی زبان کے
اُردو تری زبان نہیں، ہندی مری نہیں

دو بے ادب کو انگریزی میں لڑتے ہوئے دیکھا

ان تروینیوں کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے زندگی کے کینوس پر مختلف رنگوں

کو بکھیر دیا ہے اور یہ رنگ بکھر کر بھی نئی اور دلچسپ تصویر بنا رہے ہوں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ گلزار کی تخلیق کردہ تروینیوں کو یکجا کر کے تقی عابدی نے اردو شعری ادب میں خاص اضافہ کیا ہے۔ کتاب کو مرتب کر کے نہ صرف گلزار کی شاعری بلکہ ان کی حیات کا خاکہ اور یہ سوال کہ گلزار اکیسویں صدی کے شاعر کیوں ہیں؟ کے حوالے سے ادب میں ان کی معنویت، اردو زبان سے محبت، دنیائے اردو میں ان کی حیثیت کو ثابت کر کے بلا شبہ ایک اہم کام انجام دیا ہے۔

چوں کہ تقی عابدی کا شوق تحقیق و تنقید ہے لہٰذا اس میدان میں انھیں پوری گرفت حاصل ہے اور اپنی اسی علم فہمی کا فائدہ اٹھا کر عابدی نے صنف تروینی کی مختصر مگر جامع مستند تاریخ پیش کردی ہے۔ تروینی کی ہیئت، معنوی ساخت، محاسن و لوازم کی روشنی میں بحث کر کے منتخب تروینیوں کا اجمالی جائزہ لیا ہے جس سے تروینی کے ان گوشوں پر روشنی پڑتی ہے جن پر ان سے پہلے کسی نے توجہ نہیں دی۔ دراصل تقی عابدی نے ان موضوعات پر توجہ دی جن پر بہت کم لکھا گیا۔ ان کی تحقیقات ان ہی منفرد اور انوکھے موضوعات سے بھری پڑی ہے۔ شعر و ادب سے تعلق سے ان کے عزم و ہمت، جذبہ و شوق کی داد دینی پڑے گی کہ انھوں نے تحقیق کے دشوار گزار مرحلوں کو نہایت خوش اسلوبی سے طے کر کے اردو ادب میں قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ تنقید تحقیقی ادب میں شمار ہوتی ہے لہٰذا گلزار کی شاعری کا تشریحی و تجزیاتی تفصیلی جائزہ پیش کر کے تقی عابدی نے تنقیدی بصیرت کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے۔ اس سے پہلے بھی گلزار پر کئی تنقیدی مضامین لکھے جا چکے ہیں مگر گلزار کی شعری نکات کا اتنی باریکی سے تفصیلی و جامع تنقیدی جائزہ لینے کا سہرا تقی عابدی کے سر ہے جو بلاشبہ قابل تحسین ہے۔ وہ خود اس بات کا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں۔ لکھتے ہیں

"لیکن پھر بھی یہ ایک بڑا قرض ہے جو اردو ناقدین اور شارحین کو چکانا چاہیے۔ شاید اس کی قسط جلد میں خود ادا کروں۔" (ص 200)

مذکورہ عبارت اردو زبان اور اس کے خدمت گزار کے تئیں تقی عابدی کی عقیدت اور والہانہ جوش کا مظاہرہ کرتی ہے۔ لہٰذا تقی عابدی نے اس قرض کو کتابی صورت میں ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ایک ایسی مشعل راہ ہے جو بلاشبہ ہمارے علم میں اضافہ کرتی ہے۔ ان کی اس

کاوش کا تفصیلی جائزہ لینے کے لیے ضروری ہے کہ اس کتاب کے مختلف گوشوں کا مختصر تعارف کرایا جائے۔ جس سے قاری متاثر ہوتا ہے اور یہی تاثر کتاب کے ورق بہ ورق پلٹنے کے لیے اسے مجبور کر دیتا ہے۔ کتاب کی ابتدا اس خوب صورت عبارت ''رو میں ہے رخشِ عمر'' سے ہوتی ہے جس میں عابدی نے اپنا تعارف پیش کیا ہے۔ جو ان کی ادبی حیثیت کو ظاہر کرتا ہوا مختصر سا خاکہ ہے۔ اگلا صفحہ پر گلزار صاحب کے ساتھ مسکراتی ان کی تصویر گلزار سے محبت و عقیدت کی تصدیق کرتی نظر آتی ہے جو ان کی دوست انسان، بھائی چارہ اور خلوص میں گندھی شخصیت و اجاگر کرتی ہے۔ زندگی نامہ کے عنوان سے گلزار کی زندگی کا مختصر خاکہ، تصانیف، اعزاز و فتوحات پیش کی ہیں۔ جس سے گلزار کی ادبی کاوشوں کے ساتھ ساتھ ان کی ہمہ جہت شخصیت اور ادبی دُنیا میں منفرد حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ گلزار صرف اسکرپٹ رائٹر، فلم ساز، مکالمہ نگار ہی نہیں ہیں بلکہ اُردو زبان و ادب پر بھی ان کی گہری گرفت ہے۔ اور اس بات کی تصدیق کتاب میں بعنوان مضمون ''گلزار کی شاعری کا تشریحی و تجزیاتی مطالعہ'' سے ہو جاتی ہے۔ گلزار کا سب سے اہم اور جدید کارنامہ تروینی ہے۔ تروینی تین مصرعوں کی نظم ہے۔ بقول عابدی چار دہائیوں قبل گلزار نے ایجاد کی یعنی تروینی جیسی مخصوص معنی خیز، جامع اور مختصر خوب صورت صنف کے موجد گلزار ہیں۔ گلزار کا کلام اس لیے بھی منفرد ہے کہ یہ معاشرے میں پیدا ہو رہے تلخ حقیقی مسائل کو سلیس، سادہ اور نرم ملائم لہجے میں بلا جھجھک پیش کر دیتا ہے۔ مثلاً

رات پریشاں سڑکوں پر اک ڈولتا سایہ
کھمبے سے ٹکرا کے گرا اور فوت ہوا

تاریکی کی ناجائز اولاد تھی کوئی

یا پھر یہ کہ،

پرچیاں بٹ رہی ہیں گلیوں میں
اپنے قاتل کا انتخاب کرو

وقت یہ سخت ہے چناؤ کا

تقی عابدی نے گلزار کی زبان اور انداز بیان پر واضح و مسلسل گفتگو کی ہے اور عالمی سطح پر ان کی شعری جہت سے ہر انسان کس طرح فیض یاب ہو رہا ہے منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے۔ کیوں کہ گلزار کی شاعری حالیہ قدروں سے جڑی ہوئی ہے ہذا ان کا شعری پیغام زندگی کی گمشدہ راہوں میں کھو نہیں جاتا بلکہ گمشدہ لوگوں کے ذہن کے دریچے کھولنے کا کام کرتا ہے۔ سوچ و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ عصری دُنیا سے آگہی ان تروینیوں کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ انسانی معاشرے کے گرد و پیش میں واقع ہونے والے حادثات و واقعات، نشیب و فراز ایک عام انسان کی زندگی کو کس طرح متاثر کرتے ہیں اسے گلزار بڑے سادہ الفاظ میں بیان کر دیتے ہیں۔ مثلاً

زہریلے مچھر مارو آوازوں کے
سوجن ہو جاتی ہے ان کے کاٹے سے

مچھر دانی تان کے جینا مشکل ہے

یا

سب پہ آتی ہے سب کی باری ہے
موت انصاف کی علامت ہے

زندگی سب پہ کیوں نہیں آتی

گلزار کو اردو زبان سے والہانہ محبت ہے۔ اردو زبان کے حوالے سے انھوں نے جو بھی کام انجام دیے وہ قابل ستائش ہیں لہٰذا تقی عابدی نے اردو کے اس سپاہی جس نے اردو کو جدید ٹکنالوجی سے جوڑا اور اس کی تشہیر، تحفظ کا بیڑا اٹھایا اس کی ادبی خدمات کے ساتھ ساتھ عصر حاضر میں اردو زبان کی تعمیر ایک اہم ضرورت کو بڑی ایمانداری سے پورا کیا ہے۔ ہذا عابدی کے یہ تجزیے دوسرے نقادوں کے لیے بھی تقلید کے قابل ہیں۔

جہاں تک تقی عابدی کی تحریری لوازمات، انداز بیان کی بات ہے تو یہ لفظوں کے جادوئی ہنر سے بخوبی واقف ہیں۔ انھیں معلوم ہے الفاظ کو جملے کی کسی ساخت میں ڈھالنا

کر عبارت کو کس طرح موثر اور دلچسپ بنایا جا سکتا ہے۔ مثلاً گلزار کی شعری خصوصیات بیان کرتے ہوئے ان کی یہ عبارت دیکھیں۔

''چناں چہ آج کی شاعری کے دسترخوان پر سائنس کے ذائقہ کا چٹخارہ ضروری ہے۔ یہ سچ ہے کہ صدیوں بعض قوموں نے بغیر مرچ نمک کے بھی گزارا کیا ہے لیکن جب منہ کو مزا لگ جائے تو پھر چھٹکارہ مشکل ہے۔ گلزار ان انگشت شمار اردو کے شاعروں میں ہیں جس نے اپنی شاعری کو جہاں کہیں بھی موقع اور محل پایا، ان کو سائنسی مطالب اور مسائل سے جوڑا۔ (ص:24)

یہاں تقی عابدی نے کلاسیکی، عصری شاعری کی ضرورت پر طنز کرتے ہوئے گلزار کی شاعری کو عصر حاضر کے موافق اور لازمی قرار دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ تروینیاں محض زندگی کے تلخ گوشوں کو یا عصری مسائل ہی پیش نہیں کرتی بلکہ انسانی دل میں پیدا ہونے والی مختلف کیفیت محبت، تنہائی، عشق، جدائی، دوستی، جیسے نازک احساسات اور انسانی رشتوں کی تلخ پیچیدگیاں بھی موثر طریقے سے بیان کرتی ہیں۔ مثلاً

کبھی کبھی بازار میں یوں بھی ہو جاتا ہے
قیمت ٹھیک تھی جیب میں اتنے دام نہیں تھے

ایسے ہی اک بار میں، تم کو ہار آیا تھا

یا

وہ میرے ساتھ ہی تھا دور تک، مگر اک دن
جو مڑ کے دیکھا تو وہ دوست میرے ساتھ نہ تھا

پھٹی ہو جیب تو کچھ سکے کھو بھی جاتے ہیں

گلزار کی شاعری کو تقی عابدی نے ''آکسیجن'' کہہ کر بھی مخاطب کیا ہے جس کا مطلب ہر سانس کے ساتھ ان کا شعری کلام جاویداں رہے گا۔ ان کی شاعری دور حاضر میں

اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ آکسیجن کیوں کہ یہ زندگی سے ملے زخموں کے لیے ایک مرہم ہے اور ناامیدی کے حالات میں امید کی کرن بھی ہے۔ عابدی کی خاص بات یہ ہے کہ گلزار کے ساتھ ساتھ اردو زبان کی مقبولیت کا ذکر کرنا نہیں بھولتے۔ دوٹوک اور بے باک لہجہ میں وہ اپنی بات کہہ دیتے ہیں کہ قاری قائل ہوئے بنا نہیں رہ سکتا۔ مثلاً

> ''کون کہتا ہے کہ شاعری کے گھنے درخت کا سایہ سرحد کے دونوں طرف نہیں! آج دنیا میں اردو کی آٹھ سے زیادہ نئی بستیاں موجود ہیں ان تمام بستیوں کے باسیوں کو یہ فخر حاصل ہے کہ انھوں نے مشاعرے میں گلزار کو دیکھا اور ان کی شاعری کو سنا اور اپنے محسوسات میں محفوظ کر لیا تاکہ محظوظ ہوتے رہے۔'' (ص:25)

تروینیوں کے علاوہ تقی عابدی نے گلزار کی دو نظموں ''غالب'' اور ''کتابیں'' کا بھی تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔ ان دونوں نظموں پر تجزیہ و تبصرہ کرتے ہوئے گلزار کی مختلف شعری جہت کو بروئے کار لانے کی کوشش کی ہے۔ لفظ و معنی، ہیئت و شاعری پر تقی عابدی کا اپنا نقطۂ نظر ہے۔ وہ نظم کے متن، شعری نکات، ادبی فنی قدروں کو دھیان میں رکھتے ہوئے اپنے تحقیقی زاویے کو نہایت تفصیل و دلائل کے ساتھ پیش کر دیتے ہیں۔

لیکن کہیں کہیں جملوں میں ایک جیسے لفظوں کی تکرار اور تصحیح املائی غلطیاں آجانے سے عبارت بے مزہ معلوم ہوتی ہے جس سے تسلسل بھی بگڑ جاتا ہے۔ مثلاً

> ''اکیسویں صدی کا سک نہ بچی کی صدی نہیں پھر بھی جدید زیورات کے جھنڈ میں حسینہ کا کان کا کلاسک آویزہ نظر کو کھینچ لیتا ہے۔'' (ص 26)

یا

> ''شاید آئندہ وقت ان صنعتیوں کو بھی نامی گرامی کرے گا۔'' (ص 196)

آیندہ (آئندہ) (ص 29)

دنیہ (دنیا) (ص 25)

چوں کہ دنیائے فانی میں کوئی شے مکمل نہیں خوبیاں اور خامیاں تو ابد سے ازل تک انسانی زندگی کا حصہ رہی ہیں۔ اس لیے کتاب میں جہاں اتنی ساری خوبیاں موجود ہوں

وہاں چند خامیاں پھیکی معلوم ہوتی ہیں۔ راقم الحروف کا ماننا ہے کہ جہان فانی میں ہر ذات نامکمل ہے۔ مثلاً

ہیں خاک بشر کا حصہ یہ خوبیاں اور خامیاں
ہر شے ہے نامکمل حیات ذرہ سے ماہتاب تک
(حمیرا حیات)

مختصر یہ کہ 200 صفحات پر مشتمل یہ کتاب خیالات کے منفرد رنگ، شاعری کی مہک، فکر و احساس کے تجربے، تنقیدی و تحقیقی بصیرت، تاریخی شواہد، دلچسپ واقعات، اور عصری مسائل کا احاطہ کرتی ہوئی قارئین کو غور و فکر کی دعوت دیتی ہے۔ سب سے اہم بات یہ کہ تقی صاحب کے خیالات میں ایک اعتدال و توازن ملتا ہے جو ان کی تحریروں کا بنیادی عنصر ہے۔ یہ کتاب ایسے فن کار سے روشناس کراتی ہے جو قاری پر اپنے خیالات تھوپتا نہیں بلکہ ایک اعتدال پسند ناقد ہونے کے ناطے مدلل طریقے سے اپنی بات کہہ کر آخری فیصلہ قاری پر چھوڑ دیتا ہے۔ یہی بات تقی عابدی کو دوسرے نقادوں سے منفرد کرتی ہے۔

عصمت علی کامران

20/اکتوبر 2019ء

گلزار کی تخلیقی صنف تروینی

مصنف: ڈاکٹر سید تقی عابدی

صفحات: 231، قیمت: 800 روپے

ناشر: بک کارنر، جہلم۔

"گلزار" کی شہرت جہاں فلمی نغمہ نگار، ہدایت کار کی ہے، وہیں وہ ادبی دنیا، خاص طور پر اردو شاعری میں بھی ایک منفرد مقام رکھتے ہیں اور زیر تبصرہ کتاب ان کی اسی انفرادیت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ "تروینی" اردو کی ایک الگ صنف ہے، اسے نہ تو "مثلث" کہا جا سکتا ہے، نہ ہی تین مصرعوں کا بند۔ یہ ایک بالکل منفرد سی صنف ہے۔ اصل میں "تروینی" تین مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے، جس میں تیسرا مصرع خاص اہمیت کا حامل ہوتا ہے، جو دو مصرعوں کی تشریح بھی ہو سکتی ہے اور کوئی نیا اختراع بھی۔

تاہم، تینوں مصرعے ایک ہی بحر میں، مگر ردیف اور قافیے کی پابندیوں سے آزاد رہتے ہیں۔ بلاشبہ تروینی، شاعری کے باب میں ایک اہم اور خوب صورت اضافہ ہے۔ اور یہ "گلزار" ہی کی خوبی ہے کہ وہ بیانیہ تلاش کرتے ہیں اور اختراعی ذہن بھی رکھتے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ کتاب گلزار کے بیانیے کا ایک تسلسل ہے، جو ایک اہم موضوع کا احاطہ ہی نہیں کرتی، بلکہ گلزار کی نئی جہت سے بھی روشناس کرواتی ہے۔ کتاب کے مصنف نے "تروینی" کی بہترین تشریح و تجزیہ پیش کیا ہے، جب کہ طباعت بھی معیاری ہے۔

جمال عباس فہمی
''قومی آواز''
3/اکتوبر 2022ء

اُردو کا ایک گمنام عاشق نندلال نیرنگ سرحدی

یہ اُردو کے ایک ایسے قلم کار کا افسوسناک قصہ ہے جو شاعر، افسانہ نگار، ڈرامہ نگار، مترجم اور خوش نویس تھا۔ جسے اُردو کے معروف شاعر تلوک چند محروم اور ترقی پسند شاعر فیض احمد فیض کا شاگرد ہونے کا شرف حاصل تھا۔ جو اُردو، فارسی، پشتو، سنسکرت اور انگریزی سمیت 9 زبانیں جانتا تھا۔ وہ اُردو ادب کا واحد ایسا قلم کار ہے جس نے سوانح حیات نثر میں نہیں بلکہ نظم میں مسدس کی شکل میں تحریر کی۔ جو اُردو اور فارسی میں شعر کہتا تھا۔ اپنے کلام کو مجموعے کی شائع شدہ شکل میں دیکھنے کی حسرت لیے دنیا سے گزر گیا۔

جی ہاں یہ قصہ ہے نندلال نیرنگ سرحدی کا، نندلال نیرنگ سرحدی کا مجموعہ کلام ان کے انتقال کے 49 برس کے بعد شائع ہوا۔ نیرنگ سرحدی کی شاعرانہ عظمت سے زمانہ ان کی کمزور مالی حالت اور اُردو کے ارباب اختیار کی عدم توجہی کی بدولت محروم رہا۔ تاریخ کے نہاں خانے میں پڑے اس عظیم اُردو قلم کار کو منظر عام پر لانے کا سہرا شاعر، محقق، ناقد، مصنف، تجزیہ نگار اور تبصرہ نگار ڈاکٹر تقی عابدی کے سر ہے، جو تاریخ کے گرد و غبار کو صاف کر کے اُردو کے ہیروں سے دُنیا کو روشناس کرانے کا کام کرتے رہتے ہیں۔ تقی عابدی نے ''تعمیر بقا'' کے نام سے ان کا تمام کلام مع ان کی ڈائریوں کے مرتب کر دیا ہے، نندلال نیرنگ سرحدی کی ادبی خدمات کا ذکر کرنے سے پہلے آیئے ان کے خاندانی پس منظر اور تعلیم و تربیت پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

نندلال نیرنگ سرحدی کا اصل نام نندلال تھا۔ جب شاعری شروع کی تو نیرنگ تخلص اختیار کیا۔ سرحدی ان کے نام کا لاحقہ ہے۔ سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خاں سے

عقیدت کے سبب وہ خود کو سرحدی لکھتے تھے۔ وہ ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں، جواب پاکستان میں ہے، کے مندھر میں 6رفروری 1912ء میں پیدا ہوئے۔ مڈل اور میٹرک کرنے کے بعد لاہور کے اورینٹل کالج میں داخلہ لیا لیکن خرابی صحت کے سبب تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ 1937ء میں 25 برس کی عمر میں ادیب، عالم اور منشی کا امتحان پاس کیا اور درس و تدریس کے مقدس پیشے سے وابستہ ہو گئے۔ مقامی مڈل اسکول میں فارسی پڑھانے پر مامور ہوئے۔ 1938ء میں پشاور کے خالصہ ہائی اسکول میں فارسی اور اردو کے ٹیچر کے طور پر تقرر ہو گیا۔ درس و تدریس سے وابستگی شعر گوئی اور دیگر قلمی کاوشوں کے ساتھ آخری عمر تک باقی رہی۔ تقسیم وطن کے بعد 1947ء میں ہجرت کر کے ہندوستان آگئے اور ہریانہ کے ریواڑی کو مسکن بنالیا۔ وہاں کے اہیر اسکول میں فارسی پڑھانے لگے۔ اس کے بعد ہندو اسکول میں استاد ہو گئے۔ شعر گوئی کا آغاز نویں جماعت سے کر دیا تھا۔ ان کا ادبی ذوق مولانا عطاء اللہ خاں کی سرپرستی میں پروان چڑھا۔ ڈیرہ اسماعیل خاں سے مولانا کے چلے جانے کے بعد عرصہ دراز تک خط و کتابت کے ذریعے ان سے اصلاح لیتے رہے۔

کچھ عرصہ بعد تلوک چند محروم کی شاگردی میں آگئے۔ تلوک چند محروم ڈیرہ اسماعیل خاں کے ایک اسکول میں مدرس تھے۔ ترقی پسند شاعر فیض احمد فیض سے ملاقات سرحدی گاندھی کے توسط سے ہوئی۔ فیض بھی سرحدی گاندھی سے بہت قربت رکھتے تھے۔ نیرنگ سرحدی فیض احمد فیض کو اپنا کلام دکھانے لگے۔ نیرنگ سرحدی فیض کے حلقہ شاگرداں میں ایک برس تک رہے۔ نیرنگ نے منظوم سوانح کے ایک فارسی بند میں فیض احمد فیض سے کسب فیض کا ذکر کیا ہے۔ نیرنگ سرحدی کی منظوم سوانح کے متعدد بند اور کچھ بندوں کی ابیات فارسی میں ہیں۔ نیرنگ سرحدی نے فیض کی شاگردی کا ذکر منظوم سوانح حیات میں اس طرح کیا ہے ؎

مرا شرفِ تلمذ شد، بہ قدم فیض احمد خاں
بدو زانو نشستہ ام بہ پیش خدمتِ ایشاں
رجوعِ خدمتش یک سال کردم با ہمہ یاراں
فنونِ شاعری آموختہ ام بیش از دگراں

نمی دانم کہ احسانش چگونہ بر زباں آرم
نہ طرز گفتگو دارم کہ آں را درمیاں آرم

اس بند کا ترجمہ یہ ہے کہ

مجھے فیض احمد خان سے شاگردی کا شرف ملا
میں نے ان کے سامنے شاگردی کا زانو تہہ کیا
میں ایک سال تک دوستوں کے ہمراہ ان کی خدمت میں جاتا رہا
شاعری کے فن کو دوستوں کی نسبت میں نے اُن سے زیادہ سیکھا
مجھے نہیں معلوم کہ ان کا احسان کو کس طرح سے زبان سے ادا کروں
نہ مجھے وہ گفتگو کرنے کا طریقہ آتا ہے جس سے ان کا احسان ادا کر سکوں

نیرنگ سرحدی نے تقریباً تمام اصناف سخن میں طبیعت آزمائی ہے۔ انہوں نے نعت، مناجات، غزل، نظم، مثنوی، رباعی، قطعہ، شخصی مراثی، مسدس، مخمس اور ترجیع بند کہے۔ اُردو کی نسبت ان کا فارسی کلام بہت کم ہے۔ انہوں نے کئی معروف انگریزی شعراء کے کلام کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ نیرنگ نے جیمس رسل لاول، رالف والڈو ایمرسن، جان کیٹس، آرتھر کیٹ والس، تھامس کیمپ بیل اور ایلیزا کوک کی ایک ایک نظم کا اُردو میں منظوم ترجمہ کیا ہے۔ آج کے دور میں انگریزی شعرا اور مصنفین کی نگارشات کو اُردو قالب میں ڈھالنے کا رواج عام ہے لیکن نیرنگ نے جس دور میں انگریز شعراء کے کلام سے اُردو داں طبقے کو واقف کرایا یہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ انہوں نے ''مکان''، ''ڈاکیہ'' اور ''کانٹا'' کے عنوان سے تین افسانے اور ''دیوان ساون مل کا دربار'' کے عنوان سے ایک ڈرامہ بھی لکھا۔ انہوں نے بڑی تعداد میں نظمیں کہیں۔ انہوں نے مختلف مذہبی ہستیوں کو نظموں کے ذریعے خراج عقیدت پیش کیا۔ متعدد نظمیں حب الوطنی کے جذبات سے سرشار ہیں۔ ان کی نظموں سے مذہبی رواداری، اتحاد اور یگانگت کی خوشبو آتی ہے۔ اُردو کی حالت زار سے وہ بہت فکر مند تھے۔ اللہ سے مناجات میں دردِ دل یوں بیان کیا ۔

بات کرنے کا بھلا جیتا قرینہ یارب
لب ہلاتا ہوں تو آتا ہے پسینہ یارب

ہائے لٹتا ہے بزرگوں کا خزینہ یارب
غرق ہونے کو ہے اُردو کا سفینہ یارب

نالۂ درد کو کہتے ہیں رسا ہوتا ہے
ناخدا جس کا نہ ہو اُس کا خدا ہوتا ہے

ایک اور شعر میں اردو سے اپنی محبت اور اس کے تئیں لوگوں کے بدلتے رویہ سے دلبرداشتگی کا اظہار کیا۔

زیادہ اس سے توہین ادب کیا ہوگی اے نیرنگ
بزرگوں کی زباں کو بھی زباں ہم کہہ نہیں سکتے

نیرنگ کے دل میں اردو کی ما حقہ خدمت نہ کر پانے کی ایک خلش تھی۔

جو ہوتی قدر متاعِ ہنر کی اے نیرنگ
یہ آرزو تھی کہ کچھ خدمت زباں کرتے

نیرنگ کو رسول اسلامؐ سے بہت عقیدت تھی۔ نعت میں رسول اللہؐ اور ان کے شہر سے اپنی عقیدت کا اظہار یوں کیا۔

کیوں کر نہ کروں مدحتِ سُلطانِ مدینہ
جب پیشِ نظر ہوں مرے فیضانِ مدینہ

•••

کچھ اور مقامات بھی ہیں ارفع و اعلیٰ
اُن سب سے زیادہ ہے مگر شانِ مدینہ

•••

نیرنگ ہی نہیں زیرِ گر انباریٔ احساں
ہر صاحبِ ایماں پہ ہے اِحسانِ مدینہ

نیرنگ سرحدی کو زمانے کے ہاتھوں اپنی ناقدری کا شدید احساس تھا جس کا نہوں نے اپنے اشعار میں اظہار کیا ہے۔ ایک شعر میں اللہ سے اس کا شکوہ کرتے ہیں۔

مرے جذبات جب دیتے ہیں پیغام بقا سب کو
مجھے ناقدرداں تو نے زمانہ کس لیے بخشا

سادگی اور سلاست ان کے اظہار بیان کا خاصہ ہے۔ انہوں نے ڈیڑھ سو سے زیادہ غزلیں کہیں۔ انہوں نے ہر قسم کے مضامین باندھے۔ ان کے بہت سے اشعار سہل ممتنع کا نمونہ ہیں۔

ہجر ہی میں سحر نہ ہو جائے
شب کہیں مختصر نہ ہو جائے

•••

روز جاتے ہیں آئنہ خانے
ان کو اپنی نظر نہ ہو جائے

•••

ان کے وعدوں پہ زندگانی ہے
عمر یونہی بسر نہ ہو جائے

•••

سوال وصل تو مشکل نہ تھا میرے لیے کچھ بھی
طبیعت سے مگر تاثیر خود داری نہیں جاتی

•••

مزاج باغباں بدلا نہیں ہے
نظام گلستاں بدلا نہیں ہے

•••

بوقت مرگ تمنا نہ تھی کوئی دل میں
بس اتنا یاد ہے لب پر تمہارا نام رہا

اُردو کے اس عظیم شاعر، افسانہ نگار، ڈرامہ نگار اور مترجم کی اس کے جیتے جی اس کے شایان شان پذیرائی نہیں ہوئی۔ ریٹائرمنٹ کے بعد پنشن پر ان کا گزارا تھا۔ بھرا پورا

خاندان تھا۔ چار بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ سب کو اعلیٰ تعلیم سے آراستہ کیا۔ طبیعت میں خودداری اتنی تھی کہ مشاعروں میں مدعو کیے جانے یا اخبارات و رسائل میں کلام کی اشاعت کے لیے کبھی کسی کے آگے زبان نہیں کھولی۔ انہوں نے کچھ مشاعروں میں حصہ بھی لیا کچھ اخبارات و رسائل میں ان کا کلام شائع بھی ہوا، ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند ریش نارنگ سلیم نے ہندی میں ''ایک تھا شاعر'' کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی تھی۔

''قمیہ یاس'' کے عنوان سے خود نیرنگ سرحدی اپنی زندگی میں اپنا مجموعہ کلام ترتیب دے چکے تھے اسے تلوک چند محروم کے فرزند اور اردو شاعر پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے مرتب کر کے شائع کیا۔ ان کی ایک کتاب ہندی میں ''مرنے کے بعد'' کے عنوان سے بھی شائع ہوئی۔ ورلڈ اردو ایسوسی ایشن نامی تنظیم نے نیرنگ سرحدی کو بعد از مرگ 2021ء میں ''محبِ اردو ایوارڈ'' کے لیے منتخب کیا۔ ریواڑی میں ایک سڑک بھی ان کے نام کر دی گئی ہے۔ یعنی اردو کے اس عظیم مجاہد کی زندگی بھر کی ادبی محنت و مشقت کا صلہ ایک عدد سڑک اور ایک محبِ اردو ایوارڈ ٹھہرا۔

اُردو نیٹ جاپان
ناصر ناکاگاوا (کینیڈا)
یکم نومبر 2016ء

کینیڈا میں معروف علمی و ادبی شخصیت سید تقی عابدی کے ہمراہ یادگار لمحات

میرے کینیڈا کے پانچ روزہ علمی و تفریحی دورے کا بنیادی مقصد کینیڈا میں مقیم اُردو زبان و ادب کی آبیاری کرنے والی ہستیوں سے ملاقات کرنا ہے۔ یہاں ہر روز کسی نہ کسی ادبی تقریب میں شرکت کی دعوت مل رہی ہے جس کی بدولت میں کینیڈا کی درجنوں علمی و ادبی شخصیات سے ملاقات کا شرف حاصل کر چکا ہوں۔ ان ملاقاتوں کے اہتمام کا سہرا میرے میزبان ہفت روزہ اُردو پوسٹ (کینیڈا) کے چیف ایڈیٹر سید توصیف کے سر ہے۔ اتوار کے روز بھی میں سید توصیف کی معیت میں کینیڈا کی ہر دلعزیز ادبی شخصیت سید تقی عابدی کی رہائش گاہ پر پہنچا تو انھوں نے ہمارا والہانہ استقبال کیا۔ سید تقی عابدی کا تعلق حیدرآباد دکن سے ہے اور وہ کینیڈا کے ایک بڑے ہسپتال میں سرطان کے علاج کے ماہر ڈاکٹر ہیں۔ میری ان سے پہلی ملاقات انڈیا میں عالمی اُردو کانفرنس کے موقع پر ڈاکٹر خواجہ اکرام الدین کے توسط سے ہوئی تھی۔ سید تقی عابدی نے اپنی عالی شان رہائش گاہ کے تہہ خانہ میں ایک بہت بڑا کتب خانہ بھی قائم کر رکھا ہے جس میں ایک سو سے تین سو سال قدیم و نایاب کتب اور اُردو و فارسی کے نسخے رکھے ہوئے ہیں۔ وہ اب تک ستاون سے زائد کتب کے مصنف ہیں اور اقبالیات ان کا اہم موضوع ہے۔ سید تقی عابدی سے ملاقات کے دوران بہت سے علمی و ادبی موضوعات پر مفید گفتگو ہوئی۔ مجھے ان سے مل کر، ان کی گفتگو سن کر اور ان کی عظیم الشان لائبریری دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ یہ ملاقات کینیڈا کی خوش گوار یادوں میں سے ایک ہے۔

ہفت روزہ ''اُردو پوسٹ'' کینیڈا

11 نومبر 2016ء

انٹرنیشنل اقبالؔ سوسائٹی کینیڈا کا ملٹن میں یومِ اقبالؔ کا شاندار پروگرام

انٹرنیشنل اقبالؔ سوسائٹی کینیڈا کی جانب سے گزشتہ ہفتے ملٹن میں علامہ محمد اقبالؔ کا 139 واں یومِ پیدائش شاندار انداز میں منایا گیا۔ اس پروگرام کے لیے قونصلیٹ آف پاکستان نے تعاون فراہم کیا تھا۔ پروگرام کی کمپیئرنگ نعمان بخاری نے کی، جب کہ کلام ''لوح بھی تو قلم بھی تو ......'' وسیم ہارون نے پڑھا۔ پروگرام کے اہم ترین مقرر ڈاکٹر تقی عابدی تھے جب کہ ڈسکشن میں ڈاکٹر ظفر بنگش امیر سلطان جعفری موجود تھے۔ مہمان خصوصی رکن پارلیمنٹ اقرار خالد تھیں۔ قونصل جنرل ٹورنٹو عمران صدیقی نے خصوصی خطاب کیا۔ کلام اقبالؔ جی ٹی اے واسر پیٹر بھٹی، تنویر جوزف نے پیش کیا۔

نبیل، شیزا صابر، رضیہ میر یسن، ایبرٹ کامران، نبیل روین واسطی، فلپ پیٹرک، نعیم سردار، اس گروپ میں شامل جنھوں نے کلام اقبالؔ پیش کیا پروگرام کے لیے نعیم رضوی، محسن، فیروز جیلانی، امیر جعفری، محمد یسین، سحر شہزاد نے تعارف فراہم کیا۔ کینیڈین پاکستانی قونصل آف ملٹن خصوصی مددگار رہیں۔ اس موقع پر ڈاکٹر تقی عابدی نے خوب صورت خطاب میں کہا کہ ''علامہ اقبالؔ کی شاعری نے ہندوستان کے مسلمانوں خصوصاً نوجوانوں میں ایک جذبہ بیدار کیا ان کا ''خودی'' کا نظریہ بہت گہرائی رکھتا ہے ان کی شاعری آفاقی تھی، ان کا فارسی کلام ایران میں بہت مقبول ہے۔ وہ عام شاعری نہیں کرتے تھے۔ اقبالؔ خود کہا کرتے تھے کہ وہ شاعری کے ذریعے پیغام دیتے ہیں وہ بلند پایہ مفکر تھے اسلام کے شیدائی تھے اقبالؔ ایک صوفی خاندان میں پیدا ہوئے تھے ان کی اصل فکر عالم اسلام کے لیے تھی۔ انھوں نے شاعری سے قوم کو جگایا اقبالؔ ملت کے محسن تھے ان کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

ہفت روزہ "اُردو پوسٹ" کینیڈا

2017ء

آزاد یونیورسٹی کی سابق چانسلر ڈاکٹر سیدہ سیدین کے اعزاز میں خوب صورت تقریب: ڈاکٹر تقی عابدی کی جانب سے منعقد کی گئی شاندار تقریب میں حالؔی کی خدمات کا جائزہ

معروف ریسرچ اسکالر، شاعر، ادیب، مصنف، ادبی دُنیا میں کئی حوالوں سے دُنیا بھر میں خصوصی پہچان رکھنے والے ڈاکٹر تقی عابدی نے اپنی رہائش گاہ پر ایک شاندار ادبی تقریب کا اہتمام کیا جس میں بڑی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔ مہمان خصوصی مولانا الطاف حسین حالؔی کی پڑپوتی، خواجہ غلام سیدین کی بیٹی مولانا آزاد یونیورسٹی کی سابق چانسلر، ویمن رائٹس کی نمہبان تقریباً دو درجن سے قریب کتب کی مصنفہ ڈاکٹر سیدہ سیدین حمید تھیں ان کی دو کتب کی رونمائی بھی کی گئی۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے مہمان خصوصی کا تفصیلی تعارف کرایا۔ تقریب کی صدارت قونصل جنرل ٹورنٹو عمران احمد صدیقی نے کی۔ جب کہ انڈین شاعر اعظم کوہلی، سہیل رعنا بھی خاص مہمانان میں شامل تھے۔

اس موقع پر ڈاکٹر تقی عابدی نے کہا کہ "مولانا حالؔی پانی پت میں 1837ء میں پیدا ہوئے۔ وہ اُردو کے عظیم شاعر تھے، ان کا اُردو ادب میں بہت ہی اعلیٰ مقام ہے۔ وہ شاعر، استاد اور مصلح تھے وہ سر سید احمد خان کے قریبی دوست تھے۔ ان کی لکھی ہوئی "مسدس حالؔی" اُردو ادب کا ایک شاہکار ہے۔ ان کے پاس اسکول کی تعلیم، یا کوئی ڈگری نہیں تھی تاہم انھیں اُردو زبان پر زبردست عبور حاصل تھا۔ وہ فارسی، عربی اور انگریزی کا بھی مکمل علم رکھتے تھے۔ وہ خواتین کی تعلیم کے محرک تھے، وہ علی گڑھ تحریک کے روح رواں تھے اور انھوں نے لڑکیوں کا پہلا اسکول قائم کیا۔ سر سید احمد خان کے قریبی رفقاء میں شامل تھے۔ قوم کو بیدار کرنے، ملت کی اصلاح میں ان کا اہم کردار ہے۔ انھوں نے مسلم قوم کی شاندار انداز میں رہنمائی کی۔

''مسدس حالی'' 1869ء میں شائع ہوئی۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے مولانا حالی کی خدمات کا جائزہ لیا۔ بھارت سے آئی ہوئی ڈاکٹر سیدہ سیدین حمید نے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ ''انھوں نے امریکہ سے تعلیم حاصل کی، کینیڈا (کیلگری) سے پی ایچ ڈی مکمل کی۔ 1985ء میں انھوں نے دہلی واپس جانے کا فیصلہ کیا۔ یہ بڑا مشکل وقت تھا۔ اس دور میں انھوں نے ویمن رائٹس کے حوالے سے کام کیا، وہ سیاسی طور پر بھی متحرک رہیں۔ وزیراعظم گجرال نے انھیں نیشنل کمیشن فار ویمن کے لیے نامزد کیا جب کہ وزیراعظم من موہن سنگھ نے انھیں پلاننگ کمیشن کا ممبر بنایا۔ انھوں نے اپنی کتاب کے لیے پاکستانی ٹاپ فوٹوگرافر سے کچھ تصاویر منگوائیں۔ اسی طرح کارگل جنگ کے دوران ہم ایک بس لاہور لے کر گئے اسی طرح لاہور سے ایک خواتین کی بس دہلی آئی۔ ہمارے لیے سب دروازے کھلتے گئے۔ میں نے عصمت چغتائی کو ترجمہ کیا اس وقت اس طرح عصمت چغتائی کو نہیں جانا جاتا تھا۔ میں نے 3 شخصیات پر کام کیا۔ ابوالکلام آزاد ''غبار خاطر'' اور پھر لٹریچر پر خاصا کام کیا۔ نوجوان نسل انھیں زیادہ نہیں جانتی اسی طرح میں نے کئی اہم کتب کا ترجمہ کیا۔

حالی مسلمانوں کے لیے اہم شخصیت تھے ان کا ادبی مقام بہت ہی اعلیٰ ہے۔ مولانا نے عورتوں کے لیے جو کچھ لکھا میرے خیال میں انھوں نے عورت بن کر ہی عورت کا دکھ محسوس کر کے لکھا۔ ''مناجات بیوہ''، ''چپ کی داد'' ایک شاہکار ہے ان کی لکھی ہوئی نظم ''ہم مائیں، ہم بہنیں، ہم بیٹیاں'' مودی نے پانی پت کے ایک جلسے میں پڑھی اسی طرح ''غبار خاطر'' کو اعلیٰ ادبی مقام حاصل ہے۔

ڈاکٹر سیدہ سیدین نے بتایا کہ ان کے ننھیال رام پور سے آئے تھے۔ انھوں نے کہا کہ ''نئی نسل کو اردو کی جانب راغب کریں۔'' بھارت، پاکستان میں لوگ اردو بولتے سمجھتے ہیں زبان کے فروغ کے لیے ٹولز ڈویلپ کیے جائیں۔ آج کل اسکرپٹ رومن میں لکھا جا رہا ہے۔ بچے فیض، فراز کو پڑھ رہے ہیں تاہم انھیں اردو کے حوالے سے مشکلات ہیں۔ جب تک اردو زبان کو روزی روٹی سے نہیں جوڑا جائے گا، اسے کورٹ کی زبان نہیں بنایا جائے گا تو زبان مشکلات سے دوچار رہو گی۔ سڑکوں پر لکھے سائن ایسے لکھے ہوئے ہیں جیسے الٹے ہاتھ سے لکھا گیا ہو حکومت خلوص دل سے کام کرے گی تو اردو کو فروغ حاصل ہوگا۔

آج کل فلموں کے ٹائٹل بھی ہندی میں لکھے جا رہے ہیں۔ ''سلطان'' فلم نام کی وجہ سے ہی مشکلات کا شکار رہی۔ ''رئیس'' فلم میں ماہرہ خان شامل ہیں اگر نام ہندی ہوتا تو ظاہر ہے آسانی ہوتی۔ یہ افسوس ناک ہے، اُردو زبان کے فروغ کے لیے حکومتی سطح پر کام نہیں کیا گیا۔ بچے ہندی پڑھ رہے ہیں، اُردو زبان کو زندہ رکھنا ایک چیلنج ہے۔ معروف موسیقار سہیل رعنا نے کہا کہ ''اُردو کو میرے خیال میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ یہ 700 سال پرانی زبان ہے اسے شباب ملے گا۔ جب تک بھارت میں فلمیں بن رہی ہیں بھارت میں ہمارے ڈرامے دیکھے جا رہے ہیں جب تک لوگ عشق کر رہے ہیں، شاعر غزلیں، نظمیں، گیت لکھ رہے ہیں، اُردو زبان ختم نہیں ہوگی۔

قونصل جنرل عمران احمد صدیقی نے کہا کہ ''زبان کا ارتقاء ہوتا ہے خسرو کے دور کی برج بھاشا بدل گئی۔ زبانیں آتی رہتی ہیں۔ پاکستان میں اُردو زبان قومی زبان ضرور ہے مگر سرکاری زبان نہیں ہے۔ اُردو کو سرکاری سطح پر زیادہ فروغ نہیں دیا جاتا اسے سیاسی مسئلہ بنایا گیا ہے۔ اُردو زبان ختم نہیں ہوگی تبدیلی ہو سکتی ہے۔ اصل مسئلہ رسم الخط برقرار رکھنا ہے۔''

سابق سفیر کرامت غوری نے کہا کہ ''اُردو زبان کا اصل مسئلہ نہیں ہے۔ رسم الخط سب سے اہم مسئلہ ہے۔ میں نے اُردو زبان کے حوالے سے ایک اہم دستاویزی فلم بنائی ہے جسے سراہا گیا ہے۔ امریکہ، کینیڈا میں بڑی تعداد میں اُردو کے اخبارات شائع ہو رہے ہیں۔ نئی نسل کو اُردو زبان پڑھانے اور لکھانے کی ضرورت ہے اُردو بلاشبہ ایک مقبول اور خوب صورت زبان ہے اس کے چاہنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اس کے فروغ کے لیے کام کی ضرورت ہے۔ شمالی امریکہ میں لوگ اس ضمن میں کام کر رہے ہیں جو قابل ستائش ہے۔ آخر میں سہیل رعنا نے اپنے والد محترم کی شاعری کے کئی خوب صورت اشعار سنائے جب کہ ڈاکٹر تقی عابدی نے مولانا حالی کی زبردست شاعری بھی حاضرین کو سنائی۔ یہ ایک خوب صورت تقریب تھی۔

ڈاکٹر تقی عابدی نے حاضرین خصوصاً ''اردو پوسٹ'' کی اُردو کے لیے خدمات کو سراہا۔ اعظم کوہلی نے اپنی شاندار نظم سنائی۔ شاہد ہاشمی نے مہمانوں کو پھول پیش کیے اور ڈاکٹر تقی عابدی کی خدمات کو سراہا اس موقع پر کتب بھی پیش کی گئیں۔

سہیل صدیقی
9رستمبر 2017ء

جشنِ مسعود خان کی شاندار کامیابی

ڈاکٹر تقی عابدی اور ان کی 14 رکنی کمیٹی کا کارنامہ

انٹاریو کی کینیڈین پاکستانی کمیونٹی نے کینیڈا کی 150 ویں سالگرہ کے موقع پر فخر پاکستان اور کینیڈا میں پاکستان کی پہچان مسعود خان کی 40 سالہ ادبی معاشرتی ثقافتی اور رضاکارانہ خدمات کو سراہنے کے لیے جشن مسعود خان منا کر اس فرسودہ رسم کا خاتمہ کر دیا کہ ہماری قوم مردہ پرست ہے اور زندگی میں اپنے قومی ہیروز کو خراج عقیدت نہیں پیش کرتے۔ اس انقلابی اقدامات کا سہرا ہمارے شہر کے دانشور ادیب شاعر اور محقق ڈاکٹر تقی عابدی اور ان کی 14 رکنی کمیٹی کو جاتا ہے جنہوں نے بڑی محبت اور محنت سے جشن مسعود کا انعقاد کیا۔

کینیڈل بینکویٹ ہال کھچا کھچ بھرا ہوا، یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ بغیر گانے بجانے، قوالی، شاعری یا کسی انٹرٹینمنٹ کے بغیر بھی سنجیدہ تقریب سولڈ آؤٹ ہو سکتی ہے۔ مسعود کے سینکڑوں دوستوں اور مداحوں نے شرکت کر کے اس تقریب کو کامیاب کیا۔

تقریب کا آغاز حسب وعدہ ساڑھے سات بجے کیا گیا، ماسٹر آف سرمنی جناب ناظم الدین مقبول نے مختصراً مسعود خان کی 40 سالہ رضاکارانہ خدمات بیان کیں۔ نماز مغرب کے بعد ہیڈ ٹیبل کو نوجوان MC سہیل نارووکریا نے اسٹیج پر مدعو کیا۔ قونصل جنرل جناب عمران علی صدیقی نے اپنے صدارتی خطاب میں مسعود خان کی خدمات کو سراہتے ہوئے تعریفی جملے کہے۔ قونصل جنرل کے خطاب کے بعد کینیڈا میں بنے والی مسعود خان کی 4 فلموں کی جھلکیاں اور ان کے سولڈ آؤٹ سنگنگ کمپیٹیشن میں انعام یافتہ فنکاروں سے گانے سنوائے گئے، ڈنر وقت پر لگایا گیا اور ڈنر سے قبل ڈاکٹر تقی عابدی نے اپنے خصوصی

خطاب میں مسعود خان کو ریکارڈ ساز شخص قرار دیتے ہوئے کہا کہ "کوئی اور پاکستانی ان جیسا ہے تو پیش کیا جائے۔" اختتام سے قبل پریمیئر آف انٹاریو کی جاری کردہ توصیفی اسناد تمام کمیٹی ممبرز پیش کی گئیں۔

رابعہ احسن (ٹورنٹو)
12/نومبر 2017ء

یوم اقبال کینیڈا 2017ء

شاعرِ مشرق علامہ اقبال کی فکری کاوشیں، ان کا کلام اور ان کی شہرت مشرق سے لے کر مغرب تک مسلمانوں، ادب اور فکر سے شغف رکھنے والے تمام اہل دل کے دلوں کو روشن کیے ہوئے ہیں۔ علامہ اقبال نے شاعری کے ذریعے ایک عالم کے ذہنوں میں علم اور فکر کی شمعیں روشن کیں تحریک پاکستان کے اوائل دور میں اقبال نے اپنے پرجوش کلام سے مسلمانوں کے اندر ''خودی'' کی روح پھونک کر ان کے جذبہ آزادی کو بیدار کیا انہیں ذہنی غلامی سے آزاد کرنے کے لیے آپ کا کلام اپنی مثال آپ ہے علامہ اقبال نے پاکستان کا خواب دیکھا اس خواب کی تکمیل تک وہ خود تو نہ رہے مگر ان کی روشن کی ہوئی شمعیں ان کے کلام کی صورت میں ہمیشہ حیات جاوداں رہیں گی۔

9/نومبر یوم اقبال ہمیشہ سے ہی پاکستان اور بہت سے ممالک میں بہت جذبے سے منایا جاتا ہے بہت سی نجی اور سرکاری تقاریب منعقد ہوتی ہیں۔ اقبال کی فکری اور علمی کاوشوں کو خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے۔ اقبال ایک آفاقی شاعر تھے اور ان کے چاہنے والے بھی پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ انٹرنیشنل اقبال میں سوسائٹی اس وقت بین الاقوامی لیول پر اقبال کی ادبی کاوشوں، ان کے کلام اور پیغام کو پوری دنیا میں بسنے والے ادب اور فکر کے شائقین کو بہم پہنچانے میں مصروف ہے اس سوسائٹی نے اقبال کے کلام اور ان کے متراجم کے حوالے سے ویب سائٹس بنائی ہوئی ہیں سوشل میڈیا پر بھی ان کے ایکٹیو پیجز ہیں۔

اس سوسائٹی نے ہر سال کی طرح اس سال یوم اقبال پر پوری دنیا میں تقاریب منعقد کیں اور ہیملٹن کینیڈا میں شاندار میگا تقریب منعقد کی۔ ہیملٹن میں ہونے والے یوم

اقبال کا میگا ایونٹ اقبال سوسائٹی نے قونصلیٹ جنرل آف پاکستان ٹورنٹو اور پاکستان بزنس ایسوسی ایشن آف ہیملٹن کے تعاون سے منعقد کیا۔ یوم اقبال کی یہ تقریب بہت شاندار اور پروقار تھی جس میں تقریباً 800 لوگوں نے شرکت کی۔ گرینڈ اولمپیا بینکویٹ ہال کے مالک آفتاب الٰہی نے ہال کی بکنگ بغیر کسی معاوضے کے دی اور ظفر چوہدری نے حاضرین کے لیے ڈنر ارینج کیا جو کہ کمیونٹی کے لیے بہت بڑا Contribution ہے۔

پروگرام کا آغاز مشرق کی جانب سے دیئے جانے والے پیغام کی انگلش ڈاکومینٹری سے ہوا اس کے بعد ابراہیم نعمان نے تلاوت کی اور محمد وسیم ہارون نے نعت کا ہدیہ پیش کیا۔ پھر بچوں نے اقبال کی دعا "یارب دل مسلم کو" کو گا کر پیش کیا اس کے بعد اقبال سوسائٹی کے بانی نعمان بخاری نے تعارفی کلمات کہے نعمان بخاری کی اقبال پہ ریسرچ، ان کا جذبہ دیکھ کے ان کے اقبال سے سچے عشق کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، ان کی محنت اور لگن سے ہی اتنے بڑے لیول پر اقبال ڈے کا انعقاد ممکن ہو سکا۔ بخاری صاحب نے ہیملٹن کے سیاسی لیڈروں کو دعوت دی۔ جن میں لبرل ایم پی باب برتینا، این ڈی پی ایم پی۔ پی پال ملر، پی سی ایم پی ڈیوڈ سویٹ اور این ڈی پی ایم پی پی مونیق ٹیر شامل تھے ان سب سیاسی لیڈرز نے پاکستانیوں، مسلمانوں اور خصوصاً اقبال کے بارے میں اپنی آرا پیش کیں۔

پاکستان بزنس ایسوسی ایشن کے صدر ملک وحید کا شکریہ کے نوٹ کے ساتھ نعمان بخاری نے پروگرام کو آگے بڑھایا اور ڈاکٹر تقی عابدی کو مدعو کیا جن کی علامہ اقبال اور ان کے کلام پر ریسرچ بہت وسیع اور جامع ہے۔ انھوں نے اقبال کی شاعری اور زندگی کے بہت اہم پہلو "خودی" پر بہت جامع اور معانی سے بھرپور تقریر کی ان کا ایک ایک لفظ اس قدر معنویت سے بھرپور تھا۔ "خودی" کو سمجھنا اور اس پہ عمل کرنا بہت آسان لگنے لگا۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے بعد قونصلیٹ جنرل عمران صدیقی نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے پیغام اقبال کی آفاقیت پہ زور دیا۔

منیب اقبال (اقبال کے پوتے) کی وڈیو دکھائی گئی جس میں انھوں نے اقبال کا گھر، جائے پیدائش، ان کی گلیاں دکھائیں جو کہ اقبال سے محبت کرنے والوں کے لیے

بہت ہی خاص نظارہ تھا اور سب سے بڑھ کر انجمن میں آئے ہوئے بچوں کے لیے بہت اچھی ڈاکومینٹری تھی تاکہ ہماری نئی جنریشن کو بھی اقبالؔ کے گھرانے کی زندگی کے بارے میں معلومات مل سکیں۔ طارق حمید اور ان کے گروپ نے کلامِ اقبالؔ میں سے کچھ غزلوں کو گا کر پیش کیا۔ اقبالؔ کا کلام ہو اور پھر موسیقی ہو تو سننے والوں پہ بہت سے اسرار و رموز کھلتے چلے جاتے ہیں۔ اس کے بعد بچوں نے اقبالؔ کی شہرہ آفاق دعا ''لب پہ آتی ہے دعا'' گا کر برسوں پرانی یادوں کو تازہ کیا کیوں کہ یہ دعا ہمارے بچپن سے لے کر آج تک پاکستان کے ہر اسکول میں باقاعدگی سے پڑھی جاتی ہے جو کہ خود اقبالؔ کی آفاقی کاوشوں کو مسلسل خراجِ تحسین کی صورت ہے۔ ایک بہت خوب صورت اور شاندار پروگرام رہا جس میں اقبالؔ کے بارے میں معلومات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ تھا۔

اس تقریب کے ڈائمنڈ اسپانسرز میں ڈی گرین ہومز کے محسن مسعود، ری میکس کے محمد ہارون، چاولہ ہاسپیٹیلٹی گروپ (Hospitality Group) کے علی رحمان شامل ہے۔

گولڈن اسپانسرز میں ری میکس کے جہان چوہدری، افلیٹی یونیورسٹی کے محمد عدنان، عروج فنانشلیز (Financials) کے زاہد سید، عالم لا فرم کے محمد عالم اور پیرانی میٹلز کے عبید پیرانی شامل ہیں۔

قونصیلیٹ جنرل اور اقبالؔ سوسائٹی کے صدر سجاد حیدر نے والنٹیئرز (Volunteers) اور بچوں کو کارکردگی کے سرٹیفکیٹس سے نوازا۔

اپنی خصوصی نوعیت کا انتہائی خوب صورت پروگرام، اقبالؔ اور ان سے متعلق معلومات لیے ان کو خراجِ تحسین پیش کرنے کا بہترین انداز۔ خصوصاً مغرب میں بیٹھ کر مشرقی روایات اور تعلیمات کو زندہ رکھنے کا بہترین ذریعہ۔ اقبالؔ سوسائٹی نے اقبالؔ کے مجموعہ ''بانگِ درا'' کی ایک وسیع کولیکشن کتاب پڑھنے والوں کی دلچسپی کے لیے رکھی ہوئی تھیں جو کہ بہت کم قیمت میں انتہائی قیمتی تحفہ تھیں یہ کتابیں نعمان بخاری سے رابطہ کر کے حاصل کی جا سکتی ہیں ان کے علاوہ اقبالؔ کے گولڈن شرٹس بھی دستیاب ہیں۔

معروف ایکٹر اور ادیب قادر خان
ٹورنٹو میں اُردو کے فروغ کے لیے سرگرم عمل

ٹورنٹو کے معروف ادیب ڈاکٹر سید تقی عابدی نے اپنی ذاتی لائبریری میں فلمی دنیا کے معروف ایکٹر اور مکالمہ نویس، ادیب قادر خان کو مدعو کیا تھا۔ قادر خان اس لائبریری سے بے حد متاثر ہوئے اور جناب تقی عابدی صاحب کے تعاون سے اُردو زبان کی ترویج اور اشاعت کے لیے ایک جامع پروگرام ترتیب دینا چاہتے ہیں۔ جناب قادر خان صاحب ان دنوں ٹورنٹو میں قیام پذیر ہیں۔ ان دونوں شخصیتوں کے تعاون سے جلد ہی کوئی مثبت اقدام کی توقع ہے۔ ادارہ شعر و سخن اس اقدام کی ہر طرح سے تائید کرتا ہے۔

روزنامہ "جسارت"

5/مئی 2019

کینیڈا میں ادبی تنظیم اظہار کے زیر اہتمام رضوان صدیقی کے اعزاز میں تقریب

ممتاز شاعرہ ذکیہ غزل کی ادبی تنظیم کے زیر اہتمام پاکستان سے آئے ہوئے معروف افسانہ نگار اور اینکر رضوان صدیقی کے اعزاز میں ایک خوب صورت تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ تقریب کی صدارت مقبول ادیب، ناقد اور شاعر ڈاکٹر سید تقی عابدی نے کی جب کہ بھارت، امریکا اور کینیڈا سے تعلق رکھنے والے شعرائے کرام نے اپنے کلام پر سامعین سے بھرپور داد وصول کی۔ تقریب کی میزبان ذکیہ غزل نے اپنی گفتگو میں مہمان خصوصی رضوان صدیقی کی ادبی خدمات کا تفصیلی ذکر کیا اور کہا کہ رضوان صدیقی ایک ہمہ صفت شخصیت کے مالک ایک افسانہ نگار، اینکر پرسن، ادبی تقریبات کے منتظم، ڈراما نگار اور کمال کے نظامت کار ہیں۔ رضوان صدیقی نے اپنی گفتگو میں ادبی تنظیم "اظہار" اور "میزبان" ذکیہ غزل کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ "ذکیہ اردو دنیا کی ایک مقبول شاعرہ ہیں جنھوں نے مختلف ممالک میں منعقد ہونے والے مشاعروں میں نہ صرف شرکت کی بلکہ پاکستان کی بھرپور نمائندگی بھی کی اور اب کینیڈا میں ادب کے فروغ کے لیے بے مثال اور متحرک کردار ادا کر رہی ہیں۔" انھوں نے مزید کہا کہ "آج کی یہ ادبی محفل مختلف شہروں میں منعقد ہونے والے بڑے مشاعروں کے مقابلے میں معیار کے اعتبار سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔" انھوں نے توجہ مبذول کرائی کہ ادب صرف شاعری تک محدود نہیں بلکہ افسانہ، ناول، تنقید اور تحقیق بھی ادب کا حصہ ہیں ضروری ہے کہ ادبی محافل میں نثر نگاروں کی بھی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اس موقع پر رضوان صدیقی نے ایک افسانہ "انھیں پکار لیں"

نہایت موثر انداز میں پڑھ کر سنایا جس پر حاضرین نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ محفل مشاعرہ میں بھارت سے آئی ہوئی شاعرہ تسنیم جوہر، امریکا سے نزہت صدیقی اور رشید صدیقی کے علاوہ کینیڈا کے ممتاز شعرائے کرام انیس زبیری، فیصل عظیم، اسما ارشی، ناظم لدین مقبول، فرحت شجاعت، سلمان اطہر، قاسم جاسم، شگفتہ صدیقی، خولہ مقبول، اسد خبیر اور بشارت نے اپنا کلام سنایا اور حاضرین سے بھرپور داد سمیٹی۔ تقریب کے آخر میں ڈاکٹر سید تقی عابدی نے علامہ اقبال کی زندگی کے آخری 50 گھنٹوں کے بارے میں سیر حاصل گفتگو اور ڈاکٹر جمیل جالبی کی ادبی خدمات پر اظہار خیال کیا۔ انھوں نے کہا کہ ''اردو کے فروغ کے لیے کینیڈا میں مقیم پاکستانیوں کو اپنے بچوں کے ساتھ اردو میں بات کرنا چاہیے اور انھیں اردو لکھنے اور پڑھنے کی ترغیب دینا چاہیے۔'' ڈاکٹر سید تقی عابدی نے ادارہ ''اظہار'' کے منتظمین کی ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی کوششوں کو سراہا۔

pakistantimesonline.com

22/اگست 2019ء

ادبی و ثقافتی ادارے ''اظہار'' کے زیرِ اہتمام،

اُردو کے معروف شاعر اور محقق ڈاکٹر تقی عابدی کے زیرِ صدارت

3/اگست 2019ء کو کینیڈا کے شہر مسی ساگا میں ٹورنٹو کی فعال ادبی اور ثقافتی تنظیم ''اظہار'' کی جانب سے ایک نشست کا اہتمام کیا گیا، جس کی مہمان خصوصی، پروفیسر رضیہ سبحان تھیں۔ نشست کی صدارت معروف شاعر، محقق اور کئی کتابوں کے مصنف ڈاکٹر سید تقی عابدی نے کی جب کہ مہمانان اعزازی ڈاکٹر ثروت رضوی پاکستان سے اور معروف شاعرہ اور دانشور محترمہ نزہت صدیقی صاحبہ نیویارک سے تشریف لائی تھیں۔ اس محفل میں ٹورنٹو کے منتخب شعراء اور شاعرات کے علاوہ بڑی تعداد میں باذوق سامعین نے بھی شرکت کی۔ ''اظہار'' کے دیگر مشاعروں کی طرح اس تقریب کا بھی کوئی ٹکٹ نہیں تھا۔ تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک اور نعت رسول مقبول سے ہوا۔ ادارے کی روحِ رواں محترمہ ذکیہ غزل نے مہمانوں کو خوش آمدید کہا اور اس کے بعد اُردو دنیا کے مشہور و معروف شاعر جناب حمایت علی شاعر صاحب کے انتقال پر تعزیتی کلمات ادا کیے۔ اس موقع پر ٹورنٹو کے شاعر فیصل عظیم نے ''اظہار'' اور تقریب کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ جناب حمایت علی شاعر کے بیٹے، مشہور افسانہ نگار ڈاکٹر بلند اقبال نے اس موقع پر اپنے والد کی یاد میں ایک بہت دلگداز اور پراثر تحریر پڑھ کر سنائی۔

تقریب کے دوسرے دور میں جناب راشد حسین راشد کی کتاب ''رقصِ جنوں'' اور محترمہ نورین شمع نور صاحبہ کی کتاب ''دستک امکاں'' کے بارے میں پروفیسر رضیہ سبحان اور

ڈاکٹر تقی عابدی صاحب نے مقالات پڑھے۔ پھر چائے اور لوازمات کے وقفے کے بعد کتابوں کی باقاعدہ رونمائی ہوئی۔ جناب راشد حسین راشد اور محترمہ نور شمع نور، جو شریک حیات بھی ہیں، اس موقع پر ایک نئی اور دلچسپ طرز اختیار کرتے ہوئے، ان دونوں نے ایک دوسرے کے فن اور شخصیت پر بحیثیت شاعر اور شریک زندگی کے اپنے اپنے خیالات پیش کیے۔

تقریب کے تیسرے حصے میں مشاعرہ تھا جس کی نظامت کے فرائض میزبان محترمہ ذکیہ غزل نے انجام دیے۔ اس موقع پر شعراء نے اپنے خوب صورت کلام سے محفل کو گرما دیا اور اہل ذوق کی بھرپور داد اور دلچسپی نے مشاعرے کو یادگار بنا دیا۔ مشاعرے میں اپنا کلام سنانے والے شعراء کے نام یہ ہیں۔ صدر محفل جناب ڈاکٹر تقی عابدی، پروفیسر رضیہ سبحان، نزہت صدیقی، ثروت رضوی، رشید صدیقی، کرامت غوری، ذکیہ غزل، پروین سلطانہ صبا، اسما نازوارثی، فیصل عظیم، طارق حسین، ناظم الدین مقبول، حشام سید، خالد رؤف قریشی، بشارت ریحان، ڈاکٹر اسد نفیس، بابر عطا اور شگفتہ صدیقی۔ اپنے صدارتی خطبے میں ڈاکٹر تقی عابدی صاحب نے ''اظہار'' اور ذکیہ غزل صاحبہ کی خدمات، کاوشوں اور لگن کو سراہا اور محفل کی زبردست کامیابی پر مبارکباد دی۔ آخر میں محترمہ ذکیہ غزل نے سب حاضرین اور مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور تقریب رات گئے پر تکلف عشائیے کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔

شعروسخن ویب سائٹ
ٹورنٹو

شمالی امریکہ میں مقیم سینئر اہلِ قلم کا یادگار اجتماع

رچمنڈ ہل میں تسلیم الٰہی زلفی کی قیام گاہ پر تقریب پذیرائی

گزشتہ اتوار رچمنڈ ہل میں مقیم ادبی دنیا کے معروف شاعر، ادیب اور ٹیلی کاسٹر جناب تسلیم الٰہی زلفی نے حسب دستور اپنی قیام گاہ پر شمالی امریکہ کے سینئر اور معروف اہلِ قلم کو مدعو کیا، اور مختلف حوالوں سے ان کی پذیرائی کی۔ جس میں کینیڈین اردو رائٹرز فورم کی صدر نسیم سید صاحبہ کو گزشتہ دنوں کیلیفورنیا میں اردو رائٹرز سوسائٹی کی جانب سے ایوارڈ ملنا۔ ڈاکٹر تقی عابدی کو دہلی میں غالب اکیڈمی کی جانب سے ''مجدد اُردو'' کا خطاب اور ایوارڈ ملنا۔ سینئر ناول نگار اکرام بریلوی صاحب کے نئے اور معرکۃ الآرا ناول ''حسرت تعمیر'' کی اشاعت۔ سینئر شاعر اور نقاد عبداللہ جاوید صاحب کے تین شعری مجموعات ''موج صد رنگ''، ''حصار امکاں'' اور ''خواب سماں'' دوسری اشاعت۔ سینئر افسانہ نگار شمیم رفیق صاحب کی اہم کتاب ''عصمت آپا'' کی دوسری اشاعت۔ مقبول شاعرہ نسرین سید صاحبہ کے اولین شعری مجموعہ ''ترے خیال کی خوشبو'' کی اشاعت جدید لہجے کے تازہ دم شاعر فیصل عظیم کے پہلے مجموعہ ''میری آنکھوں سے دیکھو'' کی اشاعت اور ٹورنٹو کے معروف شاعرہ درخشاں صدیقی صاحبہ اور ان کے شوہر مدیل صدیقی صاحب کے فریضہ حج کی ادائیگی پر مبارک باد شامل ہیں۔

تمام مہمانوں کے پرتکلف عشائیے کے بعد میزبان تسلیم الٰہی زلفی نے صدرِ محفل اکرام بریلوی صاحب اور مہمان خصوصی عبداللہ جاوید صاحب کی اجازت سے، محفل میں شریک تمام شعرائے کرام سے ان کا تازہ کلام اور افسانہ نگاروں سے ان کے افسانے پیش

کرنے کی درخواست کی۔ شرکائے محفل کے اسمائے گرامی اکرام بریلوی، سلطان جمیل نسیم، عبداللہ جاوید، ڈاکٹر تقی عابدی، شمیم رفیق، اطہر رضوی، نسیم سید، رسول احمد کلیمی، رحمٰن خاور، کلیم ظفر، احمد سلمان، سلمان اطہر، جاوید ظہیر، نسرین سید، درخشاں صدیقی، محمد سعید اقبال میو، پرویز صلاح الدین، سردار علی، حمید الدین، منتقدی قریشی، بیگم منتقدی قریشی، زہرہ علی، سلمان احمد، سعدیہ سلمان، بیگم سلطان جمیل، ندیم سید، عدیل صدیقی، فرقان خواجہ، جمیل جاوید، منور کلیمی، سرفراز علی وغیرہ۔ شام پانچ بجے سے شروع ہونے والی یہ یادگار ادبی محفل نصف شب تک گرم رہی۔

ابوالحسن نغمی
چیئرمین "سول" سوسائٹی آف اردو لٹریچر واشنگٹن امریکہ

ڈاکٹر سید تقی عابدی کے واشنگٹن (سول) آنے پر استقبالیہ کلمات

سول کا اجلاس، اتوار، 21 / نومبر 2010ء

صدرِ محترم! ڈاکٹر سید تقی عابدی

آج آپ کی تشریف آوری پر پُر تکلف، لچھے دار، نقلی اور بناوٹی باتیں کرنے پر دل
آمادہ نہیں ہے۔ ڈاکٹروں کی دُنیا میں آپ کی تین حیثیت ہیں۔ آپ انٹرنسٹ ہیں، آپ
کارڈیالوجسٹ ہیں اور آپ پتھالوجسٹ ہیں۔ دل کے معاملات کو خوب سمجھتے ہیں تو پھر
میں اپنے دل کی بات صاف صاف کیوں نہ کہوں۔

تو بالکل سادہ اور آسان زبان میں، میں یہ کہوں نہ کہوں کہ آپ آئے تو دل بہت
خوش ہوا۔ اور ڈاکٹر صاحب، سچی بات تو یہ ہے کہ اب مجھے بچے جملے بولنے سے جی اوب
چکا ہے، تو میں اس ہال میں بیٹھے ہوئے مہمانوں سے یہ کیوں کہوں کہ ڈاکٹر سید تقی عابدی کی
ذاتِ گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ تعارف کا گوشوارہ تو اتنا بڑا ہے کہ اس کا کوئی "اور چھور"
ہی نہیں لیکن بات یہ ہے کہ اب انٹرنیٹ، گوگل، وکی پیڈیا، یوٹیوب اور ویب سائٹ
نے سب مشکلیں آسان کر دی ہیں تو پھر میں وہ بات کیوں نہ کہوں جو انٹرنیٹ نہیں
جانتا تو اگر میں کسی مبالغے کے بغیر سیدھی سچی بات ہی کہنا چاہوں تو یہ کہے بغیر نہیں رہ
سکتا کہ آپ جتنی کی مشقت کے ساتھ جو مشق فرما رہے ہیں، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے
جگر مرادآبادی زبان میں بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام
نہیں تمام دن مریضوں کو دیکھتے ہیں، تمام رات لیلائے اردو کے گیسو سنوارتے ہیں۔ اب

تک پچاس (50) سے زیادہ نہایت گراں قدر کتابیں لکھ چکے ہیں۔ سال کے بارہ مہینے اُردو کی خاطر زمین کے گولے کے چاروں طرف سفر کرتے ہیں۔ کبھی قرطبہ کی مسجد کے میناروں کے سائے میں اُردو کانفرنس سے خطاب فرماتے ہیں تو کبھی لاہور، دہلی اور حیدرآباد میں اُردو کے شیدائیوں اور فدائیوں کے ہجوم میں نظر آتے ہیں۔

اتنی شدید مصروفیتوں کے باوجود واشنگٹن کی انجمن ادب اُردو سوسائٹی آف اُردو لٹریچر (سول) نے جب کبھی آپ کو بلایا، آپ ضرور ضرور آئے۔ سول کی بنیاد 29، مارچ 2008ء میں رکھی گئی۔ چند ہی روز بعد، اپریل میں آپ ہمارے اجلاس میں تشریف لائے۔ پھر گزشتہ سال سن دو ہزار نو میں ہم نے بلایا، اور آپ آئے۔ اس سال بھی ایسا ہی ہوا، ہم نے بلایا، آپ آگئے۔

آپ کا تازہ ترین کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے غالبؔ کے خستہ حال فارسی دیوان کو الماری سے نکالا، اس کی گرد جھاڑی، اسے دھوپ دکھائی، پھر آنکھوں سے لگایا، اُسے مدوّن کیا اور پھر اسے بیک وقت دہلی اور تہران سے شائع فرمایا۔ ایران والے فارسی کے معاملے میں کسی غیر ایرانی کو آسانی سے خاطر میں نہیں لاتے۔ پوچھتے کہ غالبؔ کون؟ غالبؔ نے گویا آپ کی طرف دیکھ کر کہا:

پوچھتے ہیں، وہ کہ غالبؔ کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

تو آپ نے ایران والوں کو غالبؔ ہی کے شعر میں جواب دیا:

غالب نام آورم، نام و نشانم مپرس
ہم اسد اللہ ستم ہم اسد اللّٰہیم

آپ نے غالبؔ کا فارسی دیوان شائع فرما کر غالبؔ کو نہ صرف ایران بلکہ افغانستان، تاجکستان، آذربائیجان اور ازبکستان کے لوگوں میں متعارف فرمایا ہے۔ یہ آپ کا تازہ ترین کارنامہ ہے۔ آپ کو بے حد مبارک ہو۔

آپ نے غالبؔ کے فارسی دیوان کی اولین رونمائی کے لیے امریکا میں سول کو منتخب فرمایا۔ آپ کا بے حد شکریہ۔ آپ رونمائی کی اس رسم کے لیے کینیڈا سے یہاں آئے

مہینے میں تشریف لائے ہیں جو اقبالؔ کا ماہ ولادت ہے۔ اقبالؔ، غالبؔ کے عظیم ترین مداح تھے۔ آپ ان دونوں شاعروں کے مداح ہیں اور ہم لوگ آپ کے بھی مداح ہیں اور غالبؔ اور اقبالؔ کے بھی شیدائی ہیں۔ آپ کی تشریف آوری کا بے حد شکریہ۔

اُردو مرکز انٹرنیشنل امریکہ کی جانب سے ڈاکٹر تقی عابدی کو حسان ایوارڈ پیش کیا گیا۔

ڈاکٹر سید تقی عابدی کی ادبی خدمات کو سراہتے ہوئے اُردو مرکز انٹرنیشنل امریکہ کی جانب سے ''حسان اُردو انٹرنیشنل ایوارڈ'' شیلڈ کے ساتھ 2 ہزار ڈالر کے چیک کی شکل میں دیا گیا۔

اُردو مرکز انٹرنیشنل کیلیفورنیا کے سالانہ انٹرنیشنل مشاعرہ جس کی صدارت جناب حمایت علی شاعر نے کی اور جس میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے ڈاکٹر سید تقی عابدی نے شرکت کی۔ یکم دسمبر بروز ہفتہ لاس اینجلس میں شاندار طور پر منایا گیا جس میں پاکستان سے حمایت علی شاعر، ذکیہ غزل، اختر شمار، ہندوستان سے خواہ مخواہ حیدرآبادی، کینیڈا سے تقی عابدی، جاپان سے سویمانے یاسر، مری لینڈ سے نفیس الاعظم، سیاٹل امریکہ سے ظفر رضوی اور دوسرے مقامی شعراء شامل تھے۔ محترمہ نیر جہاں صاحبہ صدر مرکز اس مشاعرہ کی روح رواں تھیں۔ جس کے ناظم جناب مجید اختر تھے۔ مشاعرے میں 8 سو کے قریب اُردو کے پرستار موجود تھے۔ اس مشاعرے میں محترمہ نفیس الاعظم کو بہترین نثری تخلیق ''خواب بدوش'' پر احمد اوایا ایوارڈ (5 ہزار ڈالر نقد)، پروفیسر سویمانے یاسر جو اوسا کا یونیورسٹی جاپان میں تدریس اُردو کرتے ہیں ''قاضی شفیع محمد فخر اردو انٹرنیشنل ایوارڈ (2 ہزار ڈالر نقد) اور ڈاکٹر سید تقی عابدی کو ''حسان اُردو انٹرنیشنل ایوارڈ'' دیا گیا۔ اس مشاعرے میں صرف مہمان شعراء نے اپنا کلام سنایا۔ مشاعرہ کے آغاز سے پہلے پر تکلف عشائیہ دیا گیا۔ یہ محفل رات کے ڈیڑھ بجے تک جاری رہی۔ محترمہ نیر جہاں صاحبہ اور ان کے شریک حیات ذہانت حسین صاحب نے ایک خوب صورت سونیر مولانا رومی کی آٹھ سو ویں سالگرہ پر صوفی تحریک کا مختصر جائزہ پر نکالا۔

خالق حسین صدیقی

آرٹ پیپر پر خوب صورت لیدر جلد سے مزین شائع ہونے والی
ڈیڑھ ہزار صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب

ڈاکٹر تقی عابدی کی تصنیف و تالیف فیضیات میں بڑا اضافہ

پانچویں عالمی اُردو کانفرنس اور جشنِ فیض میں منیزہ ہاشمی نے ''فیض فہمی'' کی رسم رونمائی انجام دی

پانچویں عالمی اُردو کانفرنس اور فیض کے صد سالہ جشن کے موقع پر جو ''اردو ٹائمز'' کی سرپرستی میں نیویارک میں منعقد ہوا۔ بروز جمعہ 24/جون 2011ء کو ممتاز محقق، شاعر، دانشور ڈاکٹر سید تقی عابدی کی شاہکار کتاب ''فیض فہمی'' کی رسم رونمائی انجام ہوئی جو اس تقریب کی خاص توجہ کا مرکز بنی رہی۔ اس کتاب میں 162 مضامین کے ذریعہ عظیم شاعر فیض احمد فیض کی شخصیت، شاعری، نثری تخلیقات کا ہر زاویۂ نظر سے جائزہ لیا گیا ہے۔ فیض احمد فیض کی چھوٹی بیٹی منیزہ ہاشمی اور پروفیسر گوپی چند نارنگ نے افتتاحیہ اجلاس کے دوران اس کتاب کی رونمائی کی۔ محترمہ منیزہ ہاشمی نے کتاب کو فیض سے محبت رکھنے اور فیض کو پڑھنے والوں کے لیے ایک انمول تحفہ قرار دیا۔ پروفیسر نارنگ نے ''فیض فہمی'' کو عظیم ترین اور تاریخی تحفہ قرار دیا اور کہا کہ ''یہ کتاب فیض پر تحقیق کرنے والوں کے لیے ایک بڑا خزانہ ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر تقی عابدی نے اپنے ذاتی خرچے سے شائع کروائی ہے تاکہ بغیر کسی قیمت کے فیض کے چاہنے والوں اور فیض پر کام کرنے والوں کو تحفہ کے طور پر پیش کی جا سکے۔'' اس کتاب میں تقریباً پچاس (50) سے زیادہ مضامین ڈاکٹر تقی عابدی نے لکھے ہیں۔ کتاب کے پیچھے آرٹسٹ ایم ایف حسین کی قلم سے بنائی ہوئی 1976ء کی تصویر بھی چمڑے کی جلد پر پرنٹ کی گئی ہے۔ اس کتاب کی خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں فیض کا غیر مدون کلام بھی موجود ہے جو ان کے کلیات میں شامل نہیں ہے۔

عائشہ تنظیم

27/جون 2011ء

نیویارک میں پانچویں عالمی اردو کانفرنس کا انعقاد

نیویارک میں منعقد پانچویں عالمی اردو کانفرنس کا اختتام اتوار کی شام پاکستان کے مشہور شاعر و مصنف امجد اسلام امجد کی صدارت میں منعقد کی گئی محفل مشاعرہ سے ہوا۔ اس سہ روزہ کانفرنس میں پاکستان، بھارت، برطانیہ، امریکہ اور کینیڈا سے اردو شعراء اور اردو ادب سے متعلق اہم شخصیات نے شرکت کی۔

اردو کے معروف شاعر فیض احمد فیضؔ کی پیدائش کی صد سالہ تقریبات کی نسبت سے اس کانفرنس میں فیضؔ کی بیٹی منیزہ ہاشمی کو مہمان خصوصی کے طور پر مدعو کیا گیا تھا جنھوں نے لاہور میں جاری ''فیض گھر'' پراجیکٹ پر گفتگو کی اور اس کی ڈاکومنٹری فلم بھی دکھائی۔

افتتاحی اجلاس میں کینیڈا کے ادیب ڈاکٹر تقی عابدی کی چودہ سو صفحات پر مشتمل کتاب ''فیض فہمی'' کی تقریب رونمائی بھی کی گئی۔ اس کے علاوہ مشاعرے کی سرخیوں میں ایک شام غزل بھی شامل تھی جس میں بھارت سے آنے والی فنکارہ سیما سہگل نے اپنے فن سے حاضرین کو محظوظ کیا۔

نیویارک سے چھپنے والے اُردو اخبار ''دی اردو ٹائمز'' کے تحت اس پانچویں عالمی اردو کانفرنس کے منتظم خلیل الرحمان نے بتایا کہ ''اس سے پہلے اُردو پر امریکہ میں جو بھی پروگرام ہوئے وہ عموماً چند گھنٹے سے زیادہ کے نہیں ہوتے تھے۔''

ان کا کہنا تھا کہ ''ان کانفرنس میں اُردو کو درپیش مسائل پر تفصیلی گفتگو کی جاتی ہے، مقالے پیش کیے جاتے ہیں، کتابی میلہ ہوتا ہے، محفل مشاعرہ اور شام غزل منعقد کی جاتی ہے اور نایاب کتابوں کی نمائش بھی کی جاتی ہے۔''

اُردو کے فروغ پر ان کا کہنا تھا کہ ''آج ہمارا اس را دانشور کاروبار کر رہا ہے۔

ہمارے شاعر، ادیب کسی زبان کی کوئی خدمت نہیں کر رہے۔ کچھ لوگ ہیں جو بہت اچھے لوگ ہیں مگر ان کی شہرت، مرتبہ اور مقام وہ نہیں ہیں جو انھیں ملنا چاہیے۔ کیوں کہ وہ اتنے شریف لوگ ہیں کہ وہ اپنا قد بڑھانے کے لیے کچھ نہیں کرتے۔''

اس کانفرنس کو فیض سے نسبت دینے کی وجہ بتاتے ہوئے مسٹر رحمان نے کہا کہ ''فیض سے میں بہت پیار کرتا ہوں اور وہ میرے نظریاتی پیر ہیں۔''

لندن سے کانفرنس میں شرکت کے لیے آئے ڈیوڈ میتھیوز چالیس برس تک لندن یونیورسٹی میں اُردو پڑھاتے رہے ہیں اور کچھ عرصہ قبل ہی ریٹائر ہوئے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اس طرح کی کانفرنسیں انھیں بہت پسند ہیں کیوں کہ ''بہت پرانے دوستوں سے ملاقات ہو جاتی ہے۔''

ڈاکٹر حبیب رحیم نے بھی اس کانفرنس میں ایک مقالہ پیش کیا۔ ان کے مطابق اس قسم کی کانفرنس سے دو قسم کے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ادبی سطح پر اس کانفرنس کے ذریعے نئی کتابیں، نئے مقالے، نئی تحقیق وغیرہ سامنے آتی ہے۔ جب کہ سماجی سطح پر وہ لوگ جو گزشتہ کانفرنسوں میں مل چکے ہیں، انھیں موقع مل جاتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے اپنے کام پر بات کر سکیں اور نئے مسائل کی دریافت میں ایک دوسرے کی مدد کر سکیں۔

خلیل الرحمان کا کہنا ہے کہ وہ اگلی عالمی اُردو کانفرنس کیلی فورنیا کے شہر لاس اینجلس میں کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

واشنگٹن

5/اپریل 2013

ابوالحسن نغمی کی کتاب
''سعادت حسن منٹو'' کی تقریبِ رونمائی

پاکستان میں گزشتہ دنوں اُردو زبان کی ترویج و ترقی اور اُردو ادب کے فروغ کے سلسلے میں چند ادبی میلوں کا بڑا شہرہ رہا۔ ہم ان میلوں میں تو شامل نہ ہو سکے کہ اس کے لیے پاکستان جانا پڑتا۔ لیکن پچھلے دنوں ہم نے ایک ایسی منفرد محفل میں شرکت کی جہاں پاکستان سے دور ہونے کے باوجود اُردو زبان اور اُردو ادب کا رنگ بہت نمایاں تھا۔

ہم بات کر رہے ہیں واشنگٹن میں اُردو کی ادبی تنظیم ''سول'' (سوسائٹی آف اُردو لٹریچر) کی جانب سے منعقد کی جانے والی ایک ایسی تقریب کی جو دو حصوں پر مشتمل تھی۔ پہلا حصہ اُردو کی اس ادبی تنظیم کی پانچویں سالگرہ اور امریکہ میں ''سول'' کی ادبی خدمت پر روشنی ڈالنے پر مشتمل تھا۔ جب کہ دوسرے حصے میں سول کے بانی اور مصنف ابوالحسن نغمی کی کتاب ''سعادت حسن منٹو: ذاتی یادداشتوں پر مبنی اوراق'' کی تقریبِ رونمائی تھی۔

تقریب کی نظامت کے فرائض جناب ذوالفقار کاظمی نے ادا کیے۔ وہ تقریب کے دونوں حصوں کو عمدہ طریقے سے لے کر چلے اور تقریب کی طوالت کے باوجود حاضرین کی دلچسپی کو برقرار رکھنے میں کامیاب بھی رہے۔

ابوالحسن نغمی نے ''سول'' کے ماضی، حال اور مستقبل پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ''جب پانچ سال قبل انھوں نے ''سول'' کی بنیاد ڈالی تھی تو انھیں اندازہ نہیں تھا کہ یہ تنظیم آہستہ آہستہ اپنی جڑیں مضبوط کرتی چلی جائے گی۔'' انھوں نے کہا کہ ''انھیں خوشی ہے کہ ان کا بویا ہوا بیج ایک پودے کی شکل اختیار کر چکا ہے اور آہستہ آہستہ گھنا درخت بن جائے گا۔''

تقریب کے پہلے حصے میں واشنگٹن کے ادبی حلقوں کے صاحب طرز شاعر عبدالرحمان صدیقی نے بھی نظم پڑھی جسے حاضرین محفل نے بہت سراہا۔ ان کے علاوہ یوسف راحت، مونا شہاب اور فیض الدین صاحب نے بھی نظمیں سنائیں۔ یاسمین نغمی نے گفتگو میں ''سول'' کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالی جب کہ عبیدالرحمن اور خلیل الرحمن نے اپنی تقریروں میں تنظیم کے قیام اور کام کی تعریف کی۔ پہلے حصے کے اختتام پر ''سول'' کی سالگرہ کی مناسبت سے کیک بھی کاٹا گیا۔

تقریب کے دوسرے حصے کے آغاز کا ایک خوش گوار پہلو فلم اسٹار ریما کی آمد اور تقریب سے ان کا خطاب تھا۔ ریما نے ہمیشہ کی طرح اپنے نرم لہجے میں گفتگو کی اور سبھی کے دل موہ لیے۔ انھوں نے دیارِ غیر میں اُردو کے فروغ کی کاوشوں کو سراہا۔

اداکار نور نغمی نے منٹو پر کتاب کی رونمائی کے حوالے سے سعادت حسن منٹو کا ایک افسانہ ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' عمدہ انداز میں پڑھ کر سبھی سے داد وصول کی۔ تقریب کے ناظم ذوالفقار کاظمی نے اس موقعے پر کتاب کے پبلشر ''سنگ میل'' کی جانب سے خصوصی پیغام پڑھ کر سنایا جس میں ناشر نے صاحب کتاب کی کاوش کو سراہا اور مبارک باد پیش کی۔

وائس آف امریکہ سے تعلق رکھنے والے خالد حمید نے بھی اس موقعے پر تقریر کی اور ابوالحسن نغمی کی کاوشوں کی تعریف کی۔

شاعر ستیہ پال آنند نے ابوالحسن نغمی کے ساتھ اپنی پرانی یادیں تازہ کیں اور اس کتاب کو بھارت سے ہندی میں چھپوانے کا عندیہ بھی دیا۔

اُردو کے محقق اور نقاد ڈاکٹر معظم صدیقی نے بھی کتاب ''سعادت حسن منٹو ذاتی یادداشتوں پر مبنی ادبی تاریخ'' کی تعریف کی۔ ان کی تقریر میں مزاح کا عنصر نمایاں رہا جس نے حاضرین محفل کو اپنی گرفت میں لیے رکھا۔

پروگرام کے آخر میں سولہ سالہ نوجوان محمد عارف نے صدر محفل تقی عابدی سے سوال کیا کہ ''امریکہ میں بڑے ہونے والے بچے اُردو کس طرح سیکھیں؟''

جس پر صدر محفل اور اُردو ادب کے نقاد ڈاکٹر سید تقی عابدی نے شمالی امریکہ اور کینیڈا میں اُردو کے فروغ کے لیے جدید بنیادوں پر اقدامات اٹھانے پر زور دیا۔ ان کا کہنا

تھا: ''اُردو کے رسم الخط کی حفاظت ضروری ہے۔ اور اس کے لیے ہم ایک سوفٹ ویئر پر کام کر رہے ہیں۔''

ڈاکٹر تقی عابدی کا مزید کہنا تھا کہ ہمیں اپنے آپ سے یہ سوال کرنا ہوگا کہ آیا اُردو ادب صرف کانوں کی زبان بن کر رہ سکتی ہے؟ اگر نہیں، تو اس کی ترقی، ترویج کے لیے ہر صاحب زبان کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔

"سول گزٹ"
واشنگٹن
13/دسمبر 2016ء

سول کا آئندہ اجلاس اتوار 18/دسمبر 2016ء کو منعقد ہوگا
ڈاکٹر سید تقی عابدی نے اپنی تشریف آوری کی توثیق کر دی ہے
ڈاکٹر عابدی کی تین گراں قدر کتابوں کی رونمائی کی تقریب ہوگی
اجلاس کو خواجہ الطاف حسین حالؔی کے ذکر خیر کے لیے مختص کر دیا گیا ہے
ڈاکٹر عابدی، حالؔی کے بارے میں توسیعی لکچر ارشاد فرمائیں گے

اب سے آٹھ سال پہلے انجمن ادب اردو، سوسائٹی آف اردو لٹریچر (سول) کا اولین اجلاس ہفتہ 29/مارچ 2008ء کو سپرنگ فیلڈ ورجنیا کی پبلک ریجنل لائبریری میں منعقد ہوا۔ چند ہی دن بعد محبی و مشفقی ڈاکٹر سید تقی عابدی نے فون پر ارشاد فرمایا کہ "نغمی صاحب میری تازہ ترین کتاب شائع ہوئی ہے، کیا اس کے تعارف کی کوئی تقریب ہو سکتی ہے؟"

"جی ہاں ہو سکتی ہے۔"

"شکریہ تو پھر مجھے تفصیلات سے کب مطلع فرمائیے گا؟ میں نہایت مختصر سے عرصے کے لیے آپ کے شہر میں حاضر ہوا ہوں اور 12/اپریل کی شام کو آپ کی اجازت سے رخصت ہو جاؤں گا۔"

یاسمین نغمی، ابوالحسن نغمی
امریکہ

شاعرِ مشرق علامہ اقبالؔ غالبؔ کی مدح کرتے ہوئے کہا ع

لطف گویائی میں تیری ہمسری ممکن نہیں

اور اقبالؔ کے مداح سر عبدالقادر نے شاعرِ مشرق علامہ اقبالؔ کے بارے میں کہا "کسے خبر تھی کہ غالبؔ مرحوم کے بعد پھر کوئی ایسا شخص پیدا ہوگا جو اردو شاعری کے جسم میں ایک نئی روح پھونک دے گا۔"

عہدِ حاضر میں عالمی شہرت کے دانشور، ڈاکٹر تقی عابدی نے غالبؔ اور اقبالؔ دونوں پر تحقیقی کارنامے سرانجام دیے ہیں۔ انہوں نے غالبؔ کا فارسی کلیات مدوّن کیا، جو دہلی سے شائع ہوا۔ اور حال ہی میں "دیوان غالب دہلوی" کے عنوان سے ایران میں شائع ہوا، اور اس طرح فارسی بولنے والوں میں پہلی مرتبہ ایران، افغانستان، تاجکستان اور ازبکستان میں وسیع پیمانے پر غالبؔ کو روشناس کرایا۔

نومبر اقبالؔ کا ماہِ ولادت ہے، اس لیے SOUL نے طے کیا کہ ڈاکٹر عابدی سے گزارش کی جائے کہ وہ ہمارے اجلاس میں تشریف لائیں اور غالبؔ اور اقبالؔ کی شاعری اور زندگی کے بارے میں نہ صرف ہم سے خطاب فرمائیں، بلکہ ہمیں بھی اپنی گفتگو میں شامل کرلیں اور سوال و جواب کی یہ پرلطف گفتگو ریکارڈ ہوکر ہمارے ادب کا لازوال سرمایہ بن کر ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے۔

ڈاکٹر سید تقی عابدی اُردو میں 35 سے زیادہ نہایت بلند پایہ کتابوں کے مصنف ہیں اور ان کی خدمت میں دُنیا کی نہایت مقتدر علمی اور ادبی انجمنوں نے ایوارڈ پیش کیے ہیں۔ ڈاکٹر عابدی کی مصروفیات کا یہ عالم ہے کہ سال کے بارہوں مہینے اپنے علمی اور ادبی لیکچرز کے سلسلے میں دیس دیس کے سفر کرتے رہتے ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ اپنی گوناگوں مصروفیت کے باوجود جب ہم نے تشریف لانے کے لیے کہا تو نہ صرف یہ کہ انہوں نے

ہماری درخواست منظور فرمائی، بلکہ SOUL کے اسی اجلاس میں اپنے مدون کردہ دیوان غالب کی رونمائی کا بھی اعلان فرمایا۔

ہم نہایت جوش وخروش اور خلوص کے ساتھ آپ کو اس یادگار تقریب میں شرکت کی دعوت دیتے ہیں اور یہ بھی گزارش کرتے ہیں کہ آپ اس دعوت نامے کو اپنے حلقۂ اثر میں بھی انٹرنیٹ کے وسیلے سے ارسال فرمائیں تاکہ یہ آگاہی ہو جائے کہ اب امریکی دارالحکومت میں بھی ادبی چہل پہل اپنے عروج پر ہے۔ شکریہ

خیر اندیش
یاسمین نغمی
ابوالحسن نغمی

اے کے راؤ

(پیرس)

2011ء

پیرس میں تقریب "فیض فہمی"

کینیڈا سے ڈاکٹر تقی عابدی، گلاسگو سے راحت زاہد کی شمولیت بزمِ سخن کے تحت منعقد ہونے والی تقریب کا اہتمام محترمہ سمن شاہ اور محترمہ ناصرہ فاروقی نے کیا۔ پروگرام کے آغاز میں شریف اکیڈمی کی روایت کے مطابق شمع روشن کی گئی اور دُنیا بھر میں علم، ادب کی روشنی پھیلانے کا عزم کیا گیا۔ سمن شاہ نے ڈاکٹر تقی عابدی کو شریف اکیڈمی ایوارڈ برائے فیض احمد فیض کا سرٹیفکیٹ پیش کیا اور شفیق مراد کے پیغام کے مطابق محترمہ ناصرہ فاروقی کو فرانس کے لیے شریف اکیڈمی کا ڈائریکٹر نامزد کرنے کا اعلان کیا۔

فیض احمد فیض کے فکر و فن پر "فیض فہمی" کے عنوان سے ڈاکٹر سید تقی عابدی نے توسیعی لیکچر دیا۔ جسے سامعین نے انتہائی انہماک سے سنا۔ بعد ازاں سوال و جواب کا سلسلہ ہوا اور فیض کے فکر و فن سے آگاہی حاصل کی۔ مشاعرے میں فرانس کے شعراء کے علاوہ یورپ کے دیگر ممالک کے شعراء نے بھی شرکت کر کے محفل کو رونق بخشی۔

ڈاکٹر ارم بتول قادری
1 رجولائی 2010ء

پہلی سہ روزہ عالمی قرطبہ (کوردوبا) اُردو کانفرنس 2010ء (بارسیلونا)

جرمنی میں مقیم اہل قلم ڈاٹ کام کے اراکین نے اس تنظیم کے سربراہ اور روحِ رواں شہزاد ارمان کی سرکردگی میں شریف اکیڈمی جرمنی کے سرپرست شفیق مراد اور ریڈیو پاک سیلونا کے چیئرمین راجہ شفیق کیانی کے تعاون سے اسپین کے دو خوب صورت شہروں بارسیلونا اور کوردوبا (قرطبہ) میں تین روزہ اردو کانفرنس کا شاندار انعقاد کیا۔ اُردو ادب کی تاریخ میں اس سہ روزہ کانفرنس کو اولیت کے ساتھ ساتھ یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ ان تین دنوں کے دوران پہلے اور تیسرے دن یعنی یکم جولائی اور تین جولائی کو عالمی کانفرنس کے دو علیحدہ علیحدہ اجلاس دو مختلف شہروں میں برگزار ہوئے جن کا درمیانی فاصلہ آٹھ سو کلومیٹر سے زیادہ ہے۔ یہی نہیں بلکہ دونوں شہروں میں شرکت کرنے والوں کی بہت زیادہ تعداد رات دیر گئے کانفرنس اور مشاعروں میں موجود رہی۔

اسپین کے مشرقی ساحل پر قدیم تہذیب کا نقیب خوب صورت شہر بارسیلونا آج تک اندلس کی علمی اور ثقافتی امانتوں کا امین ہے۔ اسی شہر میں ریڈیو پاک سیلونا کا مرکزی دفتر بھی موجود ہے جو اسپین میں اُردو کا مرکز بھی ہے۔ یہاں اُردو داں افراد کی تعداد پچیس ہزار سے بھی زیادہ ہے جن میں صرف پاکستانیوں کی تعداد بیس ہزار کے لگ بھگ ہے۔ اس علم دوست تاریخی شہر کے موقر ادارہ "کاسا ایشیا" کے خوب صورت ہال میں اُردو پرستاروں کی کثیر تعداد کی موجودگی میں یکم جولائی شام کے چار بجے ریڈیو پاک سیلونا کی میزبانی اور اہل قلم ڈاٹ کام کی ہمکاری سے کانفرنس کا آغاز ہوا۔ تلاوت کلام پاک اور نعت رسول مقبول

کے بعد ارم بتول قادری نے اسٹیج پر لڑکیوں کے ساتھ جن کے ہاتھوں میں روشن شمعیں تھیں۔ دعائیہ انداز میں علامہ اقبال کی دعا "لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری" پڑھی۔ اس مناجاتی دعا کے بعد پاکستان کے مقامی قونصل جنرل محترم ایاز حسین نے شمع روشن کر کے باقاعدہ قرطبہ اردو کانفرنس کی کارروائی کا آغاز کیا۔ کینیڈا سے تشریف لائے ہوئے دانشور اور شاعر ڈاکٹر تقی عابدی کو کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے اسٹیج پر آنے کی دعوت دی گئی۔ ان کے علاوہ اسٹیج پر اعزازی مہمانوں کو بھی مدعو کیا گیا جن میں جرمنی سے عارف نقوی، نیویارک سے ڈاکٹر عبدالرحمان عبد، لاس اینجلس سے ریحانہ قمر، کینیڈا سے روبینہ فیصل، انگلینڈ سے ڈاکٹر ابراہیم شیخ اور جرمنی سے شکیل چغتائی انجم بلوچستانی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ محمد فاروق نسیم اور معروف شاعرہ محترمہ نور الصباح تیمیں برلاس نے انگلینڈ سے جب کہ طاہر عدیم جو جرمنی سے میر کارواں تھے قافلہ اہل قلم کے، انھوں نے اپنی اہلیہ کے ہمراہ، اور مبشرہ روبینہ نازی اور مختار بھٹ نے جرمنی سے کانفرنس میں خصوصی شرکت کی۔

بارسیلونا کانفرنس میں وقت کی کمی کے باعث، چند مقالہ جات کو قرطبہ کانفرنس تک ملتوی کرنا پڑا۔ جن میں محترمہ نور الصباح تیمیں برلاس، شکیل چغتائی، انجم بلوچستانی اور محمد فاروق نسیم کے عمدہ مقالہ جات قابل ذکر ہیں۔ ان کا مفصل ذکر قرطبہ اردو کانفرنس کی رپورٹ میں کیا جائے گا۔ اس کانفرنس کی نظامت کے فرائض جرمنی کی جواں سال شاعرہ ارم بتول اور پاک سیلونا ریڈیو کے مبصر حافظ احمد نے انجام دیے۔ بارسیلونا میں مقیم پاکستانی قونصل جنرل محترم سید ایاز حسین نے عالمی کانفرنس کو نیک شگون بتا کر اس کی اہمیت اور ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے حکومت پاکستان کی جانب سے مبارک باد دی اور اپنے بھرپور تعاون کا بھی اعلان کیا۔

کینیڈا سے آئی ہوئی ادیبہ اور صحافی روبینہ فیصل نے دنیائے ادب کے مستند حوالوں اور تلخ تجربات سے مثالیں دیتے ہوئے اردو ادب کے حامیوں کے لیے لمحہ فکریہ پر زور دیا تاکہ اس نازک اور مشکل وقت میں ہر طرح سے اردو کی حفاظت کرتے ہوئے اسے ہر طرح کا تحفظ فراہم کیا جائے۔ بنیادی تعلیم، رسم الخط کی حفاظت اور گھروں پر بچوں کو اردو سکھانے کی شدید اور فوری اہمیت کا اظہار کیا۔ سامعین نے ان کے مقالے کا بھرپور استقبال کیا۔

نیویارک کے مہمان شاعر ڈاکٹر عبدالرحمان عبد نے امریکہ میں چونتیس سالہ قیام کے دوران پیش آنے والے اردو مسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے اردو انجمنوں اور اداروں کے قیام اور ہمکاری پر بھی زور دیا۔ انگلینڈ سے تشریف لائے ہوئے مہمان ڈاکٹر ابراہیم شیخ نے اس جلسہ کو اردو ارتقا میں مثبت کام بتایا۔ انھوں نے اندلس کے عربی شعراء پر اپنے تحقیقی اور تجزیاتی کام پر بھی روشنی ڈالی۔ پاک سیلونا ریڈیو کے روح رواں راجہ کیانی صاحب نے اردو اور ہسپانوی زبان میں مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے ریڈیو پاک سیلونا کی خدمات اور تجربات پر گفتگو کی۔ انھوں نے بارسیلونا کی ایک اہم شخصیت کو بھی اسٹیج پر مدعو کر کے کاسا ایشیا کے بھرپور تعاون کا شکریہ ادا کیا۔ ہسپانوی مہمان نے ادب دوستی کو انسانی دوستی سے تعبیر کیا اور ہر مثبت تعاون کی پیش کش بھی کی۔ آخر میں محترم ڈاکٹر تقی عابدی صاحب نے اپنے صدارتی خطبہ میں اس عالمی کانفرنس کی تحریک کے علم بردار، اہل قلم ڈاٹ کام اور مرکزی کمیٹی کے چیئرمین شہزاد ارمان کی کوششوں کو سراہا جن کی بدولت یہ کانفرنس کامیاب ہوئی۔ اس کے علاوہ اراکین اہل قلم ڈاٹ کام نے شریف اکیڈمی کے سرپرست شفیق مراد اور پاک سیلونا ریڈیو کے ڈائریکٹر راجہ شفیق کیانی کے تعاون اور میزبانی کی بھی قدردانی کی۔

ڈاکٹر عابدی صاحب نے بتایا کہ "آج اردو، دنیا کے ہر بڑے ملک میں بولی جاتی ہے۔ لگ بھگ چالیس کروڑ افراد اس کو سمجھ سکتے ہیں لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ بنیادی تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے اکثریت لکھنا اور پڑھنا نہیں جانتی اس لیے اردو، اب کانوں کی زبان بن کر رہ گئی ہے۔ سو سال قبل اردو ترقی بورڈ بنا اور آج اردو تحفظ بورڈ کی ضرورت لاحق ہے۔ اردو کا رسم الخط اردو کے بدن پر لباس نہیں بلکہ اس کی چمڑی ہے جس کے بدلنے سے جسم زندہ نہیں رہ سکتا۔ اردو کی چھوٹی نئی بستی اسپین کو بھی دوسری بستیوں کی طرح گہوارہ اردو یعنی برصغیر کے مراکز سے مسلسل ارتباط برقرار رکھنا ہوگا۔ اردو کو روٹی سے جوڑنے کا مسئلہ سب سے اہم ہے تاکہ اردو پڑھنے والوں کو روزگار میں سہولتیں ہوں۔ اردو تہذیب کی حفاظت اردو کے لسانی، ثقافتی، علمی اور ادبی نکات پر بھی روشنی ڈالتے ہوئے اسپین میں اس پہلی اور تاریخی کانفرنس کو اردو ارتقا کا ایک نیا موڑ بتایا۔

اس کانفرنس کی نظامت کرتے ہوئے حافظ احمد نے اردو عصری مسائل پر زور دیا

اور اپنے خوب صورت لب و لہجے میں اُردو ادب کی آواز کو سامعین تک پہنچانے میں نہایت کامیاب رہے۔ ارم بتول نے بھی اپنے مخصوص اور منفرد انداز میں خوب صورت تعارفات کے ساتھ ساتھ شعر و ادب کے عمدہ اقتباسات پیش کیے جنھیں سامعین نے بہت سراہا۔

صدرِ محفل نے ان ناظمین جلسہ اور خاص طور پر حافظ احمد کی صلاحیتوں کو سراہتے ہوئے کہا کہ ''اس قدر جامع اور مربوط بات چیت کرتے ہوئے نظامت کے فرائض نبھانے کی مثال انھیں اپنے تیس سالہ جلسوں کے ریکارڈ میں نہیں ملتی۔

ڈاکٹر تقی نے مائیک پر آکے حاضرین سے کہا کہ ''اگر اُردو کی باگ ڈور شہزاد ارمان اور ارم بتول جیسے جانباز اور نڈر مجاہدین کے ہاتھ میں ہے تو اُردو کے مستقبل کو کسی بھی خطرے، کسی بھی قسم کے نقصان کا احتمال نہیں ہے۔ یہ اُردو کے مستقبل کے روشن ستارے اور نوجوان نسل کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔'' کانفرنس کی پروفیشنل فوٹوگرافی اور ریکارڈنگ میں محترمہ زیبا ارمان اور جناب شاہد منور نے نہایت فعال کردار ادا کرتے ہوئے اس تاریخی موقع کی کارروائی کو آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کیا۔ پہلی کانفرنس کا پہلا اجلاس خطبہ صدارت پر ختم ہوا۔

مرکزی کمیٹی کے چیئرمین شہزاد ارمان نے کانفرنس کے پہلے اجلاس کے اختتام کا اعلان کرتے ہوئے مشاعرہ کی نشست کا انتظام اور مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ کانفرنس میں وقت کی کمی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ایوارڈز اور شیلڈز کو عشائیہ کے بعد ایک عمدہ دیسی ہوٹل میں تقسیم کرنے کا اعلان کیا گیا جو نہایت اعلیٰ پیمانے پر بہت ہی عمدگی سے انجام پذیر ہوا۔ اور اس محفل کے دوران بھی علمی اور ادبی گفتگو کے ساتھ ساتھ شعر و شاعری کا خوب صورت سلسلہ محفل کے حسن کو دوآتشہ کرتا رہا۔

روزنامہ "آپ" لاہور

22/جولائی 2010ء

دُنیا آج ترقی کے جس مقام پر ہے اِس کی بنیاد مسلمانوں نے رکھی

محترمہ سمن شاہ کا قرطبہ کانفرنس سے خطاب

ڈائریکٹر میڈیا شریف اکیڈمی جرمنی APNA انٹرنیشنل

مسلمانوں کے تاریخی شہر قرطبہ اسپین میں "اہل قلم" کے زیر اہتمام اور شریف اکیڈمی کے تعاون سے پہلی قرطبہ عالمی اُردو کانفرنس 3/جولائی 2010ء کو منعقد کی گئی، جس کی صدارت جناب ڈاکٹر تقی عابدی صاحب نے کی۔ کانفرنس کا مقصد اُردو زبان کی ترقی، ترویج کے لیے جو کام ہو رہا ہے اس کی موجودہ صورت حال، اُردو کی نئی بستیوں میں مسائل اور اُردو رسم الخط کے ساتھ سرزمین اندلس پر مسلمانوں کی خدمات اور موجودہ حالات پر گفتگو شامل تھی۔ نامور شاعرہ اور نثر نگار سمن شاہ فرانس سے اس کانفرنس میں شرکت کے لیے تشریف لائیں۔ سمن شاہ جو یورپ کے ادبی حلقوں میں اپنی پہچان رکھتی ہیں۔ شریف اکیڈمی کے پلیٹ فارم پر فرانس میں علم و ادب کی ترویج و اشاعت کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ انھوں نے اپنا پرمغز اور پرمعنی مقالہ پیش کیا جس میں سرزمین اندلس میں مسلمانوں کی علمی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ "دنیا آج ترقی کے جس مقام پر ہے اس کی بنیاد مسلمانوں نے رکھی۔" انھوں نے تجویز پیش کی کہ "ہمیں ایسے اداروں کی بنیاد رکھنی چاہیے جن کا مقصد ان تاریخی شخصیات کو پاکستان اور تمام امت مسلمہ کے نوجوان ذہنوں کو زرخیز کرنا ہو۔ یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے نصاب میں تاریخ کے یہ روشن پہلو اس طرح شامل کریں؟

بچے کو مسلمانوں کی عظمت پر فخر ہو پاکستان کے نصاب میں عربی اور فارسی زبان کو لازمی قرار دیا جائے کیوں کہ ہمارے بچے نہ صرف صحیح معنوں میں تاریخ سے روشناس ہو سکیں بلکہ ان کے اندر قومی وقار پیدا کیا جا سکے ادبی مشاعروں اور کانفرنس میں صرف شاعری اور مقالہ پڑھ کر ہم اپنے فرض سے سبکدوش نہیں ہو جاتے اپنی بقا کے لیے ہمیں عملی کردار ادا کرنا ہوگا انھوں نے مزید کہا کہ ''میں ڈاکٹر سید تقی عابدی سے درخواست کروں گی کہ وہ اس سلسلے میں پاکستان کی حکومتی سطح اور وزیر تعلیم تک اپنے وسائل اور اختیارات کو بروئے کار لا کر یہ تجاویز پیش کریں اس تعمیراتی مقاصد کو عملی جامہ پہنانے میں ہماری مدد کریں، میں اہل قلم ڈاٹ کوم اور شریف اکیڈمی سے گزارش کروں گی کہ تاریخ کے ان ستاروں کی روشنی سے امت مسلمہ کے دلوں کے اندھیرے دور کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔'' شفیق مراد نے ثمن شاہ کی تجویز کو سراہتے ہوئے عملی اقدام اٹھانے کی یقین دہانی کرائی۔

"انٹرنیشنل میزبان" بارسیلونا
ارشد نذیر ساحل

اسپین کے شہر قرطبہ میں منعقدہ عالمی اُردو کانفرنس اور مشاعرہ کی رپورٹ

اہل قلم کے زیر اہتمام قرطبہ میں اس عالمی اُردو کانفرنس اور مشاعرہ کی صدارت ڈاکٹر تقی عابدی اور نظامت کے فرائض ثمن شاہ نے انجام دیئے۔ تفصیلات کے مطابق اسپین کے تاریخی شہر قرطبہ میں پہلی بار ایک خوب صورت عالمی مشاعرہ کا انعقاد کیا گیا مشاعرہ میں دُنیا بھر سے آئے ہوئے شعراء نے شرکت کر کے اہل قلم کی بے حد حوصلہ افزائی کی، قرطبہ کے ایک مقامی ہوٹل کے خوب صورت ہال میں مشاعرہ کے انتظامات کے لیے ریڈیو پاک سیونا کے ڈائریکٹر جناب شفیق ییانی کا خصوصی تعاون رہا اس مشاعرہ میں بارسیلونا اور قرطبہ سے مقامی لوگوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی اس تاریخی مشاعرہ کی صدارت کینیڈا سے خاص طور پر تشریف لائے ہوئے معروف ادیب محقق شاعر جناب سید تقی عابدی نے کی۔ جب کہ مشاعرہ کی نظامت فرانس کی معروف شاعرہ "ڈیلی میزبان انٹرنیشنل" کی ادبی ایڈیٹر محترمہ ثمن شاہ اور اہل قلم کے چیف ڈائریکٹر جناب ارمان شہزاد نے کی، ارمان شہزاد نے نظامت کے فرائض ادا کرتے ہوئے مشاعرہ کا باقاعدہ آغاز کیا اور تمام مہمانوں کو خوش آمدید کہا، مشاعرہ میں جناب ڈاکٹر عبدالرحمن عبد نیو یارک، جناب عارف نقوی برلن، ڈاکٹر ابراہیم یو کے، سید ارشد قمر بابینڈ مہمان اعزازی تھے مشاعرہ میں دُنیا بھر سے آئے ہوئے شعراء میں ہیپی برک لندن، روبینہ نازلی جرمنی، طاہر عدیم جرمنی، شاہد علی شاد جرمنی، شفیق مراد جرمنی، شکیل چغتائی برلن کے علاوہ اہل قلم کی ٹیم ثمن شاہ فرانس، ارم بتول جرمنی اور ارمان شہزاد جرمنی نے شرکت کر کے اس تاریخی مشاعرہ کو یادگار بنا دیا ان کے

علاوہ اسپین کے مقامی شعراء حضرات خالد آزد میڈرڈ، ارشد نذیر ساحل بارسیلونا، رانا نیر اقبال بارسیلونا، اعجاز شائق آئے ہوئے تھے۔ اُردو کی مغرب میں ترویج کے لیے ہمیں نئی بستیاں آباد کرنی ہوں گی، اور اُردو کی بنیادی تعلیم پر زیادہ سے زیادہ توجہ دینا ہوگی، قرطبہ و غرناطہ کے کھنڈرات ہمیں مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی یاد دلاتے ہیں۔ عبدالرحمان اوّل نے قرطبہ کی بنیاد رکھی کھجور کا پہلا درخت بویا۔

اندلس یونیورسٹی کی اس سرزمین میں 1600 سے زائد مساجد تھیں، سرزمین اسپین میں ہم ریڈیو پاک سیلونا، اہل قلم اور شریف اکیڈمی جرمنی کو کانفرنس کے انعقاد پر خراج تحسین پیش کرتے ہیں ان خیالات کا اظہار اُردو عالمی کانفرنس کے صدر محفل سید تقی عابدی نے کیا۔ اسپین ریڈیو پاک سیلونا اور اہل قلم جرمنی کے زیراہتمام ہونے والی عالمی اُردو کانفرنس کا آغاز قاری عبدالرحمان کی تلاوت کلام پاک، نعت رسول مقبول کی سعادت قدیر خان نے حاصل کی، اس کے بعد قونصلر جنرل بارسیلونا سید ایاز حسین نے شمع جلا کر مشاعرے کا باقاعدہ آغاز کیا۔ اُردو کانفرنس اور عالمی مشاعرے کے مہمانان خصوصی ڈاکٹر عبدالرحمان عبد، ریحانہ قمر اور عارف نقوی تھے۔ رابعہ شفیق کیانی نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔ کانفرنس کی میزبانی کے فرائض کے حافظ احمد، ارم بتول قادری اور عابد خان نے سرانجام دیئے۔ چیف ایڈیٹر ''ہم وطن'' جاوید مغل نے اُردو اور ذرائع ابلاغ کے عنوان سے اپنے مقالے میں کہا کہ ''اُردو پر کام ہو رہا ہے، میڈیا اس سلسلے میں اہم رول ادا کر رہا ہے۔ بارسیونا میں اُردو چوتھی بڑی زبان تسلیم کی جا چکی ہے۔ ہمیں ابھی مزید آگے بڑھنا ہے ریڈیو پاک سیونا اہل قلم اور شریف اکیڈمی جرمنی کا اسپین میں اُردو کانفرنس اور عالمی مشاعرہ کروانا بہت خوش آئند ہے۔ کینیڈا سے آئی ہوئی افسانہ نگار روبینہ فیصل نے اپنے مقالہ میں کہا کہ ''مسلمانوں نے اپنے زوال پر نوحہ خوانی تو بہت کی مگر کچھ سبق حاصل نہیں کیا قرطبہ میں آج بھی خاموش اذانیں اور گمشدہ مسجدیں ہیں قرطبہ ایک ہی سبق سکھاتا ہے اور وہ ہے طاقت کا اور طاقت علم کے ذریعے ہی آتی ہے، علم سائنس اور ٹیکنالوجی کے دروازے واہ کرتا ہے۔ عارف نقوی نے اپنے مقالے میں کہا کہ ''دُنیا میں اُردو کے بہت سے پرستار ہیں۔ اُردو کے دوسری زبانوں میں بہت سے تراجم ہو رہے ہیں اگر اقبالؔ کی نظموں کے زیادہ

زبانوں میں تراجم ہوئے ہوتے تو آج ان کا نام بھی نوبل پرائز کے لیے منتخب ہوا ہوتا۔ ہم نے اپنی زبان کی طرف توجہ نہیں دی اردو اور اقبال کو محدود کیے رکھا۔''

نور الصباح سیمیں برلاس نے کہا کہ ''علامہ اقبال وہ پہلے مسلمان تھے جنھوں نے مسلمانوں کے زوال کے بعد مسجد قرطبہ میں اذان دی۔'' اقبال نے مسلمانوں کے عروج و زوال کی وجوہات جاننے کے لیے دیگر مہمانوں کے علاوہ دیار سیونا اور قرطبہ کے مقامی افراد کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ جن میں غلام محی الدین مغل، مرزا اسلم بیگ، پرویز اختر، میاں مقصود، حافظ غلام مجتبیٰ نمائندہ خصوصی قرطبہ، اعجاز شائق بیورو چیف قرطبہ، غلام سیمی ڈائریکٹر ہانڈی روٹی ریسٹورنٹ قرطبہ، اعجاز تارڑ سمیت کئی افراد نے شرکت کر کے مشاعرہ کو چار چاند لگا دیے۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے صدارت کے فرائض بخوبی انجام دیے۔ فرانس کی مشہور و معروف شاعرہ ثمن شاہ کی جاندار اور فطری نظامت نے مشاعرہ کو امر کر دیا۔ تمام شعرائے کرام کو کھل کر داد سے نوازا گیا۔ ہر شاعر کے کلام کو بے حد پذیرائی ملی۔ مشاعرہ کے دوران ہلکی پھلکی نوک جھونک اور مزاح نے محفل کو زعفران بنائے رکھا۔ رات 8 بجے شروع ہونے والا یہ مشاعرہ صبح 3 بجے تک جاری رہا۔ مشاعرہ کے اختتام پر ڈاکٹر تقی عابدی نے اہل قلم کی ساری ٹیم کو پروگرام کے انتظامات نظم و ضبط اور نظامت کے فرائض حسن طریقے سے نبھانے پر دلی مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ ''میں اردو ادب کا شاندار مستقبل دیکھ رہا ہوں اور ادب کا یہ بوجھ اہل قلم کے کاندھوں پر دیکھ کر مجھے یقین ہے کہ اردو جو اپنا مقام کھونے لگی تھی وہ پھر بحال ہو رہا ہے پروگرام میں شریک معزز شعراء نے اسٹیج پر آ کر برملا اس بات کا اظہار کیا کہ یہ مشاعرہ ایک یادگار مشاعرہ ہے اور قرطبہ کی تاریخ میں اسے سنہرے حروف میں لکھا جائے گا تمام مہمانوں نے اہل قلم کی کوششوں کو سراہتے ہوئے مبارک باد دی۔ مشاعرے کے بعد تمام مہمانوں اور سامعین کو ہانڈی روٹی ریسٹورنٹ میں عشائیہ دیا گیا۔ اہل قلم کی شبانہ روز کوششوں اور محنت نے اسپین کے اس تاریخی شہر قرطبہ میں اردو ادب کی جو تاریخ رقم کی ہے وہ ادبی دنیا میں ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ اہل قلم اس مشاعرہ میں ڈاکٹر تقی عابدی کی مشاورت تجاویز اور ریڈیو پاک سیلونا کے دیگر انتظامات میں تعاون کے لیے شکر گزار ہیں۔

بارسیلونا

2010ء

اسپین میں عالمی اُردو کانفرنس کا انعقاد

اسپین سے اسلامی تہذیب کو پوری طرح اُجاڑ دیے جانے کے کئی سو سال بعد اب یہاں پھر سے اسلامی ثقافت کی روشنی پھیلنا شروع ہوئی ہے۔ یہاں کے ادبی اور قدیم اسلامی شہر کورڈوبا (قرطبہ) میں جرمنی سے آئے ہوئے اہلِ قلم ڈاٹ کام کے اراکین نے اُردو زبان کے عصری تقاضوں پر غور و خوض کرنے کے لیے ایک عالمی کانفرنس کا انعقاد کیا جس کی صدارت ڈاکٹر تقی عابدی نے کی۔ پروگرام کے اعزازی مہمانوں میں ڈاکٹر تھامس (اسپین)، ڈاکٹر عبدالرحمان عبد (نیویارک)، عارف نقوی (جرمنی) اور ڈاکٹر ابراہیم شیخ (انگلینڈ) شامل تھے۔ ڈاکٹر عابدی نے افتتاحیہ کلمات میں علامہ اقبالؔ کے اس پیام کو سنایا جو انھوں نے بابائے اُردو عبدالحق کو اُردو کانفرنس کی دعوت کے جواب میں لکھا تھا۔ کانفرنس کی نظامت ارم بتول نے کی۔

اس موقع پر فرانس کی معروف شاعرہ ثمن شاہ نے قرطبہ کی نسبت سے اس سرزمین کی علمی، ادبی، ثقافتی، مذہبی اور تاریخی اہمیت پر گفتگو کی۔ ڈائریکٹر راجہ شفیق الرحمٰن کیانی نے اس نئی بستی میں اُردو زبان و ادب کے ارتقا اور فروغ کے حوالے سے بات چیت کی۔ شریف اکیڈمی جرمنی کے سی ای او شفیق مراد نے یورپ میں اُردو کی نئی بستیوں کے قیام کو سراہا اور اسے خوش آئند قرار دیا۔ انگلینڈ کی نور الصباح نسیم برلاس نے منظوم کلام کے ساتھ ساتھ اُردو ادب اور سرزمین قرطبہ سے متعلق خوب صورت کلمات سے سامعین کو متوجہ کیا۔ کینیڈا کی روبینہ فیصل نے بھی اپنے خیالات پیش کیے۔

برلن کے شکیل چغتائی نے اپنی خوب صورت نظم جو اقبالؔ اور عصری مسائل پر مشتمل تھی، پیش کی۔ انگلینڈ کے فاروق نسیم اور ہالینڈ کے سید ارشاد قمر نے بھی علامہ اقبالؔ کی

اسپین سے جذباتی وابستگی اور اسپین میں مسلمانوں کے دورِ حکومت کے حوالے سے سیر حاصل مقالہ جات پیش کیے۔ جرمنی نژاد ڈاکٹر سینیر نے انگریزی زبان میں مقالہ پیش کیا جو قرطبہ کے ارتباط سے اقبال شناسی کا اہم مقالہ تھا۔ کانفرنس کے مہمان اعزازی ڈاکٹر ابراہیم نے اسپین پر اسلامی نقوش کے حوالے سے اپنا تحقیقی مقالہ پیش کیا۔ عارف نقوی نے قرطبہ عالمی اُردو کانفرنس کو مثبت قدم قرار دیا اور ڈاکٹر عبدالرحمن نے اقبال اور عشق رسول پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ اہل قلم کے روحِ رواں شہزاد ارمان نے اعلان کیا کہ دوسری عالمی اُردو کانفرنس 2011ء میں جرمنی کے شہر ہائیڈل برگ میں ہوگی۔ اہم نکات پر ایک قرارداد بھی منظوری کی گئی۔

بارسلونا (اسپین)

ہمیں اُردو کی بنیادی تعلیم پر زیادہ سے زیادہ توجہ دینی ہوگی

اسپین کے تاریخی شہر بارسلونا میں ریڈیو پاک سیلونا اسپین کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی پہلی اُردو کانفرنس کے موقع پر کینیڈا میں مقیم دانشور و محقق جناب ڈاکٹر تقی عابدی نے اپنے اختتامی خطاب میں اُردو کی بنیادی تعلیم پر زیادہ سے زیادہ توجہ دینے پر زور دیا۔ انھوں نے کہا کہ ''آج اُردو، دُنیا کے ہر بڑے ملک میں بولی جاتی ہے۔ لگ بھگ چار سو ملین افراد اس کو سمجھ سکتے ہیں لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ بنیادی تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے اکثریت لکھنا اور پڑھنا نہیں جانتی، اس لیے اُردو اب کانوں کی زبان بن کر رہ گئی ہے۔ سو سال قبل اُردو ترقی بورڈ بنا اور آج اُردو تحفظ بورڈ کی ضرورت لاحق ہے۔ اُردو کا رسم الخط اُردو کے بدن پر لباس نہیں بلکہ اس کی چمڑی ہے۔ جس کے بدلنے سے جسم زندہ نہیں رہ سکتا۔ اُردو کی چھٹی نئی بستی اسپین کو بھی دوسری بستیوں کی طرح گہوارۂ اُردو یعنی برصغیر کے مراکز سے مسلسل ارتباط برقرار رکھنا ہوگا۔ اُردو کو روٹی سے جوڑنے کا مسئلہ سب سے اہم ہے تاکہ اُردو پڑھنے والوں کو روزگار میں سہولتیں ہوں۔'' اُردو تہذیب کی حفاظت اُردو کے لسانی، ثقافتی، علمی اور ادبی نکات پر بھی روشنی ڈالتے ہوئے اسپین میں اس پہلی اور تاریخی کانفرنس کو اُردو ارتقا کا ایک نیا موڑ بتایا۔

انھوں نے کہا کہ ''اس عالمی کانفرنس میں امریکہ، ہالینڈ، فرانس، انگلینڈ، کینیڈا، اسپین اور جرمنی کے اہلِ علم و دانش نے شرکت کی۔'' جب کہ اہلِ بارسلونا نے راجہ شفیق کیانی کی قیادت میں میزبانی کے فرائض بطریقِ احسن سرانجام دیے۔

روزنامہ ''اُردو نیوز'' جدہ

29/ جولائی 2010ء

ہسپانوی ''شہرِ اقبالؔ'' قرار پانے والا: قرطبہ

پہلی قرطبہ عالمی اُردو کانفرنس میں شریف اکیڈمی کے چیف ایگزیکٹیو شفیق مراد نے تجویز پیش کی جسے شرکائے کانفرنس نے متفقہ طور پر منظور کیا

شریف اکیڈمی اسپین "APNA INTERNATIONAL"، کے ذرائع ابلاغ میڈیا کے مطابق ڈاکٹر تقی عابدی کی زیرِ صدارت ہونے والی پہلی قرطبہ عالمی اُردو کانفرنس میں شریف اکیڈمی کے چیف ایگزیکٹیو شفیق مراد نے اپنے مقالے ''اُردو کی رعنائیاں نئی بستیوں میں'' کے عنوان پر گفتگو کرتے ہوئے جہاں نئے معاشرے کی تخلیق کا ذکر کیا وہاں نئی بستیوں کے تاریخی منظر کا تذکرہ بھی کیا۔ انھوں نے قرطبہ شہر اور مسجد قرطبہ کی تاریخی اہمیت اور علامہ اقبالؔ کے ان مقامات سے جذباتی لگاؤ اور والہانہ عقیدت کی بنا پر تجویز پیش کی کہ قرطبہ شہر کو اسپین کا ''شہرِ اقبالؔ'' قرار دیا جائے اور کانفرنس کے صدر اسے باقاعدہ قرارداد کی شکل میں اس عالمی کانفرنس میں پیش کریں۔

کانفرنس کے صدر ڈاکٹر تقی عابدی نے اس مقصد کے لیے قرارداد پیش کی جس پر سامعین نے نہ صرف ہاتھ اٹھا کر تائید کی بلکہ مسرت کا اظہار کرتے ہوئے اس قرارداد کی منظوری بھی دیدی۔ اس طرح اُردو کی اس تاریخی کانفرنس میں قرطبہ کو ''اسپین کا شہرِ اقبالؔ'' قرار دے دیا گیا۔

واضح رہے کہ حکیم الامت علامہ محمد اقبال 6/ جنوری 1933ء کو پیرس سے اسپین کے شہر میڈرڈ پہنچے تھے اور 26/ جنوری 1933ء کو میڈرڈ یونیورسٹی میں لیکچر دے کر واپس پیرس آ گئے تھے۔ اس مختصر وقت میں انھوں نے قرطبہ، غرناطہ، اشبیلیہ اور طلیطلہ کی سیر کی تھی۔ علامہ اقبالؔ نے مسجد قرطبہ میں اذان دی اور نماز پڑھی۔ علامہ اقبالؔ اکثر کہا کرتے تھے کہ

مسجد قرطبہ کی زیارت نے مجھے جذبات کی ایسی رفعت تک پہنچا دیا جو مجھے پہلے کبھی نصیب نہیں ہو سکی تھی۔

کانفرنس کے بعد ڈائریکٹر میڈیا سے بات چیت کرتے ہوئے ڈاکٹر تقی عابدی نے کہا کہ ''ہماری آرزو یہی ہے کہ اس مسجد میں جو رکاوٹیں نصب کی گئی ہیں، انھیں ہٹا دیا جائے تاکہ ''حسن یوسف، بازار مصر میں پیش ہو سکے۔'' انھوں نے کہا کہ ''اگر اہل قلم ڈاٹ کام، شریف اکیڈمی اور پاک سیلون ریڈیو کے سرپرست یورپ، برصغیر اور پاکستان کے موقر ادارے ''اقبال اکیڈمی'' کے تعاون سے اس مسئلے کو سلجھانے کی کوشش کریں تو شہر اقبال میں اقبال کی آرزو پوری ہونے میں دیر نہیں ہوگی۔''

روزنامہ "اوصاف"

12/اگست 2017ء

بارسیلونا میں ادبی نشست کا اہتمام، شعراء نے بھرپور داد وصول کی

اسپین کے شہر بارسیلونا میں ریڈیو پاک سیلونا اور "قلم قافلہ ایسوسی ایشن" کے زیر اہتمام ایک ادبی نشست کا اہتمام کیا گیا۔ اس تقریب کا انعقاد راجہ شفیق کیانی کی خصوصی کاوش کا نتیجہ ہے۔ جس کی نظامت کے فرائض حافظ احمد نے سرانجام دیے۔ تقریب کے مہمان خصوصی کینیڈا سے تشریف لائے عصر حاضر کے اردو ادب کے مشہور محقق و ناقد ڈاکٹر تقی عابدی تھے۔ اس پروگرام میں بارسیلونا میں مقیم اردو ادب، صحافت اور مختلف فلاحی تنظیموں سے تعلق رکھنے والے باذوق افراد کی بڑی تعداد کے علاوہ مختلف سیاسی جماعتوں کے یورپی ونگز کے عہدیداران اور کارکنان نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ پروگرام کے پہلے حصے میں بارسیلونا میں مقیم اردو شعراء نے اپنا کلام سنا کر بھرپور داد وصول کی۔ کلام پیش کرنے والوں میں ارشد نذیر ساحل، قیس رضوی، افضال بیدار اور ڈاکٹر ارم بتول شامل ہیں۔ جب کہ معروف گلوکار جمی شیخ اور سعید اختر حیدری نے حمد و نعت اور ملی نغمے گا کر حاضرین محفل کے دلوں کو خوب گرمایا۔

آخر میں ڈاکٹر تقی عابدی نے اپنے تحقیقی مقالہ میں برصغیر کی دو نامور شخصیات امیر خسرو اور علامہ اقبال کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے حاضرین محفل کو ان شخصیات کی زندگی میں پائے جانے والی مماثلت اور ان کے انسانیت کے لیے خوب صورت پیغام کو احسن انداز میں پیش کیا۔ جس پر تقریب کے شرکا نے انھیں خوب داد دی۔ اس تقریب کا مقصد علامہ اقبال اور امیر خسرو کے متعلق ڈاکٹر تقی کی تحقیق پر روشنی ڈالنا اور انسان اور

احترام انسانیت کے حوالے سے اقبالؔ اور امیر خسروؔ کے فلسفے سے آگاہی حاصل کرنا تھا۔
اس طرح کے ادبی پروگراموں کا انعقاد اسپین میں مقیم پاکستانی کمیونٹی کے لیے بہت ضروری ہے اور اُردو زبان اور اُردو ادب کی ترویج میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

پروفیسر محمد کامران
(شعبۂ اُردو) پنجاب یونیورسٹی، لاہور

اہلِ قلم: ادبی قافلہ یورپ 2018ء

پروفیسر ڈاکٹر سید تقی عابدی کی شخصیت ایک ہشت پہلو ہیرے جیسی ہے۔ پیشے کے اعتبار سے ماہر امراض قلب ہیں مگر اُردو ادبیات کی ایک قد آور اور معتبر شخصیت ہیں۔ ایک بے مثال محقق، منفرد ناقد، زود گو شاعر، شعلہ بیاں مقرر اور سب سے بڑھ کر ایک خوب صورت انسان۔

نگاہ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

انیس و دبیر کا حوالہ ہو یا غالبیات کا۔ اقبال شناسی ہو یا فیض فہمی۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی کا ''فرمایا ہوا مستند'' ہے۔ ڈاکٹر صاحب اُردو ادب کی چلتی پھرتی تاریخ ہیں، خود کو مریض ادب کہنے والے ڈاکٹر تقی عابدی، مسیحائے ادب بھی ہیں، ان کی گفتگو اُردو ادب سے شروع ہوتی ہے اور عالمی ادبیات کے گرد دائرہ بناتے ہوئے اُردو ادب تک پہنچ جاتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غم ادب کے علاوہ انھیں کوئی اور غم نہیں ہے:

ع : یہ غم ہوگا تو کتنے غم نہ ہوں گے

ڈاکٹر سید تقی عابدی کے دماغ میں نئی سے نئی بات آتی ہے۔ ایک دن انھوں نے بتایا کہ ''یورپ، امریکا اور دنیا بھر میں فروغ ادب کے نام پر زیادہ تر مشاعرے ہی منعقد ہوتے ہیں، علمی و ادبی سیمینار اور مذاکروں سے گریز کے باعث مکالمے کا رجحان ختم ہوتا چلا جا رہا ہے اور اذہان و قلوب فکری ترفع اور روشنی سے محروم ہو رہے ہیں چناں چہ انھوں نے اعلان کیا کہ اہل علم کے پلیٹ فارم سے ادبی قافلہ یورپ 2018ء کا اہتمام کیا جائے گا جس کے زیر اہتمام برطانیہ اور بعد ازاں یورپ کے دوسرے ممالک میں بین الاقوامی

سیمینار اور مشاعرے منعقد کیے جائیں گے۔

پہلے مرحلے میں برطانیہ کے چھ شہروں میں 7 دن میں 7 بین الاقوامی سیمینار اور مشاعرے منعقد کیے جائیں گے۔ بظاہر یہ پروگرام دیوانے کا خواب لگتا تھا مگر اس ادبی قافلے کے سالار ڈاکٹر سید تقی عابدی کی ولولہ انگیز قیادت، حسن انتظام اور مستقل مزاجی نے اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کر دیا۔ ادبی قافلے کے اراکین میں کینیڈا سے ڈاکٹر سید تقی عابدی کے علاوہ امریکا سے ڈاکٹر عبدالرحمان عبد، بھارت سے پروفیسر ڈاکٹر خواجہ اکرام، پروفیسر شہاب ملک، ایڈووکیٹ خلیل الرحمٰن اور محترمہ نصرت مہدی، پاکستان سے ڈاکٹر فاطمہ حسن، محترمہ صائمہ کامران اور راقم الحروف (پروفیسر ڈاکٹر کامران) جب کہ برطانیہ سے اُردو مرکز لندن کے چیئرمین جناب جاوید شیخ، جناب قیصر عباس، محترمہ جبین، غزل انصاری، جناب ایوب اولیا، جناب فاروق ساغر، محترمہ فرزانہ نینا، محترمہ غزالہ کنول اور جناب شہزاد ارمان شامل تھے۔ 7رجولائی 2018ء کو اُردو مرکز لندن اور پاکستانی ہائی کمیشن، لندن (برطانیہ) کے زیرِ اہتمام بین الاقوامی اقبال کانفرنس منعقد ہوئی۔ یہ دن پاکستانی ہائی کمیشن کی تاریخ میں بھی اہمیت کا حامل ہے کہ اس دن نہ صرف علامہ اقبال کے فکروفن کے حوالے سے بین الاقوامی کانفرنس کا اہتمام کیا گیا بلکہ بانیِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے ہائی کمیشن میں قائداعظم کا مجسمہ نصب کیا گیا۔ اس حوالے سے منعقد افتتاحی تقریب میں برطانیہ میں متعین پاکستانی ہائی کمشنر اور سفارتی عملے کے علاوہ جناب جاوید شیخ، ڈاکٹر سید تقی عابدی اور پروفیسر ڈاکٹر محمد کامران نے شرکت کی۔

پاکستانی ہائی کمشنر عزت مآب سید ابن عباس نے استقبالیہ کلمات پیش کرتے ہوئے معزز مہمانانِ گرامی کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ "علامہ اقبال کے ولولہ انگیز افکار نے مسلمانوں میں آزادی کا شعور اجاگر کیا۔" انھوں نے کہا کہ "علامہ اقبال کی شاعری آفاقی طرزِ احساس کی حامل ہے اس لیے آج بھی اس سے روشنی حاصل کی جا سکتی ہے۔ کانفرنس کا کلیدی مقالہ کینیڈا سے تشریف لائے معروف محقق، ناقد اور شاعر ڈاکٹر سید تقی عابدی نے پیش کیا۔ انھوں نے فکرِ اقبال کو اُردو شاعری کا معجزہ قرار دیتے ہوئے ملتِ اسلامیہ کے اتحاد کو عصرِ حاضر کی سب سے بڑی اہم ضرورت قرار دیا۔ انھوں نے علامہ اقبال کے اُردو اور

فارسی کے کلام کے ساتھ ساتھ ان کے تاریخی خطبات کو بھی موضوعِ سخن بنایا۔ ان کی سحر انگیز گفتگو نے اقبالیات کے متعدد نئے گوشے حاضرین کے سامنے روشن کر دیے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد کامران نے علامہ اقبال کو شاعرِ رفتہ، شاعرِ امروز اور شاعرِ فردا قرار دیتے ہوئے ان کی فکر کو موجودہ عالمی تناظر میں دیکھنے کی ضرورت پر زور دیا۔

کانفرنس سے باتھ یونیورسٹی، برطانیہ کے پروفیسر افتخار ملک، اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز لندن کی ڈاکٹر آمنہ یقین، امریکا سے ڈاکٹر عبدالرحمان عبد کے علاوہ ایڈووکیٹ خلیل الرحمن، محترم اکرام چغتائی محترم رضا علی عابدی، پروفیسر ڈاکٹر خواجہ اکرام الدین، پروفیسر شہاب عنایت ملک، ڈاکٹر جاوید شیخ اور محترمہ فاطمہ حسن نے اظہارِ خیال کیا۔

کانفرنس کے بعد دوسرے مرحلے میں محفلِ مشاعرہ کا اہتمام کیا گیا جس کی صدارت ڈپٹی ہائی کمشنر محترم زاہد حفیظ چودھری نے کی۔ مشاعرے کے مہمانانِ اعزازی ڈاکٹر سید تقی عابدی اور ڈاکٹر عبدالرحمان عبد تھے۔ دوسرے شعرائے کرام میں ڈاکٹر فاطمہ حسن، ڈاکٹر محمد کامران، محترمہ نصرت مہدی، محترمہ صائمہ کامران، ایڈووکیٹ خلیل الرحمن، مہ جبین، غزل انصاری، محترمہ ناصرہ زبیری، جناب عقیل دانش، ڈاکٹر قیصر زیدی، جناب فیضان عارف، جناب سہیل ضرار، جناب یشب تمنا اور جناب شہزاد ارمان نے اپنا کلام پیش کیا۔ اس موقع پر معروف مہ جبیں محترمہ دردانہ انصاری نے کلامِ اقبال ترنم سے پیش کیا۔

پروفیسر شہاب عنایت ملک
صدر شعبۂ اُردو جموں یونیورسٹی

ادبی قافلہ 2018ء انگلستان میں 8 دن

جنوری 2018ء اُردو دُنیا کے نامور محقق، نقاد اور شاعر ڈاکٹر تقی عابدی جموں کے دورے پر توسیعی خطبات کے سلسلے میں جب تشریف فرما تھے تو راقم کے ساتھ ایک میٹنگ میں یہ طے پایا کہ دُنیا کے مختلف ممالک سے اُردو ادیبوں اور شاعروں کا ایک ایسا قافلہ تشکیل دیا جائے جو جولائی 2018ء میں یورپ کے مختلف ممالک کا دورہ کرے ایک تو وہاں اُردو کے شیدائیوں کے لیے سیمیناروں اور مشاعروں کا انعقاد کرے۔ دوسرا ان ممالک میں اُردو کی صورت حال کا بھی جائزہ لیا جائے اور یہ پتہ لگایا جائے کہ ان ممالک میں نئی نسل اُردو کے حوالے سے کتنی متاثر ہے نیز اُردو کو ان ممالک میں فروغ دینے کے لیے کیا کیا اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے۔

تقی عابدی جموں سے واپس اپنے وطن کینیڈا چلے گئے وہاں جا کر انھوں نے اس سلسلے میں زور و شور سے کام کرنا شروع کر دیا۔ ان کی محنت اور کرنے کا جذبہ جون 2018ء میں آخر رنگ لایا اور ادبی قافلے کو ڈاکٹر تقی عابدی نے تشکیل دے ہی دیا اور یہ طے پایا کہ پہلے مرحلے میں یہ قافلہ تین ممالک یعنی انگلستان، جرمنی اور اسپین کا دورہ کر کے ان ممالک کے مختلف شہروں میں ادبی پروگراموں کا انعقاد کرے گا لیکن بعد میں چند مشکلات کی وجہ سے دورہ کو انگلستان تک ہی محدود رکھا گیا اور یہ طے پایا کہ انگلستان کی ایک نامور ادبی تنظیم ''اہلِ قلم'' کے اشتراک سے انگلستان کے مختلف شہروں کی ادبی انجمنوں سے مل کر مختلف عنوانات پر ایک تو بین الاقوامی سیمینار منعقد کیے جائیں دوسرا چوں کہ ان شہروں میں مشاعروں کی روایت کافی مستحکم اور پرانی ہے اس لیے یہاں مشاعروں کا انعقاد بھی کروایا جائے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر تقی عابدی نے جو ادبی قافلہ تشکیل دیا اس میں ہندوستان سے

راقم کے علاوہ جواہر لعل نہرو یونیورسٹی کے پروفیسر خواجہ اکرام الدین، سپریم کورٹ کے معروف وکیل جناب خلیل الرحمن اور مدھیہ پردیش اُردو اکیڈمی کی سکریٹری ڈاکٹر نصرت مہدی، پاکستان سے پنجاب یونیورسٹی لاہور کے صدر شعبہ اُردو ڈاکٹر کامران، مشہور شاعرہ صائمہ کامران اور انجمن ترقی اُردو کراچی پاکستان کی سکریٹری محترمہ فاطمہ حسن، کینیڈا سے تقی عابدی، امریکہ سے عبدالرحمان عبد اور انگلستان سے معروف شاعر شہزاد ارمان، قیصر زیدی، فرزانہ نینا، جاوید شیخ اور ایوب اولیا کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

ڈاکٹر تقی عابدی کے تشکیل دیے گئے اس ادبی قافلے نے 6/جولائی 2018ء سے 13/جولائی 2018ء تک انگلستان کے مختلف شہروں کا دورہ کر کے سیمینار اور مشاعرے کا انعقاد کر کے اہل برطانیہ کا دل جیتا۔ اس سے پہلے کہ اس سفر کی روداد میں تفصیل سے قلم بند کروں، پہلے اس ادبی قافلے کے ممبران سے آپ کا مختصر تعارف کراؤں۔

ڈاکٹر تقی عابدی:- ڈاکٹر تقی عابدی کا تعلق کینیڈا کے شہر ٹورنٹو سے ہے۔ اس ادبی قافلے کے روح رواں ڈاکٹر تقی عابدی ہی تھے۔ ان کی سربراہی میں ہی اس قافلے نے انگلستان میں اہم ادبی کام سرانجام دیے۔ جن کا ذکر آئندہ کے صفحات میں تفصیل سے کیا جائے گا۔ ڈاکٹر تقی عابدی پیشے سے صحت کے ڈاکٹر ہیں۔ چار درجن سے زیادہ کتابوں کے مصنف ڈاکٹر تقی عابدی کو اُردو زبان و ادب سے گہرا شغف ہے۔ اُردو کی اس محبت کی وجہ سے انھیں سفیر اُردو بھی کہا جاتا ہے۔ اُردو کے فروغ کے لیے دُنیا کے مختلف ممالک میں انجمن آرائیاں وقتاً فوقتاً کراتے آرہے ہیں۔ فیض، غالب، میر، انیس ان کے محبوب موضوعات ہیں۔ ان موضوعات پر ڈاکٹر تقی عابدی نے بڑی ضخیم کتابیں ترتیب دی ہیں جن کی اردو ادب میں کافی پذیرائی ہوئی ہے۔

عبدالرحمان عبد:- عبدالرحمن عبد کا تعلق پاکستانی کشمیر کے شہر میرپور سے ہے لیکن گزشتہ 50 برس سے امریکہ کے شہر نیویارک میں مقیم ہیں۔ پیشے سے ایک معروف فزیشین ہیں لیکن ادب سے شروع سے لگاؤ رہا ہے۔ امریکہ کے ایک مستند اور سینئر اُردو شاعر مانے جاتے ہیں۔ نعت گوئی سے انھیں بے حد لگاؤ ہے۔ ان کی نعتوں کا ایک مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے جو شمالی امریکہ کا پہلا نعتیہ مجموعہ بھی ہے۔ نہایت عمدہ شعر کہتے ہیں۔ ملنسار اور شریف النفس

انسان بھی ہیں تقی عابدی کے بعد عبدالرحمان عبد اس قافلے کے دوسرے معتبر ادیب وشاعر تھے۔

محترمہ فاطمہ حسن:- محترمہ فاطمہ حسن کا تعلق پاکستان کے شہر کراچی سے ہے۔ آپ ایک تنقید نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک معتبر شاعرہ ہیں۔ انجمن ترقی اُردو کراچی، پاکستان کی سیکریٹری ہیں، یہ وہی انجمن ہے جس سے پروفیسر آرنلڈ، شبلی نعمانی اور بابائے اُردو مولوی عبدالحق بھی وابستہ رہ چکے ہیں۔

پروفیسر خواجہ اکرام:- پروفیسر خواجہ اکرام کا تعلق جواہر لعل یونیورسٹی دہلی سے ہے۔ اس یونیورسٹی کے شعبہ اُردو سے وابستہ ہیں۔ کئی تنقیدی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ اُردو ادب کے فروغ کے لیے دُنیا کے اکثر ممالک کا دورہ کر چکے ہیں۔ آپ کا شمار اُردو کے بڑے پروفیسر میں ہوتا ہے۔ کئی سرکاری اور غیر سرکاری اُردو ادبی انجمنوں نے آپ کو اُردو خدمات کے سلسلے میں اعزازات اور انعامات سے بھی نوازا ہے۔

ڈاکٹر کامران:- ڈاکٹر کامران پاکستان کے مشہور اور معروف تنقید نگار ہونے کے علاوہ اچھے شاعر بھی ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور میں شعبہ اُردو کے چیئرمین بھی ہیں۔

صائمہ چودھری:- آپ ڈاکٹر کامران کی اہلیہ ہیں۔ نسوانی لہجہ کی ایک اچھی شاعرہ ہیں۔ پاکستان میں ٹی وی اور ریڈیو کے مشاعروں میں برابر حصہ لیتی ہیں۔

ڈاکٹر نصرت مہدی:- ہندوستان کی ایک معتبر شاعرہ ہیں۔ شعری دُنیا میں آپ کا شعری مجموعہ ''آبلہ پا'' بے حد داد وتحسین حاصل کر چکا ہے۔ آپ مدھیہ پردیش اُردو اکیڈمی کی سیکریٹری بھی ہیں۔

خلیل الرحمٰن:- جناب خلیل الرحمن دہلی کے رہنے والے ہیں۔ پیشے سے آپ سپریم کورٹ کے ایک نامور وکیل ہیں لیکن شعر وادب سے آپ کو گہرا شغف ہے۔ بہترین شاعر ہونے کے علاوہ آپ ایک باریک بین تنقید نگار بھی ہیں۔

پروفیسر شہاب عنایت ملک:- پروفیسر شہاب عنایت کا تعلق جموں یونیورسٹی سے ہے۔ دو درجن سے زیادہ کتابوں کے مصنف ہیں۔ اُردو کے فروغ کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں۔ صدر شعبہ اُردو جموں یونیورسٹی بھی ہیں۔

شہزاد ارمان:- شہزاد ارمان کا تعلق لاہور کے ضلع جہلم سے ہے۔ روزگار کے سلسلے میں انگلستان کے شہر نوٹنگھم میں مقیم ہیں۔ نہایت ہی شریف، ملنسار اور خوش اخلاق انسان ہیں۔ اہل قلم نام کی ادبی تنظیم کے روحِ رواں بھی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک معتبر شاعر بھی ہیں۔ انھوں نے ادبی قافلہ 2018ء کو کامیاب بنانے میں انگلستان میں کلیدی رول بھی ادا کیا جس کا ذکر اس سفرنامے میں آئندہ کے صفحات میں تفصیل سے کروں گا۔

فرزانہ نینا:- انگلستان کی معروف خاتون شاعرہ ہیں۔ ریڈیو اور ٹی وی سے وابستہ ہیں نوٹنگھم میں ہر خاص و عام میں بے حد مقبول ہیں۔

جاوید شیخ:- لندن میں گذشتہ 52 سال سے مقیم ہیں۔ پیشے سے طب کے ڈاکٹر ہیں۔ اردو مرکز لندن کے روحِ رواں بھی ہیں۔

ایوب اولیا:- ایوب اولیا کا تعلق دہلی سے ہے آزادی کے بعد لاہور میں سکونت اختیار کی اور اس کے بعد انگلستان چلے آئے۔ گزشتہ کئی دہائیوں سے لندن میں مقیم ہیں۔ میوزک سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں اور میوزک پر کتابیں تحریر کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک پختہ شاعر بھی ہیں۔ فیض فاؤنڈیشن لندن کے چیئرمین بھی ہیں۔

قیصر زیدی:- قیصر زیدی کا شمار انگلستان کے معتبر اردو شعراء میں ہوتا ہے۔ آپ انگلستان کے شہر شیفیلڈ میں مقیم ہیں۔ آپ کا شمار انگلستان کے ذہنی امراض کے بہترین ڈاکٹروں میں ہوتا ہے۔ شاعری سے جنون کی حد تک دلچسپی ہے۔ ادبی قافلے میں شروع سے آخر تک ساتھ رہے۔

پروگرام کے مطابق اس پورے قافلے کو 6 / جولائی 2018ء کو دوپہر کے کھانے پر ڈاکٹر جاوید شیخ کے لندن والے دولت کدہ پر ملنا طے پایا تھا۔ میں جموں سے دو دن پہلے یعنی 3 / جولائی کو دہلی پہنچ چکا تھا جہاں 5 / تاریخ کو جواہر لعل یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کا ایک امتحان لینے کے بعد میں اور پروفیسر خواجہ اکرام الدین رات 10 بجے اندرا گاندھی انٹرنیشنل ایئرپورٹ پہنچ گئے۔ جہاں سے ہمیں 6 تاریخ کی صبح 2 بج کر 45 منٹ پر لندن کے لیے انڈین ایئرلائنز کے جہاز سے پرواز کرنا تھا۔ ان ہی دنوں تقی عابدی بھی ادبی دورے پر ہندوستان آئے ہوئے تھے۔ حیدرآباد، پونا کے ادبی دورے کے بعد انھیں 5 / جولائی کو دہلی

رات 10 بجے لکھنؤ سے دہلی پہنچنا تھا۔ ادھر نصرت مہدی سے بھی 10 بجے رات بھوپال سے دہلی پہنچنے کی امید تھی لیکن تقی عابدی اور نصرت مہدی اندرا گاندھی انٹرنیشنل ایئرپورٹ دیر سے پہنچے۔ وہ اس لیے کہ دونوں کے جہاز لیٹ تھے۔ میں اور خواجہ اکرام الدین ایئرپورٹ کے باہر ان دونوں کا انتظار کرتے کرتے پسینے سے شرابور ہو رہے تھے کیوں کہ اس دن دہلی میں گرمی بلا کی پڑ رہی تھی۔ تقی عابدی نے دہلی کے ایک پبلشر ڈاکٹر شاہد حسین کو بھی اپنی چند کتابوں کے ڈبے دے کر ایئرپورٹ میں بلوا لیا تھا تاکہ ان کتابوں کو اپنے ساتھ لے کر برطانیہ اور کینیڈا لے جائیں۔ ان تمام کتابوں کا وزن تقریباً 100 کلو تھا جو ہم چاروں کے سامان کے ساتھ تقسیم ہونا تھا کیوں کہ ایئرلائنز کے بنائے گئے اصولوں کے مطابق ایک مسافر کو دو بکسوں میں 46 کلو وزن لینے کی ہی اجازت ہے۔ ہمارا اپنا سامان قریباً 23 کلو کے آس پاس تھا گویا ابھی ہم 23 کلو سامان اپنے ساتھ لے جا سکتے تھے۔ میں خواجہ اکرام الدین اور ڈاکٹر شاہد حسین سامان کی تقسیم کی بات کر ہی رہے تھے کہ لکھنؤ سے تقی عابدی کی فلائٹ آن پہنچی۔ تھوڑی دیر کے بعد نصرت مہدی بھی اس قافلے میں شامل ہو گئیں جو تھوڑی دیر کے بعد لندن روانہ ہونے والا تھا۔ شاہد حسین کی لائی ہوئی کتابوں کو پہلے ہر ایک کے سامان کے ساتھ Adjust کیا گیا اور اس کے بعد ہم یعنی میں خواجہ اکرام، نصرت مہدی اور تقی عابدی سیدھا انڈین ایئرلائنز کے کاؤنٹر پر Boarding Pass بنانے کے لیے چلے گئے۔ کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی انڈین ایئرلائنز کی ایک اہلکار کی نااہلی کی وجہ سے بورڈنگ پاس بنانے میں اچھی خاصی تاخیر ہوگئی تقریباً ایک بجے ہم تینوں کو بورڈنگ پاس مل گیا اور ہم چاروں افراد دوڑتے بھاگتے جہاز کے گیٹ پر پہنچ گئے لیکن وہاں جا کر معلوم ہوا کہ جہاز کا گیٹ تبدیل کر دیا گیا ہے اور اب فلائٹ گیٹ نمبر 4 سے روانہ ہونے جا رہی تھی۔ ہم واپس لوٹ آئے وقت ہمارے پاس بہت کم تھا۔ نصرت، تقی عابدی اور خواجہ اکرام الدین بڑی تیزی سے چل کر گیٹ نمبر 4 کی طرف جا رہے تھے لیکن میں بے حد تھکا ہوا تھا اس لیے چل نہیں پا رہا تھا۔ سارا جسم پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔ ٹانگیں چلنے سے جواب دے گئی تھیں۔ اس کی ایک وجہ میرا پہنا ہوا جوتا بھی تھا جو بالکل Uncomfortable تھا۔ بہرحال کسی طرح سے میں گیٹ نمبر 4 تک پہنچ گیا۔ تھوڑی سانس لینے کے بعد ہم چاروں

6/جولائی، ہندوستانی وقت کے مطابق صبح 3 بجے انڈین ایئر لائنز کے جہاز میں لندن روانہ ہونے کے لیے بیٹھ گئے۔ چند لمحوں کے بعد جہاز نے فضا میں اُڑان بھر لی۔ پورا جہاز مسافروں سے بھرا ہوا تھا۔ زیادہ تر مسافر ہندوستان کے مختلف حصوں سے وہ لوگ جو کاروبار یا نوکری کے سلسلے میں لندن میں مقیم ہیں۔ جہاز میں چند طالب علم بھی تھے جو لندن کی مختلف یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم ہیں۔ مجھے تھکاوٹ کا احساس زبردست ہو رہا تھا اس لیے جلد ہی نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ میری آنکھ اس وقت کھلی جب جہاز لندن کے ہیتھرو ایئرپورٹ پر لینڈ کر گیا۔ اس وقت لندن کے وقت کے مطابق صبح کے 7 بج رہے تھے۔ ہم جب جہاز سے باہر آ رہے تھے تو لندن کی خوش گوار صبح ہمیں خوش آمدید کہنے کے لیے تیار تھی۔ باہر آکر ہندوستان کے مقابلے میں موسم کا اپنا الگ ہی مزاج تھا۔ یہاں ایئرپورٹ پر سردی کا احساس ہوا۔ صاف ستھرا اور دلکش ہیتھرو ایئرپورٹ ایک عجیب طرح کا منظر پیش کر رہا تھا۔ ایئرپورٹ انگریزوں کے تعمیراتی فن کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ ہیتھرو ایئرپورٹ پر کاغذی کارروائی پوری کرنے کے بعد ہم ایئرپورٹ سے باہر آگئے۔ چوں کہ تھکاوٹ کا احساس شدت سے ہو رہا تھا اس لیے ایئرپورٹ سے باہر ہی ایک کافی ہاؤس میں چلے گئے۔ کافی پینے کے بعد تھوڑی دور اور پیدل چلے گئے۔ جہاں شہزاد بڑی بے صبری سے ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ یہی وہ شہزاد ارمان ہے جس کا تعارف میں اس سفرنامے کی پہلی قسط میں کرا چکا ہوں۔ شہزاد ارمان برطانیہ کے ایک نوجوان اُردو شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے جرنلسٹ بھی ہیں اس کے علاوہ وہ نوٹنگھم یونیورسٹی سے فلم اور ٹی وی میں ایم اے بھی کر رہے ہیں۔ شہزاد نے ہمیں والہانہ انداز میں خوش آمدید کہا۔ انھوں نے یہ اطلاع بھی دی کہ نیویارک سے عبدالرحمان عبد بھی ایئرپورٹ کے ٹرمینل 5 پر پہنچ چکے ہیں اور ہم سب کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہم ایئرپورٹ سے لفٹ کے ذریعہ کار پارکنگ میں چلے آئے۔ شہزاد عبد کو لینے چلے گئے۔ چند لمحوں کے بعد عبدالرحمان عبد ہمارے قافلے کے ساتھ شامل ہوگئے اور ہم لندن کی خوش گوار اور مہکتی صبح کا لطف بڑے مزے سے لے رہے تھے جس وقت ہم نے ہیتھرو ایئرپورٹ کو الوداع کہا تھا اس وقت صبح کے 9 بجے تھے۔

شہزاد لندن کی صاف و شفاف سڑکوں پر تیزی سے گاڑی چلا رہا تھا اور ہم لندن کی

خوب صورت اور دلکش سڑکوں، عمارتوں اور خوش گوار موسم کا لطف اٹھائے جا رہے تھے۔ عبد اور تقی عابدی پہلے بھی کئی مرتبہ انگلستان کا دورہ کر چکے تھے اس لیے وہ یہاں کی تہذیب اور یہاں کے کلچر کی پوری جانکاری رکھتے تھے۔ تقی عابدی کے مطابق ان دنوں لندن میں سیاحوں کا بہت رش رہتا ہے اور دُنیا بھر سے سیاح لندن گھومنے چلے آتے ہیں اس لیے اچھے ہوٹل ملنا مشکل ہو جاتے ہیں۔ وہ انگریزوں کی اچھائیوں کے علاوہ ان میں پائی جانے والی بری عادتوں کی بھی بات کر رہے تھے اور میں اور خواجہ اکرام الدین لندن کی دلکش فضاؤں میں کھوئے ہوئے ہوٹل پہنچنے کی سوچ رہے تھے کہ شہزاد نے Moxey ہوٹل کے سامنے گاڑی روک دی۔ یہ لندن کا وہ چار ستارہ ہوٹل تھا جہاں ہم نے دو دن قیام کرنا تھا۔ خواجہ اکرام الدین اور مجھے ٹھہرنے کے لیے ایک کمرہ دیا گیا۔ ہمارے ٹھہرنے کا انتظام پورے انگلستان میں ڈاکٹر تقی عابدی نے ہی کیا تھا کیوں کہ وہ اس قافلے کے امیر کارواں تھے۔

ڈاکٹر جاوید شیخ ساؤتھ لندن میں قیام پذیر ہیں۔ شہزاد ارمان لندن کے بیچ میں سے ہمیں ڈاکٹر جاوید کے دولت کدے پر لے جا رہے تھے اور ہم شہر کے نظاروں کا مشاہدہ کرنے میں مصروف تھے۔ صاف و شفاف شہر، طرح طرح کی کاریں، خوب صورت و شفاف راستے، بل کھاتی ہوئی سڑکیں اور ان پر چلتے ہوئے گورے لوگ عجیب طرح کا منظر پیش کر رہے تھے۔ تقی عابدی ایک راہنما کی طرح شہر اور اس میں رہنے والے لوگوں کے بارے میں تفصیل سے جانکاری فراہم کر رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ لندن ایک ایسا شہر ہے جہاں دُنیا کے ہر ملک کے لوگ آباد ہیں۔ ویسے لندن کی سڑکوں پر مجھے انگریزوں کے بعد جو دوسرے لوگ زیادہ دکھائی دیے وہ سری لنکن تھے۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ شری لنکا کے لوگوں کی ایک کثیر تعداد کاروبار کے سلسلے میں اس شہر میں مقیم ہے۔ ویسے ہندوستانیوں اور پاکستانیوں کی اچھی خاصی تعداد بھی اس شہر میں موجود ہے۔ ہم شہر کے نظاروں سے لطف اندوز ہو ہی رہے تھے کہ شہزاد نے راستہ بھول جانے کا انکشاف کیا، لندن میں شام شروع ہوگئی تھی لیکن سورج ابھی آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ یہاں سورج رات دیر غروب ہوتا ہے اس لیے رات بھی یہاں دن کا منظر پیش کرتی ہے۔ بڑی دلکش سہانی شام ہوتی ہے لندن کی بلکہ پورے انگلستان کی صبح 9 بجے لوگ اپنے کاروبار

پر نکلتے ہیں اور شام 5 بجے سب اپنے گھروں کو لوٹ آتے ہیں اس کے بعد پورا شہر خاموشی کا منظر پیش کرتا ہے۔ اکا دکا لوگ ہی بازار میں چلتے نظر آتے ہیں۔ راستہ معلوم کرتے کرتے ہم قریباً 6 بجے شام ڈاکٹر جاوید شیخ کے گھر پہنچے۔ ڈاکٹر جاوید شیخ قصور پاکستان کے رہنے والے ہیں اور گزشتہ 52 سال سے ساؤتھ لندن میں مقیم ہیں۔ انھوں نے اور ان کی اہلیہ نے ہمارا پر جوش استقبال کیا۔ ہم نے دوپہر کے کھانے کے بجائے رات کا کھانا کھایا۔ گپ شپ ہو رہی تھی کہ پاکستان سے ڈاکٹر محمد کامران اور صائمہ کامران بھی اس ادبی قافلے میں شامل ہو گئے۔ ڈاکٹر جاوید کے گھر سے ہی لندن میں اس ادبی قافلے کا آغاز ہوا۔ پریس کے سامنے ڈاکٹر تقی عابدی نے اس ادبی قافلے کے اغراض و مقاصد بیان کیے۔ اتنے میں صائمہ کامران اور ڈاکٹر کامران نے بھی کھانا کھایا۔ ڈاکٹر جاوید کے گھر میں پہلے سے ہی قافلے کے ایک اور ممبر خلیل الرحمن رکے ہوئے تھے۔ خلیل الرحمن ڈاکٹر جاوید شیخ کے دوست ہیں وہ اکثر انگلستان آتے رہتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اردو ادب سے گہرا شغف رکھتے ہیں اور ایک اچھے شاعر بھی ہیں۔ رات کے گیارہ بجے ہم ڈاکٹر جاوید شیخ کے گھر سے فارغ ہوئے۔ اب شہزاد واپسی پر گاڑی تیزی سے راستے پر ہوٹل کی طرف چلا رہا تھا تقریباً 12 بجے ہم ہوٹل پہنچے۔ چونکہ بہت زیادہ تھک چکے تھے اس لیے جلد ہی نیند کی آغوش میں چلے گئے۔

ڈاکٹر سید تقی عابدی
کینیڈا
21/اگست 2018ء

اُردو ادبی قافلہ یورپ 2018ء

مقاصد، آنکھوں دیکھا حال، تاثرات اور نتائج

گزشتہ بیس (20) برسوں میں چار عالمی اردو کانفرنسوں منعقدہ نیویارک، نیوجرسی، شکاگو اور ٹورنٹو کی سرپرستی، دس سال قبل عالمی بارسیونا قرطبہ کانفرنس کی کامیابی نے اس سال راقم کو پھر اُردو ادبی قافلہ یورپ 2018ء کی تشکیل پر مامور کیا تا کہ اس ادبی، علمی اور ثقافتی تجربے سے اکیسویں صدی کی مصروف زندگی میں جہاں گلوبل ولیج کی شہریت نے کئی ملکوں کے باشندوں کو زبان کے پرچم تلے جمع کر رکھا ہے، اس سے فائدہ اٹھا کر اُردو کی مثبت اور ارتقائی قدروں کو اُجاگر کیا جائے۔ یہ دورِ حاضر کا المیہ ہے کہ اغلب مشاعرے اور ادبی سیمینار اپنی علمی، ادبی، ثقافتی اور تہذیبی وراثت اور تہذیب و تربیت سے دور ہوتے جا رہے ہیں چناں چہ زیادہ تر شعری اور ادبی، علمی محافل اب شعر و ادب کی آموزش گاہ نہیں بلکہ نمائش گاہ اور مداری کا تماشہ معلوم ہوتی ہے۔

سات کے عدد نے ہمیں ساتھ دیا اور یہ بھی بتایا کہ آسمان سات زمین کے طبقات سات براعظم اور بحرِ اعظم سات اور ہر ہفتہ کے دن سات ہیں۔ چناں چہ ہم نے 7/جولائی سے 14/جولائی تک سات دنوں میں انگلینڈ کے سات شہروں میں سات سیمینار اور سات مشاعرے، سات مقامی، ادبی، شعری انجمنوں کے ساتھ برگزار کیے جن میں سات شہروں یعنی لاہور، کراچی، دہلی، جموں، بھوپال، نیویارک اور ٹورنٹو سے مہمانوں نے شرکت کی۔ جن میں سات مہمان شاعر عبدالرحمان عبد، تقی عابدی، فاطمہ حسن، محمد کامران، خلیل الرحمن، نصرت مہدی اور صائمہ کامران کے علاوہ سات سے زیادہ مقامی ممتاز شعراء، مختار الدین،

ایوب اولیا، نسیم انصاری، قیصر عباس، فرزانہ نیناں، مہ جبین، غزل انصاری، شہزاد ارمان، فاروق ساغر، فیض نقوی، صبا شاہ عالم وغیرہ نے شرکت کی۔ سات سیمینار مشاعروں سے پہلے منعقد ہوئے جن میں سات عمدہ مہمان ادیب خواجہ اکرام الدین، شہاب عنایت ملک، محمد کامران، تقی عابدی، خلیل الرحمن، فاطمہ حسن اور عبدالرحمان نے سات دنوں میں سات مختلف عناوین پر کلیدی خطبات اور تقاریر کیں، جن کا تفصیلی ذکر آئندہ ہوگا۔ تمام مہمانوں کو انگلینڈ کے سات ہوٹلوں میں ٹھہرایا گیا اور تمام مہمان قافلہ کی بڑی ویان میں سفر کرتے رہے۔ اس ادبی قافلہ میں ایک دوسرے کو جاننے کے علاوہ شعر و ادب سیکھنے کا موقع بھی ملا۔ یہ ادبی قافلے کی خوش بختی تھی کہ پورا ہفتہ موسم خشک اور خوشگوار رہا۔ دیکھی بھالی جگہوں سے قافلے کی ضیافت ہوتی رہی۔ مقامی انجمنوں کے سربراہوں نے نہ صرف مقامی محفل سجائی بلکہ مہمانوں کی لنچ اور عشائیہ سے بھی پذیرائی کی۔ ادبی قافلے کی کامیابی سے معلوم ہوا کہ:

ف ۱: مختصر اور جامع سیمینار اور پُر لطف باوقار مشاعرہ ایک ساتھ تین، ساڑھے تین گھنٹوں میں منعقد کیا جا سکتا ہے۔

ف ۲: ہفتہ اتوار کے علاوہ ہفتے کے کسی بھی دن شام ۶ بجے کے بعد محفل سجائی جا سکتی ہے۔ اس طرح مغربی ملکوں میں بھی سات ہفتے ادیبوں اور شاعروں کو روکنے کے بجائے ایک ہفتہ میں سات سیمینار اور سات مشاعرے ہو سکتے ہیں۔

ف ۳: اردو کے شعراء اور ادیب کسی بھی ملک سے تعلق رکھتے ہوں، اردو قافلے میں شامل ہو سکتے ہیں۔ جس سے ان افراد یا انجمنوں کو مایوسی ہو سکتی ہے جو اپنا خاص مسلکی، لسانی یا ملکی ایجنڈہ رکھتے ہیں کیونکہ یہ قافلہ خالص ادبی کاوش ہے۔

ف ۴: سیمیناروں میں اردو کے موجودہ مسائل کے علاوہ، نئی بستیوں میں اردو کے تحفظ اور ہموار کو اردو سے ارتباط کو مضبوط کیا جا سکتا ہے۔

ف ۵: اردو مشاعرہ جو ہماری صدیوں پر پھیلی شعری علمی اور ثقافتی تہذیب اور تربیت ہے۔ اس کا تحفظ بھی کیا جا سکتا ہے کیوں کہ ان مشاعروں میں متشاعروں اور ان کو ترقی کرنے والے ناظموں یا انجمنوں کے سرپرستوں کی سرداری نہیں اور نہ یہاں

اس کا وقت اور حوصلہ ہے۔

ف ٦: ادبی قافلہ کے تجربے سے نئے تحقیقی اور تنقیدی چہرے رونما ہوئے جن کی رونمائی اُردو شاعری کے لیے ان پرانے لکھنے پڑھنے شاعروں کی تصنیف کی رونمائی سے زیادہ ضروری ہے۔ یہ سچ ہے اگر یہ شعری امانت آئندہ نسل کو دی جائے تو اس میں ہم سب کی بقا ہے۔ چند جوان شاعروں اور شاعرات کی موجودگی قافلے کی کامیابی تصور کی جا رہی ہے۔ ادبی قافلے کا مقصد ان کی ہمت افزائی اور قدر دانی ہے۔

اس ادبی قافلہ کی خاص بات اس کے سات سیمینار تھے جو سات جدا جدا عنوانات کے تحت برگزار ہوئے جن سے عامی اور عالم دونوں مستفید ہوئے۔ شاید ہی سرزمین انگلینڈ پر یا اُردو دُنیا کے کسی حصے میں سات دنوں میں سات متواتر عمدہ سیمینار سات مشاعروں سے قبل منعقد ہوئے ہوں۔ ہر سیمینار میں صدارت کے ساتھ ساتھ مہمان خصوصی اور مہمان اعزازی بھی شریک تھے۔ کلیدی خطبے کے علاوہ تین یا چار مقرر بھی اظہار خیال کر رہے تھے۔ تقریباً ہر سیمینار میں عنوان کے ساتھ علمی اور معلوماتی لحاظ سے انصاف برتا گیا جس کی سامعین نے تائید اور تعریف بھی کی۔ ان تمام خطبوں اور تقاریر کی ویڈیو بنائی گئی ہیں جو یوٹیوب پر جلد ہی دیکھی جا سکے گی۔ یہاں بطور نمونہ عنوان، چیدہ مطالب اور شرکا، سیمینار کا ذکر دیا جا رہا ہوگا۔ اس ادبی قافلہ کا سفر اور اس کی تفصیلات تصاویر اور ویڈیو کلپس کے ذریعہ بھی مرتب کی جا رہی ہیں۔ پروفیسر شہاب عنایت ملک نے ادبی قافلہ کا سفرنامہ ہر روز کی نسبت سے دلچسپ اور تفصیلی لکھا ہے جو بہت پسند کیا گیا۔ یہ ادبی قافلے کی مستند دستاویز ہے۔ ہم نے ان مطالب کی تکرار سے گریز کیا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد کامران چیئرمین شعبہ اردو پنجاب یونیورسٹی لاہور بھی ادبی قافلہ کی رپورٹیں لکھ رہے ہیں۔ کچھ دوسرے مہمانوں نے بھی ادبی قافلے سے مربوط اور غیر مربوط مطالب سوشل میڈیا پر سجائے ہیں جن سے ادبی قافلے کی رنگارنگی میں اضافہ ہوا ہے۔ ادیب اور قلم دونوں آزاد ہیں اور یہی ادبی قافلے کا مقصد بھی ہے۔ ادبی قافلے کی یہ بات بھی خوش گوار رہی کہ اس میں کسی قسم کی سیاسی، مذہبی یا اقتصادی گفتگو سے گریز کیا گیا تاکہ صرف اور صرف توجہ ادب پر جمی رہے۔ یہاں اس بات

کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ انگلینڈ ہی نہیں بلکہ دوسرے ممالک کے اخباروں، ریڈیو اور ٹی وی چینلوں نے قافلے کے سیمیناروں اور مشاعروں کے علاوہ مختلف مہمانوں کے انٹرویو اور ضروری مشاہدات اور ارشادات کو قارئین اور ناظرین تک پہنچایا ہے جن کے ہم تہہ دل سے ممنون و مشکور ہیں۔

اس ادبی قافلہ میں چند کتابوں کی رونمائی اور معتبر افراد کو ان کی پیش کش بھی ہوئی۔ 7 / جولائی کو علامہ اقبال سیمینار کے دوران ڈاکٹر عبدالرحمان عبد کی تصنیف و تالیف ''شکوہ جواب شکوہ'' کی رونمائی پاکستانی ہائی کمشنر عزت مآب ابن عباس صاحب کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ اسی تقریب میں پروفیسر کامران اور ان کی اہلیہ صائمہ کامران نے اپنی تحقیقات ہائی کمشنر کو پیش کیں۔ برمنگھم میں ڈاکٹر تقی عابدی کی ''فیض فہمی'' فیض احمد فیض کی دیرینہ دوست جناب بدرالدین بدر کو پیش کی گئی۔ اس کے علاوہ مختلف مہمانوں نے بھی اپنی کتابوں کو مہمانوں کو پیش کیا۔ دیارِ غیر میں اردو کتابوں کی جلوہ نمائی نے اردو قافلے کو پُر ثمر بنا دیا۔ قافلے کے مہمان مسلسل سیمیناروں اور مشاعروں میں شرکت کے ساتھ رات دیر گئے ادبی نشستوں، ٹی وی انٹرویوز اور ضیافتی محفلوں میں شریک رہے۔ بعض مہمانوں نے اپنے احباب اور رشتے داروں سے بھی ملاقاتیں کیں۔ بعض گھومنے اور بعض خرید و غیرہ میں مصروف رہے۔ بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ پورے قافلہ کا سفر کسی مشکل، ناراضگی یا اضطراب کے بغیر قلب و فکر کے سکون کے ساتھ طے پایا۔ سفر کے دوران فیض کی غزلوں کی نغمگی، لطیفے، چٹکلے اہلِ قلم کے علمدار شہزاد ارمان کی ڈرائیونگ کے ساتھ راستوں میں شعری ادبی سرور کی خوشبو بکھیر رہے تھے۔

6/ جولائی کو لندن میں ادبی قافلے کے اراکین جمع ہو گئے اور اردو مرکز لندن اور اس کے سرپرست ڈاکٹر جاوید شیخ کی رہائش گاہ پر ان کی پُرتکلف لنچ سے ضیافت کی گئی۔ 7/ جولائی کو اردو مرکز لندن نے پاکستان ہائی کمیشن کے تعاون سے ایک روزہ سیمینار اور مشاعرہ برپا کیا۔ سیمینار کا موضوع تھا ''دورِ حاضر میں کلامِ اقبال کی اہمیت اور افادیت'' سیمینار کی صدارت عزت مآب ہائی کمشنر ابن عباس صاحب نے کی جس کے بعد مشاعرہ بیادِ اقبال منعقد ہوا، جس کی صدارت عزت مآب ڈپٹی ہائی کمشنر زاہد حفیظ چودھری نے کی۔

سیمینار کا افتتاح کرتے ہوئے اردو مرکز لندن کے چیئرمین ڈاکٹر جاوید شیخ نے مہمانوں اور سامعین کا استقبال کرتے ہوئے اردو مرکز لندن کی ادبی خدمات اور علامہ اقبال کے کلام کی تشہیر کی ضرورت پر روشنی ڈالی۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے کلیدی خطبہ میں احترام اور حقوق انسان کے فقدان کو موجودہ دور کا پُرآشوب رجحان اور المیہ بتا کر علامہ اقبال کے کلام کو اس کا علاج اور ان مشکلات کا حل بتایا۔ انھوں نے اقبال کی آفاقی شاعری کے مختلف نکات کو ان اشعار اور تشریح سے واضح کیا جس سے عامی اور عالم دونوں مستفید ہوئے۔ سیمینار کی پوری روداد یوٹیوب پر کلیدی خطبے کے ساتھ دوسرے مقررین کے خیالات کی سنی جا سکتی ہے۔ اس مختصر تحریر میں تمام مقررین کے خیالات کا اظہار ممکن نہیں۔ پروفیسر محمد کامران نے بتایا کہ اقبال کے پیام کو ان کے دور میں قید نہیں کیا جا سکتا وہ ماضی، حال اور مستقبل کے اثر انگیز شاعر ہیں جن کی فکر جاودانہ کو موجودہ عالمی دور کے تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ پروفیسر خواجہ اکرام نے اپنی بلیغ تقریر میں اقبال کو اس دور کا مسیحا متعین کیا۔ ان کے پیام اور انسانی قدروں کی تشہیر اور تعمیم پر زور دیا۔ پروفیسر شہاب ملک نے کشمیر میں اقبال کی محبت اور ان کے کلام سے روشنی حاصل کرنے کے جذبہ کی نشاندہی کی۔ ڈاکٹر فاطمہ حسن نے خوب صورت طور پر اقبال کی آفاقی شاعری اور موجودہ مشکلات کا ان کے کلام و پیام کے ذریعہ حل پیش کیا۔ ڈاکٹر نصرت مہدی نے اقبال اور بھوپال کی روداد اور ان کی تعلیمات کے خوش گوار گوشوں کو موجودہ دور کا عمدہ سرمایہ قرار دیا۔

ڈاکٹر عبدالرحمان عبد نے اپنی تصنیف و تالیف سے ''شکوہ اور جواب شکوہ'' کو واضح کرتے ہوئے نسل جوان کی ذہنی تربیت اور کلام اقبال سے رغبت پر زور دیا۔ جناب اکرام چغتائی نے اقبال اور گوئٹے پر اپنا تحقیقی کام آسان اور سلیس لہجہ میں پیش کیا۔ جناب خلیل الرحمن ایڈووکیٹ نے اقبال کے کلام کی نئی جہتوں پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے اقبال کے پیام کو دورِ حاضر سے جوڑتے ہوئے اقبال کے کلام کی معنویت اور اس کی افادیت پر مختصر مگر سیر حاصل گفتگو کی جسے بڑی توجہ سے سنا گیا۔ خلیل الرحمن کی گہری سوچ مطالب سے نتیجہ گیری موضوع کا دلیلوں سے اثبات ان کا منفرد طرز تنقید ہے جو اردو ادب میں خال خال ہے۔ جناب بقا صاحب نے اپنے خاص انداز میں اقبالیات کے ان گوشوں کو سامعین سے

روشناس کروایا جو موضوع کی تائید میں ہیں۔ انھوں نے اپنے بیان کو کلیدی خطبے اور دوسرے
مقررین کی تقاریر سے بھی جوڑا اور نتیجہ اخذ کیا۔ افریقن اسٹڈیز لندن کی ڈاکٹر آمنہ یقین
نے مسجد قرطبہ پر تفصیلی گفتگو کر کے نتائج پیش کیے۔ ڈاکٹر جاوید شیخ نے مختصر وقت میں مدلل
گفتگو کر کے عنوان کا حق ادا کیا۔ باتھ یونیورسٹی انگلینڈ کے پروفیسر افتخار ملک نے اپنی
طولانی گفتگو میں اقبال کو شرق اور غرب مفکروں، مصلحوں اور مشاہیروں سے مربوط کیا۔
سیمینار کے صدر ہائی کمشنر ابن عباس نے مہمانوں کا شکریہ ادا کر کے اقبال کے اس سیمینار کی
ضرورت اور موجودہ دور میں کلام اقبال کی تشہیر و تبلیغ اور ان کے پیغامات آزادی اور حریت
کے درس کی طرف توجہ دلوائی۔ انھوں نے بتایا کہ ''اقبال کے کلام کی تابناکی سے دنیا بھر کی
تاریکیوں کو دور کیا جا سکتا ہے۔''

ہم نے نمونے کے طور پر پہلے ایک دن کے سیمینار اور مشاعرے کی اجمالی روداد
پیش کی ہے۔ جب کہ ادبی قافلے یورپ نے سات دنوں میں سات سیمینار اور سات
مشاعرے برگزار کیے۔ یہ سچ ہے کہ جس سیمینار میں کلیدی خطبے کے علاوہ پانچ چھ مقررین
اپنے زرین خیالات کا اظہار کر رہے ہوں ان کا ایک آدھ جملہ لکھنا موضوع اور مقرر کے
ساتھ انصاف نہیں اور مزید اس سے پڑھنے یا سننے والے کو کچھ زیادہ حاصل بھی نہیں ہوتا۔
چناں چہ ہم نے اس مختصر رپورٹ میں صرف سیمینار اور مشاعرے کی تعارفی ترتیب اور
تہذیب کو پیش کر کے تقاریر اور شاعری کو ویڈیو کلپس اور یوٹیوب کے لیے محفوظ کر دیا ہے
تاکہ اردو پرستار تمام سیمینار اور مشاعرے کی کارروائی کو نہ صرف آنکھوں سے دیکھیں بلکہ
کانوں سے مقررین اور شاعروں کے کلام کو سن کر محظوظ بھی ہوں۔ سینکڑوں تصاویر جو اپنی
بے زبانی میں بات کر رہی ہیں فیس بک، انسٹاگرام، انٹرنیٹ اور دوسری ڈیجیٹل پرنٹ
میڈیا پر موجود ہیں جنھیں جلد (1) کی شکل میں بھی جمع کیا جا رہا ہے۔ درجنوں ویڈیو کلپس
بھی سوشل میڈیا پر دیکھے اور محفوظ کیے جا سکتے ہیں۔ جن کی جمع آوری بھی ہو چکی ہے۔

یوٹیوب کی شکل میں تمام سیمینار اور مشاعرے کی روداد اور اہم حصوں کی تقسیم اور
ترتیب جاری ہے۔ اس کے علاوہ ادبی قافلے، اہل قلم اور متعدد بین الاقوامی انجمنوں نے
بھی کم و بیش ادبی قافلے کی کارروائی اور اہم حصوں کو اپنے صفحات پر جمع کیا ہے۔ یہ سب کی

اور تشہیری کام اس لیے بھی کیا جا رہا ہے کہ یہ ادبی تجربہ آنے والے کل کا سرمایہ بنے گا۔

سیمینار کے دوران لنچ کے علاوہ کافی، چائے، بسکٹ، کیک وغیرہ سے ضیافت جاری تھی۔ سیمینار کے فوری بعد بین الاقوامی مشاعرے کا آغاز ہوا۔ ڈپٹی ہائی کمشنر محترم زاہد حفیظ چودھری نے صدارت کی۔ ڈاکٹر عبد، ڈاکٹر نصرت مہدی، ڈاکٹر فاطمہ حسن مہمان خصوصی اور اعزازی رہے۔ مہمان شاعروں میں تقی عابدی، محمد کامران، خلیل الرحمٰن اور صائمہ کامران نے کلام پیش کیا۔ منفرد لہجہ کی شاعرہ صائمہ کامران نے مشاعرہ کا سماں باندھ دیا۔ نصرت مہدی، فاطمہ حسن نے مقامی ممتاز شاعرہ مہ جبین غزل کے ساتھ مشاعرے کو فلک بوس کر دیا۔ دوسرے مقامی شعراء میں شکیل دانش، ڈاکٹر قیصر زیدی، سہیل ضرار، شہزاد ارمان، فیضان عارف، ناصرہ زبیری اور یشب تمنا شامل تھے۔ مشاعرے کے سبھی شاعر عمدہ طور پر اپنے کلام پیش کر کے داد اور تحسین حاصل کرتے رہے۔ مشاعرے کے بعد شکیب صاحب کی عیادت اور پھر لندن میں دیسی ریسٹورنٹ راوی میں ضیافت نے کلام کے بعد طعام کا بندوبست کر دیا جس کے بعد قافلے والے اپنی قیام گاہ کی ہوٹل کی طرف لندن کی رات کا نظارہ کرتے ہوئے گام گام بڑھتے گئے اور پھر رات بھر آرام ہی آرام رہا۔

دوسرے دن 8 رجولائی لندن کے ہوٹل سے نکل کر میکڈونلڈ ریسٹورنٹ میں ناشتہ کر کے ننگھم کے ہوٹل برطانیہ پہنچے، چوں کہ ہم تو ہوٹل میں دیسی کھانا کھا چکے تھے اس لیے کچھ آرام کر کے جلسہ گاہ پہنچے جو ایک بڑی چاریٹی مسلم ہینڈ آرگنائزیشن کا آڈیٹوریم تھا۔ سیمینار کا موضوع تھا، ''برصغیر میں صوفیائے کرام کی قومی یکجہتی'' اس سیمینار کی صدارت فاؤنڈیشن کے چیئرمین شاہ لخت حسنین صاحب نے کی۔ کلیدی خطبہ ڈاکٹر تقی عابدی نے دیا۔ مہمان خصوصی اور اعزازی ڈاکٹر فاطمہ حسن اور پروفیسر کامران تھے۔

سیمینار کی نظامت فضا ریڈیو کی ممتاز اناؤنسر اور برنامہ نگار ممتاز شاعرہ فرزانہ خان نیناں نے کی۔ یہ سیمینار (Live Broad Cast) لائیو براڈ کاسٹ کیا گیا۔ سیمینار اور اس کے بعد ہونے والے مشاعرے میں سامعین نے اچھی تعداد میں شرکت کی۔ مشاعرے کے بعد عشائیہ سے ضیافت کی گئی۔ سیمینار اور مشاعرہ سات بجے شروع ہو کر دس بجے ختم ہوا۔ اس مشاعرے کی صدارت ڈاکٹر عبدالرحمان عبد نے کی۔ پروفیسر خواجہ اکرام الدین

مہمان خصوصی رہے اور دوسری خواتین شہ نشین کی زینت رہیں۔

کلیدی خطبے کے ساتھ دیگر مقررین نے بھی موضوع کی روشنی سے محفل کو نورانی کر دیا۔ محترم لخت حسنین صاحب نے اپنے مصروف پروگرام میں سے وقت نکال کر سیمینار کو رونق دی۔ اس سیمینار کا موضوع اور اس سے متعلق گفتگو دونوں معیاری اور موجودہ دور کی ضرورت تھے جنھیں حاضرین نے سراہا۔ اس سیمینار میں ڈاکٹر عابدی کے علاوہ پروفیسر محمد کامران، پروفیسر اکرام الدین، ڈاکٹر عبدالرحمان عبد، ڈاکٹر فاطمہ حسن اور صدر جلسہ لخت حسنین صاحب نے اپنے عمدہ خیالات سے محفل کو زعفران زار بنا دیا۔

اس ادبی قافلے کا ایک مقصد حسن یوسف کو بازار مصر بلکہ دنیا کے بازاروں میں پیش کرنا بھی ہے۔ چناں چہ جدید اردو تحقیق کاروں اور تنقید نگاروں کو مختصر مگر تمام تعارف اور تکریم کے ساتھ پیش کر کے اردو ادب کے ساتھ انصاف کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ آج کی شعری دنیا میں ہماری شاعرات اور جوان شاعر عمدہ اور فطری شاعری کر رہے ہیں۔ چناں چہ شہ نشین پر سوائے صاحب صدر ڈاکٹر عبدالرحمان اور مہمان خصوصی پروفیسر خواجہ اکرام کے سب پردہ نشین ہی جلوہ گر تھے جو اپنی شاعری میں ان پردوں کو چاک کر رہے تھے جن میں حقوق زنان اور عظمت زنان پشت پردہ رہ گئی تھی۔ تمام شاعرات کی فاتحہ شاعری کے بعد شگفتہ کے ممتاز شاعر قیصر عباس نے مشاعرے کے رزم میں قیصری پرچم لہرا دیا۔ ادبی قافلے نے رات نتھم کے ہوٹل برطانیہ میں گزاری۔ شہزاد ارمان صبح تازہ سینڈوچ اور چائے لائے۔ گاڑی میں سامان اور صاحب سامان کو لے کر کافی وافی پیتے ہوئے براڈ فورڈ پہنچے جہاں مہ جبین غزل صاحبہ نے جو یورک شیر کی ادبی تنظیم کی سرپرست ہیں ایک خوب صورت سیمینار اور مشاعرہ سجایا تھا۔ اس سیمینار کا عنوان "اردو شعر و ادب میں نسائی شعور" رکھا گیا تھا۔ اس سیمینار کی صدارت انگلینڈ کی مشہور ادبی شخصیت ڈاکٹر مقصود الٰہی شیخ نے کی۔ مہمان خصوصی ڈاکٹر تقی عابدی اور کلیدی خطبہ ڈاکٹر فاطمہ حسن نے مختصر وقت میں جامع طور پر پیش کیا۔ تمام اردو ادب اچھی طرح واقف ہے کہ شعر و ادب میں نسائی شعور پر ڈاکٹر صاحبہ کا مستند کام موجود ہے۔ چناں چہ وقت کی کمی کے باعث ان کا پورا مقالہ تو سنا نہیں جا سکا لیکن اہم نکات نے موضوع کو مکمل کر دیا۔ اس موضوع پر ڈاکٹر تقی عابدی، پروفیسر

شباب ملک، پروفیسر خواجہ اکرام الدین، جناب خلیل الرحمن صاحب اور نصرت مہدی صاحبہ نے بھی عمدہ گفتگو کی۔ اتنے مختصر وقت میں اتنی اچھی مدلل اور جامع گفتگو مقررین کی ذہنی، علمی اور عملی کاوشوں کا نتیجہ تھا۔

سیمینار کے بعد مشاعرہ برگزار ہوا جس کی صدارت ڈاکٹر فاطمہ حسن صاحبہ نے کی اور مہمان خصوصی اور اعزازی میں ڈاکٹر نصرت مہدی اور صائمہ کامران شامل تھیں۔ نظامت مہ جبین غزل کر رہی تھیں۔ اُردو شاعری کا میدان شاعرات کے ہاتھ تھا اور انہی کے ہاتھ رہا۔ یہ سچ ہے کہ اُردو شاعری کی تخلیق میں جنسی امتیازات نہیں لیکن یہ بھی سچ ہے کہ نسوانی کیفیات، جذبات، محاکات اور حالات کو خواتین کے علاوہ مرد پیش کریں تو بناوٹ کا رنگ تصویر کو خراب کر دیتا ہے۔ جس سے اُردو شعری کے دفتر بھرے پڑے ہیں۔ تمام شاعروں نے جن میں مہمان، میزبان اور مقامی شعرا بھی شریک تھے اپنے اپنے شعری خدو خال سے شعری گلدستہ میں رنگ بھرے۔ ڈاکٹر مقصود الٰہی شیخ نے مختصر مگر دل پذیر گفتگو کی۔ کلام کے بعد طعام نے جو ادبی فورم کے عمدہ کام اور خوب صورت انتظام سے ہوا۔ ادبی قافلے کی جانب سے مورد تحسین و تکریم قرار پایا۔ اس محفل کی دلکش بات یہ بھی تھی کہ اس میں ایک بڑا کیک بھی تقسیم کیا گیا۔ کیک پر ادبی قافلے کا پوسٹر بنایا گیا تھا۔

دوسرے دن مہ جبین غزل صاحبہ نے اپنے مکان میں پُرتکلف لنچ کا انتظام کیا تھا جس میں مغل ڈشوں کی رنگا رنگی جو دیسی کھانوں کی خوشبو سے مہک رہی تھیں بطور عمدہ پکوان کی نعمتیں ہمیں خصوصی خلوص اور شاہی طرز کے قلندرانہ مزاج سے دل کھول کے کھانے کو ملیں جن کا مزا آج بھی زبان کے نیچے رس اور دماغ کی فضا میں خوشبو بن کر ہماری بھوک تازہ کر رہا ہے۔ یہ سب کرامات اور کرشمے غزل اور نسیم کی دین تھے۔ دل نے آواز دی:

”کب تک اللہ کی نعمتوں کو جھٹلاتے رہو گے۔“

ڈاکٹر نسیم انصاری جو غزل صاحبہ کے شریک حیات ہیں ایک نستعلیق شخصیت کے حامل اچھے شاعر اور عمدہ انسان ہیں۔ ادبی قافلہ میں ہمیں اُردو تہذیب کی خوشبو قدم قدم پر محسوس ہو رہی تھی۔ چناں چہ جب ادبی فورم نے خوشبو نسیم کے حوالے کیا تو وہ براڈ فورڈ کی خوب صورت پہاڑیوں اور وادیوں میں ہماری گاڑی فورڈ کے ساتھ براڈ (وسیع) طور پر

پھیل گئی اور ہم شیفلڈ پہنچے۔

شیفلڈ کی ہوٹل میں تیار ہو کر قافلہ بزم ادب شیفلڈ کے جلسہ گاہ پر پہنچی جہاں سیمینار اور مشاعرے کا بندوبست تھا۔ سیمینار کا موضوع ''اردو کی نعتیہ شاعری'' تھا۔ سیمینار کی صدارت ممتاز مقامی شاعر مختار الدین صاحب اور ڈاکٹر عبدالرحمان عبد نے کی۔ اس کے مہمان خصوصی سپریم کورٹ کے ایڈوکیٹ عمدہ ناقد اور خوش بیان شاعر خلیل الرحمن صاحب تھے۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے تاریخی کلیدی خطبہ دیا۔ ڈاکٹر عبد، جناب خلیل ارحمن، خواجہ اکرام الدین اور مختار الدین صاحب نے تقریریں کیں۔ اس سیمینار اور مشاعرے کی نظامت کوثر شاہ اور عمدہ شاعر صباعالم شاہ نے کی۔ یہ سچ ہے کہ اردو مشاعرہ نعت سے جڑا ہوا ہے اسی لیے تلاوت کلام مجید کے بعد نعت مقبول پیش کی جاتی ہے۔

اس سیمینار میں کلیدی خطبہ سے لے کر تمام مقررین کی تقاریر تک سب تقریریں پیغام انسانیت، رحمت، دل بستگی اور وارفتگی لی ہوئی تھیں۔ حضورؐ کی تعلیمات، سیرت، دین اسلام کی محبت اور قومی یکجہتی، عقیدتی جذبات کے ساتھ محفل کو روشن کرتی رہیں۔ کوثر شاہ اور صباعالم شاہ نے خوب صورت نظامت سے چار چاند لگا دیے۔ سیمینار کے فوری بعد مشاعرہ شروع ہوا جس کی صدارت ڈاکٹر عبد اور مختار الدین صاحب نے کی اور مہمان خصوصی فاطمہ حسن اور خلیل ارحمن رہے۔ مشاعرے میں تمام مقامی اور مہمان شعراء کو گرم جوشی اور داد و تحسین سے سنا گیا۔ ڈاکٹر شاہ عالم، فیض نقوی، ڈاکٹر قیصر عباس، فرزانہ نینا، صبا عالم شاہ، مہ جبین غزل کے علاوہ مہمان شاعرات میں صائمہ کامران، فاطمہ حسن اور محمد کامران، خلیل الرحمن، مختار الدین اور ڈاکٹر عبد نے عمدہ کلام سنایا۔ تقی عابدی کی نعت ''میرا نبیؐ'' پسند کی گئی۔ اس بزم ادب کے نعتیہ سیمینار اور نعتیہ مشاعرے میں نعت کی تاریخ، نعت کا ارتقا، موجودہ دور میں نعت کے تقاضے کے علاوہ نعت کے اصلی اور فرعی مضامین کو خوب صورت اور جامع طور پر پیش کیا گیا۔

ادبی قافلے کا ایک اہم مقصد شاعروں، ادیبوں اور شعر و ادب کے پرستاروں کی ملاقات اور نزدیک سے ایک دوسرے کو جاننے اور پہچاننے کا موقع فراہم کرنا بھی تھا۔ یہ سچ ہے ''شنیدہ کے بود مانند دیدہ'' کلام بزبان شاعر کے ساتھ ان شخصیتوں کو بھی سامنے لانا

ہمارا مقصد تھا جو دن رات اُردو کے تحفظ، تشہیر اور ترقی کے لیے پس پردہ کام کر رہے ہیں لیکن ان کو اپنے نام یا کسی دام کی فکر نہیں، وہ ہمارے لیے نیک نام اور گل فام ہستیاں ہیں۔ شفیلڈ میں نہ صرف عمدہ عشائیہ دیا گیا بلکہ مکمل سیمینار اور مشاعرے کی کارروائی کو ریکارڈ بھی کیا گیا۔ پھر الگ الگ مختلف مہمانوں سے کلپس اور ان کی شاعری کو خصوصی طور پر اسٹوڈیو ریکارڈ کیا گیا۔

انہی دریافتوں میں شفیلڈ کی ایک من موہنی قلندر صفت شخصیت سید فیاض نقوی کی ہے۔ جنھوں نے شعر وادب کی شمع جلا رکھی ہے۔ ادبی، سماجی، ثقافتی کاموں میں سر فہرست ہیں۔ وہ ایک اچھے انسان ہونے کے ساتھ شاعر، ادیب، ٹی وی اینکر اور مجلّے کے ایڈیٹر بھی ہیں۔ علم نیوز کے ڈائریکٹر ہونے کے ساتھ وطن پاک سے محبت ان کے ہر جملے سے ٹپکتی ہے۔ انھوں نے مختصر سے وقت میں کئی لوگوں کے دل موہ لیے۔ میں جب میں اختتامیہ کلیدی خطبے کے کاغذات کے بغیر پہنچ کر پریشان تھا وہ مثال فرشتہ مجھے فوری ہوٹل لے جاکر کاغذات کو حاصل کرنے میں مدد کی۔ راقم نے درجنوں انٹرویوز دیے لیکن نقوی صاحب کا انٹرویو اور ان کے سوالات کی وسعت اور کشش سے میں حیران تھا۔ سچ ہے گرد بیٹھنے پر معلوم ہوگا محمل میں کون بیٹھا ہے۔ دل نے آواز دی

ع : ''ایسا کہاں ہے دوسرا تجھ سا کہوں جسے''

فیاض نقوی ہوں کہ قیصر عباس، کوثر شاہ ہوں کہ صبا عالم شاہ، مہ جبین غزل ہوں کہ نسیم انصاری، مقامی انجمنوں کے سرپرست ہوں کہ ٹی وی کے اینکر، سب کی مہمان نوازی، محبت اور عجز وانکساری نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ یہاں کی وہ طولانی جھیل جو وادیوں میں پھیلی ہوئی ہے اور جس کا پانی یہ لوگ پیتے ہیں شاید اس کی کرشمہ سازی کا بھی عظمت تہذیب اور تربیت میں اثر ہو۔ مولانا روم نے کہا تھا ''دلوں کو جیت لو یہی تو حج اکبر ہے۔''

ع : دل بدست آور کہ حج اکبر است

ہم شیفلڈ سے نکل کر مانچسٹر کی طرف رواں ہوئے۔ مانچسٹر کے خزینۂ شعر وادب کی سرپرست محترمہ نغمانہ کنول جو شاعرہ بھی ہیں قافلہ کو اپنے دولت کدہ پر لنچ کے لیے مدعو کیا تھا۔ ڈائننگ ٹیبل پر ہر قسم کی ڈش ہمیں متوجہ کر رہی تھی اور ہم اپنی اپنی پسندیدہ غذا اپنی اپنی

پلیٹ میں جمع کر کے اسے اون میں گرم کر کے لطف اٹھا رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ صاحب خانہ کا شکریہ اور نعمت الٰہی کا شکر بھی کر رہے تھے۔

مانچسٹر کے ہوٹل میں کچھ دیر ٹھہر کر ہم جلسہ گاہ پہنچے جو ایک ریسٹورنٹ کا اوپری ہال تھا۔ سیمینار کچھ دیر سے شروع ہوا۔ سیمینار کا موضوع تھا ''کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور'' سیمینار کی صدارت پروفیسر شہاب ملک نے کی۔ کلیدی خطبہ ڈاکٹر تقی عابدی نے دیا۔ سیمینار کے دیگر مقررین میں پروفیسر محمد کامران، خلیل ارحمن اور پروفیسر خواجہ اکرام الدین صاحب شامل تھے۔ سیمینار غالب پر تھا اور ہر مقرر کیونکہ غالبیات کا رسیا تھا اس لیے موضوع کا بڑی حد تک حق ادا کیا گیا۔

سیمینار کے فوری بعد مشاعرہ کا آغاز ہوا جس کی صدارت بھوپال کی مشہور شاعرہ ڈاکٹر نصرت مہدی نے کی۔ اس کے مہمان خصوصی خلیل ارحمن ہوئے۔ وقت کی کمی نے تمام مہمان شاعروں کو بھی محدود وقت میں کلام پیش کرنے کی ضرورت پر آمادہ کیا کیونکہ اس کے بعد رسم گل پوشی اور عشائیہ کے تکلفات کو بھی پورا کرنا تھا۔ اس مختصر سے وقت میں بھی مقامی اور مہمان شاعروں نے مانچسٹر کے سامعین کو محظوظ کیا اور اپنی سند بند شاعری کا سکہ مشاعرہ بنام غالب میں چلا دیا۔

قافلہ سیمینار اور مشاعرے کو فتح کر کے ہوٹل سے متصل ایک پیٹرول پمپ کے اسٹور ریسٹورنٹ میں رکا۔ ریسٹورنٹ کا حصہ تو رات دیر ہونے پر بند ہو چکا تھا لیکن کاؤنٹر پر موجود دیسی قلندر کا دل ہمارے لیے کھلا تھا، بس ہم نے بند ریسٹورنٹ کے اس حصے میں پڑاؤ ڈال دیا۔ آئس کریم، چائے، خشک میوہ جات، چپس وغیرہ کھانے کے علاوہ شگوفہ خاتون کی فیس بک ریکارڈنگ اور ٹی بی کلپس نے ادبی قافلہ میں تجسس مطالعہ کا عمدہ وقت فراہم کیا۔ اس پُر آشوب ادبی دور میں جہاں انسان کو کتابی مطالعہ کی فرصت نہیں، کتابی مطالعے کی عادت نہیں تو ایسی تجسسی منازل کو غنیمت سمجھا گیا۔ قافلے کے آٹھ دس دن تجسسی مطالعے کی مشق جاری رہی جس میں مختلف معلومات اور سبق دے رہے تھے اور باقی ذہن کی تختیوں پر لکھنے کی مشق کر رہے تھے۔ رات بہت بیت گزر چکی تھی اور قافلے کے مسافر تھک کر اپنے اپنے کمروں میں آرام کرنے کے لیے بڑھنے لگے۔ ہم نے قصداً ان نکات کو بیان نہیں کیا

جس کی خوب صورت منظر کشی پروفیسر شہاب ملک نے سفرنامہ کی آٹھ قسطوں میں کی ہے۔ پروفیسر محمد کامران بھی سفر کی روداد لکھ رہے ہیں۔ امید ہے کہ دوسرے اہل قلم بھی ذہن کے اوراق سے قرطاس پر نقش نگاری کریں گے تاکہ ادبی قافلے کے رنگ برنگ مختلف زاویوں سے خیالات، حالات اور واردات، تجربات کی دستاویز بن کر محفوظ ہو جائیں۔

ہوٹل میں آرام کر کے دوسرے دن ناشتے کے بعد قافلہ برمنگھم کے لیے تیار ہوا۔ شاعر اور ادیب پروفیسر اور ڈاکٹر، مدیر اور وکیل عام طور سے فوجی موچی دھوبی یا باورچی کی طرح سخت روزانہ محنت کرنے کے عادی نہیں ہوتے۔ چناں چہ ہر دن سفر، سیمینار اور مشاعرے میں شرکت کی بدنی زحمت اور فکری محنت نے ان کے بدن اور دماغ پر تھکن کے آثار بکھیر دیے تھے جن کا حملہ صنف نازک پر نسبتاً زیادہ تھا۔ جیسا کہ مشہور ہے سید اور سیدانیوں کے ہاتھ شفا ہوتی ہے اس لیے دوا کے ساتھ دعا کی خوب صورت جھلک بھی بدنی تھکن کو اتارتے ہوئے روحوں کو نکھار رہی تھی۔ یہ ادبی قافلے کا روحانی فیض تھا۔ اور قافلہ جہاں پر جا رہا تھا وہاں فیض احمد فیضؔ کے پرانے دوست بدرالدین بدر موجود تھے۔ برمنگھم فیض احمد فیضؔ کا پسندیدہ شہر تھا۔

برمنگھم میں سیمینار اور مشاعرہ فیضؔ فاؤنڈیشن اور اقبالؔ اکادمی کے باہمی تعاون سے قونصل ہاؤس پاکستان میں منعقد کیا گیا۔ سیمینار کا موضوع تھا۔ ''کیا یہ دور فیضؔ کا ہے'' سیمینار کی صدارت بدرالدین بدر صاحب نے کی۔ قونصل پاکستان اسماعیل صاحب مہمان خصوصی تھے۔ تقی عابدی نے فیضؔ پر مدلل کلیدی خطبہ پیش کیا۔ خلیل الرحمٰن اور فاطمہ حسن نے عمدہ نکات فیضؔ فہمی بتائے۔ بدرالدین بدر صاحب نے فیضؔ کے حالات اور عمدہ واقعات سے محفل کو فیضؔ کی یادگار بنا دیا۔ اسی موقع پر تقی عابدی کی ''فیضؔ فہمی'' بدرالدین صاحب کو پیش کی گئی۔ اس محفل میں کرکٹ کپتان مشتاق محمد بھی شریک تھے۔

سیمینار کے فوری بعد مشاعرہ کا آغاز پروفیسر شہاب ملک کی صدارت میں ہوا۔ برمنگھم کے عمدہ اور کہنہ مشق شاعر فاروق ساغر نے نظامت کی۔ مہمان خصوصی اور اعزازی میں خلیل الرحمٰن، خواجہ اکرام الدین اور فاطمہ حسن شامل تھیں۔ بدرالدین صاحب تھکاوٹ کے باوجود شامل مشاعرہ رہے اور فاطمہ حسن صاحبہ کی نظم ''فیضؔ'' سے متاثر

ہوئے۔ صائمہ کامران نے اپنے منفرد لہجہ اور نسوانی جذبات سے محفل کو زعفرانی بنا دیا۔ نصرت مہدی کی عمدہ بیانی مصرعوں میں خیالات کی روانی اور اس پر دلکش ترنم نے مشاعرے میں فتح کا ڈنکا بجا دیا۔ خلیل الرحمن، عبدالرحمان عبد، محمد کامران اور تقی عابدی بھی مشاعرے کو گرماتے رہے۔ مقامی شاعروں میں قیصر عباس، فاروق ساغر اور انگلینڈ کے انقلابی شاعر بھی خوب صورت اشعار سے محفل مشاعرہ کو رونق بخشتے رہے۔

مشاعرے کے اختتام پر اقبال اکاڈمی کے صدر مروت حسین صاحب اور فاروق ساغر نے عشائیہ سے ضیافت کی۔ برمنگھم کے جس ہوٹل اور جس مقام پر سیمینار اور مشاعرہ منعقد ہوا، ٹریفک کی دشواریوں سے سیمینار دیر سے شروع ہوا۔ پھر بھی معلوم یہ ہوا کہ یہ دور اور یہ شہر فیض ہی کا ہے۔

دوسرے دن تمام مہمان سینڈوچ اور چائے کھا پی کر لندن کی طرف موٹر شاہراہ پر روانہ ہوئے جہاں قافلہ کا آخری فنکشن لندن کے Fitzroy House میں فیض کلچرل فاؤنڈیشن کی جانب سے منعقد ہوا۔ اس فاؤنڈیشن کے روح رواں لندن کی ادبی، علمی، سماجی شخصیت ایوب اولیا ہیں۔ جو خاندانی طور پر موسیقی سے وابستہ اور ذاتی فنی طور پر ممتاز موسیقی داں اور ماہر علوم موسیقی ہیں جنھوں نے اُردو ادب میں موسیقی پر کتابیں لکھی ہیں وہ ایک حساس شاعر اور خاص طبیعت کے حامل عمدہ شخص ہیں فرزر باوز کی ڈائریکٹر سارا اکبر تھیں جنھوں نے سیمینار، مشاعرے اور موسیقی کے پروگرام کو منظم کرنے اور مہمانوں کی خاطر تواضع کے ساتھ ساتھ فرزر باوز کے تعارف میں بھی حصہ لیا۔

سیمینار میں وقت کی قلت کی وجہ سے صرف کلیدی گفتگو تقی عابدی نے ''فیض کے کلام'' پر کی۔ اور لندن میں اردو کی دوسو سالہ تاریخ پر بھی روشنی ڈالی۔ ان کے بعد خلیل الرحمن نے ایک مختصر اور جامع طرز کی انہی مضامین پر عمدہ اور پُر اثر بات چیت کی، جسے پسند کیا گیا۔ اس کے فوری بعد مشاعرہ شروع ہوا، جس کی صدارت ڈاکٹر عبدالرحمان عبد نے کی۔ مہمان خصوصی اور مہمان اعزازی میں خلیل الرحمن، فاطمہ حسن اور محمد کامران شامل تھے۔ تقریباً تمام شعراء اور شاعرات نے عمدہ پڑھے تھے لندن کے سامعین سے داد سخن شناسی حاصل کی۔

مشاعرے کے بعد لندن کی گلوکار نے جو اولیا صاحب کی شاگرد بھی رہی، کلاسیک کلام پیش کیا۔ اس موسیقی کی محفل کا کمال یہ تھا کہ یہاں جنبش لب خارج از آہنگ خطا تھی، تمام تر موسیقی خاص لے اور سر و تال میں خاص سماں فضا میں بکھیر رہی تھی۔ ان پروگراموں کے درمیان چائے، کافی، بسکٹ اور سینڈوچ سے بھی مسلسل تواضع ہوتی رہی۔ آخر شب جب قافلے کے دیگر اراکین اپنے دوستوں، رشتہ داروں کے پاس ایک دو دن گزارنے کے لیے چلے گئے۔ ہم تین چار افراد رات دال روٹی کھا کر کچھ آرام کرکے ایئر پورٹ پر پہنچنے کے بندوبست میں مشغول ہوئے۔

قافلے کے بعض اراکین کو ہیتھرو ایئر پورٹ سے رخصت کر کے شہر اور مان اپنے مقام واپس لوٹے۔ راقم ڈاکٹر قیصر عباس کے ساتھ اپنے تحقیقی، تعلیمی، سماجی اور علمی کاموں میں مزید تین دن انگلینڈ میں رہے۔ جس کا کوئی خاص تعلق ادبی قافلے کے مسائل اور وسائل سے نہ تھا۔

ادبی قافلے میں موجود اراکین نے اپنی محنت اور حسن سے اس پروجیکٹ کو کامیاب بنایا۔ میں خصوصی طور پر ان سب خواتین و حضرات کا ممنون اور مشکور ہوں۔ پروگرام مسلسل ہونے سے زحمت تو ہوئی لیکن اس گروپ پر ہر قسم کی رحمت بھی سائبان بنی رہی۔ چناں چہ کوئی تکلیف دہ اور ناگوار مسئلہ پیش نہ آیا۔ راقم نے کسی ایسوسی ایشن سے نہ مالی امداد طلب کی اور نہ ان کی کچھ مالی مدد کی۔ گزشتہ بیس سال سے اردو کانفرنسوں میں میرا اور ڈاکٹر عبد کا اشتراک رہا ہے۔

میں اس ادبی قافلے سے ایک ہفتہ قبل جواہر لعل یونیورسٹی دہلی، خواجہ معین الدین چشتی یونیورسٹی لکھنؤ، عبدالحق یونیورسٹی کرنول اور اعظم کیمپس پونہ وغیرہ میں کئی توسیعی لکچر دے چکا تھا۔ اس لیے بدنی اور ذہنی تھکن چہرے سے عیاں تھی۔ چناں چہ گھر واپس ہوتے ہوئے ٹیکسی کے آئینے میں جب اپنی تھکی آنکھوں کو دیکھا تو دل کی آواز بھی سنائی دی:

کرنی پڑتی ہے رات دن محنت
آسان نہیں میر کارواں ہونا

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ
12 تا 14/اکتوبر 2015ء

عالمی اُردو کانفرنس استنبول

استنبول میں منعقدہ تین روزہ عالمی اُردو کانفرنس کا احوال

ترکی میں اُردو تدریس کی ایک صدی مکمل ہونے پر استنبول یونیورسٹی کے شعبہ ادبیات کے زیرِ اہتمام 12 سے 14/اکتوبر تک سہ روزہ عالمی اُردو کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔ اس کانفرنس میں خاص طور پر ترکی اور برصغیر پاک و ہند کے باہم مراسم کے حوالے سے مقالہ جات پیش کیے گئے اور دُنیا بھر میں اُردو زبان و ادب کے فروغ اور ترویج کے موضوعات زیرِ بحث آئے۔

کانفرنس کا انعقاد استنبول یونیورسٹی میں شعبہ اُردو کے سربراہ اور دُنیا بھر کے اُردو دانوں میں ہر دلعزیز شخصیت ڈاکٹر خلیل طوقار کی کوششوں کی وجہ سے ممکن ہو سکا۔ اس طرح دُنیا بھر سے اُردو کے قلم کاروں کو ایک جگہ پر اکٹھے ہو کر بات چیت کرنے، مختلف ملکوں میں اُردو زبان کے حوالے سے ہونے والے کام کو جاننے اور روابط استوار کرنے کا موقع بھی حاصل ہوا۔ ڈاکٹر طوقار گزشتہ چھ ماہ سے اس سمپوزیم کے انعقاد کے لیے سرگرم تھے اور انھوں نے اس کانفرنس کو بامقصد اور مفید بنانے کے لیے دُنیا کے متعدد ممالک سے اُردو ماہرین کو استنبول آنے کی دعوت دی تھی۔ اس طرح یہ کانفرنس حقیقی معنوں میں عالمی حیثیت اختیار کر گئی۔ کانفرنس کے شرکا اگرچہ ترکی میں موجود تھے اور وہاں کی بول چال اور لکھنے پڑھنے کی زبان فطری طور سے ترکی ہے لیکن اس موقع پر چوں کہ سب لوگ اُردو جاننے والے تھے اس لیے استنبول یونیورسٹی کے کانفرنس ہال اور اس سے منسلک ہال میں تین روز تک اُردو کا بول بالا رہا۔ سب اسی زبان میں ایک دوسرے سے بات چیت کرتے تھے اور تمام سیشن بھی اُردو زبان میں ہی منعقد ہوتے تھے۔

کانفرنس کے دوران ڈاکٹر خلیل طوقار نے سمپوزیم کے اختتامی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے اُردو کو اپنی محبوبہ قرار دیا اور کہا کہ "ہم اس محبوب اور ہر دلعزیز زبان کو مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتے۔ اس کی بقا اور احیا کے لیے ہر سطح پر ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔" ڈاکٹر طوقار کے اس محبت بھرے اعلان اور عہد کا بھرپور تالیوں سے خیر مقدم کیا گیا۔

ڈاکٹر خلیل طوقار نے اپنی تحقیق کے دوران اس بات کا انکشاف بھی کیا کہ ترکی میں اُردو زبان کم از کم سو برس سے متعارف ہے۔ 1915ء میں ہی ہندوستان سے آئے ہوئے خیری برادران کی جدوجہد اور کوششوں سے اس زبان کی تدریس استنبول یونیورسٹی میں شروع ہوگئی تھی۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ زبان عام سطح پر اس برس سے بہت پہلے ترکی پہنچ چکی تھی۔ ڈاکٹر طوقار نے نہ صرف تاریخی حوالوں سے ترکی میں اُردو کی تدریس، صحافت اور اُردو دانوں کی موجودگی کا کھوج لگایا ہے بلکہ دن رات انتھک محنت کے ذریعے استنبول یونیورسٹی میں اُردو کو ایک مقبول مضمون کی حیثیت سے بھی متعارف کروایا ہے۔ کانفرنس کے دوران ڈاکٹر خلیل طوقار کے ساتھی اور طالب علم یکساں طور سے سمپوزیم کو کامیاب بنانے اور مندوبین کو سہولتیں بہم پہنچانے کے لیے سرگرم رہے۔ اس طرح اُردو اور اس کے ماہرین سے ترک طالب علموں کی محبت سب شرکا کے لیے باعث طمانیت تھی۔

اس عالمی اُردو کانفرنس کے افتتاحی اجلاس سے استنبول یونیورسٹی کے وائس چانسلر، استنبول کے میئر اور استنبول میں بھارتی قونصل خانہ کے نگراں کے علاوہ پاکستانی سفارت خانے کے نمائندے نے شرکت کی۔ اس موقع پر مقررین نے اسے بھی اہم سنگ میل قرار دیا۔ بھارتی قونصل جنرل نے خطاب کرتے ہوئے تاریخی حوالوں سے ہندوستان اور ترکی کے تعلقات اور دونوں خطوں کے عوام کے روابط پر روشنی ڈالی۔ اس حوالے سے بھارتی سفارتکار کے علاوہ دیگر مقررین نے بھی خاص طور سے تحریک خلافت کا ذکر کیا جو سلطنت عثمانیہ کی حمایت میں شروع کی گئی تھی اور ہندوستان کی مقبول اور طاقتور ترین تحریکوں میں شامل ہے۔ افتتاحی اجلاس میں سفارتی سطح پر پاکستان کی نمائندگی کی کمی محسوس کی گئی تاہم اختتامی اجلاس میں انقرہ میں متعین پاکستانی سفیر سہیل محمود نے شرکت کر کے اس کمی کو پورا کر دیا۔

حکومت پاکستان نے ترکی میں اُردو تدریس کے سو برس مکمل ہونے پر ایک یادگاری ڈاک ٹکٹ بھی جاری کیا ہے۔ سفیر پاکستان نے پرزور تالیوں کے شور میں اس کا اعلان کیا اور اس ٹکٹ کی تصویر بھی حاضرین کو دکھائی۔ سفیر پاکستان نے اُردو کے لیے ڈاکٹر خلیل طوقار کی خدمات کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے 30 کتابیں اور 200 تحقیقی مقالے لکھے ہیں جو ایک گراں مایہ علمی خدمت ہے۔ پاکستانی سفیر نے امید ظاہر کی کہ اس کانفرنس کے انعقاد سے اُردو زبان کے فروغ کے علاوہ ترکی اور پاکستان کے تعلقات بھی مزید مضبوط اور گہرے ہوں گے۔ اس اجلاس میں لندن سے آئے ہوئے اُردو کے ممتاز پاکستان نژاد شاعر سلمان شاہد نے ایک قرارداد پیش کی جس میں حکومت پاکستان سے ڈاکٹر خلیل کی اُردو کے فروغ اور مختلف ملکوں کے عوام کو قریب لانے کے لیے کوششوں کے صلے میں سول ایوارڈ دینے کی سفارش کی گئی۔ یہ قرارداد اتفاق رائے سے منظور ہوگئی اور سفیر پاکستان کے ذریعے حکومت پاکستان کو بھجوا دی گئی۔

کانفرنس کے دوران برصغیر میں مسلمانوں کی تحریک آزادی میں خلافت عثمانیہ کا کردار، اُردو کی ترویج کے نئے امکانات، جنوبی ایشیا اور ترک، اُردو بطور شناخت، اُردو تدریس کے مختلف پہلو، مختلف ممالک میں اُردو زبان کی صورت حال اور دیگر اہم اور دلچسپ موضوعات پر مقالے پیش کیے گئے۔ ترکی میں اُردو تدریس کے سو سال مکمل ہونے پر ہونے والے اس جشن کے حوالے سے کانفرنس کا موضوع ''ترکی اور برصغیر کے مسلمان'' مقرر کیا گیا تھا اس لیے زیادہ تر مقالے بھی اسی موضوع کی مناسبت سے پیش کیے گئے۔

اس سمپوزیم میں دیگر ملکوں کے علاوہ امریکہ سے اُردو کے شاعر اور انگریزی کے استاد محترم ستیہ پال آنند، چین گوندی، کینیڈا سے معروف محقق اور ناقد اور معلم محترم ڈاکٹر تقی عابدی، شاعرہ محترمہ عروج راجپوت، ناروے سے اُردو ٹیلی ویژن کے روح رواں ڈاکٹر ندیم حسین سید، محمد ادریس احمد، روزنامہ کارواں کے روح رواں ڈاکٹر مجاہد حسین سید، ڈنمارک سے اُردو ادب کی معروف لکھاری، شاعرہ صدف مرزا، برطانیہ سے اُردو ادب کا سرمایہ اور بی بی سی اُردو ریڈیو سروس کے محترم رضا علی عابدی، معروف لکھاری مقصود الہٰی شیخ، مہ جبین غزل انصاری اور ان کے شوہر نسیم الحق انصاری، فن لینڈ سے ارشد فاروق، فرانس

سے محترمہ ثمن شاہ، پاکستان سے اکیڈمی آف لیٹرز کے چیئرمین ڈاکٹر محمد قاسم بگھیو اور معروف شاعرہ محترمہ فاطمہ حسن اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور سے پروفیسر ڈاکٹر نجیب جمال، معروف افسانہ نگار محترمہ عطیہ سید، خیبر پختونخوا یونیورسٹی سے ڈاکٹر یوسف خشک اور ان کی اہلیہ صوفیہ خشک، اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی شعبہ اُردو سے صدر نشین پروفیسر محمد کامران، شعبہ پنجابی کے صدر، فیصل آباد جی سی یونیورسٹی سے پروفیسر طارق ہاشمی کے علاوہ کراچی سے زبان یار من ترکی کے مصنف عبید اللہ بیگ، لاہور سے معروف صحافی اور دانشور فرخ سہیل گوئندی، اورینٹل کالج لاہور کے پرنسپل ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد، پروفیسر نگار سجاد ظہیر، ڈیرہ غازی خان پاکستان سے گاینا کالوجسٹ اور شاعرہ ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ اور کئی دوسرے معروف اُردو دان خواتین و حضرات نے شرکت کی۔ ماسکو یونیورسٹی سے پروفیسر لوڈمیلا، کویت سے جناب افروز عالم، بھارت سے ناول نگار ترنم ریاض، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی دہلی کے شعبہ اُردو کے صدر خواجہ اکرام الدین، نجمہ رحمانی، ڈاکٹر سلیم محی الدین، سید انوار عالم، سید محمد یحییٰ صبا اور دیگر نے شرکت کی۔ جرمن ڈاکٹر کرسٹینا اوسٹر ہیلڈ، بنگلہ دیش سے ڈاکٹر محمود الاسلام اور تہران یونیورسٹی کے شعبہ اُردو کی بھرپور نمائندگی جس میں ڈاکٹر علی بیات، ڈاکٹر کیومرثی، محترمہ وفا یزداں اور ڈاکٹر فرزانہ اعظم لطفی شامل تھیں۔ اسی طرح بنگلہ دیش، افغانستان کی جامعات میں اُردو کی درس و تدریس کے ماہرین اور اساتذہ کے علاوہ استنبول یونیورسٹی کے شعبہ اُردو کے اساتذہ اور متعدد مندوبین نے شرکت کی۔

اس موقع پر ترکی اور وسط ایشیا میں مسلمانوں کے حوالے سے ایک تصویری نمائش کا اہتمام بھی کیا گیا۔ نمائش کا افتتاح سفیر پاکستان جناب سہیل محمود نے کیا۔

استنبول میں سہ روزہ عالمی اُردو کانفرنس شروع ہونے سے ایک روز قبل انقرہ میں ایک خودکش حملہ میں ایک سو سے زیادہ افراد شہید ہو گئے تھے۔ اس سانحہ پر ترک حکومت نے تین روزہ سوگ کا اعلان کیا تھا۔ اس کے اثرات کانفرنس اور اس میں شریک ہونے والے مندوبین پر بھی دیکھے گئے۔ افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے پاکستان کے مندوب اور ترک امور کے ماہر اور محقق فرخ سہیل گوئندی نے دہشت گردی کے اس واقع پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے مرنے والوں کے احترام میں ایک منٹ کی خاموشی اختیار

کرنے کی تجویز دی۔ سب حاضرین نے اس طرح مرحومین کو خراج عقیدت پیش کیا۔ دیگر مقررین نے بھی اس سانحہ پر اظہار افسوس کیا۔ اختتامی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے سفیر پاکستان سہیل محمود نے دہشت گردی کے اس واقعہ کی مذمت کرتے ہوئے ترک حکومت اور عوام کے ساتھ اظہار افسوس و ہمدردی کیا۔

کانفرنس کے مندوبین نے تینوں دن ہوٹل کے ہال میں مشاعرے منعقد کیے اور ایک دوسرے کے کلام کو سنا۔

دن بھر سمپوزیم کے سیشن بھگتانے کے بعد شام کو ہوٹل کی لابی میں جمع ہو جاتے۔ پہلی شام ہی ہوٹل کی لابی میں جب سب جمع ہو گئے تو خواتین میں محترمہ بینا گوئیدی، صدف مرزا، مرد حضرات میں محترم افروز عالم اور سرور غزالی نے اعلان کیا کہ استنبول کانفرنس ادھوری رہ جائے گی اگر اتنے شعراء اور شاعرات کے ہوتے ہوئے مشاعرے منعقد نہ ہوئے۔ سو سب حاضرین جو اُس وقت لابی میں جمع تھے انھیں پابند کر کے مشاعرہ شروع کر دیا گیا۔ سینئر اُردو دان جن میں ستیہ پال آنند، رضا علی عابدی اور تقی عابدی صاحبان کو صدارت اور مہمان خصوصی کے منصب پر فائز کر دیا گیا۔ لابی میں پہلے دن تو ہوٹل انتظامیہ نے برداشت کیا اور ہر آنے جانے والا اس مشاعرے سے محظوظ ہونے کے لیے رک جاتا۔ جناب تقی عابدی صاحب سے مشاعرے کی یہ بے ادبی برداشت نہ ہوئی اور انھوں نے ہوٹل انتظامیہ سے درخواست کر کے علیحدہ سے ایک کمیٹی روم کا انتظام کر لیا اور یوں اگلی دونوں شاموں میں پُرسکون ماحول میں مشاعرے منعقد ہوئے۔ ان مشاعروں کے انعقاد سے دُنیا بھر سے آئے ہوئے وہ لوگ جو دن بھر کانفرنس کی گہما گہمی میں ایک دوسرے سے مناسب طور پر متعارف نہ ہوئے تھے، انھیں ایک دوسرے کو جاننے اور ایک دوسرے سے متعارف ہونے کا اچھا موقع مل گیا۔ انھوں نے نہ صرف ایک دوسرے کے کلام کو سنا اور سراہا بلکہ ایک دوسرے کو اپنے اپنے دیوان بھی تحفتاً پیش کیے۔ ان مشاعروں میں کلام پر نہ صرف توصیفی اور تعریفی کلمات چلتے بلکہ جب ایک شاعر اپنا کلام سنا چکا ہوتا تو استادانِ ادب اس کلام کے وزن، بحر اور خیال پر دل کھول کر تبصرہ کرتے۔

مشاعرے کی تقریب کی صدارت جناب ستیہ پال آنند کے ذمہ ہوتی اور مہمان

خصوصی رضا علی عابدی صاحب اور تقی عابدی صاحب ہوتے۔ شرکت کرنے والوں میں بینا گوئندی (امریکہ)، صدف مرزا (ڈنمارک)، ڈاکٹر نجمہ شاہین (پاکستان)، عروج (کینیڈا)، وفا یزدان اور فرزانہ لطفی (تہران)، افروز عالم کویت، ارشد فاروق (فن لینڈ)، ڈاکٹر سید ندیم اور ادریس (ناروے)، ڈاکٹر یہ مرسی اور ڈاکٹر بیات علی (ایران)، عطیہ سید، فاطمہ حسن، طارق ہاشمی، عبیداللہ کیہر، حمیدہ شاہین، ڈاکٹر ضیاء الحسن (پاکستان) سے شامل ہوئے۔

آخری شام مندوبین نے اپنے میزبان ڈاکٹر خلیل طوق ار کو ایک سرپرائز کیک پارٹی دی اور ان کی عظیم الشان خدمات کو سراہا، اور اس تاریخی کانفرنس کے انعقاد سے دنیا بھر سے اردو زبان کے دانشوروں، صحافیوں، ادیب، شعراء کو ایک جگہ ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھنے، اور باہم گفت وشنید اور تبادلہ خیالات کرنے کے مواقع میسر آئے۔

شفقت علی رضا (نمائندہ جنگ، اسپین)
روزنامہ "جنگ" کراچی
11/ستمبر 2017ء

کلچرل ایسوسی ایشن پاک سیلونا کے زیر اہتمام ادبی نشست

اسپین میں مقیم پاکستانی کمیونٹی جہاں بزنس اور محنت مزدوری میں اپنا مقام رکھتی ہے اسی طرح مختلف شعبوں کو زندہ و جاوید رکھنے میں پاکستانی کمیونٹی کسی سے کم نہیں، پاکستانیوں کا تعلق جس شعبے سے ہو یا رہ ہو وہ اس کی تعمیر و ترقی کے لیے دنیا بھر میں کوشاں ہیں۔ اسپین میں پاکستانیوں کی آمد کا سلسلہ 70 کی دہائی سے شروع ہوا جو ابھی تک جاری ہے، اسپین میں پاکستان کی دوسری نسل پروان چڑھ رہی ہے، ہمارے بچے یہاں کی یونیورسٹیوں سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنے پسندیدہ شعبوں سے وابستہ ہو رہے ہیں۔ کچھ پاکستانیوں نے اسپین میں وکالت کی ڈگریاں حاصل کی ہیں اور کچھ انجینئرز بن چکے ہیں۔ دو پاکستانی مقامی سیاسی جماعتوں کی جانب سے ایم این اے اور دو ایم پی اے کا الیکشن لڑ چکے ہیں، کئی پاکستانی مقامی بلدیہ میں کونسلرز کے لیے الیکشن میں حصہ لے چکے ہیں۔ پاکستانی لڑکیاں یہاں کے کاروباری شعبوں میں تعلیم کے ساتھ ساتھ کام کر کے والدین کا ہاتھ بٹا رہی ہیں۔ پاکستانی کمیونٹی کے بچوں اور بچیوں کا تعلیمی معیار اور تعلیم میں ذہانت کا تناسب دوسرے ممالک کے بچوں سے زیادہ ہے اسی لیے ہمارے بچے حصول تعلیم میں کوشاں ہیں۔ اسپین میں مختلف فیڈریشنز اور ایسوسی ایشنز پاکستانیوں کی فلاح و بہبود اور ان کے حقوق کی جنگ لڑنے کے لیے میدان عمل میں برسرِ پیکار ہیں۔ کچھ ایسوسی ایشنز مشاعروں اور کچھ ادبی پروگرامز کے انعقاد میں گہری دلچسپی لیتی ہیں۔ کلچرل ایسوسی ایشن پاک سیلونا جس کے ڈائریکٹر راجہ شفیق کیانی ہیں اس پلیٹ فارم سے کئی مشاعرے اور ادبی نشستیں ترتیب دے

چکے ہیں۔ ان مشاعروں میں پاکستان کے معروف اور مایہ ناز شعراء حضرات یہاں آ کر اپنا کلام پیش کر چکے ہیں اور اپنے مقالہ جات پڑھ کر داد لے چکے ہیں۔ ان میں قابل ذکر نام انور مسعود، امجد اسلام امجد، ڈاکٹر عنبرین صدف، ارم بتول، ریحانہ قمر، روبینہ فیصل، ناہید ورک، باصر کاظمی، وصی شاہ اور یامقبول جان، عطاالحق قاسمی، تقی عابدی شامل ہیں۔ کلچرل ایسوسی ایشن پاک سیلونا کے زیر اہتمام چند دن پہلے ایک ایسی نشست کا اہتمام کیا گیا جو اسپین میں مقیم پاکستانی کمیونٹی کے لیے انتہائی معلوماتی تھی۔ اس تقریب کا عنوان تعمیر انسانیت کے دو روشن دماغ امیر خسرو اور علامہ اقبال تھا، اس تقریب میں معروف محقق، مصنف اور شاعر ڈاکٹر سید تقی عابدی نے خصوصی شرکت کی اور اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ تقریب میں محفل مشاعرہ کا بھی اہتمام کیا گیا تھا، جس میں پاکستانی شعراء جو اسپین میں مقیم ہیں، نے اپنا کلام پیش کیا، شعراء کرام میں ارشد نذیر ساحل، افضال بیدار، ارم بتول اور قیس رضوی شامل تھے۔ تقریب کا استقبالیہ راجہ شفیق کیانی نے پیش کیا جب کہ نظامت کے فرائض حافظ احمد نے ادا کیے۔ مقامی شعراء کے کلام پر حاضرین داد دیتے رہے اور کئی اشعار دوبارہ بھی سنے گئے۔ اس موقعے پر ڈاکٹر تقی عابدی کا کہنا تھا کہ "مجھے مقامی شعراء کا تخیل اور شاعری میں وزن اور بحر کی خوب صورتی سن کر بہت خوشی محسوس ہوئی ہے۔" حاضرین میں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے معززین کے ساتھ ساتھ سیاسی اور سماجی شخصیات کی بھرپور نمائندگی موجود تھی۔ علی رشید بٹ، میاں شیراز، میاں عمران ساجد، ایاز عباسی، مہر قمر علی چوہدری، آسے سوپ ایسوسی ایشن کی صدر ڈاکٹر ہما جمشید سمیت بہت سی خواتین اس تقریب کا حصہ تھیں۔ اسپین میں مقیم معروف گائیک جمی شیخ نے حمد اور نعت رسول مقبول پیش کی۔ جب کہ سعید حیدری نے ملی ترانہ سنایا۔ تقریب کے اختتام پر کینیڈا سے آئے ہوئے مہمان ڈاکٹر سید تقی عابدی نے تقریب کے عنوان کی مناسبت سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "آج سے آٹھ سو سال قبل امیر خسرو کے تعمیر انسانیت کے کلام سے جو ابتداء ہوئی تھی وہ سلسلہ رکا نہیں تھا نہیں بلکہ وہی سوچ اور تڑپ علامہ اقبال کے کلام میں نظر آئی۔ دونوں نے خواتین کے حقوق اور اسلام کی ترویج کے لیے نوجوانوں اور مسلمانوں میں تڑپ پیدا کرنے کی کوشش کی۔" تقریب کے اختتام پر راجہ شفیق کیانی نے مہمانوں کا شکریہ

ادا کیا اور کہا کہ ''آج کی تقریب میں ڈاکٹر سید تقی عابدی کے خطاب نے ہمیں ایک نئے علم سے متعارف کرایا ہے کیوں کہ ہم نے امیر خسرو کا نام سنا تھا اُن کی شاعری اور موسیقی کی خدمات ہمیں آج معلوم ہوئی ہیں۔'' انھوں نے کہا کہ ہماری کوشش ہے کہ ہم ایسی محافل ترتیب دیتے رہیں جن سے ہماری آنے والی نسلوں کو معلومات ملیں اور آنے والی نسلیں اپنے کلچر سے بندھی رہیں۔

urduqasid.se

شہزاد انصاری (سویڈن)

11/جنوری 2017ء

ڈاکٹر سید تقی حسن عابدی کا خصوصی لکچر

ڈاکٹر سید تقی حسن عابدی ایک بھارتی نژاد کینیڈین معالج اور ادبی شخصیت ہیں۔ وہ نہ صرف ایک شاعر بلکہ اردو زبان کے ایک عالم کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں اور 57 کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔

سید تقی حسن عابدی بھارت کے شہر حیدرآباد میں 1 مارچ 1951 میں پیدا ہوئے۔ حیدرآباد سے MBBS کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد FCAP, MS اور FRCP بالترتیب برطانیہ، امریکہ اور کینیڈا سے حاصل کی۔

سید تقی حسن عابدی کینیڈا کے ایک ہسپتال میں پتھولوجسٹ کے طور پر اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اردو ادب، نثر اور شاعری کو فروغ دینے کے لیے کوشاں ہیں۔ انھیں ناقدین اور محقق کے حوالے سے اردو ادب کے اسکالر کے طور پر جانا جاتا ہے۔ جو اقبالیات کے بھی ماہر ہیں۔

اسٹاک ہوم اسٹڈی سرکل کے زیر اہتمام ماہنامہ درس قرآن کی نشست مورخہ 15 جنوری بروز اتوار کو چار بجے ہوگی۔ درس قرآن کی اس نشست میں سورۃ المدثر کے معانی ومفہوم کی قرآن حکیم کی روشنی میں تشریح کی جائے گی۔ اسکائپ کے ذریعے ڈاکٹر سید تقی حسن عابدی کینیڈا سے خصوصی خطاب کریں گے جس کا موضوع ہوگا، دورحاضر میں ''کلام اقبال کی اہمیت اور افادیت'' شرکا کو پردہ اسکرین پر سلائیڈز دکھائی جائیں گی اور نشست کے آخیر میں سوالات کرنے کی عام اجازت ہوگی۔ اس نشست کو سویڈن اور یورپ کے وقت چار بجے شام فیس بک کے اس لنک سے براہ راست دیکھا جاسکے گا۔

LIVE ON AFKARETAZA

پندرہ روزہ ''ایسٹرن نیوز'' کینیڈا
30 مئی 2017ء

معروف تحریر نگار ڈاکٹر تقی عابدی کے لیے ''خصوصی عالمی فروغِ اُردو ایوارڈ'' کا اعلان

عالمی شہرت یافتہ ادبی تنظیم ''مجلس فروغ اُردو، ادب، دوحہ، قطر'' گزشتہ 25 سالوں سے مشاعروں کے بعد تا حال تواتر و تسلسل کے ساتھ مشاعرے منعقد کر رہی ہے۔ مجلس نے 1992ء میں ''عالمی فروغ اُردو ادب ایوارڈ'' کا اجرا کیا اور 1994ء سے تواتر و تسلسل کے ساتھ پاک و ہند کے 42 فکشن نگاروں کی خدمت میں ان کی اعلیٰ ترین نثری و ادبی خدمات کے اعتراف میں ''عالمی فروغ اُردو ادب ایوارڈ'' پیش کر چکی ہے۔ اسی طرح 1998ء تا 2004ء برصغیر سے باہر دُنیا کے دیگر ممالک کے سات شعراء و ادبا کی خدمت میں ''سلیم جعفری انٹرنیشنل ایوارڈ'' پیش کیے۔

مجلس نے 2012ء میں نصیر الدین شاہ کی ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر، ان کی خدمت میں ''خصوصی عالمی فروغ اُردو ایوارڈ'' پیش کیا۔ امسال بھی چیئر مین مجلس محمد عتیق کی سربراہی میں مجلس انتظامیہ کے عہدیداران فرتاش سید (صدر)، جاوید ہمایوں، رئیس ممتاز (نائب صدر)، فرقان احمد پراچہ (جنرل سکریٹری)، امین موتی والا، قمرالزماں بھٹی (جوائنٹ سکریٹری)، رضا حسین رضا (فنانس سکریٹری)، فرزانہ صفدر، عرفان حیدر (میڈیا سکریٹریز) کے ایک اجلاس میں معروف شاعر، نقاد، محقق اور دانشور ڈاکٹر تقی عابدی کی تحقیقی و تنقیدی اور ادبی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے، ان کا نام نامی ''خصوصی عالمی فروغ اُردو ایوارڈ'' کے لیے متفقہ طور پر منتخب کیا۔ ''خصوصی عالمی فروغ اُردو ایوارڈ'' نومبر کے پہلے ہفتے میں دوحہ قطر میں ''اکیسویں عالمی فروغ اُردو ادب ایوارڈ 2017'' بہ اعزاز

پروفیسر فتح محمد ملک و پروفیسر ڈاکٹر عبدالصمد اور ''23ویں عالمی مشاعرہ 2017'' جس کی صدارت عہدِ حاضر کے صاحبِ اسلوب شاعر جناب افتخار عارف کریں گے، کے موقع پر ڈاکٹر تقی عابدی کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔

چھیاسٹھ سالہ ڈاکٹر تقی عابدی (حیدرآباد، بھارت) طویل عرصے سے کینیڈا میں مقیم ہیں، اپنے فرائضِ منصبی کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ وہ اپنی مادری زبان اُردو کے فروغ کے لیے بے پناہ خدمات سرانجام دینے میں مصروف ہیں، انھوں نے مرزا دبیر ایسے بڑے تخلیق کار سمیت کچھ ایسے تحقیقی کام کیے جو اپنی مثال آپ ہیں، ڈاکٹر تقی عابدی کی ساٹھ تحقیقی و تنقیدی کتابیں منصۂ شہود پر آچکی ہیں، مزید برآں انھوں نے دنیا کی کئی ایک یونیورسٹیز میں انعقاد پذیر سیمینارز اور کانفرنسز میں درجنوں تحقیقی، تنقیدی مقالہ جات پیش کیے، ان کی چند اہم تصانیف کے نام درج ذیل ہیں۔ ''کلیات غالب فارسی''، ''دیوان رباعیات انیس''، ''مثنویات دبیر''، ''فیض فہمی''، ''چوں مرگ آید'' اور ''اقبال کے عرفانی زاویے'' (40 مضامین)۔

ادبی خدمات کے اعتراف میں ڈاکٹر تقی عابدی کو کئی اعزازات و انعامات سے بھی نوازا گیا جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

1- ''نشانِ امتیاز انیس و دبیر ایوارڈ'' مغل آف انڈیا 2007ء
2- ''علامہ اقبال آف ایکسیلینس'' کینیڈا
3- ''اُردو ادب ایوارڈ'' یوپی ساہتیہ ممبئی 2010ء
4- ''ادیب انٹرنیشنل ایوارڈ'' سرحد کلچرل اکیڈمی، بھارت 2011ء
5- ''میر تقی میر ایوارڈ'' 2013ء
6- ''فخرِ اُردو انٹرنیشنل ایوارڈ'' اُردو مرکز انٹرنیشنل، لاس اینجلس

رپورٹ: فرقان احمد پراچہ
القمر آن لائن
5/جنوری 2018ء

21واں عالمی فروغِ اُردو ادب ایوارڈ 2017ء
خصوصی عالمی فروغِ اُردو ایوارڈ
23واں سالانہ عالمی مشاعرہ 2017ء

عالمی شہرت یافتہ ادبی تنظیم ''مجلس فروغِ اُردو ادب دوحہ۔قطر'' کے زیراہتمام منعقد پذیر سالانہ تقریب میں ڈاکٹر حافظ جنید عامر سیال، ڈاکٹر محمد تمیم، جناب محمد عتیق، جناب محمد صبیح بخاری نے ادبا و شعراء، مدعوین شہر اور سیکڑوں محبانِ اردو ادب کی موجودگی میں ''21واں عالمی فروغِ اُردو ادب ایوارڈ 2017ء''، اُردو زبان و ادب کی تاحیات گراں قدر اور اعلیٰ ترین خدمات کے اعتراف میں مشترکہ طور پر پاکستان سے نامور ادیب و دانشور پروفیسر فتح محمد ملک اور ہندوستان سے معروف فکشن نگار پروفیسر ڈاکٹر عبدالصمد اور ''خصوصی عالمی فروغِ اُردو ایوارڈ'' ڈاکٹر سید تقی عابدی کو تالیوں کی گونج میں پیش کیا۔

1996ء سے تاحال تواتر اور تسلسل کے ساتھ ہر سال ایک پاکستانی اور ایک ہندوستانی ادیب کی خدمت میں پیش کیا جانے والا ''عالمی فروغِ اُردو ادب ایوارڈ'' ایک لاکھ پچاس ہزار روپے کیش اور طلائی تمغے پر مشتمل ہے۔ 1996ء میں اجراء پذیر ''عالمی فروغِ اُردو ادب ایوارڈ'' احمد ندیم قاسمی اور پروفیسر آلِ احمد سرور سے لے کر اب تک 21 پاکستانی اور 21 ہندوستانی نثر نگاروں کی خدمت میں پیش کیا جا چکا ہے۔ ''عالمی فروغِ اُردو ادب ایوارڈ'' دُنیائے اردو میں درجِ استناد حاصل کیے ہوئے ہے یہی وجہ ہے کہ دُنیائے اردو کے جو ادبی فورم اور انفرادی سطح پر بھی پاک و ہند کے آزاد و خود مختار پینل آف ججز سے

فیصلے کی توثیق کی جاتی ہے۔

مجلس کی سالانہ تقریبات کے سلسلے کی پہلی کڑی ''تقریب پذیرائی برائے ایوارڈ یافتگان'' ہے، جس کی میزبانی کا شرف گزشتہ اکیس سال سے چیئرمین مجلس محمد عتیق اور رکن سرپرست کمیٹی بیگم شمیم عتیق کو حاصل ہے، تقریب پذیرائی بتاریخ یکم نومبر 2017ء بروز بدھ، میریٹ ہوٹل سٹی سنٹر دوحہ میں ایوارڈ یافتگان پروفیسر فتح محمد ملک، پروفیسر ڈاکٹر عبدالصمد اور ڈاکٹر سید تقی عابدی کے اعزاز میں ہونے والی تقریب تھی۔

صدارت چیئرمین پاکستان نیوری پروفیسر ڈاکٹر خورشید رضوی نے کی، مہمان خصوصی پروفیسر شافع قدوائی تھے، جب کہ نظامت کے فرائض جناب فرتاش سید نے خوش اسلوبی سے سرانجام دیے۔ ناظم تقریب نے پروگرام کا آغاز تلاوت کلام سے کرتے ہوئے مجلس کا اجمالی تعارف پیش کیا۔

پروفیسر فرتاش سیّد نے خصوصی عالمی فروغ اردو ایوارڈ ونر ڈاکٹر سید تقی عابدی کے فنی سفر پر سیر حاصل گفتگو کی۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی نے ایوارڈ کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے چیئرمین مجلس محمد عتیق اور ان کے رفقائے کار کا شکریہ ادا کیا۔ انھوں نے کہا کہ ''آج کی تقریب کو ناظم بے مثال محترم فرتاش سید نے مزید خوب صورت اور یادگار بنا دیا ہے۔'' انھوں نے کہا کہ ''میڈیکل ڈاکٹر ہونے کے باوجود مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے کبھی کسی ایک ہفتہ میں کم از کم 30 گھنٹے اردو ادب کے ٹیکسٹ پر کام نہ کیا ہو۔'' انھوں نے مزید کہا کہ ''گلوبل ولیج کے مسائل پوری طرح اردو زبان پر حملہ آور ہیں۔ اردو کی نئی بستیوں اور اردو کے رسم الخط کی ضرورت کو محسوس کیا جا رہا ہے۔ میرے نزدیک رسم الخط اردو کے جسم پر لباس کی طرح نہیں بلکہ اس کی چمڑی کی طرح ہے۔ ٹی ایس ایلیٹ نے بجا کہا ہے کہ جس زبان میں ادب عالیہ ہوتا ہے وہ فنا نہیں ہوتی۔ اس لیے میں اردو کے لیے کام کرنے والوں کو سلام پیش کرتا ہوں۔ میں مجلس کا ممنون ہوں کہ مجھے یہ ایوارڈ دیا گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایوارڈ میرے فکر اور جذبے کو مہمیز کرے گا۔''

پروفیسر شافع قدوائی نے پروفیسر ڈاکٹر عبدالصمد کی فکشن نگاری پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ انہوں نے پروفیسر ڈاکٹر عبدالصمد کے فنی سفر کا احاطہ بڑے دلکش اور مربوط انداز میں

کیا۔ انہوں نے کہا کہ ''پروفیسر عبدالصمد کثیرالتصانیف ادیب ہیں اُن کا بنیادی کام فکشن اور سیاست پر ہے۔'' انہوں نے صاحب اعزاز کے افسانوں اور ناول کے موضوعات اور کرداروں کا تجزیہ بھرپور انداز میں کیا۔ انہوں نے پروفیسر عبدالصمد کے اہم اور معروف ناول ''دو گز زمین'' کے تناظر میں 1971ء میں پاکستان کی تقسیم اور مسلم سائیکی پر مربوط گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ مذہب سے زیادہ ثقافت اور زبان کا رشتہ ہوتا ہے۔''

پروفیسر ڈاکٹر عبدالصمد نے کلمات سپاس وقبولیت (AcceptaneeSpeech) عطا کرتے ہوئے کہا کہ ''میں ایوارڈ کا مستحق قرار دینے پر ہندوستان جیوری کے چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اور اراکین جیوری پروفیسر شافع قدوائی، محترمہ ہندکشور وکرم اور پروفیسر عتیق اللہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔''

انہوں نے چیئرمین مجلس محمد عتیق، صدر مجلس اور مجلس کے جملہ ذمے داران کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ ''میں ایوارڈ کو قبول کرتے ہوئے خوشی محسوس کر رہا ہوں۔'' انہوں نے کہا کہ ''مجھ سے پہلے مستنصر حسین تارڑ نے بھی ''عالمی فروغِ اُردو ادب ایوارڈ'' کو اردو کا ''نوبل پرائز'' قرار دیا ہے۔ میں چیئرمین مجلس اور مجلس کے جملہ ذمے داران کا دل سے شکرگزار ہوں کہ انہوں نے مجھے اُردو کے نوبل پرائز سے نوازا۔'' انہوں نے مزید کہا کہ ''فرتاش سید جیسی خوب صورت نظامت کرنے والا آپ کو دُنیا میں کم ملے گا۔'' انہوں نے اپنے تصورِ ادب پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ''جب میں نے لکھنا شروع کیا تو میرے ذہن میں چند سوالات پیدا ہوئے اور کہ میں کیوں لکھتا ہوں۔ میرے نزدیک لکھنا بڑی ذمے داری کا کام ہے کیوں کہ لکھنے کا شعور ایک طرح سے لکھنے والے کو ودیعت ہوتا ہے۔ دھیرے دھیرے مجھے احساس ہوا کہ فکشن لکھنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ جہاں تک میں سمجھ پایا ہوں کہ لکھنا کوئی وقتی چیز نہیں۔ زمانہ گزرتا رہتا ہے لیکن زمانے کی روح کبھی نہیں مرتی کیوں کہ فکشن اپنے زمانے کی روح کا محافظ ہوتا ہے۔''

عہدِ حاضر کی نامور ادبی شخصیت پروفیسر ڈاکٹر خورشید رضوی نے پروفیسر فتح محمد ملک کے شخصی وفنی خدوخال پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ''پروفیسر فتح محمد ملک متوازن، متحمل اور خوشگوار شخصیت کے مالک ہیں۔ یوں کہ آپ اقبال کے سچے شیدائی ہیں اس لیے آپ کی

شخصیت اور کردار بقول اقبال:

نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو

انہوں نے پروفیسر فتح محمد ملک کے فنی اکتسابات پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے انہیں دورِ حاضر کا اہم ادیب و دانشور قرار دیا۔ انہوں نے صاحب اعزاز کے قلم کی روانی پر رشک کرتے ہوئے کہا کہ ''آپ کے قلم سے لاتعداد مضامین نکل چکے ہیں۔'' انہوں نے مزید کہا کہ ''پروفیسر فتح محمد ملک ترقی پسند تحریک اور حلقہ ارباب ذوق دونوں سے وابستہ رہے لیکن کسی ایک کا مستقل حصہ نہیں بنے۔ وہ خود کہتے ہیں

> ''میں خود کو ترقی پسند سمجھتا ہوں کیوں کہ ایک مسلمان اس کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن میں ترقی پسند تحریک کی اجارہ داری تسلیم کرنے سے قاصر ہوں۔''

پروفیسر ڈاکٹر خورشید رضوی نے صاحب اعزاز کے حوالے سے بات کرتے ہوئے مزید کہا کہ ''وہ اسلام کی مُلّائی تعبیر اور مشرکانہ تفسیر، دونوں سے مطمئن نہیں، وہ فکر اقبال کے تتبع میں اس کی حرکی تفہیم پر یقین رکھتے ہیں۔

میزبانِ تقریب اور چیئرمین مجلس محترم محمد عتیق نے کلمات تشکر ادا کرتے ہوئے جملہ مہمان شعراء و ادبا اور حاضرین مجلس کو خوش آمدید کہا انہوں نے بطورِ خاص پروفیسر فتح محمد ملک، پروفیسر ڈاکٹر عبدالصمد اور ڈاکٹر سید تقی عابدی کا تقریب پذیرائی میں بنفس نفیس شرکت کرنے پر شکریہ ادا کیا۔'' انہوں نے ہند و پاک کے پینل آف ججز کے چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اور پروفیسر ڈاکٹر خورشید رضوی اور اراکین جیوریز کا بھی شکریہ ادا کیا۔'' انہوں نے مجلس کی سرپرست کمیٹی کے اراکین اور مجلس انتظامیہ کے عہدیداران و اراکین کی پروگرام کو کامیاب بنانے کے لیے کوششوں کو بھی سراہا۔

پروفیسر ڈاکٹر خورشید رضوی نے صدارتی کلمات عطا کرتے ہوئے کہا کہ ''فرتاش سید صاحب کی کامیاب نظامت کے بارے میں بہت سے ستائشی کلمات بولے جا رہے ہیں لیکن میں عرض کرتا ہوں کہ ان کی ستم ظریفی ہے کہ جو شخص آپ کی سمع خراشی کرتا رہا ہے انہوں نے ایک بار پھر آپ کے کانوں کو اس کے سپرد کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ''یہ ایوارڈ

اور اس کا اہتمام واقعی بہت منفرد ہے۔ اُردو کے سلسلے میں اتنی جانفشانی اور اس قدر اہتمام کم از کم میرے علم میں نہیں ہے کہ کسی ملک میں بھی ایسا ہو رہا ہو۔'' انہوں نے مزید کہا کہ '' ملک مصیب الرحمن نام ونمود کو پسند نہیں کرتے تھے اور بالکل پس منظر میں رہ کر کام کرتے تھے اور یہ روش جو وہ چھوڑ گئے ہیں، عتیق صاحب اور اُن کی پوری ٹیم میں موجود ہے۔ اہل مجلس نام کو نمایاں کرنے کے بجائے صرف کام کرتے ہیں۔'' انہوں نے اُردو زبان کو درپیش مسائل کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ '' ہمارے ملک میں اُردو قومی زبان ہے، اُردو کے ادارے ہیں، چیف جسٹس نے حکم دیا ہے کہ اُردو کا بطور سرکاری زبان نفاذ کیا جائے، لیکن شاید نیتوں میں ایسی کھوٹ ہے کہ اردو کو سچ مچ نافذ کرنے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ اُردو کو کبھی سرکاری سرپرستی حاصل نہیں رہی، یہ اس کی روحانی طاقت ہے کہ مرکز سے نکل کر دنیا بھر میں پھیلتی جا رہی ہے لیکن ہمیں رسم الخط اور ذخیرہ الفاظ کی حفاظت کرنی ہوگی۔ پُر تکلف عشائیہ کے بعد یہ خوب صورت اور موقر تقریب اختتام پذیر ہوئی۔''

2 نومبر 2017ء بروز جمعرات ''مجلس فروغِ اُردو ادب دوحہ۔قطر'' کے زیر انتظام و انصرام اکیسویں عالمی فروغِ اُردو ادب ایوارڈ کی تقسیم اور سالانہ عالمی مشاعرہ کی تقریب کتارا کے عالی شان اوپن ایئر ایمفی تھیٹر میں منعقد ہوئی۔ جس میں پاکستان، ہندوستان، کینیڈا، برطانیہ، کویت اور قطر کے شعرائے کرام نے شرکت کی۔ تقریب کی صدارت پروفیسر ڈاکٹر خورشید رضوی نے کی۔ مہمانانِ اعزازی سفیر پاکستان برائے قطر جناب شہزاد احمد صاحب، سفارت خانہ پاکستان کے کمیونٹی ویلفیئر اتاشی ڈاکٹر جنید عامر سیال اور تھرڈ سکریٹری سفارت خانہ ہند ڈاکٹر محمد علیم تھے، پاکستان سے نامور مزاح گو شاعر ڈاکٹر انعام الحق جاوید اور ہندوستان سے معروف نقاد و دانشور پروفیسر شافع قدوائی بطور مہمانانِ گرامی تقریب میں شریک تھے، جب کہ نظامت کے فرائض مجلس کے جنرل سکریٹری فرقان احمد پراچہ نے خوش اسلوبی سے سرانجام دیے۔

تقریب کے پہلے حصے میں، مجلس فروغِ اردو ادب کے نائب صدر جاوید ہمایوں، جوائنٹ سکریٹریز امین موتی والا اور قمر الزمان بھٹی نے شرکائے تقریب کا پُرتپاک استقبال کیا۔

تلاوت کلام پاک کی سعادت حافظ عبدالرسول سعیدی نے حاصل کی۔ چیئرمین محمد عتیق نے استقبالیہ کلمات ادا کرتے ہوئے ایوارڈ یافتگان پروفیسر فتح محمد ملک، پروفیسر ڈاکٹر عبدالصمد اور ڈاکٹر سید تقی عابدی کو مبارک باد پیش کی۔ جناب محمد عتیق نے مجلس کے کلچرل پارٹنر کتارا کے جنرل منیجر عزت مآب ڈاکٹر خالد بن ابراہیم السلیطی کا خصوصی شکریہ ادا کیا، جن کے حسن تعاون سے اس سال کی تقریب کو تاریخی حیثیت حاصل ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ ''امسال ہم نے اپنے پروگرام کو امیر قطر عزت مآب شیخ تمیم بن حمد الثانی کی پُرعزم قیادت کے نام معنون کیا ہے۔'' انہوں نے بانی مجلس ملک مصیب الرحمٰن (مرحوم) کی ہر دلعزیز شخصیت اور ان کی لازوال ادبی خدمات کو سراہتے ہوئے کہا کہ ''آج کی تقریب میں میں اپنے عزیز دوست اور بانی مجلس ملک مصیب الرحمٰن کی کمی کو محسوس کر رہا ہوں۔'' مزید برآں انہوں نے یہ اعتراف بھی کیا کہ بعض ادب پرور اور ادب نواز اداروں اور شخصیات کی معاونت، ہمارے فروغِ اردو کے سفر کو آسان بنائے رکھتی ہے، ہم ان سب کے سپاس گزار ہیں۔

مجلس کی سرپرست کمیٹی کے فعال رکن سید محمد صبیح بخاری نے کلماتِ تشکر ادا کرتے ہوئے مجلس کے اسپانسرز کے حسن تعاون اور شائقین شعر و ادب کی تشریف آوری پر اُن کا شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے مجلس کی تقریبات کے کامیاب انعقاد پر مجلس انتظامیہ کے عہدیداران کی کارکردگی کو بھی سراہا۔ انہوں نے مزید کہا کہ ''شاعری لازوال چیز ہوتی ہے، گفتگو اور مکالمے تو ختم ہو جاتے ہیں لیکن شاعر کا کہا ہوا شعر ہمیشہ زندہ رہتا ہے کیوں کہ شاعری میں جذبات، احساس اور انقلاب کی بات زیادہ موثر انداز میں کی جاتی ہے۔''

رضا حسین رضا، محترمہ فرزانہ صفدر اور رمیس ممتاز نے بالترتیب پروفیسر فتح محمد ملک، پروفیسر ڈاکٹر عبدالصمد اور ڈاکٹر سید تقی عابدی کی Citations (تعارف) پیش کیں۔

ڈاکٹر حافظ جنید عامر سیال، ڈاکٹر محمد علیم، جناب محمد عتیق، جناب محمد صبیح بخاری، ادباء وشعراء، عمائدینِ شہر اور سیکڑوں محبانِ اردو ادب کی موجودگی میں ''21 واں عالمی فروغِ اُردو ادب ایوارڈ 2017ء''، اُردو زبان و ادب کی تاحیات گراں قدر اور اعلیٰ ترین خدمات کے اعتراف میں مشترکہ طور پر پاکستان سے نامور ادیب و دانشور پروفیسر فتح محمد ملک اور

ہندوستان سے معروف فکشن نگار پروفیسر ڈاکٹر عبدالصمد اور ''خصوصی عالمی فروغ اُردو ایوارڈ'' ڈاکٹر سید تقی عابدی کو تالیوں کی گونج میں پیش کیا۔ معزز مہمانوں نے مشترکہ طور پر ایوارڈ یافتگان کی تخلیقات پر معروف و نامور ناقدین ادب کے لکھے گئے مضامین اور یادگار تصاویر پر مشتمل مجلس کے سالانہ ضخیم مجلّے کی رونمائی بھی کی۔

کمیونٹی ویلفیئر اتاشی ڈاکٹر جنید عامر سیال نے سفیر پاکستان عزت مآب شہزاد احمد کی نیابت کرتے ہوئے اپنے خطاب میں کہا کہ ''آج مجھے اس تقریب میں آکر بہت خوشی ہوئی ہے، وہ اس لیے کہ یہاں موجود تمام شرکاء اُردو زبان و ادب کی محبت میں آئے ہیں۔ اس سے یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اس مادیت پرست دور میں جب کہ سیکڑوں زبانوں کو اپنی بقا کا مسئلہ درپیش ہے اور آئے روز بیسیوں زبانیں ختم ہو رہی ہیں، ایسے میں اُردو کا ہمارے ریجن کی اہم اور بڑی زبان کے طور پر سامنے آنا، اپنے وجود کا احساس دلانا اور فروغ پذیر ہونا، خوش آئند بات ہے۔ انہوں نے اعزاز یافتگان کو مبارک باد پیش کی۔'' مزید برآں انہوں نے چیئرمین مجلس جناب محمد عتیق، صدر مجلس فرتاش سید اور اُن کے تمام رفقائے کار کو بھی کامیاب پروگرام کے انعقاد پر مبارک باد پیش کی۔

ڈاکٹر محمد تیم نے سفیر ہند عزت مآب پی کمارن کی نیابت کرتے ہوئے شعراء و ادباء کو خوش آمدید کہا۔ انہوں نے کہا کہ ''اُردو شاعری زندگی کو مخاطب کرتی ہے اور قوموں کے عروج و زوال پر بحث کرتی ہے۔'' انہوں نے مزید کہا کہ ''آج کی شام بہت بامعنی ہے۔ اُردو زبان سے اس کی اپنی شیرینی اور مٹھاس کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔'' انہوں نے اعزاز یافتگان کو مبارک باد پیش کی۔ انہوں نے چیئرمین مجلس اور اُن کی پوری ٹیم کو بھی غیرمعمولی تقریب کے انعقاد پر مبارک باد پیش کی۔

فرقان احمد پراچہ نے پہلے دور کے اختتام کا اعلان کرتے ہوئے زمام نظامت، تالیوں کی گونج میں معروف شاعر و ادیب اور ناظم مشاعرہ پروفیسر فرتاش سید کے حوالے کر دی۔

اس عظیم الشان اور یادگار عالمی مشاعرے میں پاکستان سے میر مشاعرہ پروفیسر ڈاکٹر خورشید رضوی، جناب خالد شریف، ڈاکٹر انعام الحق جاوید، جناب سید نوید حیدر ہاشمی، محترمہ ثمین سیف، جناب زعیم رشید، محترمہ فاخرہ انجم، ہندوستان سے جناب فرحت

احساس، محترمہ لتا حیا، جناب عزم شاکری، ڈاکٹر مہتاب عالم، جناب وجے تیواری، کینیڈا سے ڈاکٹر سید تقی عابدی، کویت سے جناب بدر سیماب، برطانیہ سے محترمہ غزل انصاری تشریف لائے۔ ناظم مشاعرہ پروفیسر فرتاش سید، جناب عزیز نبیل اور جناب مشفق رضا نقوی نے قطر کی نمائندگی کی۔

مجلس فروغ اُردو ادب، دوحہ۔قطر نے برصغیر سے باہر جشنیہ مشاعروں کا آغاز کیا، عالمی فروغ اُردو ادب ایوارڈ اور سیم جعفری انٹرنیشنل ایوارڈ کا اجراء کیا، خصوصی عالمی فروغ اُردو ایوارڈ کا سلسلہ شروع کیا۔ امسال مجلس نے اپنے 23ویں سالانہ عالمی مشاعرے کو کتارا کے اوپن ائیر ایمفی تھیٹر میں منعقد کر کے ایک نئی تاریخ رقم کی ہے۔ اکثروں کے خدشات اُس وقت دور ہوئے جب قطر کے اہل ذوق کی ایک بڑی تعداد نے ایمفی تھیٹر کا رخ کیا۔

اس تاریخی مشاعرے کا آغاز میر مشاعرہ نے ''شمع مشاعرہ'' فروزاں کرنے کے بعد اپنے نثری و شعری کلام سے ہوا۔ حضرت خورشید رضوی نے تقریب کو غیر معمولی قرار دیتے ہوئے کہا: ''جس طرح روح نظر نہیں آسکتی جب تک اُسے کوئی جسم نہ ملے، اسی طرح تہذیبیں دکھائی نہیں دیتیں جب تک وہ کچھ رواتوں کے ذریعے اپنا اظہار نہ کریں۔ برصغیر کی عظیم الشان مسلم تہذیب نے اپنے اظہار کے لیے جو روایات پیدا کیں اُن میں سے ''مشاعرہ'' ایک اہم تہذیب ہے۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں مجلس کے چیئرمین جناب محمد عتیق اور اُن کے جملہ رفقائے کار کا سپاس گزار ہونا چاہیے جنھوں نے ہم سب کو اس عظیم عمل میں شریک کیا۔''

چادرِ ابر میں سورج کو چھپانے کے لیے
وہ پسِ پردہ بھی جیتے نظر آنے کے لیے
میں کئی بار خفا ہو کے چمن سے اٹھا
پھر کوئی گل نکل آتا ہے بلانے کے لیے

اس یادگار اور ناقابلِ فراموش مشاعرے میں شعرائے کرام نے اپنی خوب صورت شاعری اور ناظم مشاعرہ نے اپنی علمیت و ادبیت، برجستگی و بے ساختگی اور جوش و ولولے

سے سامعین کو مشاعرے کے آخری مرحلے تک ہم آہنگ اور مربوط رکھا۔ اس مشاعرے کی خاص بات یہ تھی کہ کوئی ایک بھی ایسا شاعر نہیں تھا جس نے اپنے خوب صورت اشعار پر داد نہ سمیٹی ہو اور یوں دلوں کو چھو جانے والے اشعار پیش کر کے شعرائے کرام نے مشاعرے کو یادگار بنا دیا۔ صبح دو بجے تک جاری رہنے والے اس عظیم الشان، تاریخی اور یادگار سالانہ عالمی مشاعرے میں سیکڑوں شائقین ادب نے شروع سے آخر تک تالیوں اور واہ واہ، داد و تحسین، آفریں آفریں، بہت خوب، بہت خوب اور سبحان اللہ، سبحان اللہ جیسے دل پذیر اور بے ساختہ حروف تحسین اور تبصروں سے مشاعرے کو بیدار سماعتوں اور پورے وجود کے ساتھ سماعت کیا۔ شائقین و سامعین نے مذکورہ عالمی مشاعرہ 2017ء پر تبصرہ کرتے ہوئے، اسے دوحہ قطر کی تاریخ کا کامیاب ترین مشاعرہ قرار دیا۔ شعرائے کرام کا نمونہ کلام:

پروفیسر ڈاکٹر خورشید رضوی (میر مشاعرہ):

اُسی ایک پل کی تلاش ہے شب و روز میں، مہ و سال میں
وہ کہیں بھی مجھ کو ملا نہیں، نہ فراق میں نہ وصال میں
جو کہو تو جال سمیٹ لوں، فقط ایک موج ہے جال میں
اُسے کیا خبر کہ میں خواب ہوں، وہ جو گم ہے میرے خیال میں

جناب خالد شریف:

عشق کرنے کے بھی آداب ہوا کرتے ہیں
جاگتی آنکھوں پہ بھی کچھ خواب ہوا کرتے ہیں
ہر کوئی رو کے دکھا دے یہ ضروری تو نہیں ہے
خشک آنکھوں میں بھی سیلاب ہوا کرتے ہیں

جناب فرحت احساس:

میں نے خود پر بھی وہ کام ہی لازم رکھے
سخت اذیت بھی سہی، ہوش بھی قائم رکھے
مجھ پہ سورج نے عنایت تو بہت کی، لیکن
وہ کہاں تک مری مٹی کو ملائم رکھے

ڈاکٹر سید تقی عابدی:

بھٹکے ہوئے منزل پہ پہنچ جائیں گے خود ہی
رستوں سے اگر راہ نماؤں کو ہٹا دو
لوگوں میں فقط عیب نظر آتے ہیں جس کو
اس کو بھی کبھی آئینہ خانے میں بٹھا دو

پروفیسر فرتاش سیّد (ناظم مشاعرہ)

عرصہ ہجر میں سینے سے لگائے ہوئے ہیں
ہم تری یاد کو تعویز بنائے ہوئے ہیں
ترے نزدیک تو ہے کارِ محبت بھی مذاق
یہ تو ہم لوگ ہیں جو کام چلائے ہوئے ہیں

ڈاکٹر انعام الحق جاوید:

کل اک چاندی لڑکی دیکھ کے ہو گیا دل بے قابو
کہہ دیا میں نے سامنے جا کر پیار سے اُس کو چندا
فوراً دس کا نوٹ تھما کر شوخی سے وہ بولی
یہ بتلا دو کس مسجد کا مانگ رہے ہو چندا

محترمہ لتا حیا:

خدا کی راہ پر چلتے تو یوں برباد نہ ہوتے
جو یوں فرقوں میں نہ بٹتے تو یوں برباد نہ ہوتے
خدا کی ایک رسی کو پکڑ کر ساتھ جو چلتے
تو شیطاں راج نہ کرتے جو یوں برباد نہ ہوتے

جناب عزم شاکری:

صبح تک کیسے گزاری ہے یہ اب پوچھتی ہے
رات ٹوٹے ہوئے تاروں کا سبب پوچھتی ہے

تو اگر چھوڑ کے جانے پہ تلا ہے، تو جا
جان بھی جسم سے جاتی ہے تو کب پوچھتی ہے

ڈاکٹر مہتاب عالم:

پھولوں میں جھلک حسن رخ یار کی نکلی
ہم خوش ہیں کوئی شکل تو دیدار کی نکلی
نیلام ہوئے چاند ہر اک شہر میں لیکن
رونق نہ کہیں مصر کے بازار کی نکلی

جناب سید نوید حیدر ہاشمی:

خدائے عشق مرا اضطراب کم کر دے
تو خواب ہی میں سہی آ کے مجھ پہ دم کر دے
منافقین محبت کا قتل واجب ہے
قلم کی نوک سے تو ان کے سر قلم کر دے

جناب وجے تیواری:

بھٹکتی رہتی ہے قسمت کو کون سمجھائے
قطر میں بگڑی طبیعت کو کون سمجھائے
کسے عزیز نہیں اپنے ملک میں رہنا
مگر یہ بات ضرورت کو کون سمجھائے

جناب زعیم رشید:

یہ بات اب کے اُسے بتانا نہیں پڑے گی
غزل کو ہر بزم غزل سنانا نہیں پڑے گی
جو وہ ملا تو میں خرچ کر دوں گا ایک پل میں
بدن کی خوشبو مجھے بچانا نہیں پڑے گی

محترمہ ثمین سیف۔

دل تو کیا جان بار سکتی ہوں
ہر خوشی تجھ پہ وار سکتی ہوں
پہلے ڈرتی تھی اک پتنگے سے
ماں ہوں اب سانپ مار سکتی ہوں

جناب عزیز نبیل۔

بہت اونچی اڑانیں بھر رہے ہو
بکھرنے کا ارادہ کرلیا کیا
مری غیبت تو اُس کا مشغلہ ہے
مگر تم نے گوارا کرلیا کیا

جناب بدر سیماب:

تجھ سے مگر یہ دکھ کبھی کہتا نہیں ہوں میں
تیرے بنا سکون سے رہتا نہیں ہوں میں
اک بات ہے جو آپ بھی سنتے نہیں کبھی
اک بات ہے جو آپ سے کہتا نہیں ہوں میں

محترمہ فاخرہ انجم:

ہر چیز مرے گرد شمگر کی طرح ہے
اب مجھ کو کنارہ بھی سمندر کی طرح ہے
کچھ اور ہی میں سوچ کے آئی تھی مرے گھر
افسوس! ترا گھر بھی مرے گھر کی طرح ہے

محترمہ غزل انصاری:

سرکشی پہ آمادہ دل سے ڈر ہی لگتا ہے
عشق کا مسافر تو دربدر ہی لگتا ہے

عمر بیت جاتی ہے ایک گھر بنانے میں
اور اسے جلانے میں اک شرر ہی لگتا ہے

جناب مشفق رضا نقوی:

دلوں پر راج کرتا ہوں کسی سرکار کی صورت
میں پوشیدہ بھی رہتا ہوں کبھی اسرار کی صورت
میں پانی میں بنا کر درد کی مورت بہاتا ہوں
میں غم تخلیق کرتا ہوں کسی فنکار کی صورت

''پیغام وطن آن لائن اُردو اخبار'' کویت

3رنومبر 2017ء

ڈاکٹر سید تقی عابدی کویت میں ایک مشاعرے کی تقریب میں شمولیت کے لیے 3رنومبر بروز جمعۃ المبارک کینیڈا سے کویت ائیر پورٹ پہنچے تو کویت کے معروف شاعر افروز عالم، سائیں نواز صدر پاکستان کلچرل سوسائٹی کویت خلیل الرحمن چیف ایڈیٹر'' پیغام وطن ڈاٹ کام'' محترمہ آمنہ (کویت ٹی وی 2) ثاقب اور کویت کے شاعر نذر نے ان کا استقبال کیا۔ یاد رہے کہ ڈاکٹر تقی عابدی 1976ء میں کویت کے ہسپتال میں اپنی خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔

روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور

13/نومبر 2018ء

ڈاکٹر سید تقی عابدی
کی کتاب ''امجد فہمی'' کی تقریب رونمائی

آرٹس کونسل کے تحت ڈاکٹر سید تقی عابدی کی کتاب ''امجد فہمی'' کی تقریب رونمائی منظر اکبر ہال میں ہوئی۔ سید تقی عابدی نے یہ کتاب ''امجد فہمی'' معروف شاعر اور ڈرامہ نگار امجد اسلام امجد کے کام پر لکھی ہے۔ جس میں امجد اسلام امجد کی زندگی، ان کی شاعری اور تحقیق کاری کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ تقریب میں امجد اسلام امجد، معروف شاعر پیرزادہ قاسم، صدر اردو لغت بورڈ عقیل عباس جعفری، معتمد اعزازی انجمن ترقی اردو ڈاکٹر فاطمہ حسن، مصنف کتاب ڈاکٹر سید تقی عابدی اور ڈاکٹر ہما میر کے علاوہ شعر و ادب سے تعلق رکھنے والے افراد نے شرکت کی۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی نے کہا کہ ''امجد اسلام امجد کی شاعری عہد حاضر کی ترجمان ہے اور عام فہم ہونے کی وجہ سے سب کو پسند ہے۔ انھوں نے امجد اسلام امجد کی ادبی زندگی کا جائزہ لیا۔

روزنامہ "پاکستان"

16/نومبر 2018ء

ڈاکٹر سید تقی عابدی کی کتاب "امجد فہمی" کی تعارفی تقریب

شعبۂ اردو میں ڈاکٹر سید تقی عابدی کی کتاب "امجد فہمی" کی تعارفی تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں امجد اسلام امجد نے مہمان خصوصی کے طور پر شرکت کی۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی نے امجد اسلام امجد کے فکر و فن کے حوالے سے پر مغز لیکچر دیا جسے تقریب کے شرکاء نے بہت دلچسپی سے سنا۔ تقریب کی صدارت ڈین کلیہ علوم شرقیہ ڈاکٹر محمد سلیم مظہر نے کی۔ اس تقریب میں پرنسپل اورینٹل کالج ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری کے علاوہ شعبۂ اردو کے اساتذہ ڈاکٹر محمد کامران، ڈاکٹر ضیاء الحسن، ڈاکٹر بصیرہ عنبرین، ڈاکٹر عارف شہزاد اور ڈاکٹر آصف علی چٹھہ موجود تھے۔ ایسوسی ایٹ پروفیسر ڈاکٹر عارفہ شہزاد نے تقریب کی نظامت کے فرائض انجام دیے۔

امجد اسلام امجد
روزنامہ ''ایکسپریس''
7/اپریل 2019ء

دو لاکھ کی کتاب

پروگرام کے آغاز سے قبل الخدمت پاکستان کے صدر برادرم میاں عبدالشکور میرے کمرے میں تشریف لائے تو باتوں باتوں میں میں نے اپنے بارے میں ڈاکٹر سید تقی عابدی کی لکھی ہوئی کتاب ''امجد فہمی'' کا ایک نسخہ ان کو پیش کیا کہ اسے پروگرام میں میری طرف سے نیلامی کے لیے رکھ دیجیے گا اور جو رقم اس سے حاصل ہو اسے میری طرف سے عطیہ سمجھ کر قبول کر لیجیے گا۔ میں اپنے دستخطوں سے یہ کتاب خریدنے والے کا نام لکھ کر انھیں پیش کر دوں گا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس طرح پچاس ہزار سے لے کر ایک لاکھ تک کی آفر آجائے گی لیکن حیرت اور خوشی کی بات یہ ہوئی کہ پہلی بولی ہی ایک لاکھ کی تھی ایک اور صاحب نے ایک لاکھ ایک ہزار کی آواز لگائی جب کہ آخری بولی دو لاکھ تک پہنچ گئی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ عملی طور پر تو کتاب صرف آخری بولی والے محترم کو ہی ملی لیکن بقیہ دونوں حضرات نے اعلان کر دیا کہ وہ کتاب نہ ملنے کے باوجود بھی اپنی اعلان کردہ رقم اس کے حوالے سے بطور عطیہ پیش کر رہے ہیں۔ اگرچہ میں نے بعد میں برادرم اجمل سراج کی معرفت ان کو بھی کتابیں بھجوا دیں مگر ان کی اس جذبہ محبت نے نہ صرف میرا دل جیت لیا بلکہ میرے اس ایمان کو بھی تقویت دی کہ ہمارے معاشرے میں اچھے لوگوں کی کمی نہ پہلے تھی اور نہ اب ہے۔

امجد اسلام امجد
روزنامہ "ایکسپریس" لاہور
20/نومبر 2019ء

فیض میلہ اور سید تقی عابدی

الحمرا آرٹ کونسل لاہور میں فیض میلہ 2019ء کہنے کو تو صرف تین دن جاری رہا، لیکن ہماری ادبی فضا میں اس کی گونج اگلے سالانہ میلے تک سنی جائے گی کہ فی زمانہ ادب کے حوالے سے ایسی بھرپور اور فقید المثال تقریب کراچی آرٹس کونسل کی سالانہ ادبی کانفرنس کے علاوہ کوئی اور نہیں، اتفاق سے یہ دونوں ادبی میلے اوپر تلے یعنی نومبر اور دسمبر کے مہینوں میں سجتے ہیں اور یوں موسم کی سردی اور دونوں کی گرمی ایک ہی سکے کے دو رخ بن جاتے ہیں۔

ہمیشہ کی طرح اس بار بھی فیض میلہ ایک گلدستے کی شکل میں تھا کہ روزانہ صبح گیارہ بجے سے رات دیر گئے تک الحمرا کے تینوں ہال، آرٹ گیلریز اور کھلی جگہیں کسی نہ کسی تقریب، اجلاس، میوزک یا ڈرامے کی پیش کش کے باعث شائقین ادب وفن کے ہجوم سے پُر رہتی تھی۔ ورائٹی اہمیت اور کشش کے اعتبار سے ان پروگراموں میں حصہ اور دلچسپی لینے والوں کی تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے کہ ہر وینیو کی گنجائش ایک خاص حد تک تھی۔

ایسے میں ہر تقریب تو کیا دو چار کا مفصل ذکر بھی اس محدود سے کالم میں کرنا ممکن نہیں سو میں صرف ایک ایسی کتاب کی تقریب رونمائی اور تعارف کی بات کروں گا جس کا براہ راست تعلق فیض صاحب کی شاعری، زندگی اور شخصیت سے تھا، اس ضخیم اور بے حد دیدہ زیب کتاب کا نام "باقیات و نادرات فیض احمد فیض" رکھا گیا ہے اور اس کے مصنف، مولف اور مرتب اُردو دنیا کی جانی پہچانی شخصیت ڈاکٹر سید تقی عابدی ہیں جن کا آبائی تعلق تو حیدرآباد دکن سے ہے لیکن گزشتہ تقریباً چالیس برس سے وہ یورپ، امریکہ اور کینیڈا میں بھی مقیم رہے ہیں۔ وہ پیشے کے اعتبار سے ایک انتہائی کامیاب اور نامور میڈیکل ڈاکٹر ہیں لیکن انہی کے بقول وہ میڈیکل کے ڈاکٹر اور ادب کے مریض ہیں۔

ادب کے ساتھ ان کی محبت غیر معمولی بھی ہے اور مثالی بھی یوں تو وہ شعر بھی خوب کہتے ہیں لیکن ان کے کمالات کا زیادہ بھرپور اور بہتر اظہار تنقید اور تحقیق کے میدانوں میں ہوتا ہے۔ اُن کی یادداشت، کتابوں اور مخطوطات سے محبت، مطالعے کے وسعت نوٹس لینے کا طریقہ اور کسی ادبی موضوع پر تحقیق کی گہرائی ہر ایک اپنی جگہ پر اپنی مثال آپ ہے۔ اُردو مرثیے اور بالخصوص اس میں مرزا دبیر پر سات مختلف کتابوں میں جو کام انھوں نے کیا ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، یوں تو اس وقت تک اُن کی چالیس سے زیادہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

جن میں سے ہر ایک اُن کی وسعت فکر، تحقیقی لگن اور عام روش سے ہٹ کر اپنی رائے کے اظہار اور قوت استدلال کی ایک شاندار مثال ہے، لیکن فیض صاحب پر "فیض فہمی" اور "فیض شناسی" کے بعد شائع ہونے والی یہ تیسری کتاب اس اعتبار سے سب سے الگ اور منفرد ہے کہ یہ اپنے مواد کے انتخاب اور پیش کش کے انداز کے حوالے سے ایک Collector's Item کا درجہ رکھتی ہے یہ بیک وقت ایک Coffee Table Task بھی ہے، ایک شاندار البم بھی اور فیض صاحب کی ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریروں کا ایک ایسا انتخاب بھی جو بلاشبہ نوادرات کے زمرے میں آتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ "باقیات" کے حوالے سے اس شاندار کتاب میں فیض صاحب کے مختلف شعروں مجموعوں میں کسی نہ کسی وجہ سے شامل نہ ہو سکنے والے ایسے تمام کلام کو بھی یکجا کر دیا گیا ہے جو کہیں نہ کہیں اور کسی نہ کسی شکل میں چھپ چکا ہے اور اُن تمام تبدیلیوں کی بھی محققانہ انداز میں نشاندہی کر دی گئی ہے جو اُن کے شعری مجموعوں کے مختلف ایڈیشنز میں روا رکھی گئی ہیں۔ فیض اور صادقین کے حوالے سے ڈاکٹر سید تقی عابدی نے "فیضیات" میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔

اُردو شعر و ادب کے ضمن میں جس طرح کی "دیوانگی" سید تقی عابدی کے کام میں دکھائی دیتی ہے اس کا تقاضا تھا کہ اس کا اظہار اس کی کتابی شکل میں پیش کش میں بھی دکھائی دے، سو اس کے لیے انھیں جہلم جیسے ایک ایسے شہر سے دو نوجوان دیوانے بھی مل گئے جس کا کم از کم کتابوں کی اشاعت کی حد تک کوئی قابل ذکر حوالہ چند برس قبل تک سامنے نہیں آیا تھا۔ گگن شاہد اور امر شاہد نے اپنے والد شاہد صاحب کے کتابوں کے

کاروبار کو ورثے میں پایا تو ضرور مگر اسے ایک بڑے اور کامیاب اشاعتی ادارے کی شکل دینا انہی دونوں نوجوانوں کا کارنامہ ہے کہ آج ''بُک کارنر'' اردو کتابوں کی اشاعت کے حوالے سے خود ایک حوالے کی شکل اختیار کر گیا ہے فی زمانہ جب کہ کتاب کے قارئین بے حد تیزی سے کم ہو رہے ہیں اور ماضی کے بڑے بڑے اشاعتی ادارے بھی ایک ایک کر کے بند ہوتے جا رہے ہیں۔

ادبی مراکز سے دور ایک چھوٹے سے شہر میں رہتے ہوئے جس طرح کی کتابیں اس ادارے نے گزشتہ چند برسوں میں شائع کی ہیں اُس کی داد نہ دینا زیادتی ہو گی جس تیزی، محبت، انہماک، معیار اور خوب صورتی کے ساتھ یہ کتاب شائع کی گئی ہے اسے دیکھ کر یہ یقین کرنا بے حد مشکل ہو جاتا ہے کہ اس کی پرنٹنگ کا سارا عمل صرف دو تین ہفتوں میں مکمل ہوا ہے اس کا سائز، بائنڈنگ کی کوالٹی، کاغذ اور تصویری پرنٹنگ ایسی ہے کہ اسے ایک بار کھول کر دیکھنے کے بعد اس پر درج شدہ (7500) قیمت معقول دکھائی دینے لگتی ہے۔

ڈاکٹر سید محمد تقی عابدی کے ساتھ فیض میلے کے ایک خصوصی سیشن میں بطور میزبان گفتگو اور شرکت کرنا ذاتی طور پر میرے لیے ایک بہت خوب صورت تجربہ تھا کہ اس قریب میں فیض صاحب کو یاد کرنے کا یہ ایک ایسا طریقہ تھا جسے ہمارے ادب میں عام اور رائج ہونا چاہیے، فیض میلے کے حوالے سے ہر بار مجھے اپنے محترم اور فیض صاحب کے دوست اور ہم عصر احمد ندیم قاسمی بہت یاد آتے ہیں کہ 20 نومبر کا دن ان دونوں بڑے آدمیوں کے ساتھ مختلف حوالوں سے جُڑا ہوا ہے۔

ہمارے سنگ میل پبلی کیشنز کے دوستوں نے قاسمی صاحب کے تمام کلام کو بھی بہت خوب صورتی سے شائع کیا ہے یہی اس کے مالک برادرم افضال احمد کو بھی مشورہ دوں گا کہ وہ بھی ندیم صاحب کی باقیات و نادرات کے حوالے سے ایسے ہی ایک ''تحفے'' کا اہتمام کریں کہ جن کو ہماری آنے والی نسلیں اپنے اہل ذوق بزرگوں کا ایک ایسا ورثہ سمجھ کر نہ صرف محفوظ رکھیں بلکہ ان کی معرفت اپنے مشاہیر کی عظمت سے بھی بہتر طور پر آگاہ ہو سکیں۔ تقی صاحب نے باتوں کے درمیان بتایا کہ آئندہ برس وہ علامہ اقبال پر دو کتابیں شائع کرنے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ سو اُمید کی جا سکتی ہے کہ مستقبل قریب میں اہل نظر کے ذوق اور اقبال کی روح کے لیے خوشی کا ایک خوب صورت پیغام موجود اور میسر ہو گا۔

قاسم نسیم
13/دسمبر 2019ء

سکردو میں ادبی سرگرمیاں

معروف طبیب اور شاعر و ادیب سید تقی عابدی نے پچھلے دنوں بلتستان کا مختصر دورہ کیا۔ سکردو میں ملک کے دیگر بڑے شہروں کے مقابلے میں زیادہ نہیں تو کچھ کم ادبی سرگرمیاں بھی نہیں ہوتیں۔ ہر ہفتے ایسی کسی سرگرمی کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ انھوں نے ایوان اقبال میں علامہ اقبال کی شاعری میں مقام آدمیت و انسانیت کو اجاگر کرتے ہوئے پُر مغز گفتگو کی۔ ڈاکٹر تقی عابدی کسی بھی فرد کے فن و شخصیت پر گفتگو کرتے ہیں تو اس کی زندگی کے ایک ایک گوشے پر اس انداز سے روشنی ڈالتے ہیں کہ حقیقی معنوں میں مذکورہ شخصیت کی خدمات کو اجاگر کرنے کا حق ادا کرتے ہیں۔ یوں شخصیات کی زندگی، فن اور تصورات سے متعلق حقیقی پہلوؤں کے سامنے آتے ہیں۔

اسی روز انھوں نے شام کو بزم علم و فن ہی کے زیر اہتمام ایک محفل مشاعرہ کی صدارت کی۔ انھوں نے مقامی نوجوان شعراء کے کلام کے معیار کی تعریف کی اور شعراء کے بلند تخیلات کو سراہا۔ محفل سے گفتگو میں انھوں نے سکردو کے قدرتی حسن کی تعریف کی اور کہا کہ "یہاں کے قدرتی مناظر کا عکس یہاں کے شعراء کے کلام میں نمایاں نظر آتا ہے۔"

اگلے روز کے لیے بھی مقامی میزبانوں نے ڈاکٹر تقی عابدی کے لیے بہت ہی مصروف شیڈول ترتیب دے رکھا تھا۔ مقامی ہوٹل میں ہونے والے پروگرام کے لیے موضوع "انیس و دبیر، آسمان مرثیہ نگاری کے آفتاب و ماہتاب" کا انتخاب کیا گیا تھا۔

ادبی محفل کے بعد ڈاکٹر تقی عابدی بلتستان کے مورخ و ادیب محمد یوسف حسین آبادی کے قائم کردہ میوزیم پہنچے۔ جہاں انھوں نے بلتستان کی تہذیب و ثقافت سے متعلق صدیوں پہلے کے نوادرات کے ذریعے بلتستان کے ماضی سے متعلق آگہی حاصل کی۔ انھوں نے ان

نوادرات میں گہری دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور میوزیم کو باہر کی دنیا تک متعارف کرانے کے لیے تجاویز دیں۔ ڈاکٹر صاحب کے پروگراموں میں شرکا کی بڑی تعداد تعلیم یافتہ اور صاحب فہم لوگوں پر مشتمل رہی۔ انھوں نے پریس کلب سکردو میں "اُردو کی ترقی کے مسائل اور وسائل" کے موضوع پر لیکچر دیا۔ اُن کا کہنا تھا کہ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ بلتستان میں اردو زبان منفرد لب و لہجے کے ساتھ پرورش پا رہی ہے۔ ادبی مرکز سے دوری کے باوجود اہل سکردو کا لہجہ اہل زبان سے گہری مماثلت رکھتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اُردو زبان پر مرثیہ کا احسان ہے کہ اس صنف نے یہاں اُردو کو مقبولِ عام بنانے میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ اس موقع پر ڈاکٹر تقی عابدی نے جہاں انیس و دبیر کے مرثیوں کا حوالہ دیا وہاں گلگت بلتستان اسمبلی کے اسپیکر حاجی فدا محمد ناشاد کے کلام پر مشتمل زیرِ طبع مرثیوں کے مجموعے کا ذکر بھی کیا اور کہا کہ "اس علاقے سے اُردو زبان میں پہلا مرثیہ کہنے کا اعزاز حاصل کرنے والے اس شاعر کے اس کلام کو بھی اُردو کا شاہکار مرثیہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔" ڈاکٹر تقی عابدی نے حاجی فدا محمد ناشاد کے جس مرثیے کو دورانِ لیکچر پڑھ کر سنایا اُس کا اقتباس پیشِ خدمت ہے۔

جب شاہ نے مدینہ سے عزمِ سفر کیا
اہلِ حرم کو ہم شرفِ رہگذر کیا

عمامۂ رسولِ خداؑ زینب سر گیا
آسیب و ابتلا نے مدینے میں گھر کیا

ویران ہو رہا ہے مدینہ رسولؐ کا
لو کوچ کر رہا ہے یہ کنبہ بتولؑ کا

غوغائے الوداع، زمین و زماں میں ہے
افسردگی کا کیف مکین و مکاں میں ہے

سبطِ رسولؐ کشمکشِ این و آں میں ہے
ماحول سوگ کا ہے جو سارے جہاں میں ہے

آتی ہے ہر طرف سے صدا الاماں کی
رونق ختم ہے آج نبیؐ کے مکان کی

شبیرؑ آگئے ہیں زیارت کے واسطے
قبرِ نبیؐ پہ آخری رخصت کے واسطے

عباسؑ ساتھ ساتھ حفاظت کے واسطے
مولاؑ نے یوں پکارا اجازت کے واسطے

نانا سلام آپ پہ، رخصت عطا کریں
مکّے کو جارہا ہوں، اجازت عطا کریں

رخسار جب امامؑ نے تُربت پہ رکھ دیا
ہلنے لگا مزارِ شہنشاہِ انبیاؑ

ارض و سماء لرز گئے محشر ہوا بپا
چاروں طرف سے رونے کی آنے لگی صدا

پُر درد تھی فضا، سخنِ دل فگار سے
لگتا تھا یوں، نکلتے ہیں حضرتؐ مزار سے

آئے وہاں سے فاطمہ زہراؑ کی قبر پر
آنسو بہا رہے تھے شہنشاہِ بحر و بر

اصحاب رو رہے تھے مسلسل جھکائے سر
چہرے سبھی کے ہوگئے تھے آنسوؤں سے تر

کیا کیا نہ امتحاں تھے مصیبت کے یہ کڑے
ماں کی لحد پہ حزن سے شبیرؑ گر پڑے

بھائی حسنؑ کی قبرِ مطہر بھی تھی قریب
مرقد پہ اُن کے آگئے شاہِ سفر نصیب

ہاتھوں کو رکھ کے قبر پہ فرماتے تھے نجیب
مکّے کی سمت جاتا ہوں بھیا میں عنقریب

کر لیجئے دُعا! "یہ سفر خوشگوار ہو"
قاسمؑ کو ساتھ لیتا ہوں تاکہ قرار ہو

پہنچے حرم میں لوٹ کے یثرب کے بادشاہ
سب منتظر رواقِ حرم میں تھے، تکتے راہ

ہر ایک مضطرب تھا لبوں پہ تھی سب کے آہ
سبطِ نبیؐ نے غور سے مجمع پہ کی نگاہ

ناگاہ اِک غلام نے آقا کو دی خبر
حجرے میں حالِ فاطمہؑ بیمار ہے دِگر

سبطِ رسولؐ داخلِ بیت الشرف ہوا
پہلو میں اپنے دخترِ بیمار کو لیا

رکھ کر جبیں پہ دستِ مبارک کو، کی دعا
صغرا نے آنکھ کھولی، تو کی رو کے التجا

میں ہوں علیل مجھ سے نہ دامن بچائیے
مجھ کو بھی اپنے ساتھ مسافر بنائیے

روزنامہ ''پاکستان'' کراچی

6/مئی 2021ء

انٹرنیشنل اقبال کانفرنس کا انعقاد

ویمن یونیورسٹی صوابی اور

الحمد اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کے زیر اہتمام

اقبال کا آفاقی پیغام کے عنوان سے ویمن یونیورسٹی صوابی اور الحمد یونیورسٹی اسلام آباد میں کانفرنس کی صدارت فتح ملک، اور افتخار عارف نے کی۔ جب کہ کانفرنس شاہانہ عروج کاظمی کی سرپرستی میں منعقد ہوئی۔ جناب جلیل عالی، جناب منیب اقبال، جناب ڈاکٹر تقی عابدی مہمان خاص تھے۔ شروع میں ڈاکٹر شیر علی نے تلاوت کلام پاک کے بعد اس کانفرنس کا مقصد بیان کیا اور مہمانوں کا تعارف کرایا۔ چیئرمین الحمد ایجوکیشن سسٹم جناب شکیل روشن نے خیر مقدمی کلمات ادا کرتے ہوئے سب کا شکریہ ادا کیا، اقبال کی فکر کے حوالے سے بھی بات کی۔ پاکستان میں یونیورسٹیوں کا یہ فریضہ ہے کہ قائداعظم اور اقبال کے پیغام کو طلبہ وطالبات تک پہنچائیں اسی سلسلے میں اسلامک یونیورسٹی کی جانب سے اقبال کانفرنس کا انعقاد عمل میں لایا گیا ہے۔

ڈاکٹر اشرف کمال نے کہا ''آج کی تہذیبی کشمکش میں ملٹی نیشنل کمپنیوں نے ساری دنیا کو اپنی تجارتی منڈی بنا دیا ہے۔ صارفیت کے اس دور میں انسان صرف اور صرف ایک صارف اور گاہک کی صورت اختیار کر گیا ہے جس کا جتنا خون نچوڑ لیا جائے وہ کم ہے۔ ہمارے ہاں اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ زیادہ سے زیادہ منافع کے حصول کی خاطر اشیا کا معیار گرا دیا گیا اور صارفیت کے عمل کو تیز کرنے کے لیے مہنگائی کے جن کو بوتل سے ایسے

باہر نکالا گیا کہ اب اس پر قابو پانا مشکل ہو گیا ہے۔ اس میں نہ صرف سرمایہ دار، بلکہ جاگیر دار بھی برابر کے حصہ دار نظر آتے ہیں۔ یہ سب مادیت پرستی کا نتیجہ ہے۔ اس صورت حال سے نجات کے لیے اقبال کی آفاقی سوچ کو سمجھنا ہوگا۔"

ڈاکٹر وسیم نے کہا "انھوں نے عبدالقادر کے نام ایک نظم پر بات کی۔ اور ان کا آفاقی پیغام شعر کے ساتھ ساتھ نثر میں بھی موجود ہے۔ فکر اقبال میں ہر دور کے مسائل کے حل موجود ہیں۔" امریکہ سے ڈاکٹر محمد عارف خان نے کہا کہ "یہ کانفرنس کی جو کوشش کی اس کے لیے انتظامیہ خاص طور پر شیخ عقیل کی تحسین کی جانی چاہیے۔ شکیل روشن کے اقبال دوستی کے عزائم جان کر خوشی ہوئی۔ جس دور میں اقبال مخالفت کا بازار گرم ہو وہاں یہ امر اقبال طمانیت کا سبب ہے۔ علامہ اقبال کے افکار میں اتنی وسعت اور گہرائی ہے کہ ان کے آفاقی پیغام کا تعین آسان نہیں ہے۔" انھوں نے اسلامی فکر و آفاقی پیغام کے طور خودی انسان کا خاصہ ہے۔ گویا زندگی کا وجود حصار "خودی" کا نشان ہے اور اقبال اسے ہر وجود میں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔"

ڈاکٹر محمد افضال بٹ نے کہا کہ "اقبال بنیادی طور پہ عمل کا اظہار چاہتے ہیں لیکن ہم نے اقبال کو آج کے دور میں مختلف کانفرنسوں اور بات چیت تک محدود کر دیا ہے۔ ان کے فلسفے کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اقبال کی شاعری کی بنیاد اسلامی تاریخ اور مذہبی افکار ہے۔"

جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی سے ڈاکٹر احمد محفوظ نے کہا "ہم جس طرح عالمی وبا کی زد میں ہیں ہم سب کی طرف سے اللہ سے دعا کی جانی چاہیے کہ اللہ اس سے نجات دے۔ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ اقبال کو شاعر کی حیثیت سے دیکھنے کے بجائے اقبال کو مصلح، مفکر عاشق رسولؐ اسلام کے مبلغ کے طور پر دیکھا جا رہا ہے۔ اقبال کی شاعری میں جو پیغام ہے اس کی بنیاد واقعی اسلامک فکر پہ ہے۔ اگر اسلامک لٹریچر ہی پڑھنا ہے تو دوسرا بہت سا مواد ہے جسے پڑھا جا سکتا ہے، اقبال کو اس کی شاعری کے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ اقبال پہلے شاعر ہیں بعد میں مفکر یا فلسفی۔"

مہمان خاص جناب تقی عابدی نے کہا کہ "اقبال ایک جدید معاشرہ چاہتے تھے۔

اقبال کا جو محور ہے وہ انسانیت ہے وہ فضیلت انسانیت ہے وہ حقوق انسان ہے۔ اقبال کا چیلنج یہی ہے اکیسویں صدی میں کہ آپ اپنی سٹریز کو جو سود تر ڈسٹری کہتے ہیں تو سب سے زیادہ تم انسانوں کا احترام کرو اور یہ جب ہوگا جب تم انسان کے حقوق کی بات کرو گے۔ اقبال نے کہا کہ کوئی بھی انسان دوسرے انسان کا محتاج نہ ہو۔ اس نے یہ نہیں کہا کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کا محتاج نہ ہو۔ یہ کہنے والا آفاقی شاعر ہے۔"

مہمان خاص پروفیسر جلیل عالی نے کہا کہ "دنیا کی کوئی بھی آئیڈیالوجی جو آفاقی ہو اس سے ضروری نہیں کہ پوری دنیا اتفاق کرے۔ کوئی بھی نظام فکر ہے اس میں آفاقی جہت ہے کہ نہیں۔ کوئی بھی بڑی آئیڈیالوجی انسان دوستی کے بغیر تشکیل ہی نہیں پا سکتی۔ پروفیسر ڈاکٹر شاہینہ عروج کاظمی نے صوابی یونیورسٹی کی طرف سے سب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا: "اقبال نے اپنی شاعری میں جو کچھ بیان کیا ان پیغامات کو آگے پہنچانا چاہیے ان میں نوجوانوں کے لیے بہت کچھ ہے۔"

جناب افتخار عارف نے صدارتی گفتگو میں کہا کہ "سوالات وقتاً فوقتاً دیے جاتے ہیں اور ہم ان کا جواب دینے میں لگ جاتے ہیں ہر زمانے میں جو سوالات اٹھائے جاتے ہیں دیکھا جاتا ہے کہ ان کے جوابات کیسے دیے گئے ہیں۔ میں بیک وقت مسلمان بھی ہوں پاکستانی بھی ہوں سندھی بھی ہوں اس میں کوئی معذرت خواہانہ رویہ نہیں ہونا چاہیے۔ علامہ اقبال نے عالم انسان کے جوابات فراہم کیے۔ وہ عالم اسلام کے بہت بڑے لیڈر تھے۔ انھوں نے جو بھی لکھا ہے قرآن حکیم کی مطابقت سے لکھا ہے۔ انھوں نے نبی کریم کو رول ماڈل بنایا۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں ہونی چاہئے۔ بالکل وہ اسلام کے ترجمان تھے۔"

جناب پروفیسر فتح محمد ملک نے اپنی صدارتی گفتگو میں کہا "اقبال نے سلطانی جمہور کی بشارت دیتے وقت جو راہ دکھائی تھی ہم آج تک اس پہ قدم رکھنے سے عاری چلے آرہے ہیں۔ ہمارے پاس یہی راستہ ہے کہ اقبال کے خواب و خیال سے پھوٹتی ہوئی روشنی میں زندگی کے فرسودہ نقش کو مٹاتے ہوئے اپنی قومی منزل کی طرف گامزن ہو جائیں۔"

روزنامہ ”پاکستان“ کراچی
9 دسمبر 2021ء

فراق، انسان کی تفہیم بیان کرنے والے شاعر ہیں: تقی عابدی

فراق گورکھپوری انسان اور کائنات کی تفہیم بیان کرنے والا زندہ شاعر ہیں۔ فراق نے اُردو شاعری کی روایت کو جدیدیت اور مابعد الجدیدیت وہم آہنگ کرکے زمین سے جڑی تہذیب اور ثقافت کو موثر انداز میں اپنی شاعری میں پیش کیا ہے۔ ان خیالات کا اظہار کینیڈا سے آئے ممتاز ادیب اور دانشور ڈاکٹر تقی عابدی نے پریس کلب کی ادبی کمیٹی کے زیر اہتمام کلیات فراق کی تعارفی تقریب کے شرکا سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے بتایا کہ ”فراق غزل اور نظم ہی کے نہیں رباعیات کے بھی بڑے شاعر ہیں۔“ انہوں نے بتایا کہ ”اُردو دُنیا کی ان چند زبانوں میں شامل ہے جس میں دنیا کی قدیم زبانوں سے زیادہ زندہ رہنے کی صلاحیت ہے۔“ اس موقع پر تقریب کے صدر ڈاکٹر شاداب احسانی نے کہا کہ ”فراق نے اُردو شاعری کو جدید آہنگ عطا کیا۔“

رضوان صدیقی نے ڈاکٹر سید تقی عابدی کی شخصیت پر سیر حاصل گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ ”ڈاکٹر تقی عابدی معروف فزیشن اور 68 کتابوں کے مصنف اور مرتب ہیں۔“ اس موقع پر ادبی کمیٹی کے سکریٹری اے ایچ خانزادہ نے مہمان خصوصی کو سندھی ٹوپی اور اجرک کا تحفہ دیا۔ اس تقریب میں ڈاکٹر عالیہ امام، ڈاکٹر جاوید منظر، صفدر صدیق رضی، ڈاکٹر فہیم شناس کاظمی، راشد نور، عبدالسلام، محمد اسلام، نسیم انجم، ثمن حنیف، شاہدہ [illegible] خان، راشد عزیز، اطہر اقبال، طارق جمیل، نسیم شاہ، جمال [illegible]، ناصر [illegible]، غلام علی وفا، سلیم احمد ایڈووکیٹ، سلمان پیرزادہ، کامران عثمان، اور انور صدیقی شریک تھے۔

allamaiqbal.com

15؍دسمبر 2021ء

کینیڈا میں مقیم معروف ماہر اقبال ڈاکٹر تقی عابدی کی پاکستان آمد

کینیڈا میں مقیم معروف ماہر اقبال ڈاکٹر تقی عابدی مورخہ 15؍دسمبر 2021ء کو اقبال اکادمی پاکستان تشریف لائے۔ ڈائریکٹر اقبال اکادمی پاکستان پروفیسر ڈاکٹر بصیرہ عنبرین اور اکادمی کے افسران سے ملاقات کے دوران شمالی امریکہ میں اقبالیاتی سرگرمیوں کے حوالے سے گفتگو ہوئی۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے فکر اقبال کی ترویج کے لیے اقبال اکادمی پاکستان کے کردار کو سراہا اور کہا کہ "اقبال اکادمی کے اسکالرز شمالی امریکہ آئیں تو وہاں موجود اردو بولنے والوں کی بڑی تعداد کو اقبال فہمی میں مدد ملے گی۔"

ڈائریکٹر اقبال اکادمی پاکستان پروفیسر ڈاکٹر بصیرہ عنبرین نے معزز مہمان کی آمد کا شکریہ ادا کیا اور اکادمی کی طرف سے آن لائن لیکچرز کے سلسلے میں یادگاری شیلڈ بھی پیش کی۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے اپنی تازہ تصانیف ڈائریکٹر اقبال اکادمی کو پیش کیں۔ اس موقع پر محمد نعمان چشتی، ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، ڈاکٹر خضر یسین، ہارون اکرم گل، انجینئر عنایت علی، فہیم ارشد، محمد بابر خان، محمد اسحاق اور اسد حنیف بھی موجود تھے۔

روزنامہ ''نوائے وقت''، ''سما''، ''ایکسپریس''، ''خبریں''، ''ایمان''، ''92''، ''[illegible]''، ''اوصاف''، ''مشرق''

16/دسمبر 2021ء

فیض کی شاعری ڈپریشن سے بچاتی ہے: ڈاکٹر تقی عابدی

لاہور آرٹس کونسل الحمرا اور سٹی آف لٹریچر کے زیر اہتمام ادبی نشست ''یہ فیض کا دور ہے'' کا انعقاد ہوا۔ نامور اسکالر ڈاکٹر تقی عابدی نے عالمی شہرت یافتہ شاعر فیض احمد فیض کے فن و شخصیت پر گفتگو کی۔ چیئرپرسن الحمرا منیزہ ہاشمی تقریب کی مہمان خصوصی تھیں۔ تقریب میں نامور شاعر امجد اسلام امجد نے بھی شرکت کی۔ چیئرپرسن منیزہ ہاشمی نے تقریب میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ ''پروگرام کا مقصد نوجوان نسل کو فیض احمد فیض کے کلام سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کرنا تھا۔'' تقریب میں ڈاکٹر تقی عابدی نے فیض احمد فیض کی شاعری پڑھی اور نوجوانوں تک اس میں پنہاں پیغام پہنچایا۔ انہوں نے کہا ''فیض کی شاعری ڈپریشن سے بچاتی ہے۔ فیض غزل غضب کی لکھتے ہیں۔ وہ عظیم شاعر ہیں۔ فیض کا کلام برداشت کا پیغام دیتا ہے جہاں ظلم ہوتا پایا آواز بلند کی۔ فیض نے سماج کے مسائل کو نہ صرف اُجاگر کیا بلکہ اس کا حل بھی پیش کیا۔ زبان و ادب کی خدمت کی۔ فیض کا کلام سکون بخش ہے۔ وہ ظاہری و باطنی اخلاص کو آگے بڑھاتے ہیں۔ وہ زندگی سے رومانوی شاعر ہیں۔ فیض کے کلام میں انفرادیت کی بجائے اجتماعیت ہے جو موجودہ دور کے فیض کا دور ہونے کی ضامن ہے۔'' تقریب کی نظامت سمیرا خلیل نے کی۔ نشست میں سوال و جواب کا بھی سیشن ہوا۔ تقریب کے شرکا، ڈاکٹر تقی عابدی کی گفتگو سے فیض یاب ہوئے۔

aawaza.com

17/دسمبر2021ء

فراق گورکھپوری: شخص اور شاعر

ڈاکٹر تقی عابدی کی گفتگو

"ادارہ زبان و ادبیات اردو" پنجاب یونیورسٹی لاہور کے زیر اہتمام ایک تقریب "فراق گورکھپوری: شخص اور شاعر" کے زیر عنوان منعقد ہوئی۔ جس کی صدارت ڈائریکٹر "ادارہ زبان و ادبیات اردو" پروفیسر ڈاکٹر محمد کامران نے کی۔ تقریب کے مہمان خاص ممتاز شاعر، محقق اور نقاد ڈاکٹر سید تقی عابدی (کینیڈا) تھے۔ پروفیسر ایمریطس، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، پروفیسر ڈاکٹر زاہد منیر عامر، پروفیسر ڈاکٹر ضیاء الحسن، ڈاکٹر عارف شہزاد، ڈاکٹر انیلا سلیم اور ڈاکٹر محمد نعیم ورک سمیت طلباء و طالبات کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔

نظامت کے فرائض استاد "ادارہ زبان و ادبیات اردو" ڈاکٹر انیلا سلیم نے انجام دیے۔ تلاوت کلام پاک کی سعادت ایم فل اسکالر شعیب سلمان نے حاصل کی۔ سال دوئم کی طالبہ ماہ نور جاوید نے بارگاہ رسالت مآب میں گلہائے عقیدت پیش کیا۔

تقریب سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر تقی عابدی نے کہا کہ "فراق غزل کا شاعر ہے۔" اس کے علاوہ انھوں نے فراق کی شخصیت اور شاعری پر بات کرتے ہوئے کہا کہ "فراق غزل کا ایک معتبر نام ہے۔" انھوں نے کہا کہ "فراق نہ صرف اردو بلکہ انگریزی کا بھی بڑا شاعر تھا اور اس نے تقریباً ۲۷ سانیٹ بھی لکھے۔ فراق نے بھاشا اور سنسکرت سے اساطیری روایت کو لیا جس سے ایک نیا لہجہ ہماری اردو شاعری میں آیا۔"

صحت متن کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ "کسی بھی شاعر یا نثر نگار کو سمجھنے کے لیے متن اہم کردار ادا کرتا ہے۔"

تقریب کے اختتام پر ڈائریکٹر ''ادارہ زبان و ادبیات اردو'' پروفیسر ڈاکٹر محمد کامران نے اظہار تشکر کیا۔ اس موقعے پر ڈاکٹر سید تقی عابدی نے اپنی مرتبہ کلیات فائق کے نسخے ادارے کے اساتذہ کو پیش کیے۔

اقبالؔ ہر صدی کا شاعر ہے: ڈاکٹر سید تقی عابدی

شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور میں ٹورنٹو، کینیڈا میں مقیم معروف، محقق، نقاد، شاعر اور دانشور ڈاکٹر سید تقی عابدی نے اکیسویں صدی میں فکرِ اقبالؔ کی معنویت وافادیت کے موضوع پر توسیعی لیکچر دیا۔ تقریب کی صدارت معروف شاعر، نقاد، ڈرامہ نگار اور کالم نگار جناب امجد اسلام امجد نے کی۔ صدر شعبۂ اردو نے معزز مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے کہا کہ "ضرورت اس امر کی ہے کہ فکرِ اقبالؔ کو عصرِ حاضر کی روشنی میں سمجھا جائے تا کہ نئی نسل کو اندازہ ہو کہ علامہ اقبالؔ کی شاعری کتنا عظیم اثاثہ ہے۔"

ڈاکٹر سید تقی عابدی نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ "اقبالؔ ایک آفاقی شاعر ہیں جو ماضی، حال اور مستقبل تینوں زمانوں کا شعور رکھتے ہیں۔" علامہ اقبالؔ کے فارسی اور اردو کلام کے ساتھ ساتھ ان کے خطبات بھی مینارۂ نور ہیں۔ تقریب کے صدر جناب امجد اسلام امجد نے ایک کامیاب تقریب کے انعقاد پر صدر شعبۂ اردو پروفیسر ڈاکٹر محمد کامران کے علاوہ شعبۂ اردو کے اساتذہ اور طلبہ و طالبات کو مبارک باد پیش کرتے ہوئے کہا کہ "ڈاکٹر تقی عابدی ایک ہمہ جہت شخصیت ہیں اور وہ دنیا بھر میں اردو ادب خاص طور پر اقبالیات کے فروغ کے لیے مصروفِ عمل ہیں۔" تقریب کی نظامت کے فرائض ڈاکٹر ضیاء الحسن نے ادا کیے اور تقریب کے اختتام پر تمام معزز مہمانوں کی آمد پر شکریہ بھی ادا کیا۔

ڈاکٹر محمد اشرف کمال

روزنامہ "پاکستان" لاہور

13 جنوری 2022ء

ڈاکٹر تقی عابدی کے لیے خراج تحسین پروگرام

شعبۂ اُردو الحمد اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کے زیر اہتمام "کلیاتِ فراق گورکھپوری" کا [illegible] تقریب پذیرائی میں اہم شخصیات کی شرکت

الحمد اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں ڈاکٹر تقی عابدی کے لیے تحسین پروگرام کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت ڈاکٹر سعادت سعید نے کی۔ نظامت کے فرائض صدر شعبہ اُردو ڈاکٹر شیر علی نے انجام دیے۔ ڈاکٹر شیر علی نے اپنے مہمانوں کا تعارف کرایا اور مہمان خاص ڈاکٹر تقی عابدی کو خوش آمدید کہا۔ پہلا حصہ خراج تحسین کے نام سے تھا جس میں ڈاکٹر تقی عابدی نے اپنی علمی و ادبی کاوشوں کے بارے میں گفتگو کی۔ اس کے بعد ان کی مرتب کردہ "کلیاتِ فراق گورکھپوری" [illegible] ناقدین نے اپنی اپنی آرا کا اظہار کیا۔

ڈاکٹر تقی عابدی کا تفصیلی تعارف ڈاکٹر اشرف کمال نے پیش کرتے ہوئے کہا:

"ہمیں فخر ہے کہ آج ایک اتنی بڑی شخصیت ہمارے ساتھ موجود ہے۔ ان سے ہماری عقیدت اور محبت کا بہت پرانا رشتہ ہے۔ جناب تقی عابدی میڈیکل کے شعبے سے وابستہ ہونے کے ساتھ ساتھ اُردو اور فارسی زبان و ادب میں بھی نمایاں اور قابل قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان کا شمار موجودہ دور کے معتبر محققین اور ناقدین میں ہوتا ہے۔ انھوں نے جہاں امیر خسرو، حافظ، سعدی، غالب، انیس، دبیر، اقبال، نجم آفندی، [illegible] کنوار کماری کی تخلیقات پر قلم اٹھایا ہے اور تحقیق و تنقیدات پیش کی ہیں وہیں انھوں نے سرسید احمد خاں، مولانا الطاف حسین حالی، فیض احمد فیض، علی سردار جعفری اور [illegible]

کے حوالے سے بھی تحقیق کے کئی گوشے واضح کیے ہیں۔ انھوں نے دو جلدوں میں "کلیات غالب فارسی" کو جمع کیا ہے جسے اردو فارسی دُنیا میں بہت سراہا گیا۔ انھوں نے گوپی ناتھ امن، کالی داس گپتا رضا، دلورام کوثری اور ایک ہندو شاعرہ روپ کنوار کماری کے حوالے سے بھی اپنی تحقیق پیش کی۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے خدائے سخن میر تقی میر کے مرثیوں پر تحقیق پیش کی۔ محسن اردو ڈاکٹر محی الدین قادری زور کے حوالے سے بھی لکھا۔ علامہ اقبال کے تصور عشق و مستی کو مختلف زاویوں سے اجاگر کیا۔

ڈاکٹر تقی عابدی نے کہا کہ "کوششیں ہوتی ہیں وہ کتابوں میں بیان نہیں ہوتی بلکہ تجربات سے حاصل ہوتی ہیں۔ سرسید احمد خاں نے "تہذیب الاخلاق" میں ایک عجیب بات کہی۔ سرسید کہتے ہیں کہ "ہم دنیا کے بڑے بڑے انقلابات کی بات کرتے ہیں انقلاب فرانس، انقلاب چین، انقلاب روس وغیرہ لیکن کبھی ہم نے یہ نہیں سوچا کہ ہم نے اپنی ذات میں جب سے شعور ہم نے سنبھالا ہے جو مسائل چیلنجز سامنے آئے ہیں کو ہم نے تنہا بہت کم مدد سے اللہ کی مدد سے خود حل کیا۔ بڑے پتے کی بات سرسید احمد خاں نے بتائی کہ ہم جو سفر اختیار کرتے ہیں زندگی کا یعنی مہد سے لحد تک وہ ایک خود ایک عظیم درس گاہ ہے۔ دہلی میں پیدا ہوا ہوں اور چار سال بعد اپنے والد کے ساتھ جو جج تھے حیدرآباد منتقل ہوا۔ ہمارے گھر کا ماحول ادبی تھا۔ گھر میں دو چار رسالے آتے ہیں ہوتی تھیں۔ ہمارے والدان کا مطالعہ کرتے تھے۔ ہمارے پاس جو اخبار آتا تھا "سیاست" وہ میں پورا پڑھ لیتا تھا کچھ سمجھ میں آتا تھا کچھ نہیں۔ اس طریقے سے اردو رسم الخط سے اور اردو کی پڑھت سے میرا آغاز ہوا۔ گھر پہ ٹیوشن رکھی تھی جو اردو اور عربی کی تعلیم دیتے میری وژن میموری ہے میں آج بھی وہ اخبار دیکھ سکتا ہوں وہ ابھی تک میرے ذہن میں ہے۔ دوسرے طلبہ و طالبات کی طرح میں اگرچہ کچھ کرکٹ میں دلچسپی لیتا تھا لیکن زیادہ تر میری دلچسپی کتاب خانے اور کتب خانے سے تھی۔ گرما کی تعطیلات میں زیادہ تر وقت کتاب پڑھنے میں گزارتا۔ اگر سمجھ نہیں آتی تو دو تین بار پڑھتا۔

بچپن ہی سے مجھے اردو شعر و ادب سے شغف تھا اور اسی لیے میں اردو اخبار پڑھتا میں اردو کتابیں پڑھتا۔ بعد میں نے سولہ سال کی عمر سے اردو میں لکھنا شروع کیے جو آج

بیش قیمت ہے جس میں بہت سی شخصیات ہیں جن کے حوالے سے انھوں نے بات کی ہے۔ ان کی موجودہ کتاب 752 صفحات پر مشتمل ایک ضخیم اور تحقیقی کتاب ہے جس میں بہت سی ایسی باتیں بتائی ہیں جو کہ فراق کی زندگی اور فن کے گوشوں کو سامنے لاتی ہیں۔ فراق ایک اہم شاعر تھا اس نے زندگی کو کیسے گزارا، زندگی کو کیسے سمجھا اور انھوں نے انسان اور کائنات کو کس طرح آپس میں جوڑا ہے۔ ان کے ہاں نئی انسانی قدروں کی بات کی گئی ہے۔ خاص طور پر وہ زندگی کے حوالے سے بہت پر امید ہیں۔

ہمارے ہاں خاص طور پر بیسویں صدی کے اہم شعراء میں فراق کا شمار بھی ہوتا ہے اور ان کی تنقیدی بصیرت سے بھی انکار نہیں ان کی تنقیدی کتب سے بھی بہت کچھ سیکھا ہے۔ فراق کے حوالے سے ہمیں کئی دقتیں درپیش ہیں۔ کلیات کی جو تدوین ہوتی ہے آپ ان کی مشکلات سے بھی آگاہ ہیں۔ یہ ایک اچھی بات ہے کہ تقی عابدی نے کلیات کو مرتب کیا ہے۔ میں انھیں مبارک باد پیش کرتا ہوں۔"

پروفیسر ڈاکٹر سعادت سعید نے کہا کہ "فراق صاحب گزشتہ صدی کے بڑے شاعروں میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ پر گو شاعر تھے۔ پر گوئی کی وجہ یہ تھی ان کے پاس کہنے کو بہت کچھ تھا جو بات کہی ہے وہ ایک نئے انداز سے کہی ہے انگریزی ادب سے ان کا تعلق تھا۔ انگریزی ادب میں جس طرح شاعروں نے زندگی کو تجربہ کر کے پیش کیا یہ بات فراق کی نظموں میں بھی نظر آتی ہے۔"

ڈاکٹر سید تقی عابدی نے "کلیات فراق گورکھپوری" کی ترتیب و تدوین کے حوالے سے کہا کہ "ایک لفظ بدلنے سے شعر میں بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔ میں نے اس میں صحت متن کی بہت کوشش کی ہے۔ میں تنہا شخص ہوں جو پروف ریڈنگ کرتا ہے۔ بقول شبلی نعمانی ناممکنات میں سے ہے کہ غلطیاں نہ ہوں۔ کامل اس لیے نام رکھا ہے کہ ناقص ہوتے ہوئے بھی یہ دوسرے نسخوں کی نسبت کامل ہے۔ اس میں ارضیت، مقامی تہذیب اور جمالیات کے حوالے سے بھی بہت کچھ موجود ہے۔"

ڈاکٹر طارق ہاشمی نے اپنی گفتگو میں کہا کہ "غزل میں جن لوگوں نے زیادہ کام کیا ان میں حسرت موہانی تک کئی نام شامل ہیں۔ غزل کے بارے میں خوبی کی تحقیقی تاریخ

روزنامہ "راشٹریہ سہارا" نئی دہلی

17رفروری 2016ء

حالی کی فارسی شاعری کی عظمت کا اعتراف اقبال کو بھی تھا

جامعہ ملیہ اسلامیہ کے زیر اہتمام

انڈیا عرب کلچرل سینٹر میں توسیعی خطبہ میں تقی عابدی کا اظہارِ خیال

شعبۂ فارسی جامعہ ملیہ اسلامیہ کے زیر اہتمام انڈیا عرب کلچرل سینٹر میں اس تعلیمی سال کے دوسرے توسیعی خطبے کا انعقاد کیا گیا۔ خطبہ کا آغاز دانش اقبال نے تلاوت کلام پاک سے کیا۔ جب کہ نظامت کے فرائض توسیعی خطبے کو آرڈی نیٹر ڈاکٹر سید کلیم اصغر نے انجام دیے۔ خطبے کے مقرر خاص معروف محقق اور فزیشن ڈاکٹر تقی عابدی (کینیڈا) تھے جب کہ مہمان خصوصی کے طور پر معروف اسکالر و دانشور پروفیسر صدیق الرحمن قدوائی (سکریٹری غالب انسٹی ٹیوٹ) نے شرکت کی اور صدارت شعبۂ فارسی کے صدر پروفیسر عراق رضا زیدی نے کی۔

ڈاکٹر تقی عابدی نے "مولانا الطاف حسین حالی کی فارسی شاعری" کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "عام طور سے لوگ حالی کو اُردو کے حوالے سے جانتے ہیں۔" انھوں نے حالی کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ "اقبال جیسے مستند شاعر نے بھی ان کی عظمت کا اعتراف کیا تھا۔" انھوں نے کہا کہ "حالی کی فارسی شاعری کے کل اشعار کی تعداد تقریباً 700 ہے، جس میں رباعیات، غزلیات، مثنوی مرثیہ اور قطعات شامل ہیں۔"

پروفیسر صدیق الرحمن قدوائی نے کہا کہ "انھیں آج مولانا الطاف حسین حالی کی شاعری کے متعلق بہت ہی عالمانہ، مفکرانہ اور مدبرانہ خطبہ سننے کو ملا۔ اس موقع پر معروف قلم کار علی ظہیر نقوی کی تصنیف "سوغات" کی رسم اجرا بدست ڈاکٹر تقی عابدی اور پروفیسر

روزنامہ ''انقلاب'' نئی دہلی

21/ستمبر 2016ء

سرسید احمد، مولانا حالیؔ اور شبلی نعمانی نئے دور کے نقیب تھے: پروفیسر گوپی چند نارنگ

ساہتیہ اکادمی کے زیر اہتمام ''حالیؔ فہمی'' مختلف جہات، موضوع پر شاندار تقریب کا انعقاد

سرسید، حالیؔ اور شبلی نئے دور کے نقیب تھے جن سے سماجی بیداری اور شعر و ادب کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ اپنے اپنے میدان میں ان کے کارنامے اتنے وقیع ہیں کہ کوئی دوسری مثال نہیں ملتی ہے۔ ان خیالات کا اظہار پدم بھوشن گوپی چند نارنگ نے ساہتیہ اکادمی دہلی کے زیر اہتمام ''حالیؔ فہمی'' مختلف جہات کے تحت منعقد سیمینار میں بحیثیت صدر خطاب کرتے ہوئے کیا۔ سیمینار کی نظامت کے فرائض ساہتیہ اکادمی اردو مشاورتی بورڈ کے کنوینر چندر بھان خیالؔ نے انجام دیے ساتھ ہی اظہار تشکر بھی کیا۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ خیر مقدمی کلمات ساہتیہ اکادمی کے سکریٹری کے سری نواس راؤ نے انگریزی زبان میں ادا کیے جب کہ تقریب خاص طور پر اردو کی تھی وہیں خطبہ خصوصی ممتاز اردو اسکالر سید تقی عابدی نے پیش کیا۔ اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے گوپی چند نارنگ نے کہا کہ ''آج کل'' اردو تنقید میں نوآبادیاتی مطالعات کے تحت بعض لوگوں میں ایک غلط روش چل پڑی کہ بزرگوں کے کارناموں سے صرف نظر کر کے صرف کوتاہیوں کو اچھالا جائے۔ ہمیں اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ برطانوی حکومت کا دور تھا انگریز اپنے اقتدار کو بچائے رکھنے کے لیے ہمیں ایک دوسرے کے خلاف استعمال کر رہا تھا۔ مولانا

الطاف حسین حالی اور محمد حسین آزاد سے اردو شعر و ادب میں ایک خاموش انقلاب کی ابتدا ہوتی ہے۔ انھوں نے اسے ایک نصب العین دیا اور اپنی اپنی مدت تک ماضی اور حال کی قدروں کا احساس بھی دلایا۔ حالی اردو کے پہلے شاعر ہیں جن کا دل ہندوستان کی خاطر رویا۔ ان کی مثنوی "حب وطن"، "مناجات بیوہ" اور "چپ کی داد" سے ان کی سماجی دردمندی اور وطن دوستی کے اس تصور پر روشنی پڑتی ہے جو خدمت اور رفاقت کے احساس سے بنتا ہے۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ نے مزید کہا کہ "مسدس حالی" کا شاہکار ہے۔ بے شک یہ ایک مذہبی نظم ہے لیکن اس میں ہندوستان کے جاگیردارانہ نظام کے زوال کی ایک مکمل تصویر سامنے آتی ہے۔ حالی ذہن پر خدا اور حسن کے قائل تھے

پروفیسر نارنگ نے کہا کہ "حالی نے انگریزی حکومت کے سلسلے میں اپنی آزادی پر زور دیا۔" مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کی سابق چانسلر اور مولانا الطاف حسین حالی کے خاندان کی فرد محترمہ سیدہ سیدین حمید نے حالی کی زندگی کے مختلف گوشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ "حالی نے مخالف حالات میں بھی حب الوطنی اور اعلیٰ دوستی کا مظاہرہ کیا۔ وہ اپنے ملک سے نہ صرف محبت کرتے تھے بلکہ عوام کی تکلیفوں کی فکر میں ہمیشہ مبتلا رہتے تھے۔ شعر و ادب میں انھوں نے نئی راہ دکھائی اور نئے طرز اظہار کی بنیاد ڈالی۔ وہ جدید اردو شاعری کے بانی تھے۔" سیدہ سیدین نے اپنی تقریر میں بھی کہا کہ "مولانا نہ صرف لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کی وکالت کرتے تھے بلکہ عورتوں کی آزادی اور ان کے حقوق کے تئیں بھی ہمیشہ فکرمند رہتے تھے۔" اردو کے ممتاز دانشور اور محقق و ناقد ڈاکٹر سید تقی عابدی نے اپنے خصوصی خطبہ میں "مسدس حالی" کے حوالے سے ملک میں مسلمانوں کی حالت زار کا ذکر کیا اور بتایا کہ حالی نے اپنی مسدس میں کس قدر بے باکی سے اپنی بات کہی ہے۔ انھوں نے مختلف حوالوں سے حالی کی شاعرانہ عظمت ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی۔

ڈاکٹر تقی عابدی نے اپنی تقریر کے دوران حالی کے نئی شعری کا حوالہ دیتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ "حالی ہر لحاظ سے نئی فکر کے حامی اور نئی جہتوں کے متلاشی تھے۔" اس موقع پر ڈاکٹر سید تقی عابدی کی مولانا حالی پر تیار کردہ تین کتابوں "مسدس حالی"، "حالی کی" اور

"کلیاتِ حالیؔ" کا اجرا پروفیسر گوپی چند نارنگ اور سیدہ سیدین حمید کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اس موقع پر اُردو دُنیا سے تعلق رکھنے والی بہت سی اہم شخصیات اساتذہ شعرا اور ادیب کے علاوہ ریسرچ اسکالرز نے بھی شرکت کی جن میں شاہد ماہلی، غالبؔ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر رضا حیدر، پروفیسر شہزاد انجم، انجم عثمانی، اسد رضا، آر ایم ایل اسپتال میں یونانی شعبہ کے انچارج ڈاکٹر سید احمد، متین کشور و کرم، ڈاکٹر ایم آر قاسمی، مشرف عالم ذوقی، عبدالصمد، احمد علوی، موسیٰ رضا، ڈاکٹر ابوذر ربانی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

روزنامہ "سالار" بنگلور

24 ستمبر 2016ء

اُردو یونیورسٹی میں داغ دہلوی پر قومی سیمینار کا افتتاح

شعبۂ اُردو مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کے زیر اہتمام باشتراک قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی، سہ روزہ قومی سیمینار بعنوان "نواب مرزا خان داغ دہلوی۔ عہد، حیات اور فکر و فن" 21 تا 23 ستمبر 2016 منعقد کیا جا رہا ہے۔ پروفیسر ابوالکلام، ڈائرکٹر سیمینار و صدر شعبۂ اُردو کے بموجب افتتاحی اجلاس 21 ستمبر 10 بجے صبح آڈیٹوریم نظامت فاصلاتی تعلیم میں منعقد ہوگا جس کی صدارت ڈاکٹر محمد اسلم پرویز، وائس چانسلر کریں گے۔ پروفیسر شمیم حنفی، معروف دانشور، جامعہ ملیہ اسلامیہ کلیدی خطبہ پیش کریں گے جب کہ پدم شری مجتبیٰ حسین، معروف طنز و مزاح نگار مہمان خصوصی ہوں گے۔ ڈاکٹر تقی عابدی، محقق، ناقد اور شاعر (کینیڈا) اور پروفیسر نسیم الدین فریس، ڈین اسکول آف ایل ایل اینڈ آئی، مانو مہمانانِ اعزازی ہوں گے۔ اس سیمینار میں قومی اور بین الاقوامی ماہرین علم و ادب جیسے پروفیسر محمد زماں آزردہ، پروفیسر نسیم احمد خان، پروفیسر بیگ احساس، پروفیسر اشرف رفیع، پروفیسر حمید سہروردی، پروفیسر قاضی افضال، پروفیسر قاضی [illegible]، ڈاکٹر سید داؤد اشرف، پروفیسر فاطمہ پروین، پروفیسر صفیہ ابراہیم، پروفیسر [illegible]، پروفیسر معین الدین جینا بڑے، پروفیسر علی احمد فاطمی، پروفیسر [illegible] الدین [illegible]، پروفیسر شہپر رسول، پروفیسر شافع قدوائی، پروفیسر شہناز نبی، [illegible]، پروفیسر غضنفر علی، پروفیسر مظفر شہ میری، پروفیسر صاحب علی، پروفیسر احمد محفوظ، [illegible] محمد کاظم، ڈاکٹر عارف حسن خان، ڈاکٹر ظہیر رحمتی، ڈاکٹر رضوان الحق، [illegible]

زاہد الحق، ڈاکٹر عمیر منظر، ڈاکٹر مسرت جہاں، ڈاکٹر بی بی رضا خاتون اور ڈاکٹر بدر سلطانہ، داغ کے عہد، حیات اور فکر و فن پر اپنے اپنے تحقیقی و تنقیدی مقالے پیش کریں گے۔

ہر شام کو داغ کی زندگی پر محیط تہذیبی و ثقافتی پروگرام بھی منعقد کیے جائیں گے۔ 21 ستمبر کی شام جناب عتیق حسین بندہ نوازی اور ہمنوائی قوال کا پروگرام ہوگا، جس میں ڈاکٹر شکیل احمد، رجسٹرار مانو بطور مہمان خصوصی شرکت فرمائیں گے اور جناب انیس اعظمی نظامت کے فرائض انجام دیں گے۔

22 ستمبر کو شام افسانہ منعقد کی جائے گی، جس میں معروف فکشن نگار پدم شری جیلانی بانو مہمان خصوصی ہوں گی اور پروفیسر بیگ احساس صدارت کریں گے نیز نظامت کے فرائض ڈاکٹر وسیم بیگم انجام دیں گی۔ معروف افسانہ نگار داغ کی زندگی کے کسی دلچسپ پہلو پر محیط اپنا طبع زاد افسانہ سنائیں گے۔

23 ستمبر کو "ایک شام داغ کے نام" مشاعرے کا اہتمام کیا جائے گا، جس میں حیدرآباد اور ملک کے دوسرے علاقوں سے آئے شعراء کرام اپنا کلام پیش کریں گے نیز اس مشاعرے کی خصوصیت یہ ہوگی کہ اس میں تمام شعرا داغ کی زمین میں غزلیں سنائیں گے۔ مشاعرے کی صدارت ڈاکٹر سید تقی عابدی کریں گے اور محترم جناب رحمن جامی صاحب بطور مہمان خصوصی شرکت فرمائیں گے نیز ڈاکٹر عمیر منظر نظامت کے فرائض انجام دیں گے۔

روزنامہ "راشٹریہ سہارا" دہلی

2016ء

"جاوید نامہ" اقبال کی معجزانہ شاعری کی عمدہ مثال

جواہر لعل نہرو یونیورسٹی میں محمد حسن لکچر سیریز کے دوران ڈاکٹر سید تقی عابدی کا اظہار خیال

"جاوید نامہ" اقبال کی معجزانہ شاعری کی مثال ہے۔ اس میں انسانیت اور انسانیت سازی کے رہنما اصول کے ساتھ ساتھ انسانی سماج کے دیگر مسائل و مباحث کی وضاحت ہیں۔ "جاوید نامہ" میں اقبال نے اپنے فلسفہ کے علاوہ دنیا کے دیگر فلسفیوں کے نظریات کو شامل کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ باتیں کینیڈا سے آئے ڈاکٹر تقی عابدی نے جواہر لعل نہرو یونیورسٹی میں منعقد پروفیسر محمد حسن میموریل لکچر سیریز میں کہیں۔ انھوں نے "جاوید نامہ اور انسانیت سازی" کے عنوان پر خطبہ دیتے ہوئے کہا کہ "[illegible] اقبال کا "جاوید نامہ" ایک معجزانہ بیان ہے۔ یوں کہ اس میں اقبال کا فلسفہ حیات جہاں ہمیں متوجہ کرتا ہے، وہیں فنی امتیازات بھی قابل توجہ ہیں۔ 1837 اشعار پر مشتمل اس طویل تمثیلی نظم میں اقبال نے متعدد تجربات کیے۔ اس میں [illegible] کی جھلکیاں ملتی ہیں۔"

ڈاکٹر عابدی نے "جاوید نامہ" کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ "فارسی کی پانچ اہم کتابوں میں سے اقبال کا "جاوید نامہ" ایک ہے۔ اقبال نے قرآن، احادیث و اسلامی تاریخ کے علاوہ ابن عربی، ابوعلی معری اور دانتے سے استفادہ کرتے ہوئے "جاوید نامہ" کی شکل میں ہمیں فلسفہ حیات دیا ہے۔ جس کے اشعار میں انسانیت سازی اور اس کے اصول جابجا ملتے ہیں۔"

قبل ازیں پروفیسر محمد خواجہ محمد اکرام الدین نے ڈاکٹر تقی عابدی کا مختصر تعارف پیش کرتے ہوئے ان کی علمی و تحقیقی کاوشوں کا ذکر کیا۔ پروفیسر خواجہ اکرام الدین نے کہا کہ "ڈاکٹر عابدی عالمی سطح پر اردو کے سفیر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ واضح رہے کہ ڈاکٹر تقی عابدی ماہر طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نامور محقق و نقاد بھی ہیں۔"

کینیڈین رائٹر یونین کے ممبر ہیں۔ ان کی تقریباً 55 کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور اپنے علمی و ادبی کاموں کی وجہ سے دنیا کے بیشتر ملکوں کا سفر کر چکے ہیں۔ اس پروگرام میں مہمان اعزازی کے طور پر ڈاکٹر اطہر فاروقی نے شرکت کی، انھوں نے اپنی مختصر تقریر میں اس طرح کے پروگرام کو سراہتے ہوئے کہا کہ "تقی عابدی اردو کی جو خدمات انجام دے رہے ہیں وہ قابل قدر ہیں۔" اس پروگرام میں جواہر لعل نہرو یونیورسٹی کے متعدد سینٹرس کے اساتذہ و طلبا سمیت ڈاکٹر توحید احمد خان، ڈاکٹر اخلاق احمد آہن، ڈاکٹر ہادی، ڈاکٹر شفیق الرحمن نے خصوصی طور پر شرکت کی۔ جب کہ نظامت ڈاکٹر شفیع ایوب نے کی۔

شاہ فیصل یونیورسٹی سعودیہ عرب میں درس تدریس سے وابستہ پروفیسر الحسن رضوی نے شعراء اُردو کی ضبط شدہ نظموں پر اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے اپنی تحقیق میں ان شعراء کرام کا کلام پیش کیا جن کی وطن پرست شاعری کو انگریزی حکومت نے ضبط کرلیا تھا۔ صحافی سراج نقوی نے شعراء اور آزادی ہند علی عابدی امروہوی نے غیر مسلم اُردو شعراء کرام کی آزادی ہند میں شعری خدمات کے حوالے سے مضمون پیش کیا۔ مولانا آزاد یونیورسٹی حیدرآباد کی سابق چانسلر ڈاکٹر سیدہ سیدین نے عصر حاضر میں اس طرح کی تقریبات کے انعقاد کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور کہا کہ ''نئی نسل کے سامنے اپنے اکابرین کی خدمات کسی نہ کسی شکل میں آتی رہنی چاہئیں۔''

اردو اکادمی دہلی کے وائس چیئرمین و ممتاز شاعر ڈاکٹر ماجد دیوبندی نے عنوان مذکورہ کے تحت جامع تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ''ادب اپنے دور کے اقتصادی، سماجی اور سیاسی حالات کی عکاسی کرتا ہے اور ملک و ملت میں کسی بھی طرح کے انقلابات لانے میں معاون بھی ہوتا ہے۔ عالمی تاریخ کا اگر جائزہ لیا جائے تو ہمیں دیکھنے کو ملے گا کہ دنیا کے اہم انقلابات میں ادب نے اپنا اہم کردار ادا کیا ہے۔ اسی طرح ہمارے ملک کی آزادی میں ملک کی مانند زبان اور ادب بالخصوص اُردو شاعری کا بڑا تعاون رہا ہے۔'' ان کے علاوہ دہلی یونیورسٹی کے شعبہ فارسی سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر حسن اختر آئی سی سی آر کی ڈائریکٹر پروگرام محترمہ افشاں انجم، ڈاکٹر محمد احمد برنی نے بھی عنوان مذکورہ کی روشنی میں مقالات پیش فرمائے۔

حسن ٹرسٹ کی جانب سے اس موقع پر منظر عام پر آئی خصوصی کتاب ''جنگ آزادی میں شعراء کا کردار'' میں جن ادبی شخصیات نے مجاہدین آزادی پر مقالات لکھے ان میں ڈاکٹر محمد علی آسٹریلیا، پروفیسر عباس رضا نیر لکھنؤ یونیورسٹی، ڈاکٹر شمیم طارق ممبئی، ڈاکٹر عظیم امروہوی، ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی، ڈاکٹر نوازش نقوی، ڈاکٹر ضیاء البدر، محترمہ فرحت ناز، پروفیسر علی احسن، پروفیسر عراق رضا زیدی، ڈاکٹر تقی عابدی، محترمہ افشاں انجم، سراج مہدی وغیرہ کے مقالات شامل تھے۔

کینیڈا سے تشریف لائے ہوئے مہمان خصوصی پروفیسر تقی عابدی نے 45 منٹ پر

مشتمل اپنا خصوصی خطبہ نہضت آزادی پر پیش فرمایا انھوں نے کہا کہ "[illegible] نہضت
آزادی میں سب سے زیادہ اشعار اردو کے شاعروں نے رقم کیے ہیں یہ بات ہے۔
زمانہ قدیم میں یہ اشعار حکمرانوں کے جبر و تشدد سے شائع نہ ہو سکے پنہاں چھپ [illegible]
ہو گئے اور جو چند اُس دور کے اخبار اور رسالوں، مجلوں اور کتابوں میں چھپ [illegible]
ہونے وہ پوری طرح سے نشر نہ ہو سکے۔ شاید مشکل سے ولی اردو کا کوئی شاعر ہو جس نے
آزادی، احترام آدمی، حقوق انسانی قومی یکجہتی، عدل، دانشوری سے متعلق [illegible]
موضوعات یعنی ظلم و جور، استعمار و استحصال، ناحق کشت و خون، انتشار، جہالت، [illegible]
وغیرہ پر اشعار نہ لکھے ہوں۔ یہ سچ ہے کہ ایسے درجنوں آبدار [illegible]
ہیں جن کو نکال کر آزادی کی مالا میں پرویا جا سکتا ہے۔ تب یہ معلوم ہوگا [illegible]
اُردو شاعری سب زبانوں، بولیوں سے آگے ہے۔ صدر جلسہ پروفیسر [illegible]
آرا ٹرسٹ کی جانب سے جشن آزادی کی 70 سالہ یادگار کو جشن آزادی سے جشن جمہوریت
تک منانے کی پذیرائی کی اور کہا کہ "تحقیقی مقالات کی کتاب [illegible] نئی نسل کے لیے ایک تاریخی
دستاویز سے کم نہیں ہوگی۔ نظامت کے فرائض ڈاکٹر حسن اختر [illegible] امروہوی نے [illegible]
پرانجام دیے، مہمانان کا خیر مقدم حسن آرا ٹرسٹ کے چیئرمین ڈاکٹر محسن [illegible]
حیدر کمال نے کیا۔ سرد موسم کے باوجود بھی کثیر تعداد میں دہلی و اطراف کی معزز شخصیات
سیمینار میں شریک تھی جن میں معروف شاعر حبیب احمد فاروقی، [illegible]
گلزار احمد، اوشا گلزار (اے ڈی جی منسٹری آف فارن) ڈاکٹر کلیم الصفر، [illegible]
لکھنوی، سکندر امروہوی، ضیا حیدر، ڈاکٹر محمد علی، رئیس احمد، ڈاکٹر [illegible] محمد شاہد، [illegible]
صدیقی، بیگم نکہت اقبال، عاشی کمال، محترمہ کملا [illegible]، نوازش صدیقی، خالد [illegible]
وغیرہ کے نام قابل قدر ہیں۔ جن کے [illegible] کثیر تعداد میں شریک
مذاکرہ تھے۔

روزنامہ "راشٹریہ سہارا" نئی دہلی
28/دسمبر 2016ء

غالبؔ کا کلام ہر عہد کے لیے نمونۂ حیات: تقی عابدی

اردو اکادمی کے زیر اہتمام قمر رئیس سلور جوبلی آڈیٹوریم میں توسیعی خطبہ بعنوان "پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے" کے مہمان خصوصی خطیب کینیڈا سے آئے معروف دانشور و ادیب ڈاکٹر تقی عابدی نے خصوصی خطبہ پیش کیا۔ اس خطبے کے دوران عنوان "پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے" کے لفظ "وہ" پر زور دیتے ہوئے اس مصرعے کو مختلف لہجوں میں پڑھ کر یہ ثابت کیا کہ ہم غالب کے نہ صرف اس مصرعے کو بلکہ مختلف اشعار کو مختلف قرأتوں سے پڑھ کر ان کے معنی کی تبدیلی کو دیکھ اور سمجھ سکتے ہیں۔ کیوں کہ غالبؔ وہ عظیم شاعر ہے جس نے اپنا پورا تعارف مصرعوں میں پیش کر دیا۔ انھوں نے مثال کے طور پر غالب کے کئی مصرعوں کو پیش کیا جس سے غالب کا مکمل تعارف واضح ہے۔ ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ کا قول "بڑا شاعر زمان اور مکان پر پوری طرح حاوی رہتا ہے۔" پیش کرتے ہوئے میر، غالب، اقبال اور ہیر وارث کو بڑا شاعر قرار دیا۔ نیز غالب کو سب سے پہلا ترقی پسند شاعر بتایا۔ غالب جس دور میں پیدا ہوا اس دور کو غالب نے سزا دی، اس کا بہت مذاق اڑایا، اس کو سمجھا نہیں گیا، اس کی ستائش کی، اس کو مہمل گو کہا جیسے نکات کو اشعار سے واضح کیا۔ انھوں نے غالب کے نسخہ حمیدیہ کو ادب کے لیے قدم قدم پر مشعل راہ قرار دیا یعنی اگر نسخہ حمیدیہ کی دریافت نہ ہوتی تو شاید غالب کی شکل مختلف ہوتی۔

پروگرام کے آغاز میں چیئرمین اقبال سیدی و صدر زکوۃ فاؤنڈیشن آف انڈیا ڈاکٹر سید ظفر محمود اور آج کے خطیب ڈاکٹر تقی عابدی کا ڈاکٹر ماجد دیوبندی، وائس چیئرمین اردو اکادمی، دہلی نے اکادمی کی مطبوعات اور گلدستہ پیش کر کے استقبال کیا جب کہ ایم ایل اے حاجی اشراق کو ڈاکٹر محمد عرفان اور [illegible] بجنوری کو مطلوب احمد نے گلدستہ پیش کر کے

ان کی عزت افزائی کی۔

ڈاکٹر ماجد دیوبندی، وائس چیئرمین اردو اکادمی نے سامعین اور مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے خصوصاً ڈاکٹر تقی عابدی کو اردو زبان سے پیار کرنے والا محقق قرار دیا۔ انھوں نے کہا کہ ''مہمان خصوصی کو ڈاکٹر یا پروفیسر سے میں اس لیے نہیں پکاروں گا کیوں کہ ان کا تحقیقی کام کئی پروفیسروں سے زیادہ ہے۔'' نیز اردو زبان پر روشنی ڈالتے ہوئے اسے چار مختلف لفظوں کا مجموعہ قرار دیا جس سے اردو کی تشکیل ہوئی۔ انھوں نے جذبے کو عمل سے جوڑتے ہوئے اکادمی کی خدمات کا ذکر بھی کیا۔

صدارتی تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر سید ظفر محمود نے بچپن میں اپنے پڑھے ہوئے اشعار سے غالب کے مصرعے ''کس کے گھر جائے گا سیلاب بلا میرے بعد'' کو اپنی تقریر کا محور قرار دیا اور کہا کہ ''آج میں جو کچھ بھی ہوں اسی مصرعے سے، غالب کے اس بے بس وعدے کی وجہ سے ہوں۔'' نیز انھوں نے غالب کی زبان کو اقبال سے مختلف بتاتے ہوئے سہل قرار دیا۔ غالب کے کئی اشعار پڑھ کر ان کی تشریح کرتے ہوئے عظمت غالب کا اعتراف کیا اور کئی جگہ غالب و اقبال کا تقابل بھی کیا۔ انھوں نے اکادمی کی خدمات کو قابل تعریف قرار دیتے ہوئے کہا کہ ''اردو اکادمی، دہلی سے فعال مرکز ہے اور اس میں ڈاکٹر ماجد دیوبندی کی محنتوں اور جذبے کی قدر کی جانی چاہیے۔'' ایم ایل اے انل باجپئی نے ڈاکٹر ماجد دیوبندی کو ان کے اکادمی میں کاموں کے بڑھانے کے لیے مبارک باد پیش کی۔

آخر میں ڈاکٹر ماجد دیوبندی نے مہمانوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے قلت وقت کی معذرت کی نیز آئندہ پروگرام کا وعدہ کیا۔ پروگرام سے اہم شرکا میں پروفیسر خواجہ اکرام الدین، انجم عثمانی، شمس رمزی، امیر امروہوی، ڈاکٹر ہاشم مہدی، علیم الدین اسعدی، انیس امروہوی، کمال حیدر، طالب رامپوری، ڈاکٹر رضا حیدر، حبیب سیفی، اقبال فردوسی، ڈاکٹر ابوظہیر ربانی وغیرہ شامل تھے۔

حیدرآباد

29/دسمبر 2016ء

مرثیہ کے جذبہ کو مہمیز کرنے کے لیے دماغی قوتوں کے اتصال کی ضرورت

اردو یونیورسٹی میں ڈاکٹر سید تقی عابدی کا توسیعی خطبہ

اردو میں صنف مرثیہ کو فارسی کے وسیلے سے ترقی حاصل ہوئی۔ اس خیال کا اظہار ڈاکٹر سید تقی عابدی (کینیڈا) نے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے کانفرنس ہال میں "مرثیہ کی شعریت" پر اپنے توسیعی خطبے کے دوران کیا۔ پروفیسر ایس اے وہاب قیصر کنٹرولر امتحانات و انچارج ڈائریکٹر نظامت فاصلاتی تعلیم نے صدارت کی۔

ڈاکٹر تقی عابدی نے کہا کہ "ایک کامیاب مرثیہ نگار جذبات و احساسات کو تصوف کی اصطلاحوں میں سمو کر کچھ اس طرح پیش کرتا ہے کہ مرثیہ شاعری سے حقیقی وصف سے مربوط ہو جاتا ہے۔" انھوں نے کہا کہ "اردو شاعری کا تقریباً پچاس فیصد حصہ مرثیے پر محیط ہے۔" ڈاکٹر عابدی نے کہا کہ "اردو مرثیے نے عربی اور فارسی مرثیے سے بالواسطہ استفادہ کرتے ہوئے اپنی ترقی و فروغ کا سفر طے کیا ہے۔" ڈاکٹر عابدی نے کہا کہ "ایک کامیاب مرثیہ نگار جذبات نگاری کے ذریعہ اپنے اشعار کو اتنا پر اثر بنا دیتا ہے کہ وہ آفاقی حدوں کو چھو سکتا ہے۔" اس توسیعی خطبہ کے دوران ڈاکٹر عابدی نے کئی ایک نمائندہ مرثیہ نگاروں کے بند بطور مثال پیش کرتے ہوئے جذبات و احساسات کی مختلف قسموں کا ذکر کیا اور کہا کہ "جذبہ کو مہمیز کرنے کے لیے دماغی قوتوں کے اتصال کی ضرورت ناگزیر ہے۔" انھوں نے محبت، نفرت، شجاعت، غصہ، درد، حیرت وغیرہ کو مرثیہ کے اہم موضوعات قرار دیتے ہوئے کہا کہ "میر انیس کی جذبات نگاری میں ہماری تہذیب پوشیدہ ہے۔"

ڈاکٹر عابدی نے انیس کے مراثی سے مختلف بند و بطور مثال پیش کرتے ہوئے کہا کہ "انیس کو لفظوں پر اس قدر قدرت حاصل تھی کہ وہ جس لفظ کو چاہتے جس خوبصورتی کی مناسبت سے استعمال کرتے اور اس کا حقیقی تاثر اپنے سامع اور قاری تک بحسن و خوبی پہنچاتے۔"

ڈاکٹر عابدی نے مرزا دبیر کے مرثیہ "جب پریشاں ہوئی مولا کی جماعت رن میں" میں بارہ استعاری نظام کا تفصیل سے ذکر کیا۔ پروفیسر ایس اے وہاب قیصر کنٹرولر امتحانات وانچارج ڈائریکٹر نظامت فاصلاتی تعلیم نے اپنے صدارتی خطاب میں ڈاکٹر تقی عابدی کے توسیعی خطبے کو فکر انگیز اور عالمانہ قرار دیتے ہوئے ان کی ادبی خدمات کو بھرپور خراج تحسین پیش کیا۔ پروفیسر وہاب نے کہا کہ ڈاکٹر عابدی صلہ و ستائش کی تمنا سے بے نیاز اردو کے ایک عظیم مجاہد اور خدمت گار کی حیثیت سے دنیا بھر میں سرزمین دکن کے پرچم کو بلند کرنے میں شب و روز مصروف ہیں۔ ڈاکٹر [illegible] نظامت فاصلاتی تعلیم نے کارروائی چلائی۔

خورشید فرازی

روزنامہ ''آبشار'' کولکاتا

5رجنوری 2017ء

غالب کی صوفیانہ شاعری پر ڈاکٹر سید تقی عابدی کا خصوصی توسیعی خطبہ

مغربی بنگال اردو اکاڈمی نے اردو کے فروغ و ترقی میں ایک اور کامیاب قدم اٹھایا

یہ مسائل تصوف یہ تیرا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

یا پھر

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

•••

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا میرے آگے

مرزا اسد اللہ خاں غالب دورِ مغلیہ کے آخری دور کے اُردو فارسی کے ایسے شاعر تھے جو دنیا پر غالب آگئے اور ان کی شاعری کو ساری دُنیا نے سراہا اور انھیں اُردو کا سب بڑا شاعر قرار دیا۔ انھیں دبیر الملک اور نجم الدولہ جیسے خطابات بھی ملے، ان کے دور میں مغلیہ سلطنت انگریزوں کے ہاتھوں میں چلی گئی اور مغل بادشاہ برائے نام بادشاہ بن کر رہ گئے، بلکہ یوں کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا وہ ''ربڑ اسٹامپ'' کی حیثیت کر گئے تھے حتیٰ کہ بادشاہ کو اپنے قلعے کے ملازمین، مصاحبین کا خرچ بھی انگریزوں سے طلب کرنا پڑتا تھا، اور 1857ء کے غدر کے بعد انقلاب کی ناکامی نے بادشاہ وقت کو مکمل طور پر

دست و پا کر کے رکھ دیا تھا اور اقتدار انگریزوں کے ہاتھوں چلا گیا تھا۔ اس دور میں غالب
نے جو غزلیں لکھیں وہ اس وقت کے حالات اور پس منظر کو بیان کرتی تھیں۔ غالب نے
اسی دور میں لکھا تھا، "ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے [illegible] کہتے ہیں کہ غالب کا ہے
انداز بیاں اور......"

غالب کی صوفیانہ شاعری پر توسیعی خطبہ پیش کرتے ہوئے [illegible]
ڈاکٹر سید تقی عابدی نے بھی اس بات پر زور دیا۔ غالب نے کہا تھا "ہیں اور بھی دنیا میں
سخنور بہت اچھے" کا لفظ استعمال کیا [illegible] انہوں نے خود [illegible] میں
شامل کرتے ہوئے خود کو دوسروں سے الگ [illegible] یہ ان کا انداز [illegible] اور
ان کے تکبر کی طرف اشارہ نہیں کرتا تھا جب کہ انہوں نے اس [illegible] ثابت کرنے کی
کوشش کی تھی کہ "ان ہزاروں میں اور آپ [illegible] آپ جو ایک تھے [illegible] شعر
غالب کے دور سے جوڑا نہیں جا سکتا لیکن اس شعر [illegible] حقیقت تھی وہ غالب پر پوری
طرح سے اترتی نظر آتی ہے۔

مغربی بنگال اُردو اکاڈمی [illegible] توسیعی [illegible] ہاتھ سے جانے
نہیں دیتی۔ اس وقت جب کہ اعلیٰ [illegible] ڈاکٹر سید تقی عابدی کولکاتا آئے تو اکاڈمی کے
چیئرمین ڈاکٹر سید منال شاہ القادری نے فوری طور پر [illegible] غالب پر ان کا ایک
توسیعی خطبہ مرزا غالب کی یاد میں پیش کرنا [illegible] کولکاتا کے طلبا و طالبات جو
ڈگری کورس اور ماسٹر ڈگری کورس میں غالب پڑھ رہے ہیں [illegible] تحقیقی کام
جو ہنوز غالب پر کام کر رہے ہیں ان کے لیے ڈاکٹر عابدی کا توسیعی خطبہ ان کے تحقیقی
مضامین میں مزید گراں قدر اضافہ [illegible] جو خود ہی ایک اعلیٰ ادیب
ہیں اور انگنت کتابوں کے مصنف اور ادبی جریدہ [illegible] کے مدیر ہیں انہوں نے بہت ہی خوب
صورت انداز میں ڈاکٹر عابدی کا مکمل تعارف سامعین سے کرایا۔ اس [illegible] اور جلسے
میں زبردست بھیڑ ہونے کی اصل وجہ "غالب" ہی تھے جن کے موضوع پر ڈاکٹر عابدی نے
پوری محفل کو اپنے خوب صورت الفاظ کی ادائیگی اور وقتاً فوقتاً غالب کے صوفیانہ
اشعار پیش کر کے سامعین کا دل لوٹ لیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر غالب پر کوئی بھی ادبی پروگرام ہو ان کی نثر نگاری، مکتوب نگاری یا ان کی شاعری اور وہاں سنجیدہ سامعین کا اژدہام نہ ہو یہ تو ممکن ہی نہیں ہے۔ آج کے اس جدید دور میں جہاں لوگوں کو ٹی وی، کمپیوٹر، موبائل سے فرصت نہیں ہے اور کتابیں ان سے بہت دور ہو چکی ہیں ایسے وقت میں بھی غالب پوری دُنیا پر غالب ہیں اور ان کے نام کے ساتھ ہی لوگ ان کے اشعار گنگنانے لگتے ہیں۔

ڈاکٹر عابدی نے بھی غالب کو ایک بہت اعلیٰ اور منفرد شاعر قرار دیا۔ یہ پروگرام اس قدر شاندار رہا کہ لوگ اس پروگرام کو عرصے تک بھول نہیں پائیں گے اور نہ ہی ڈاکٹر عابدی کو جنھوں نے غالب کو بہت ہی مختلف اینگل سے تلاش کیا ہے۔

مغربی بنگال اُردو اکاڈمی نے اپنی لائبریری میں اقبال کے خصوصی گوشے کا افتتاح ان کے پسر زادے ڈاکٹر ولید اقبال کے ہاتھوں کرایا۔ اسی طرح کا ایک گوشہ مرزا غالب کا بھی اُردو اکاڈمی میں ہو جس سے اس عظیم اور ناقابل فراموش شاعر کو صحیح مضمون میں خراج عقیدت پیش کیا جا سکے۔

یوسف انصاری
روزنامہ "عکاس" کولکاتا
5/جنوری 2017ء

مغربی بنگال اُردو اکاڈمی میں "غالب کی صوفیانہ شاعری" پر کامیاب توسیعی خطبہ

مغربی بنگال اُردو اکاڈمی کی جانب سے عظیم شاعر مرزا غالب کی یاد میں ایک خصوصی پروگرام توسیعی خطبہ بعنوان "غالب کی صوفیانہ شاعری" کا انعقاد اکادمی کے ہال میں کیا گیا۔ جو زبردست کامیابیوں سے ہمکنار رہا۔ غالب کی صوفیانہ شاعری پر خطبہ خاص ڈاکٹر سید تقی عابدی (کینیڈا) کی تقریر لاجواب تھی۔ انھوں نے بتایا کہ "غالب" کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور" پر مدلل بحث کی اور مختلف زاویے سے ثابت کرنے میں کامیاب رہے کہ دُنیائے سخن کا پہلا ستارہ آج بھی غالب ہی ہے۔ غالب کی پوری شاعری کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کی 65 فیصد شاعری فارسی میں ہے اور صرف 35 فیصد شاعری اُردو میں موجود ہے۔ اس لیے غالب کو سمجھنے کے لیے فارسی کا علم ہونا لازمی ہے۔ غالب کی 72 سالہ زندگی میں زمانے نے ان کی پذیرائی اور ان کی تخلیقات و شاعری کو زمانے نے آج بھی اس انداز سے سمجھنے اور پڑھنے کی کوشش نہیں کی جس کے وہ حقدار ہیں۔ آج بھی غالب کی پوری شاعری کے 25 سے 30 فیصد حصے کو بغیر معنی والی شاعری قرار دینے میں لوگ مصروف ہیں۔ جب کہ اس کی اپنی حیثیت ادب میں مسلم ہے۔ غالب کی صوفیانہ شاعری پر نہ صرف ڈاکٹر سید تقی عابدی نے بلکہ ڈاکٹر محمد اکرام الدین شعبہ اُردو جے این یو نئی دہلی نے مدلل بحث کی اور بتایا کہ "غالب کی شاعری کو اردو ادب اور فارسی ادب میں نایاب تحفہ تصور کیا جا سکتا ہے۔ غالب کی صوفیانہ شاعری کے حوالے سے ان کی شاندار تحقیقی شاعری معراج نامہ جو 281 صفحوں پر مشتمل ہے جس کی اشاعت غالب نے

1831ء میں کی تھی اس کے چند اشعار سے ماحول کو پیدا کرنے میں مقالہ نگار کو کامیابی ملی۔ علامہ اقبال نے اس کے ایک سو سال کے بعد 1931ء میں "جاوید نامہ" تحریر کیا اور غالب کی شاعری سے مدد لی۔ غالب کی صوفیانہ شاعری کو مزید نئے انداز سے سمجھنے اور قلم کو کام میں لانے کی گزارش تقی عابدی نے کی اور کہا کہ "اردو کانوں کی زبان بنی ہوئی ہے اسے آنکھوں کی زبان بنانے کی ضرورت ہے۔" اکاڈمی کے وائس چیئرمین سید منال شاہ القادری نے کہا کہ "غالب کی تصوف اور صوفیانہ شاعری کی جھلک ان دونوں صاحب قلم کی مقالہ نگاری میں کھل کر سامنے آئی۔ انھوں نے کہا کہ "آج کی اس محفل سے ہمیں غالب کو مزید نئے سرے سے سمجھنے اور غور کرنے میں مدد ملے گی۔

نظامت کے فرائض بخوبی ڈاکٹر نعیم انیس نے انجام دیئے اور ہدیہ تشکر ڈاکٹر صباح اسماعیل نے ادا کیا۔ آج کی تقریب میں کافی تعداد میں شہر کے ممتاز شخصیتوں نے شرکت کی۔ مغربی بنگال اردو اکاڈمی کی سکریٹری نزہت نے سب حاضرین کا والہانہ استقبال کیا۔

روزنامہ "انقلاب"، "جدید عمل" لکھنؤ
لکھنؤ
6 جنوری

غالب نئے انداز بیان کے ترقی پسند شاعر تھے

ملک زادہ منظور احمد یادگاری توسیعی خطبہ بعنوان
"غالب کا انداز بیان" سے سید تقی عابدی کا خطاب

غالب نئے انداز بیان کے ترقی پسند شاعر تھے۔ غالب کی باقاعدہ تعلیم نہ ہونے کے لیے غالب کے مزاج کو سمجھنا اور غالب کی شاعری میں "معنی تک پہنچنا" بے حد مشکل ہے۔ ان خیالات کا اظہار یہاں کے معروف محقق و ادیب ڈاکٹر سید تقی عابدی نے شعبۂ اردو لکھنؤ یونیورسٹی میں منعقد ملک زادہ منظور احمد یادگاری خطبہ میں کیا۔ "غالب کا انداز" کے عنوان سے منعقد اس یادگاری خطبہ کی صدارت لکھنؤ یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر سید وسیم اختر نے کی۔ تقریب کے مہمان خصوصی پروفیسر شارب ردولوی نے کہا کہ "غالب کے کلام کو سمجھنے کے لیے فارسی زبان سے واقفیت ضروری ہے۔" انھوں نے اردو شاعری کے ساتھ ساتھ فارسی کلام میں بھی غالب کے انداز بیان کی نشاندہی کی۔ انھوں نے کہا کہ "غالب ایک الہامی شاعر ہیں۔" عبدالرحمن بجنوری کے قول "ہندوستان کی دو آسمانی کتابیں ہیں ایک "وید مقدس" اور دوسرے "دیوان غالب" کے پس منظر میں ہے۔ یہ بات غالب پہلے ہی اپنی شاعری میں کہہ چکے تھے "آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں"، "غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے" شعبۂ اردو کے صدر ڈاکٹر عباس رضا نیر نے نظامت کے فرائض انجام دیتے ہوئے مرزا غالب اور ملک زادہ منظور احمد کے مختلف کارناموں پر روشنی ڈالی اور ملک زادہ منظور احمد کی ادبی خدمات سے روشناس کرایا۔ انھوں نے غالب کی شاعری کے حوالے سے غالب کی شاعری کو تین ادوار میں تقسیم کیا۔ یعنی ایک وہ دور جب وہ مرزا نوشہ کہلاتے، دوسرے اسد اور پھر مرزا غالب کی شکل میں پہچان ہوئی۔

ان میں تیسرا دور سب سے اہم اور آفاقی دور تھا۔ ادبی نشست میں پروفیسر نصرت جمال، عائشہ صدیقی، ڈاکٹر ملک زادہ پرویز، ڈاکٹر عائشہ صدیقی، ڈاکٹر ریشمہ پروین، ڈاکٹر احمد عباس، نکل کشور مشرا، ڈاکٹر عبید الرحمن، اجے کمار سنگھ، ہاشم رضا جلال پوری، محمد یاسر انصاری، تقی عنی اسد، احمد عبداللہ، جمیل احمد، کملیش کمار کے علاوہ شہر کے اہم اور معزز شخصیات اور شعبۂ اردو، لکھنؤ یونیورسٹی کے تمام طلبا و طالبات موجود تھے۔ پروگرام کا اختتام شعبہ اردو کے استاد ڈاکٹر علی سلمان رضوی کے کلمات تشکر کے ساتھ ہوا۔

روزنامہ ''راشٹریہ سہارا'' لکھنؤ

7/جنوری 2017ء

اپنے گھر و ماحول میں اُردو کو رچانے، بسانے کی ضرورت: تقی عابدی

شاعر و ادیب کینیڈا میں مقیم ڈاکٹر سید تقی عابدی نے ''اردو شاعری میں جذبہ آزادی اور موجودہ دور میں فروغِ اُردو کے مسائل اور حل'' کے عنوان پر جواہر لال یونیورسٹی میں توسیعی خطبہ دیا۔ یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر سید وسیم اختر نے مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے مہمان خصوصی سید تقی عابدی کا مختصر تعارف پیش کیا۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے اپنے لکچر کو مذکورہ عنوان کے دائرہ میں رکھ کر سیر حاصل بحث کی۔ انھوں نے کہا کہ ''جنگ پلاسی کے میدان میں میر صادق کی غداری سے سراج الدولہ کا قتل ہوا۔ میر جعفر کی غداری سے ٹیپو سلطان کی شہادت ہوئی ان واقعات کی اردو شاعری میں آج بھی جھلک ملتی ہے۔ خاص طور سے علامہ اقبال جنھوں نے ٹیپو سلطان کی شہادت پر بلند قدر اشعار کہے ہیں۔'' انھوں نے کہا کہ ''اُردو کے جتنے شعراء گزرے ہیں خاص طور سے آزادی کے تعلق سے جنھوں نے اشعار کہے ہیں وہ کسی ایک مذہب سے تعلق نہیں رکھتے ہیں۔'' انھوں نے ان شعرا کے اشعار کو بطور حوالہ بھی پیش کیا جنھوں نے اشعار کے ذریعہ آزادی کے جذبہ کو بیان کیا ہے، ان میں مصحفی، بہادر شاہ ظفر، امیر خسرو، واجد علی شاہ، حالی، غالب، منیر شکوہ آبادی، دیا شنکر نسیم، سرشار، چکبست، آنند نرائن ملا، جوش ملیح آبادی وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

انھوں نے اُردو کے مسائل پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ ''اردو دنیا کی ساتویں زبان ہے، لیکن صرف کانوں کی زبان بن کر رہ گئی ہے۔ آنکھوں کی زبان نہیں ہے۔''

انھوں نے کہا کہ "اردو ہندی کے تعلق سے دنیا میں کوئی دو زبانیں ایسی نہیں ہیں جو اتنی قریب ہوں۔" انھوں نے اردو کے مسائل کے کچھ حل بھی پیش کیے۔ انھوں نے کہا کہ "اردو کی بنیادی تعلیم کی ضرورت ہے، اسے روزی روٹی سے جوڑنے کی ضرورت ہے، ٹیکنالوجی سے جوڑنے کی ضرورت ہے۔ سب سے زیادہ ہمیں خود اسے اپنے گھر و ماحول میں اردو کو رچانے اور بسانے کا ذمہ اٹھانا ہے۔ اس موقع پر انیس انصاری، ڈاکٹر خان عاطف اور ڈاکٹر صابرہ حبیب نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

دہلی

21/جنوری 2017ء

افشاں انجم کی کتاب کی اردو دانشور ڈاکٹر تقی عابدی کے ہاتھوں رونمائی

تحقیقی کام انسان کو نسلوں تک زندہ رکھتے ہیں: ڈاکٹر تقی عابدی

ڈاکٹر تقی عابدی نے انڈین کاؤنسل فار کلچرل ریلیشنز کی پروگرام ڈائریکٹر محترمہ افشاں انجم کی کتاب ''جنگ آزادی میں اردو شعرا کا کردار'' کی رونمائی کی۔ اس دوران اس رونمائی تقریب میں پروفیسر اختر الواسع، مولانا آزاد یونیورسٹی کی چانسلر محترمہ سیدہ سیدین کے ساتھ اردو اکادمی کے نائب چیئرمین ڈاکٹر ماجد دیوبندی وغیرہ موجود تھے۔ پروگرام کا انعقاد حسن آرا ٹرسٹ دہلی و قومی کاؤنسل کی مشترکہ جانب سے اہتمام کیا گیا تھا۔ اس دوران ڈاکٹر تقی عابدی نے محترمہ افشاں انجم کی ان کوششوں کی پذیرائی کرتے ہوئے کہا کہ ''تحقیقی کام انسان کو نسلوں تک زندہ رکھتا ہے۔'' محترمہ کی کوششوں سے حسن آرا ٹرسٹ کی جانب سے منظر عام پر آئی یہ کتاب آنے والی نسلوں کی رہنمائی کرے گی۔

روشن عباس
روزنامہ ''صحافت'' نئی دہلی
22 رفروری 2017ء

بیدل جیسا شخص ایران میں پیدا ہوتا تو اس پر بے شمار کتابیں شائع ہو چکی ہوتیں: ڈاکٹر تقی عابدی

شعبۂ فارسی جامعہ ملیہ اسلامیہ کی جانب سے ''عصر حاضر میں بیدل کے کلام کی اہمیت'' پر توسیعی خطبہ

شعبۂ فارسی جامعہ ملیہ اسلامیہ کی جانب سے اس تعلیمی سیشن کے چوتھے توسیعی خطبے کا انعقاد عمل میں آیا۔ خطبے کا آغاز یاسر عباس غازی نے تلاوت کلام پاک سے کیا اور نظامت کے فرائض توسیعی خطبات سیریز کے کوآرڈینیٹر ڈاکٹر سید کلیم اصغر نے انجام دیے۔ مہمان خصوصی کی حیثیت سے ڈاکٹر علی دہگاہی، کلچرل کاؤنسلر، سفارت ایران، نئی دہلی نے شرکت کی۔ اس خطبے کے مقرر خاص ڈاکٹر تقی عابدی (کینیڈا) تھے۔ جب کہ صدارت کے فرائض صدر شعبہ فارسی پروفیسر عبدالحلیم نے انجام دیے۔ ڈاکٹر سید کلیم اصغر نے استقبالیہ کلمات کے دوران کہا کہ ''اس طرح کے خطبات سے طلباء کے اندر تحقیق کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ خاص طور پر یہ موضوع بہت اہم ہے اور اسی لیے ہم نے اس موضوع کے لیے ڈاکٹر تقی عابدی کو دعوت دی۔'' ڈاکٹر تقی عابدی نے خطبے کے دوران کہا کہ ''آج کا یہ موضوع نہایت اہم ہے۔ اور اس موضوع کے لیے صرف ایک خطبہ نہیں بلکہ ایک سیریز کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ بیدل کوئی نامعلوم شاعر نہیں ہے۔ اگر بیدل جیسا شخص ایران میں پیدا ہوتا تو اس پر لاتعداد کتب شائع ہو چکی ہوتی۔ بیدل فارسی کا ایک عظیم شاعر ہے جس نے ایک لاکھ سے زیادہ اشعار کہے۔ اس کو ایک خطبے میں سمیٹنا بیدل کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔''

آپ نے کہا کہ ”بیدلؔ انسانی نفسیات کا شاعر ہے۔ جب ہم بیدلؔ کے کلام کا
مطالعہ کرتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ تین سو سال قبل جو بات بیدل نے اپنے کلام میں
کہی تھیں وہ آج نظر آرہی ہیں۔“

ڈاکٹر تقی عابدی نے بیدلؔ کے اشعار کی روشنی میں ان کی نظم، نثر اور حسن و جمال سے
تعبیر کیا۔ آپ نے اپنے خطبے کے دوران کہا کہ ”بیدلؔ سبکِ ہندی کا سب سے اہم شاعر ہے
اور اس کی شہرت صرف ہندوستان تک محدود نہیں بلکہ ایران، تاجکستان، افغانستان وغیرہ
میں بیدلؔ کو نہایت عظمت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔“ برصغیر کے بعد کے شعرا نے
بالواسطہ یا بلاواسطہ بیدلؔ سے استفادہ کیا ہے جن میں سے ایک اہم نام علامہ اقبال کا ہے
کہ جنھوں نے جگہ جگہ بیدلؔ کے مفاہیم کو جداگانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ غالب نے بیدل
نے مولانا روم کے علاوہ امیر خسروؔ، ابوطالب کلیم، عرفی، صائب آملی سے کسب فیض کیا
ہے۔“ ڈاکٹر تقی عابدی نے کہا کہ ”بیدل پڑھنے کے لیے فرہنگِ بیدل کی اشد
ضرورت ہے کیوں کہ بیدلؔ نے جو الفاظ استعمال کیے ہیں ان کو ہم ہندوستانی تو بخوبی سمجھ
سکتے ہیں غیر ہندی کے لیے ذرا مشکل ہے۔“

ڈاکٹر علی دہگاہی نے کہا کہ ”مجھے نہایت ہی خوشی ہے کہ میں آج ایک ایسے پروگرام میں
شرکت کر رہا ہوں جو بیدلؔ سے معنون ہے۔ بیدل نہ صرف ہندوستان کا شاعر ہے بلکہ تمام
دُنیائے فارسی کا شاعر ہے۔ بیدلؔ پر ہندوستان کے علاوہ افغانستان، تاجکستان اور ایران
میں بڑے پیمانے پر کام ہو رہا ہے۔ ایران میں بیدل کے نام کی انجمن بیدل ہے۔ جب سے
خانہ فرہنگ ایران دہلی میں انجمن ادبی بیدل کی بنیاد دو سال پہلے رکھی گئی اور اس کے تحت
اب تک تریسٹھ جلسے منعقد ہو چکے ہیں۔ جہاں تک بیدلؔ پر سیمینار کا تعلق ہے ایران میں ابھی
بیدل پر ایک سیمینار ہوا اور ہندوستان میں تو یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔“ آپ نے اپنے
بیان میں کہا کہ ”خوشی کی بات یہ ہے کہ ایران میں بیدلؔ اچھی طرح سے پہچانا جا رہا ہے۔
اور بیدلؔ سے متعلق ایران میں بڑے پیمانے پر کام چل رہا ہے۔ بیدلؔ کی ایک خاصیت یہ
ہے کہ جب ہم بیدلؔ کی نثر کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں بھی ہم کو نظم کا مزہ آتا ہے۔“

پروفیسر عبد الحلیم نے صدارتی کلمات کے دوران کہا کہ ”بیدل پر جو مشکل پسندی کا

الزام آتا ہے وہ پوری طرح درست نہیں کہا جا سکتا۔ ان کی شاعری کا ایک حصہ نہایت آسان، سادہ اور سہل بھی ہے البتہ ان کے تحمل اوراک کے لیے صاحب نظری اور دقت پسندی لازم ہے۔ دراصل بیدل کی انفرادیت ان کی خارجی مشاہدات ودقایق فکری و عرفانی جذبات کی ترجمانی میں پنہاں ہے۔ دقایق پسندی، تمثال آفرینی، ترکیبات اور اختراعات تراکیب ان کو دوسرے شعراء سے ممتاز کرتی ہے۔" آخر میں صدر شعبۂ فارسی نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ اس پروگرام کے خصوصی شرکت کنان میں ڈاکٹر محمد عباس، ڈاکٹر شاہ عالم، ڈاکٹر شاداب تبسم، ڈاکٹر مہناز خان، ڈاکٹر زہرہ خاتون، ڈاکٹر احمد حسن، ڈاکٹر حسین الزمان، ڈاکٹر فضل الرحمن تمنا، سلیم امروہوی، اسرار جامعی، احسان ریاض، مغیث احمد، افتخار احمد، توصیف احمد، لطیف سمانی، محمد رضا وغیرہ کے علاوہ کثیر تعداد میں طلباء وطالبات نے شرکت کی۔

میسور

12/مارچ

عالمی نعتیہ مشاعرہ وسیمینار

میسور کی مسلم کوآپریٹیو بینک لمیٹیڈ کے میٹنگ ہال، نیوسیاجی راؤ روڈ، میسور میں کرناٹک اُردو اکادمی باشتراک دی مسلم کوآپریٹیو بینک لمیٹڈ، میسور کے زیر اہتمام عالمی نعتیہ مشاعرہ وسیمینار منعقد کیا گیا۔ پہلا سیشن کا آغاز دوپہر 3:30 بجے سیمینار منعقد کیا گیا۔ جس کا افتتاح مبین منور، چیئرمین، کرناٹک اُردو اکادمی اور ڈاکٹر سید تقی عابدی، بین الاقوامی شاعر، محقق، ناقد (کینیڈا) نے کیا۔ سیمینار کا آغاز مولانا غلام ربانی کی تلاوت قرآن سے کیا گیا۔ اقبال شہباز رکن کرناٹک اردو اکادمی نے تمام کا استقبال کیا سیمینار میں دوران جلاس مقالہ جات پڑھنے والوں میں مفتی باقر ارشد، صدر آل انڈیا ملی کونسل ریاست کرناٹک شاخ نے "طب نبویؐ" کے عنوان پر علیم صبا نویدی نے "نعت گوئی کی جہتیں"، غلام ربانی فدا نے "کرناٹک میں نعتیہ شاعری" سلیمان خان، جنرل سکریٹری آل انڈیا ملی کونسل شاخ ریاست کرناٹک نے "غیر مسلم نعت گوشعراء" اور ڈاکٹر سراج قادری، مدیر دبستان نعت نے "ہندوستان میں فروغ نعت کے امکانات" کے عنوانوں پر مقالہ جات پیش کیے۔ مولانا جیلانی، علامہ سید محمد عباس سجادی، عبدالرحمن شریف، ڈائریکٹر، مسلم کوآپریٹیو بینک لمیٹڈ وایڈمنسٹریٹر فاروقیہ بی ایڈ کالج، مشتاق سعید، رکن، کرناٹک اُردو اکادمی، مہمانان خصوصی رہے۔ اور ڈاکٹر سید تقی عابدی شاعر، محقق وناقد نے کلیدی خطبہ پیش کیا، شفیق عابدی نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔ اسی ہال میں رات 9:00 بجے عالمی نعتیہ مشاعرہ منعقد کیا گیا۔ جس کی صدارت مبین منور، چیئرمین کرناٹک اُردو اکادمی نے فرمائی۔ مسلم کوآپریٹیو بینک لمیٹڈ کے سابق صدر، ڈائریکٹر میر ہمایوں اور ڈائریکٹر نثار احمد خان نے مہمانوں کی گل پوشی کی اور انھیں مومنٹو پیش کیے۔ دوران اجلاس معروف ترنم

عباس شریف نے اپنے ہاتھوں سے پیش کردہ آزاد ہندوستان کے اولین مرکزی وزیر برائے تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد کی تصویر شیلڈ کی شکل میں سابق صدر [illegible] ہمایوں اور نثار احمد خان نے حاصل کی۔ مشاعرہ میں موجود شعراء کرام میں ڈاکٹر سید تقی عابدی کینیڈا، شاعر خلیج جلیل نظامی، دوحہ قطر، مسرور انصاری کویت، فاروق [illegible] اشرف نانپاروی دہلی، سید احمد راحل میسور، حسن علی خان حسن چنپٹن، امید بنارسی، [illegible] حبیب بنگلورو، انور خان، انور ہاسن، نشتر علی پوری، ڈاکٹر جمیل نظام [illegible] دہلی، سید پاشاہ، [illegible] بلگام، م پ راہی شیموگہ، گوہر عباس، [illegible] خیمہ [illegible] میسور، [illegible] حبیب بنارسی، ندیم فاروقی، بنگلورو، جمیل نظامی بنگلورو موجود رہے۔

جموں

2017ء

شعبہ اُردو جموں یونیورسٹی میں

’’موجودہ دور میں فیض احمد فیض کی اہمیت‘‘

توسیعی لکچر و مشاعرہ منعقد

’’فیض احمد فیض نہ صرف ایک شاعر تھے بلکہ ایک ہمدرد انسان اور انقلابی سوچ و فکر کی حامل شخصیت کے مالک بھی تھے۔ وہ ترقی پسند تحریک کے پیدا کردہ اُردو کے ایسے شاعر تھے جن کی شاعری اعلیٰ اقدار سے بھرپور ہے۔‘‘ ان خیالات کا اظہار کینیڈا کے نامور اُردو محقق، ناقد، شاعر و اسکالر ڈاکٹر تقی عابدی نے شعبہ اُردو جموں یونیورسٹی کی طرف سے پروفیسر گیان چند جین سیمینار ہال میں ’’موجودہ دور میں فیض احمد فیض کی اہمیت‘‘ کے موضوع پر منعقدہ توسیعی خطبہ کے دوران کیا۔ اس دوران پروگرام کی صدارت سابق ڈائریکٹر قومی کونسل برائے فروغ اُردو نئی دہلی اور جواہر لعل نہرو یونیورسٹی کے پروفیسر خواجہ اکرام الدین نے کی جب کہ وائس چانسلر جموں یونیورسٹی پروفیسر آر ڈی شرما مہمان خصوصی تھے۔ اس موقع پر اردو ٹیچنگ اینڈ ریسرچ سنٹر سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف انڈین لنگویجز، وزارت فروغ انسانی وسائل حکومت ہند، سولن پروفیسر ضیاء الرحمن بھی دیگر شخصیات کے ہمراہ ایوان صدارت میں موجود تھے۔ پر مغز خطاب میں ڈاکٹر تقی عابدی نے موجودہ دور میں فیض احمد فیض کی اہمیت و افادیت کے بارے میں شرکاء سے تبادلہ خیال کرتے ہوئے کہا کہ ’’ہندوستان نیز پوری دنیا کے موجودہ حالات کے پیش نظر فیض احمد فیض کی شاعری کی کافی زیادہ اہمیت ہے۔‘‘ انھوں نے کہا کہ ’’فیض کی شاعری امن و آشتی کا پیغام دیتی ہے۔‘‘ انھوں نے کہا کہ ’’فیض احمد فیض صرف ایک ترقی پسند شاعر و ادیب ہی نہیں تھے بلکہ انھوں نے اُردو نثر کے میدان میں خطوط تحریر کر نا قابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔

اُردو، طلبہ واسکالرس کو اُردو دنیا میں رونما ہونے والی نت نئی تبدیلیوں کی جانکاری ہو سکے۔"

تقریب کے دوران ڈاکٹر تقی عابدی کی اقبالؔ اور حالیؔ پر تصنیف کردہ تین کتابیں اور پروفیسر ضیاء الرحمٰن کی تحریر کردہ دو ہندی کتابوں کے علاوہ اُردو ڈکشنری اور اسباب بھی وائس چانسلر جموں یونیورسٹی پروفیسر آر ڈی شرما نے دیگر شخصیات کی موجودگی میں ریلیز کیں۔ بعد ازاں ڈاکٹر تقی عابدی کے اعزاز میں مشاعرہ بھی منعقد کیا گیا جس میں عرش صہبائی، موہن سنگھ اُلفت، شام طالب، امین بانہالی، جوگندر حائر، تسلیم منتظر و دیگر شعراء نے اپنا کلام پیش کر کے شرکاء کو محظوظ کیا۔ تقریب کے دوران نظامت کے فرائض شعبہ اُردو کے ایسوسی ایٹ پروفیسر ڈاکٹر محمد ریاض احمد نے انجام دیئے جب کہ شکریہ کی تحریک اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر چمن لعل نے پیش کی۔ اس کے علاوہ تقریب میں طلبہ، اسکالرس اور فیکلٹی ممبران کے علاوہ سول سوسائٹی کے ممبران بشمول پروفیسر سکھ چین سنگھ، پروفیسر ضیاء الدین، ڈاکٹر عبدالرشید منہاس، ڈاکٹر فرحت شمیم، پروفیسر ایم اے ونی، امیر شتواڑی، بشیر بھدرواہی و دیگران بھی موجود تھے۔ مشاعرے کی نظامت ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن نے انجام دیں جب کہ صدر شعبہ اُردو پروفیسر شہاب عنایت ملک نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

نظام آباد

24/اکتوبر 2017ء

مولانا ابوالکلام آزاد بیسویں صدی کی عبقری شخصیت

تلنگانہ یونیورسٹی نظام آباد میں ماہر اقبالیات وغالبیات

ڈاکٹر سید تقی عابدی کا توسیعی لکچر

ماہر اقبالیات وغالبیات اور وزیٹنگ پروفیسر تلنگانہ یونیورسٹی ڈاکٹر سید تقی عابدی نے کہا کہ ''مولانا ابوالکلام آزاد بیسویں صدی کے ایک عبقری شخص تھے۔ جن کی ہمہ جہت علمی وادبی خدمات اور ان کی دانشوری کی وراثت سے نئے ہندوستان کی تعمیر ہوئی ہے۔ وہ ہندوستان کی جدوجہد آزادی کے عظیم قائد، صحافی، ادیب، شاعر، مفسر قرآن، ماہر تعلیم، آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم اور ہندوستان کے تعلیمی ڈھانچے کے معمار رہے تھے۔ ہندوستان میں غالب، آزاد، سرسید، حالی، شبلی اور اقبال وغیرہ عظیم تر دانشورانہ روایت کا سلسلہ رہا ہے جس سے ہندوستان کی تعمیر میں مدد ملی۔ اب ضرورت اس بات کی ہے مولانا آزاد کی اپنی ذات میں انجمن شخصیت اور کارناموں کا جو ورثہ ہمیں ملا ہے اس کی روشنی میں ہم اپنی اور ہندوستان کی تعمیر کو آگے بڑھائیں۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی نے شعبہ اُردو تلنگانہ یونیورسٹی کے زیر اہتمام تلنگانہ یونیورسٹی کے آرٹس اینڈ کامرس آڈیٹوریم میں منعقدہ خصوصی توسیعی لکچر بعنوان ''بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا ابوالکلام آزاد شخصیت اور فن'' کے دوران خطاب سے کیا۔ قبل ازیں وائس چانسلر تلنگانہ یونیورسٹی پروفیسر پی سامبیا اور یونیورسٹی کے نئے رجسٹرار پروفیسر شیو شنکر نے ڈاکٹر سید تقی عابدی کا استقبال کیا اور ان کی گل پوشی و شال پوشی کی۔ ڈاکٹر اطہر سلطانہ پرنسپل کالج آف آرٹس اور صدر شعبہ اردو نے ڈاکٹر تقی عابدی اور مہمان اعزازی محمد نصیر الدین سابق رکن ایگزیکیٹو کونسل یونیورسٹی کا خیر مقدم کیا اور

کہا کہ ''ڈاکٹر سید تقی عابدی پیشہ سے ڈاکٹر ہیں اور ادب کے مریض ہیں۔'' شعبۂ اردو کے وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے ڈاکٹر عابدی کی بے لوث خدمات فروغ اردو کے لیے کام کرنا ہے۔ محمد نصیر الدین نے کہا کہ ''شعبۂ اردو کی مثالی ترقی یونیورسٹی کے دیگر شعبہ جات کے لیے مثال ہے اور اہلیان نظام آباد کے لیے ایک تحفہ ہے۔

ڈاکٹر سید تقی عابدی نے کہا کہ ''مولانا آزاد کی سیاسی بصیرت تھی کہ انھوں نے تقسیم کی مخالفت کی۔ تاریخ کو لوگوں نے اپنے طور پر لکھا ہے لیکن ہمیں لوگوں کے دلوں میں محبت بڑھانے والی تحقیقی تاریخ لکھنے پر زور دیا۔'' انھوں نے کہا کہ ''مولانا آزاد کا بڑا کارنامہ ان کا اسلوب نگارش ہے۔ ''غبار خاطر'' میں انھوں نے زندگی کے فلسفے اور دیگر امور پر جس دلکش اسلوب میں لکھا ہے اسے نئی نسل کے طلبا کو مطالعہ میں رکھنا چاہئے۔ مولانا کے علمی خیالات انسان سازی کا کام کرتے ہیں۔ مولانا آزاد کو خراج پیش کرتے ہوئے ان کے یوم پیدائش کو قومی یوم تعلیم کے طور پر منایا جاتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کے افکار کو آگے بڑھایا جائے۔ ڈاکٹر اسلم فاروقی صدر شعبۂ اردو کے سوال پر کہ مولانا آزاد کی ہمہ پہلو شخصیت سے آج کے نوجوان کیسے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔'' انھوں نے کہا کہ ''عظیم انسانوں نے قربانی کی عظیم مثالیں پیش کی ہیں آج کے نوجوانوں کو جہد مسلسل کے ساتھ کام کرتے ہوئے مولانا آزاد کی شخصیت کی اہم خوبیوں شاعر وصحافی، ادیب وسیاسی قائد کے علاوہ ماہر تعلیم وغیرہ کو اپنایا جاسکتا ہے۔'' انھوں نے طلبا پر زور دیا کہ ''وہ مولانا آزاد کی حیات اور خدمات کے ان گوشوں پر تحقیق کریں جس پر ابھی تک کام نہیں ہوا ہے۔''

محمد نصیر الدین صاحب نے کہا کہ ''مولانا آزاد نے وزیر تعلیم بننے کے بعد تعلیم سب کے لیے۔ یو جی سی، آئی آئی ٹی، ساہتیہ اکیڈیمی۔ اور دیگر اکیڈیمیاں قائم کیں، جس سے ان کی علمی دوراندیشی کا اندازہ ہوتا ہے اور آج ہندوستان تعلیمی سپر پاور کے طور پہ جانا جاتا ہے۔''

ڈاکٹر پروین شعبہ مائیکرو بیالوجی نے ڈاکٹر تقی عابدی کے لکچر پر انھیں مبارکباد دی۔ دیگر شعبے کے اساتذہ نے بھی اس لکچر میں شرکت کی۔ شعبۂ اردو کے طلبا وطالبات نے مختلف سوالات کے جوابات دیے گئے۔ ڈاکٹر گل رعنا اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اردو نے

تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ ڈاکٹر موسیٰ اقبال اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو نے نظامت کی۔ تقریب کے بعد بھی مہمانوں اور شعبہ اردو کے اساتذہ کو ٹی پیش کی گئی۔ اس لانچ میں شعبہ اردو کے طلبا و طالبات کے علاوہ [illegible]، نظام آباد، [illegible] وغیرہ سے کثیر تعداد میں طلبا اور محبان اردو اور صحافیوں احمد علی خان اور پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا سے نمائندوں نے شرکت کی۔

نئی دہلی

24/اکتوبر 2017ء

شعبہ فارسی کا دوسرا توسیعی خطبہ

شعبہ فارسی جامعہ ملیہ اسلامیہ کی جانب سے رواں تعلیمی سیشن کا دوسرا توسیعی خطبہ بتاریخ 25/اکتوبر بروز بدھ دیر میر تقی میر کے میر انیس ہال میں ساڑھے دس بجے صبح منعقد ہوگا۔ جس کا عنوان ہے ''غالب کی فارسی شاعری نعتیہ کلام کے حوالے سے'' اس توسیعی خطبے میں تعارفی کلمات پروفیسر عراق رضا زیدی، شعبہ فارسی، جامعہ پیش کریں گے۔ جب کہ خطابت ڈاکٹر سید تقی عابدی کینیڈا، صدارت سیدہ سیدین حمید، سابق ممبر آف پلاننگ کمیشن، کلمات تشکر پروفیسر عبدالحلیم صدر شعبہ فارسی، جامعہ پیش کریں گے اور نظامت کے فرائض ڈاکٹر سید کلیم اصغر، کوآرڈینیٹر توسیعی خطبات سیریز، شعبہ فارسی جامعہ ادا کریں گے۔

روزنامہ ''خبریں''، ''صحافت''، ''اخبار مشرق''، ''انقلاب''، ''ہمارا سماج''
نئی دہلی
26/اکتوبر 2017ء

جامعہ میں

''غالب کی فارسی شاعری نعتیہ کلام کے حوالے سے''

توسیعی خطبہ

شعبۂ فارسی جامعہ ملیہ اسلامیہ کی جانب سے اس تعلیمی سال کا دوسرا توسیعی خطبہ بعنوان ''غالب کی فارسی شاعری نعتیہ کلام کے حوالے سے'' دیار میر تقی میر کانفرنس ہال میں منعقد کیا گیا۔ اس خطبہ کا آغاز بی اے فارسی سال اول کے طالب علم شکیل الرحمٰن نے تلاوت کلام پاک سے کیا جب کہ نظامت توسیعی خطبات کے کوآرڈینیٹر ڈاکٹر سید کلیم اصغر نے کی۔ اس خطبے کے مقرر خاص ڈاکٹر سید تقی عابدی کینیڈا تھے۔ صدارت سیدہ سیدین حمید نے انجام دی۔ پروفیسر عراق رضا زیدی، سینئر پروفیسر شعبہ فارسی نے مہمانوں کا تعارف پیش کرتے ہوئے کہا کہ ''نعتیہ شاعری کی روح قرآنی مفاہیم و مطالب سے استوار ہوتی ہے۔ اس لیے نعت میں تلمیح و تعلیق جیسی صنعتوں کی بہتات ہوتی ہے۔ ایک بہترین نعت گو کے لیے تاریخ اسلام سے پوری واقفیت لازمی ہے۔''

ڈاکٹر سید تقی عابدی نے اپنے خطاب میں کہا کہ ''غالب کے اردو سے زیادہ فارسی میں نعتیہ اشعار ہیں۔ جن میں 9 نعتیں، 1281 اشعار پر مشتمل ''معراج نامہ'' اور ایک 9 اشعار کی غزل ہے۔'' دوران خطاب غالب کے چند نعتیہ اشعار کی صنائع و بدائع کی نشاندہی کے ساتھ تشریح کی۔ انھوں نے مزید کہا کہ ''قرآن مجید میں کسی بھی مقام پر حضور اکرمؐ کے صورت کی توصیف نہیں کی گئی بلکہ آنحضرتؐ کے اخلاق و سیرت کو نمونۂ عمل قرار دیا گیا ہے۔ غالب نے نعت میں ثانوی مضامین کی بجائے قرآنی مفاہیم کو موزوں کیا ہے۔'' ساتھ ہی

غالبؔ کے ہم عصر شاعر مرزا دبیرؔ کے کلام سے بھی کچھ اشعار پیش کر کے دونوں کی فکری ہم آہنگی کا نمونہ پیش کیا۔

سیدہ سیدین حمید نے اپنے صدراتی کلمات میں کہا کہ ''ہمارا مذہبی و مشرقی ادب اتنا ضخیم ہے کہ اس میں زبان کی کوئی قید نہیں ہے، فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعراء نے دادِ سخن دی ہے۔ ضرورت ہے کہ محققین اس جانب زیادہ سے زیادہ توجہ دیں۔''

صدر شعبۂ فارسی پروفیسر عبدالحلیم نے اپنے خطاب میں کہا کہ ''غالبؔ کے کلام میں عرفانی مضامین وافر مقدار میں موجود ہیں۔'' پروگرام میں خاص طور سے ڈاکٹر حسنین اختر، ڈاکٹر اورنگ زیب، ڈاکٹر قمر ارشد کے علاوہ ڈاکٹر شاہد حسین، ڈاکٹر زہرہ خاتون، ڈاکٹر احمد حسن، ڈاکٹر فضل الرحمن تمنا، ڈاکٹر حسین الزمان، انوار احمد، علی ذہین نقوی، یاسر عباس، مغیث احمد اور طلباء و طالبات نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔

روزنامہ "راشٹریہ سہارا" نئی دہلی
28/اکتوبر 2017ء

امیر خسرو حقوقِ انسانیت کے سب سے بڑے علمبردار: سید تقی عابدی

اُردو گھر میں پہلا ڈاکٹر خلیق انجم یادگاری خطبہ

امیر خسرو کا شمار اپنے زمانے ہی کے نہیں بلکہ ہر زمانے کے بڑے ذہینوں میں ہوتا ہے۔ وہ جامع الکمالات شخصیت کے مالک تھے۔ امیر خسرو کی تاریخ ساز شخصیت اور ان کی عظیم الشان خدمات کا نمایاں پہلو اُن کی ہندوی شاعری ہے۔ خسرو ہندوستانی تھے اور ہندوستانی ہونے پر فخر کرتے تھے۔ امیر خسرو نے اپنی 74 برس کی عمر میں سات بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔ اکثر نے ان پر عنایت کی اور اپنے خاص ندیموں میں جگہ دی۔ خسرو کو ابتدائی جوانی میں محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی خدمت کا فیضان حاصل ہوا۔ ان کی صحبت میں دُنیا کے علائق سے تیاگ اور قناعت کی برکت ملی۔ خسرو کے کلام میں تیرہویں اور چودھویں صدی کے ہندوستان کی ذہنیت کا بڑا سنہرا عکس دکھائی دیتا ہے۔ خسرو صوفی منش درویش انسان تھے، ان کی نگاہ بلند تھی اور ان کے دل میں وسعت تھی۔ ان کی شاعری بھی ان صفتوں کی حامل ہے۔ شاعروں میں ان کا پایہ اونچا ہے۔ ہندوستان میں کوئی ان کا مثل پیدا نہیں ہوا۔

امیر خسرو ان روشن خیال ہستیوں میں تھے جنھوں نے اس ملک میں انسان دوستی کی شمع روشن کی اور حب بشر کی نہ صرف تبلیغ کرتے رہے بلکہ اپنی ذات سے حب بشر کا پیکر بن گئے مگر ان کا انسان فلسفیوں کا خیالی انسان نہیں تھا بلکہ گوشت پوست کا چلتا پھرتا انسان تھا۔ ان خیالات کا اظہار معروف اسکالر، دانشور اور تقریباً تین درجن سے زائد اہم کتابوں کے

مصنف مؤلف پروفیسر سید تقی عابدی نے 27/اکتوبر 2017ء کو انجمن ترقی اردو (ہند) کے زیر اہتمام اردو گھر میں منعقد ڈاکٹر خلیق انجم یادگاری خطبات کے سلسلے کا اولین خطبہ "امیر خسرو اور ان دوستی" کے موضوع پر اپنے عالمانہ مقالے میں کیا۔

پروفیسر صدیق الرحمن قدوائی صاحب نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ "خلیق انجم یادگاری خطبات کا یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔" کرنل بشیر حسین زیدی کہا کرتے تھے کہ "میرے پاس ایک جن ہے اور وہ ہے ڈاکٹر خلیق انجم۔ ان سے جو کام کرنے کو کہو، وہ ہو جاتا ہے۔" خلیق انجم ہمیشہ اپنے آپ کو مصروف کار رکھتے تھے۔ یہ اردو گھر کا موجود ہونا ان کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے کہا کہ "خلیق انجم اس زمانے میں خط و کتابت کے ذریعے انجمن کو پوری دنیا میں متعارف کرنا چاہتے تھے۔ ان کی خدمات قابل ذکر ہے۔ اس لیے ان کی یاد میں یہ یادگاری خطبات جاری رہنا چاہیے۔ جلسے کے آغاز میں امیر خسرو اور خلیق انجم کو جناب متین امروہوی نے منظوم خراج عقیدت اور ڈاکٹر سید تقی عابدی کو بھی منظوم خراج تحسین پیش کیا۔ اس جلسے کی نظامت کے فرائض غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر ڈاکٹر سید رضا حیدر نے بہ حسن و خوبی انجام دیے۔

سید انظام علی

روزنامہ ''اودھ نامہ'' لکھنؤ

29 اکتوبر 2017ء

ظلم کے خلاف کربلا ایک مثالی نمونۂ عمل: ڈاکٹر عمار رضوی

مرثیہ انسانی اقدار کا گلدستہ: تقی عابدی

امام حسین نے اسلام کے لیے قربانی دی: عارف نقوی

کامنا پرساد و سنیتا جھینگرن ''وقار اودھ ایوارڈ'' سے سرفراز

اگر ظلم سے ٹکرانا ہے تو کربلا کو ایک مثالی نمونۂ عمل کی طرز پر اپنانا ہوگا۔ واقعہ کربلا بے زبان رہ جاتا ہے اگر جناب زینبؑ اسے دُنیا کو نہ بتاتی، کربلا تاج، سلطنت کو برداشت نہیں کرتی۔ یہ بات ریاست کے سابق کارگزار وزیراعلی ڈاکٹر عمار رضوی نے آج شام یہاں کیفی اعظمی اکادمی میں اُردو رائٹرس فورم کے ذریعہ منعقدہ ''اُردو مرثیہ انسانی اقدار کا شاہکار'' عنوان پر ہوئے بین الاقوامی سیمینار کا افتتاح کرتے ہوئے کہی۔ اس موقع پر محترمہ کامنا پرساد اور سنیتا جھینگرن کو ان کی مرثیہ نوازی پر ''وقار اودھ ایوارڈ'' سے نوازا گیا۔

ڈاکٹر عمار رضوی نے کہا کہ ''سب سے پہلے مرثیہ حضرت آدم نے پڑھا، مرثیہ ادب میں ہے۔'' کہا کہ ''کربلا کا غم ہر دور میں ایک نئے جوش کے ساتھ یاد آتا ہے۔ کردار ایک عملی جنگ ہے۔ مرثیہ میں زندگی کے ہر پہلو کا رنگ ہے، کربلا کو مٹانے کا کام کیا گیا لیکن اس کو کوئی مٹا نہیں سکا۔ مرثیہ نے کربلا کے پیغام کو ادب میں اثر دار طریقے سے پیش کیا۔ انھوں نے کہا کہ ''جوش ملیح آبادی نے بھی بہترین مرثیے کہے لیکن ان کو وہ مقام نہیں ملا جو میر انیس و دبیر کے مرثیے کو ملی۔'' انھوں نے کہا کہ ''دسمبر میں لکھنؤ میں ایک بین الاقوامی اُردو سیمینار ہوگا۔'' کہا کہ ''میر انیس کے مزار کے لیے فنڈ بنایا جائے گا۔''

کلیدی خطبہ کینیڈا سے تشریف لائے ڈاکٹر تقی عابدی نے پڑھا۔ اس موقع پر ان کے "دیوان سلام وکلام انیس" کا اجرا بھی ہوا۔ انھوں نے کہا کہ "آج سب سے بڑا مسئلہ انسانی حقوق کا ہے، انسان کا انسان کو حق دینے کا ہے۔" کہا کہ "سبھی انسانی اقدار کا گلدستہ مرثیہ ہے۔ مرثیہ میں علم، محبت وادب ہر چیز موجود ہے۔ مرثیے میں ساری انسانیت ہے۔"

ڈاکٹر تقی عابدی نے کہا کہ "انسان کا اخلاق سب سے بڑا ہوتا ہے۔ رسول کا اخلاق ایسا تھا کہ ان کا دشمن بھی ان کا مرید ہو جاتا تھا۔ کربلا میں انسانی حقوق و خواتین کے اختیارات پر سب سے زیادہ زور دیا گیا۔ کربلا میں حضرت امام حسینؑ نے آگے کی حکمت عملی پر ان سے رائے لی تھی۔ زینب کربلا کی پہلی ترجمان تھیں۔"

مہمان ذی وقار پروفیسر خواجہ محمد اکرام نے کہا کہ "اگر مرثیے کو اُردو ادب سے نکال دیا جائے تو اُردو کا دامن خالی ہو جائے گا۔ مرثیے سے بہتر جذبات کا اظہار اور پتہ نہیں ہو سکتا، رسول دنیا کے سب سے بہتر انسان تھے اور ان کے کام کو حسینؑ نے پورا کیا۔" انھوں نے کہا کہ "آج پوری دنیا میں انسانیت کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔" اس کے بعد کہا کہ جناب زینب کا کردار ساری دنیا کے لیے مثال ہے۔"

جرمنی سے تشریف لانے صحافی، مصنف عارف نقوی نے کہا کہ "اگر کربلا نہ ہوتی تو اسلام اصلی شکل میں نہ ہوتا۔ حضرت امام حسینؑ نے اس لیے قربانی دی کہ اسلام زندہ رہے اور غلط راستے پر نہ جائے۔ کربلا سے اسلام زندہ ہوا۔ انیس و دبیر کے مرثیے دنیا کے ادب میں اول ہے۔" انھوں نے کہا کہ پرتی شیل لیکھک سنگھ بھی مرثیے سے اچھوتا نہیں ہے۔ کیفی، عظمی اور علی سردار جعفری نے بھی مرثیے کے ہی سہارے شاعری میں بلند مقام حاصل کیا۔ ساری انسانیت کے لیے مرثیے کی ضرورت ہے، مرثیوں کا دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ کرنا چاہیے۔"

اس سے قبل محترمہ کامنا پرساد نے کہا کہ "لکھنؤ اُردو کا دبستان ہے۔ یہ شہر ہند کی تہذیب کی راجدھانی ہے۔ مگر وہ مکمل ایک تہذیب ہے۔" انھوں نے کہا کہ "ہندوستان میں مرثیے کی پہلی ابتدا جنوبی ہند میں ہوئی۔" کہا کہ "مرثیہ نگاری کا ذکر بغیر لکھنؤ کے ممکن ہی نہیں ہے۔ لکھنؤ کے نوابوں نے مرثیہ خوانوں کی حوصلہ افزائی کی۔ میر انیس اور دبیر کا

دورِ مرثیے کا سنہرا دور کہا جا سکتا ہے۔ میر انیس نے خیمے سے رزمگہ تک کی منظر کشی کی ہے۔" محترمہ سنیتا جھینگران نے چند شعر، چند مرثیے پڑھ کر ہال میں بیٹھے حاضرین کی آنکھوں کو نم کر دیا۔ انھوں نے پڑھا:

یوں تو علیؑ ہوئے ہیں نبیؐ کا جانشین
یوں کوئی ہو ان کے برابر تو لائیے

•••

جو چاہتے ہو نماز قبول ہو
تو گھر میں علیؑ کا مصلیٰ بچھائیے

پروگرام کا آغاز مسز تقوی نے میر انیس کا یہ سلام پیش کر کے کیا:

گزر گئے کئی دن کہ حرم میں آب نہ تھا
مگر حسینؑ سے صابر کا اضطراب نہ تھا

غضب کی جا ہے کہ در پہ تھیں تمام پردے
کھڑی تھی بنتِ علیؑ اور کچھ حجاب نہ تھا

فقط حسینؑ کے بچوں پہ بند تھا پانی
بہت قریب تھی جو نہر قحطِ آب نہ تھا

وہ لوگ جمع تھے قتلِ حسینؑ پر جن کو
خدا کا خوف محمدؐ سے بھی حجاب نہ تھا

اگر بہشت میں ہوتے نہ کوثر تسنیم
تو رونے والے کی آنکھوں کا پھر جواب نہ تھا

انیسؔ عمر بسر کردو خاکساری میں
کہیں نہ یہ کہ غلام ابوتراب نہ تھا

مظہر نقوی نے میر انیسؔ کا یہ بہترین سلام پیش کرنے کے بعد انیسؔ کا ایک معروف مرثیہ بھی پیش کیا۔

ڈاکٹر تیر جلال پوری نے نظامت کے منفرد انداز سے سیمینار میں ایک وجد کی کیفیت بھر دی۔ انھوں نے میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کی یہ رُباعیات نظامت کے دوران پیش کیں:

آنکھ ابر بہاراں سے لڑی رہتی ہے
اشکوں کی ردا منھ پہ پڑی رہتی ہے
دونوں آنکھیں ہیں میری ساون بھادوں
یاں سارے برس ایک جھڑی رہتی ہے
(انیسؔ)

روضہ پہ جو بازیاب ہو جاتا ہے
وہ اوج میں لاجواب ہو جاتا ہے
جلتا ہے شب کو روضۂ حیدرؓ پہ جو چراغ
وہ دن کو آفتاب ہو جاتا ہے
(دبیرؔ)

سیمینار میں ملک کے معروف شاعر و ادیب انور جلال پوری نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ "انسان سازی کے لیے ذہن سازی بہت ضروری ہے۔ مراثی میں جس کی جھلک ہم کو جا بجا ملتی ہے۔ ہم مرثیوں میں رشتوں کا احترام دیکھتے ہیں بھائی بہن وغیرہ تمام رشتہ کس طرح نبھائے جاتے ہیں اس کی عکاسی مرثیوں سے بخوبی ہوتی ہے۔" انھوں نے قتیلؔ شفائی کا یہ شعر بھی پڑھا:

دنیا میں احترام کے قابل ہیں جتنے لوگ
میں سب کو مانتا ہوں مگر مصطفیٰؐ کے بعد

بات کو آگے بڑھاتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ”قاتلانِ خاندانِ نبوت اس بات سے بے خبر تھے کہ موت بھی کبھی زندگی بن جاتی ہے۔ مرثیہ مرجانے والے اشخاص کا بیانیہ ہی نہیں بلکہ باقی رہ جانے والوں کی آہ و فغاں کا اظہاریہ بھی ہے۔ ہندوستان میں جتنے لوگ سخت دل ہیں انھیں مرثیہ ضرور پڑھنا چاہیے اس لیے کہ مرثیہ پڑھنے سے انسان نرم دل بنتا ہے اور نرم دلی کے ساتھ ہی انسان سازی کا عمل شروع ہوتا ہے۔

پروگرام کی صدارت کرتے ہوئے مشہور ناقد پروفیسر شارب ردولوی نے کہا۔ ”مرثیہ انسانیت کی تعلیم ہے۔“ انھوں نے کہا کہ ”علما پر بہت کم کام اردو میں ہوا، علما میں کیا کیا خصوصیات ہیں۔ آدمی و انسان میں یہ فرق ہے، یہ جاننے کی سخت ضرورت ہے۔“ کہا کہ ”مرثیہ پر بڑی کانفرنس کی ضرورت ہے۔“

آخر میں اُردو رائٹرس فورم کے کنوینر سید وقار رضوی نے کہا کہ ”کربلا ایک درس گاہ ہے اور مرثیہ اُردو ادب کا حصہ ہے۔“ کہا کہ ”پروگرام میں جتنے لوگ آئے وہ حضرت امام حسینؑ کے چاہنے والے تھے۔“ پروگرام کی نظامت لکھنؤ یونیورسٹی کے صدر شعبۂ اردو ڈاکٹر عباس رضا نیر جلال پوری نے کی۔ انھوں نے میر انیس و دبیر کے درجنوں مرثیے اس انداز میں پیش کیے کہ آنکھوں سے اشک جاری ہونے لگے۔ پروگرام کے آغاز میں مشہور صحافی سعید نقوی کے چھوٹے بھائی منے نقوی نے بہترین آواز میں مرثیے و سلام پیش کیے۔ پروگرام میں پروفیسر رمیش دکشت، وندنا مشرا، میر انیس خاندان کے سید امام علی گوہر، ڈاکٹر ثروت تقی، ڈاکٹر قمر آرا، عائشہ صدیقی، محمد صدیقی، صحافی حسام صدیقی سمیت کثیر تعداد میں محبانِ اُردو موجود تھے۔

حیدرآباد

30/اکتوبر 2017ء

حالیؔ اور شبلیؔ کی معنویت دورِ حاضر میں بھی برقرار

اردو یونیورسٹی میں ڈاکٹر تقی عابدی کا لکچر

مولانا آزاد نیشنل اردو کے شعبۂ اردو کی جانب سے یونیورسٹی کے لائبریری آڈیٹوریم میں کینیڈا سے تشریف لائے معروف محقق و دانشور ڈاکٹر سید تقی عابدی کے خطاب کا انعقاد عمل میں آیا جس میں انھوں نے ''اکیسویں صدی میں حالیؔ اور شبلیؔ کی معنویت'' پر سیر حاصل گفتگو کی۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے کہا کہ ''حالی کے معاصرین میں ایک سے بڑھ کر ایک ادیب، شاعر، عالم، فاضل اور صاحب طرز موجود تھے مگر آج اکیسویں صدی میں حالی کی نثر کی پیروی ہو رہی ہے اور آئندہ بھی کی جائے گی۔''

ان کی سوانح نگاری پر روشنی ڈالتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ''تقریباً ایک سو سال میں غالب پر 118 کتابیں لکھی گئیں مگر کچھ تسامحات کے باوجود یادگارِ غالب کی افادیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ شبلی سب سے بہتر سوانح نگار ہیں، مگر حالی کی ''حیات سعدی'' کے بعد شبلی نے شیخ سعدی پر کچھ لکھنا ضروری نہیں سمجھا۔ نیز حالی اگر ایران میں ہوتے تو کم از کم چار درجن کتابیں ان پر لکھی گئی ہوتیں۔ جہاں تک شبلی کی بات ہے انھوں نے اردو زبان کو وہ معیار دیا کہ عربی و فارسی کے ساتھ اس کا نام لیا جانے لگا۔ شبلی جذباتی اور سیمابی طبیعت کے مالک تھے اس لیے علی گڑھ، ندوہ، پھر اعظم گڑھ چلے گئے مگر جہاں رہے علمی فیضان جاری رہا۔ ڈاکٹر عابدی نے اعتراف کیا کہ ''انھیں ذاتی طور پر ہزاروں کتابیں اور مخطوطات جمع کرنے کی تحریک شبلی سے ملی۔''

ڈاکٹر فیروز احمد، پروفیسر شعبہ اردو نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا

کہ "اگر سرسید نہ ہوتے تو حالی اور شبلی بھی نہ ہوتے یا شبلی علامہ نہ بنتے۔ سرسید کی تحریکوں اور فکر اور عمل نے ہی ان دونوں کی تربیت کی جس سے ان کی علمی، ادبی اور فکری جہات سامنے آئیں۔

یونیورسٹی کے نائب شیخ الجامعہ ڈاکٹر خواجہ محمد شاہد نے اپنے صدارتی کلمات میں کہا کہ "اس طرح کے خطبات کا اہتمام ہوتے رہنا چاہیے۔ یوں تحقیق کے نئے نئے زاویے سامنے آتے ہیں۔ حالی اور شبلی اپنے وقت کے بڑے لوگ تھے۔ علمی و ادبی زندگی ارتقائی ہوتی ہے اس لیے تحریر اور فکر میں تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ شبلی، سرسید سے وابستہ رہے اور علیحدہ بھی ہوئے مگر ایک بات تمام میں مشترک تھی وہ یہ کہ [illegible] بلکہ مسلم سماج کی اصلاح کی فکر کرتے تھے اور سب روشن خیال تھے۔ آج اکیسویں صدی میں ہمیں سماج کے پسماندہ طبقات بالخصوص اقلیتوں کے لیے فکرمند ہونا پڑے گا۔

جموں

28/دسمبر2017ء

جموں یونیورسٹی نے حالیہ کونسل میٹنگ میں یورپ کے نامور فزیشن اور کینسر اسپیشلسٹ ڈاکٹر تقی عابدی کو شعبہ اُردو جموں یونیورسٹی میں اعزازی پروفیسر تعینات کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ کینیڈا سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر تقی عابدی عالمی شہرت یافتہ فزیشن اور کینسر ماہر ہونے کے ساتھ اُردو زبان وادب کے بلند پایہ ادیب ہیں اور اب تک (60) سے زائد کتب تصنیف کر چکے ہیں۔

موصوف اُردو زبان وادب کی ترقی کے لیے مختلف ممالک کے دورے کرتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر عابدی دو مرتبہ جموں یونیورسٹی کے شعبہ اُردو میں توسیعی لکچر دے چکے ہیں۔ موصوف میر انیس، مرزا غالب، فیض احمد فیض اور علامہ اقبال کی شاعری پر اتھارٹی رکھتے ہیں۔ ان شعراء پر متعدد کتابیں بھی لکھ چکے ہیں۔ متعدد اُردو تنظیمیں بھی ڈاکٹر عابدی کو اعزازات سے نواز چکی ہیں۔

نظام آباد

22/جنوری 2018ء

تحقیق سچائی تک رسائی کا نام اردو میں تحقیق کی

شاندار روایات شعبہ اُردو تلنگانہ یونیورسٹی کے زیر اہتمام

"عصر حاضر میں اُردو تحقیق وسائل و مسائل"

موضوع پر بین الاقوامی اُردو سیمینار

شعبہ اُردو تلنگانہ یونیورسٹی نظام آباد کے زیر اہتمام ایک روزہ بین الاقوامی اردو سیمینار بعنوان "عصر حاضر میں اُردو تحقیق وسائل و مسائل" کے عنوان سے سیمینار ہال پیور وسائنس بلڈنگ تلنگانہ یونیورسٹی میں منعقد ہوا۔ سیمینار کے مہمان خصوصی پروفیسر پی سامبیا وائس چانسلر تلنگانہ یونیورسٹی تھے۔

شعبۂ اُردو کے وزیٹنگ پروفیسر و نامور محقق و نقاد ڈاکٹر سید تقی عابدی کینیڈا نے کلیدی خطبہ دیا۔ ڈاکٹر فاضل حسین پرویز مدیر "گواہ" حیدرآباد مہمان خصوصی تھے۔ ڈاکٹر اطہر سلطانہ صدر شعبہ اُردو تلنگانہ یونیورسٹی نے مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے خطبہ استقبالیہ دیا اور ڈاکٹر تقی عابدی صاحب کا شکریہ ادا کیا کہ پیشہ طب سے وابستہ ہونے کے باوجود وہ اُردو ادب سے گہری وابستگی رکھتے ہیں اور شعبۂ اُردو تلنگانہ یونیورسٹی کے لیے اعزاز ہے کہ "ڈاکٹر سید تقی عابدی شعبے کے وزیٹنگ پروفیسر ہیں۔" ڈاکٹر اطہر سلطانہ نے کہا کہ "شعبہ اُردو کے فروغ اُردو پروگراموں میں اُردو کے اساتذہ طلباء کی کثیر تعداد میں شرکت کے علاوہ ضلع نظام آباد کی اُردو صحافت نے شعبے کی سرگرمیوں کو اجاگر کرنے میں کلیدی رول انجام دیا ہے جس کا شعبۂ اُردو کی جانب سے شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔"

ڈاکٹر سید فاضل حسین پرویز نے سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "تحقیق

ایک ذمہ داری کا کام ہے بلا تحقیق کسی بات کو قبول نہیں کرنی چاہیے۔" انھوں نے اردو محققین کو مشورہ دیا کہ وہ تحقیق کی گہرائی میں جائیں۔"

ڈاکٹر سید تقی عابدی نے اپنے کلیدی خطبہ میں کہا کہ "تحقیق سچائی کا نام ہے اور یہ کام ابتدائے آفرینش سے جاری ہے اگر تحقیق نہ ہو تو زندگی کو بہت سے نقصانات سے دوچار ہونا پڑے گا اردو تحقیق کی شاندار روایات ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ نوجوان محققین اردو تحقیق کے کاروان کو آگے بڑھانے کے لیے سامنے آئیں۔" انھوں نے محقق کے اوصاف بیان کیے کہ اسے تحقیق سے دلچسپی ہو اور چھان پھٹک کے بعد حقائق کو قبول کرے۔" انھوں نے نوجوان محققین کو مفید مشورے دیئے۔

اس سیمینار میں ملک کے مختلف حصوں سے آئے مقالہ نگار ڈاکٹر محمد شجاعت علی راشد، ڈاکٹر گل رعنا، ڈاکٹر نسیم الدین، ڈاکٹر موسیٰ اقبال، ڈاکٹر محمد عبدالقوی، ڈاکٹر محمد اسلم فاروقی، ڈاکٹر محمد انور الدین، ڈاکٹر محمد ابرار الباقی، ڈاکٹر جعفر جری، ڈاکٹر محمد ناظم علی، محمد عبدالرحمن اور دیگر نے تحقیق کے فن اور وسائل اور مسائل پر مقالہ جات پیش کیے، شعبہ اردو کی جانب سے مہمانوں اور مقالہ نگاروں کو تہنیت پیش کی گئی، شعبہ اردو سے فارغ طلبہ کو مختلف کالجوں میں ملازمت ملنے پر انھیں تہنیت پیش کی گئی، ڈاکٹر محمد عبدالقوی اور ڈاکٹر گل رعنا نے ادبی اجلاس کی نظامت کے فرائض انجام دیے، جب کہ ڈاکٹر موسیٰ اقبال نے افتتاحی اجلاس کی نظامت کی اور سیمینار کے اختتام پر شکریہ ادا کیا۔

"سیاست" حیدرآباد

22/جنوری 2018

جناب سعید شہیدی

کو "شاعرِ سیاست" کا درجہ: جناب زاہد علی خان

کئی برس قبل کے کلام میں موجودہ حالات کی عکاسی، صدی تقریب سے ایڈیٹر "سیاست" کا خطاب

استاد شاعر جناب سعید شہیدی نے حیدرآباد ہی نہیں اقطاعِ عالم میں ایک خاص مقام حاصل کیا، جو کہ کسی دوسرے شاعر و ادیب کو حاصل نہیں ہوا۔ بانی "سیاست" جناب عابد علی خاں مرحوم سے انھیں بڑی قربت تھی۔ جناب سعید شہیدی کے کلام سے انھیں بڑا اُنس تھا۔ سعید شہیدی نے موجودہ حالات کی آج سے کئی برس پہلے اپنے کلام کے ذریعہ نشاندہی کر دی۔ نئی نسل جو شعر و ادب کے میدان میں قدم رکھ رہی ہے انھیں استاد شاعر کے طرز پر شعر کہنا ضروری ہے۔ ان خیالات کا اظہار جناب زاہد علی خاں ایڈیٹر روزنامہ "سیاست" آج سعید شہیدی صدی تقاریب کے اجلاس "جشنِ سعید" سے خطاب کر رہے تھے۔ یہ جشن سالار جنگ میوزیم میں منعقد ہوا۔ مولانا محمد رضا کی تلاوت قرآن مجید سے ادبی اجلاس کا آغاز ہوا۔

جناب زاہد علی خاں نے جناب سعید شہیدی سے اپنی وابستگی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ "جناب سعید شہیدی کو اس بات کا اعزاز حاصل ہے کہ اُن کی تمام غزلیات کو اخبار "سیاست" نے شائع کیا۔ اس طرح اس صدی تقاریب کے موقع پر "سیاست" انھیں "شاعرِ سیاست" کا درجہ دیتا ہے۔" انھوں نے کہا کہ "مرکزی اور ریاستی حکومتوں کی جانب سے جو ایوارڈس اُردو شاعری پر دیئے جاتے ہیں یہ پہلے حقدار تھے۔ اردو شعرا کو چاہیئے کہ

گل وبلبل، پیار ومحبت کی شاعری نہ کریں بلکہ ہندی شعراء کو نظر میں رکھیں جن کا منشاء و مقصد حالات حاضرہ پر نکتہ چینی کرتے ہوئے جھنجوڑنا ہے، اس لیے اُن کی تقلید کی اولین ضرورت ہے۔'' انھوں نے کہا کہ ''وہ یقیناً اپنی شاعری میں برق اور آشیانہ کو استعارات کے طور پر استعمال کریں لیکن جب اس پس منظر میں اشعار کو پڑھیں تو ہمارے سامنے اقتدار وقت اور مسلمان ہوں اور دیکھیں کہ استاد شاعر نے اُس وقت آج کے تناظر میں جس طرح ماحول کی عکاسی کی ہے صدفی صد پوری ہوتے ہوئے نظر آرہی ہے۔''

انھوں نے کہا کہ ''پاکستان سے زیادہ ہندوستان میں اُردو کا موقف بڑا تابناک ہے جب کہ پاکستان نے اُردو زبان کو صرف قومی زبان کا درجہ دے رکھا ہے۔ آج اُردو داں کی محنت کے نتیجہ میں ایک وقت آئے گا کہ ہندوستان بھر میں اُردو کا پرچم چہار سُو ہرائے گا اور جس طرح حکومت اقلیتوں کو 12 فیصد تحفظات دینے کے متعلق اٹل ہے اُسی طرح اُردو زبان کے ساتھ بھی انصاف دلوا کر رہے گی۔''

انھوں نے والدین پر زور دیا کہ ''اپنے بچوں کو اردو زبان سے وابستہ کریں تا کہ وہ لائبریریوں میں بیٹھ کر اپنے پُرکھوں کی محنت جو اس زبان کے ساتھ ہوئی ہے۔ اُس کا مطالعہ کرسکیں۔''

ڈاکٹر تقی عابدی (کینیڈا) نے ''کلیات سعید شہیدی'' پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ''اس کتاب میں سعید شہیدی کے فن اور ان کی شخصیت کے مختلف رموز کو نئی نسل سے واقف کروانے کے لیے کامیاب کیا ہے۔ سعید شہیدی ایک ایسے شاعر ہیں جنھوں نے اپنے شعر کے ذریعہ مختلف موضوعات پر ہر ایک کو جھنجوڑا۔ ان کی موضوعاتی شاعری کے علاوہ حمد، نعت اور منقبت، نوحہ پر بھی کلام پیش کیا ہے۔ ان کی شاعری میں درس، اخلاق، مسائل غرض کہ انسانی زندگی اور سماج و معاشرہ کے ہر زاویوں کو روشن کرتے ہوئے اُن کے حقائق کو پیش کیا کہ ہندوستانی سماج و معاشرہ مغربی تہذیب کی یلغار سے متاثر ہونے کو ہے۔ انھوں نے محاوروں اور اشاروں میں بھی بات کہہ دی۔ ظلم کی خلقیت اور انصاف کی عمل آوری سے پیدا ہونے والے اثرات کو بڑے بلیغ انداز سے پیش کیا۔ وہ کہنہ مشق اور قادر کلام شاعر تھے۔ گل وبلبل نہیں بلکہ انسانی اقدار و خیالات کو بڑے سلیقہ سے پیش کرتے

ہوئے انسانیت نوازی کا ثبوت دیا۔"

پروفیسر ایس اے شکور سکریٹری، ڈائرکٹر تلنگانہ ریاستی اردو اکیڈیمی نے کہا کہ "ماضی میں استاد شعراء نے جو محنت شعر وسخن پر کی ہے نوجوان ذہن میں رکھیں اس لیے کہ جو قوم اپنے ماضی کی تاریخ کو فراموش کردیتی ہے۔ وہ کبھی ترقی کے منازل طے نہیں کرسکتی۔ اس لیے کارنامہ حیات مجموعی ایوارڈ جو ہر سال تلنگانہ ریاستی اردو اکیڈیمی کی جانب سے شاعر کو دیا جاتا ہے وہ جناب سعید شہیدی کے نام معنون ہے۔" نواب [illegible] احمد علی خان رکن سالار جنگ میوزیم کے ہاتھوں "عکس سعید الشعراء" کی رسم اجرا انجام دی گئی۔

انھوں نے کہا کہ "نواب تراب جنگ سے جناب سعید شہیدی کے گہرے مراسم تھے اور کمسنی میں انھوں نے شاعری کی ابتداء کی اور آخری سانس تک شعر کہتے رہے ان کا ثانی پیدا نہ ہوگا۔" انھوں نے اپنے کلام میں نوحہ اور مرثیہ پر توجہ دی۔ "کلیات سعید شہیدی" جو ایک ضخیم کتاب ہے جسے ڈاکٹر تقی عابدی (کینیڈا) نے تحریر کیا ہے۔ اس موقع پر سعید شہیدی کی غزلیات حیدرآباد کے مشہور گلوکار وٹھل راؤ اور خان اطہر نے اپنے مخصوص انداز میں پیش کیں۔

جناب زاہد علی خاں کے ہاتھوں سی ڈی کی رسم رونمائی انجام دی گئی۔ جناب ہادی علی خاں مسلم نے نعت سنائی اور جناب میر عابد علی خاں نے منقبت پڑھی۔ جناب رشید شہیدی نے اپنے مخصوص انداز میں جناب سعید شہیدی کا کلام پیش کیا اور نظامت کے فرائض انجام دیے۔ اس موقع پر جناب شہزادہ گلریز رامپور، جناب میر محمد علی [illegible]، جناب نظیر باقری اتر پردیش، نواب مصطفیٰ علی خان، نواب عباس علی خان، غضنفر نواب، [illegible] نواب، میر فراست علی باقری، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ احسن، پروفیسر فاطمہ پروین، مولانا مرتضیٰ علی، جناب افتخار حسین فیض عام ٹرسٹ، علی محمد مختار حسین اور نوجوانوں، خواتین و طالبات کی کثیر تعداد موجود تھی۔

روزنامہ "اعتماد" حیدرآباد

24/جنوری 2018ء

اُردو محققین، تحقیق کی گہرائیوں تک پہنچیں

تلنگانہ یونیورسٹی میں بین الاقوامی سیمینار، ڈاکٹر تقی عابدی ودیگر کا خطاب

تلنگانہ یونیورسٹی نظام آباد کے شعبۂ اُردو کے زیر اہتمام ایک روزہ بین الاقوامی اُردو سیمینار بعنوان "عصر حاضر میں اُردو تحقیق وسائل اور مسائل" کا یونیورسٹی کے سیمینار ہال کمپیوٹر سائنس بلڈنگ ڈچپلی میں انعقاد عمل میں آیا۔ شعبۂ اُردو کے وزیٹنگ پروفیسر و نامور محقق ونقاد ڈاکٹر تقی عابدی کینیڈا نے کلیدی خطبہ میں کہا کہ "تحقیق سچائی کا نام ہے اور یہ کام ابتداء سے ہی جاری ہے۔" انھوں نے کہا کہ "اگر تحقیق نہ ہوگی تب زندگی کو بہت زیادہ نقصانات سے دوچار ہونا پڑے گا۔"

ڈاکٹر سید تقی عابدی نے کہا کہ "اُردو تحقیق کی شاندار روایات ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ نوجوان محققین اُردو تحقیق کے کام کو آگے بڑھائیں۔" انھوں نے محقق اوصاف بیان کرتے ہوئے کہا کہ "اسے تحقیق سے دلچسپی ہونی چاہیے۔" انھوں نے نئی نسل کے محققین کو مشورہ دیا کہ وہ موضوع کے انتخاب میں احتیاط کو ملحوظ رکھیں۔ مکمل معلومات کے حصول کے ذریعہ مقالہ کی تیاری عمل میں لائی جائے۔

ڈاکٹر فضل حسین پرویز مدیر غت روزہ "گواہ" نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "تحقیق ایک ذمہ داری کا کام ہے۔ بلا تحقیق کسی بات کو بھی قبول نہیں کیا جانا چاہیے۔" انھوں نے اُردو محققین کو مشورہ دیا کہ وہ تحقیق کی گہرائی کو پہنچیں۔ صدر شعبہ اُردو تلنگانہ یونیورسٹی ڈاکٹر اطہر سلطانہ نے مہمانوں کا استقبال کیا اور خیر مقدمی کلمات ادا کیے۔ ڈاکٹر اطہر سلطانہ نے کہا کہ "ڈاکٹر تقی عابدی پیشہ طب سے وابستہ ہیں اور شعبہ اُردو تلنگانہ یونیورسٹی میں ان کی آمد ایک اعزاز ہے۔" انھوں نے ڈاکٹر تقی عابدی سے

اظہار تشکر کیا۔ سیمینار میں ملک کے مختلف حصوں سے مقالہ نگار ڈاکٹر محمد شجاعت علی راشد، ڈاکٹر گل رعنا، ڈاکٹر عظیم اللہ حسینی بیجاپور، ڈاکٹر محمد عبدالقوی، ڈاکٹر موسیٰ اقبال، ڈاکٹر احمد فاروقی، ڈاکٹر ناظم علی، ڈاکٹر معز جاوید، ریسرچ اسکالر سید یوسف صدیق، ڈاکٹر محمد انور الدین، ڈاکٹر ابرارالباقی، ڈاکٹر جعفری جری، محمد عبدالرحمن داوودی، وغیرہ نے تحقیق کے فن، وسائل اور مسائل پر مقالہ جات پیش کیے۔ شعبہ اردو کی جانب سے مہمانوں اور مقالہ نگاروں کو تہنیت پیش کی گئی۔ شعبہ اردو سے فارغ التحصیل طلبہ کو مختلف کالجس میں ملازمت کے حصول پر بھی تہنیت پیش کی گئی۔ ڈاکٹر محمد عبدالقوی اور ڈاکٹر گل رعنا نے ادبی اجلاس کی نظامت کے فرائض انجام دیے۔

ہفت روزہ ''گواہ''، ''صحافی دکن''

حیدرآباد

23 فروری 2018ء

جدوجہد آزادی اور شعراء

میڈیا پلس آڈیٹوریم میں ڈاکٹر تقی عابدی کا لکچر

اُردو ہندوستان کی واحد زبان ہے جس نے ہندوستانیوں میں انگریزی کی غلامی سے آزادی کا جذبہ پیدا کیا۔ اُردو شعراء نے اپنے اشعار سے ہندوستانیوں میں جوش و دم، انگریزوں کے خلاف بغاوت کا جذبہ پیدا کیا۔ ان خیالات کا اظہار ممتاز شاعر، ادیب، محقق اور ناقد ڈاکٹر سید تقی عابدی نے کیا۔

وہ 22 جنوری کی شام میڈیا پلس آڈیٹوریم میں ''جدوجہد آزادی اور اُردو شعراء'' کے موضوع پر خصوصی خطاب کر رہے تھے۔ پروفیسر فاطمہ بیگم پروین نے صدارت کی۔ ڈاکٹر سید فضل حسین پرویز نے خیر مقدم کیا۔ ڈاکٹر محمد شجاعت علی راشد نے فرائض نظامت انجام دیے اور سید خالد شہباز نے شکریہ ادا کیا۔

ڈاکٹر سید تقی عابدی نے کہا کہ ''آزادی کے بعد حب الوطنی کے گیت لکھ کر شعراء نے اعزازات اور مقامات حاصل کیے مگر غدر 1857ء سے پہلے اور اس کے بعد حب الوطنی کی شاعری کا مطلب موت کو گلے لگانا یا پھر کالا پانی کی سزا کا سامنا تھا۔ آزادی کے متوالوں نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ظلم کے خلاف آواز بلند کی۔ نواب واجد علی شاہ، مصحفی، غالب، اقبال، میر انیس، ظفر علی خاں، چکبست، آنند نرائن ملا، احسان دانش، جوش، مخدوم، سردار جعفری، مجاز، سرشار، اسمٰعیل میرٹھی، جگن ناتھ آزاد، فیض احمد فیض جیسے شعراء نے ظلم کے خلاف آواز بلند کی۔''

ڈاکٹر تقی عابدی نے کہا کہ ''اُردو کے بغیر آزادی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔'' انھوں

نے کہا کہ "سرزمین دکن سے اردو میں سب سے پہلے ظلم کے خلاف آواز اشرف بیابانی نے 1509ء میں "نوسرہار" کے ذریعہ بلند کی۔ اٹھارہ سو اشعار پر مشتمل یہ رزمیہ دراصل حق و باطل کے معرکہ کی روداد ہے۔"

ڈاکٹر تقی عابدی نے کہا کہ "کسی ملک کے متمدن ہونے کی کسوٹی اس ملک کی اقلیتوں کے ساتھ کیا جانے والا سلوک ہے۔ حق اور باطل کے درمیان جو انصاف نہ کرے وہ انسان نہیں ہے۔" ڈاکٹر تقی عابدی نے کہا کہ "آزادی و تقویت دینے والے اردو شعراء کا تذکرہ تک نہیں کیا جاتا۔ نوجوان نسل کو ان کی خدمات سے واقف کروانے کی ضرورت ہے۔"

انھوں نے کہا کہ "اردو [illegible] ادبی زبان ہے۔ اس کے باوجود اپنے حق اور انصاف سے محروم ہے۔ اردو مسلمان نہیں ہے مگر مسلمانوں کی زبان ضرور ہے کیوں کہ قرآن مجید کے سب سے زیادہ تراجم اسی زبان میں ہوئے۔" ڈاکٹر عابدی نے مختلف شعراء کا کلام بھی سنایا اور سامعین کے سوالات کے جواب بھی دیے۔ ڈاکٹر فاطمہ بیگم پروین نے تقی عابدی سے خواہش کی کہ وہ موجودہ حالات کے تناظر میں نئی نسل میں نیا ولولہ پیدا کرنے کے لیے نظمیں لکھیں۔

انھوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ "اردو کو ختم کرنے کے لیے اردو مدارس کی جڑیں کاٹ دی جا رہی ہیں۔" انھوں نے ڈاکٹر عابدی کو دکن کا ایک اور ہیرا قرار دیا۔ اس موقع پر سینئر قانون داں غلام یزدانی ایڈووکیٹ، ڈاکٹر سلیم عبدالحق صدر اردو ایسوسی ایشن نارتھ امریکہ اور ان کی اہلیہ ڈاکٹر آمنہ کے علاوہ کئی سرکردہ ہستیاں موجود تھیں۔

روزنامہ ''صحافت''، ''ہندوستان ایکسپریس''، ''راشٹریہ سہارا''، ''انقلاب'' نئی دہلی
2/جولائی 2018ء

رومانوی عناصر کے بغیر خوب صورت زندگی کا تصور ناممکن ہے جے این یو میں

''اُردو کی رومانی شاعری اور اختر شیرانی''

پر ڈاکٹر سید تقی عابدی کا خطاب

جواہر لعل نہرو یونیورسٹی میں ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کے بینر تلے ''اردو کی رومانی شاعری اور اختر شیرانی'' پر یک لکچر کا اہتمام کیا گیا۔ ایسوسی ایشن کے چیئرمین پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے اس علمی ادارہ کے اغراض ومقاصد کا بھرپور انداز میں ذکر کیا، جب کہ پروفیسر انور پاشا کی مشترکہ صدارت میں ہونے والے اس پروگرام میں رومانی تحریکات ونظریات پر روشنی ڈالی گئی اور اختتام میں مباحثہ بھی ہوا، جس میں رومانویت سے متعلق کئی مسائل زیر بحث آئے اور مہمان اعزازی کی حیثیت سے آصف اعظمی نے شرکت کی۔

کینیڈا سے تشریف لائے محقق اور نامور نقد ڈاکٹر سید تقی عابدی نے رومانوی تحریک کے آغاز وارتقا پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ''زندگی کی حرات کے لیے رومانوی عناصر سے مس ہونا ضروری ہے۔'' انھوں نے کہا کہ ''کلاسک کا معمد روایت ورسمی حد بندیوں سے جڑا ہوتا ہے، جب کہ رومانویت میں انتہا کا کوئی سرا ہاتھ نہیں آتا۔ تخیل اور جذبات کی روشنی میں تخلیق کار ایسی دنیا تخلیق کرتا ہے، جو عام ذہنوں سے بالاتر ہوتا ہے۔'' انھوں نے اختر شیرانی کی زندگی اور ان کی شاعری کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ ''ان کے یہاں مکمل طور پر رومانوی عناصر موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری کا رنگ و آہنگ مختلف ہے۔'' انھوں نے کہا کہ ''رومانوی عناصر کو وسیع تناظر میں دیکھنے کی ضرورت

ہے، کیوں کہ فقط عشقیہ جذبات سے ہی رومانویت کا معاملہ جڑا ہوا نہیں ہے۔ اس لیے نئے انداز سے اختر شیرانی کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔"

صدارتی خطبہ دیتے ہوئے پروفیسر انور پاشا نے کہا کہ "ہر تخلیق کار اپنے اعتبار سے رومانوی عناصر کو اپنی تخلیقات کا حصہ بناتا ہے۔ انھوں نے مختلف مثالوں سے اختر شیرانی کے شعری جہات کو اجاگر کیا اور نئے انداز سے شیرانی کے رومانی پہلوؤں کی نشاندہی کی۔" انھوں نے زور دیتے ہوئے کہا کہ "اختر شیرانی نے عشقیہ جذبات سے علاوہ بھی رومانی شاعری کی ہے۔ اس پر خاص طور سے توجہ دینے کی ضرورت ہے۔" جب کہ دوسرے صدر (صدر شعبۂ اُردو دہلی یونیورسٹی) معروف فکشن نگار پروفیسر ابن کنول نے کہا کہ "ہمیں اصطلاحوں کی حد بندیوں میں مقید نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے اختر شیرانی کو رومانی یا رومانوی شاعر کہنے کے بجائے محبتوں کا شاعر کہنا چاہیے، اور ان کے یہاں محبت کے مختلف رنگوں کو تلاش کرنا چاہیے۔" انھوں نے کہا کہ "آنے والے دنوں میں ہمارے اسکالر محبتوں کا رنگ اچھے انداز سے تلاش کریں گے۔"

قبل ازیں سفیر اُردو پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے مہمانوں کے تعارف کے بعد ورلڈ اُردو ایسوسی ایشن کے اغراض و مقاصد اور اس کی تشکیل سے متعلق اظہار خیال کیا۔ انھوں نے کہا کہ "یہ ایسوسی ایشن اہل اُردو کا ایک مشترکہ عالمی پلیٹ فارم ہے۔ اس کا اصل مقصد عالمی سطح پر اُردو برادری کو مربوط کرنا ہے۔" انھوں نے کہا کہ "اس ادارے کے تحت نہ صرف ہندوستان میں بلکہ وقتاً فوقتاً دیگر ممالک میں بھی ادبی پروگرامس کیے جائیں گے، تاکہ ہم عالمی تہذیب سے اچھی طرح آشنا ہو جائیں۔" اس پروگرام میں ڈاکٹر توحید خان، ڈاکٹر محمد کاظم، ڈاکٹر ہادی سرمدی، ڈاکٹر کلیم کے علاوہ ڈی یو، جامعہ اور جے این یو کے ریسرچ اسکالر کثیر تعداد میں موجود تھے۔ جب کہ نظامت محمد رکن الدین (ڈائریکٹر ورلڈ اُردو ایسوسی ایشن) نے کی اور اختر شیرانی کی شاعرانہ عظمت پر اجمالی روشنی ڈالی۔

ڈاکٹر خالد مبشر

3/جولائی 2018ء

سید تقی عابدی کے اعزاز میں آئیڈیا کمیونی کیشنز کے زیراہتمام نشست کا انعقاد

دلی واقعی صدیوں سے عالم میں انتخاب شہر ہے۔ خصوصاً حقوق انسانی، اعلیٰ آفاقی اقدار، حقوق نسواں اور حقوق اطفال کی حمایت اور اس کے تحفظ و اشاعت کے حوالے سے دلی کو اولیت کا درجہ حاصل رہا ہے۔ ان خیالات کا اظہار کینیڈا میں مقیم معروف اردو، فارسی اسکالر سید تقی عابدی کے اعزاز میں آئیڈیا کمیونی کیشنز کے زیراہتمام منعقدہ نشست میں خود صاحب اعزاز نے "دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب" کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے کیا۔

جلسے کی صدارت کرتے ہوئے پروفیسر اختر الواسع نے کہا کہ "ڈاکٹر سید تقی عابدی ایک چلتے پھرتے انسائیکلوپیڈیا کا نام ہے، اور شہر دلی کو آٹھ سلطنتوں، تہذیبوں اور قوموں کے مرکز کا درجہ حاصل رہا ہے۔"

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے ڈاکٹر تقی عابدی کو مبارک باد پیش کرتے ہوئے کہا کہ "دیار غیر میں اردو کا چراغ روشن کرنے میں ان کی کوششیں قابل تحسین ہیں انھوں نے اردو فارسی، کلاسیکی اور ترقی پسند شعر و ادب کے علاوہ رثائی شاعری کی تحقیق و تنقید میں جو خدمات انجام دی ہیں انھیں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔"

جلسے کے میزبان آصف حبیب نے قوموں کی ترقی میں شعر و ادب کے کردار اور اس کی اہمیت کا احساس دلاتے ہوئے کہا کہ "ادبی سرگرمیاں روح و دل کے لیے حیات بخش اکسیر ہیں۔"

آئیڈیا کمیونی کیشنز کے ڈائریکٹر آصف اعظمی نے گلدستے سے مہمانوں کا استقبال

کرتے ہوئے کہا کہ ”زبان، ادب، تہذیب اور تاریخ کے مابین نہایت مستحکم اور بامعنی رشتہ ہے اور ملک وقومی تعمیر وترقی کے لیے اس رشتے کی تفہیم بہت ضروری ہے۔“

اس خوش گوار موقع پر شعری نشست کا بھی اہتمام کیا گیا۔ نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیں

عجب دور ہے یہ کہ لفظوں کے اندر
ادیبوں کے ٹوٹے قلم دیکھتے ہیں
ڈاکٹر سید تقی عابدی

آج اپنی ذات سے چیزیں جدا کرتا ہوں میں
ہے کوئی ایسا جسے میری شرافت چاہیے
ڈاکٹر ایم آر قاسمی

یہ شہر رہا ہوگا شائستہ مزاجوں کا
اس شہر کے سینے سے قلمدان نکلتے ہیں
ڈاکٹر معین شاداب

میں اپنی باتوں سے کچھ جدا سا کرتا ہوں
وہ بھی انکاری لہجے میں کرتا ہے اقرار بہت
ڈاکٹر عادل حیات

رنگ کھلتا ہے کہاں شام سے پہلے اس کا
شام بھی دیر سے آتی ہے غضب ہے سائیں
ڈاکٹر نخل عارفی

ہجر کا زخم جاگ اٹھا ہے
عید کا چاند تھا کہ خنجر تھا
ڈاکٹر خالد مبشر

کجا یہ شوخ ادا دنیا، کجا میں عرفان
مرد سادہ زنِ بیباک سے باندھ گیا ہے
عرفان وحید

یہ میں نہیں ہوں یہ تری نظر کا دھوکا ہے
تو کون ہوں میں کسی کو نہیں بتاتا ہوں
اسامہ ذاکر

خوشبو سے بتائیں گے تم کو
رنگ سے تو بڑی سہولت ہے
طارق عثمانی

کچھ یوں ہوا کہ چہرے پہ زردی سی چھا گئی
اس سے زیادہ مجھ پہ ستم کر سکی نہ موت
سفیر صدیقی

منزلِ وصل کی فصیلوں پر
ہجر کی سخت پاسبانی ہے
سلمان فیصل

پروگرام کی نظامت کے فرائض ڈاکٹر خالد مبشر نے انجام دیے، جب کہ اختتام ڈاکٹر مشیر احمد کے اظہار تشکر پر ہوا۔

روزنامہ "راشٹریہ سہارا"، "سیاسی افق"، "قومی تنظیم" لکھنؤ، "میرا وطن"

23/نومبر 2018ء

"تروینی" گلزار کی انفرادیت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے: ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

گلزار کی شہرت جہاں فلموں میں نغمہ نگاری، ہدایت کاری کی وجہ سے ہے، وہیں وہ ادبی دُنیا اور خاص طور پر اردو شاعری میں بھی منفرد مقام رکھتے ہیں۔ یہ کتاب ان کی انفرادیت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ یہ بات اردو کونسل کے ڈائریکٹر پروفیسر ڈاکٹر شیخ عقیل احمد نے گلزار کی تروینی پر ڈاکٹر سید تقی عابدی کی کتاب "گلزار کی تخلیقی صنف تروینی تشریح و تجزیہ" کا اجراء کرتے ہوئے کہی۔

انھوں نے کہا کہ "تروینی اردو کی ایک اہم صنف ہے اور اسے مثلث بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اسے تین مصرعوں کا بند بھی نہیں کہا جا سکتا ہے اور یہ ایک صنف ہے جو شاعری کے باب میں ایک اہم اضافہ کرتا ہے۔ انھوں نے کہا تروینی میں تین مصرعے ہوتے ہیں جس میں تیسرا مصرعہ خاص اہمیت کا حامل ہے جو دو مصرعوں کی تشریح بھی ہو سکتی ہے اور کوئی نئی چیز بھی ہو سکتی ہے۔" انھوں نے کہا کہ اس صنف پر ہندوستان اور پاکستان کے کئی شاعروں نے طبع آزمائی کی ہے لیکن بیشتر شعرا نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ البتہ احمد ندیم قاسمی اور ف.س.اعجاز و دیگر نے اس پر بہت لکھا ہے۔" انھوں نے کہا کہ "اس کے برعکس قمر رئیس نے اس صنف کو قابل التفات نہیں سمجھا۔"

مسٹر عقیل احمد نے کہا کہ "ڈاکٹر سید تقی عابدی جو اس کتاب کے مصنف ہیں، نے تروینی کی بہترین تشریح و تجزیہ پیش کیا ہے اور اپنی خصوصیت کے مطابق انھوں نے اس کا بھرپور حق ادا کیا ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر ہر شخص تروینی کا قائل ہو جائے گا اور بہت سے

شاعروں کو ترویني صنف میں شعر کہنے کا حوصلہ ملے گا۔ انھوں نے اس کتاب میں صنف کے بارے میں نہ صرف لکھا ہے بلکہ ادیبوں کو اس صنف کا اعتراف بھی کروا دیا ہے۔''

جے این یو کے شعبہ اُردو کے پروفیسر انور پاشا نے ترویني کے حوالے سے کہا کہ ''ترویني کے بارے میں قمر رئیس کا نظریہ درست نہیں ہے اور شاید انھوں نے مناسب طریقے سے غور نہیں کیا ہے۔'' انھوں نے لوگوں کی حصار بندی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ''بعض لوگ ایک حصار میں قید ہوتے ہیں اور اس سے باہر کی چیز کو پسند نہیں کرتے۔''

انھوں نے کہا کہ ''تقی عابدی نے اس کتاب کے ذریعہ گلزار کی ادبی حیثیت کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔'' انھوں نے کہا کہ ''گلزار کی فلمی حیثیت کے بارے میں باتیں تو ہوتی ہیں لیکن ادبی حیثیت سے بہت کم باتیں ہوتی ہیں۔ انھوں نے نئی اصناف کا تعارف اور اسے استحکام بخش کر بڑا کام کیا ہے۔'' انھوں نے کہا کہ ''ترویني دیکھ کر اندازہ ہوا کہ اس صنف سے اب تک نابلد کیوں رہے اور اسے غزل کے مقابلے میں رکھا جا سکتا ہے۔''

صاحب کتاب سید تقی عابدی نے ترویني کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ ''تین مصرعوں پر مشتمل شاعری کی 17، 18 قسمیں ہیں اور اسے مختلف ناموں سے جانا جاتا ہے۔'' انھوں نے ''ترویني'' کو ایک نئی صنف ادب قرار دیا اور بتایا کہ اس میں صرف تین مصرعوں پر مشتمل نظم کہی جاتی ہے۔ دو مصرعوں کا موضوع ایک ہوتا ہے اور تیسرا مصرعہ ان دو مصرعوں کی تشریح ہو سکتی ہے یا الگ موضوع ہو سکتا ہے۔

مشہور ناقد و ادیب حقانی القاسمی نے تقی عابدی کی کتاب کے حوالے سے کہا کہ ''انسان ایک بیانیہ وجود ہے اور اس کی وجہ سے بہت سے بیانیہ تشکیل کرتا ہے۔ گلزار کی خوبی یہ ہے کہ وہ بیانیہ تلاش کرتے ہیں اور ایک اختراعی ذہن رکھتے ہیں۔ جب انسان مردہ لفظوں کے درمیان جیتے جیتے زندہ لفظوں کی تلاش کرنا شروع کر دیتا ہے یقینی طور پر ایک اہم کام انجام دیتا ہے۔ یہ کتاب گلزار کے بیانیہ کا ایک تسلسل ہے۔''

انھوں نے کہا گلزار کی ایک خاص بات یہ ہے کہ وہ الفاظ سازی پر یقین رکھتے ہیں اور اسی کے ساتھ وہ زبان کی نامیاتی حقیقت سے بھی واقف ہیں۔ دراصل یہ صنفی تجربہ ہے اور یہ تجربات ماضی میں بھی ہوتے رہے ہیں۔ گلزار کا یہ نیا تجربہ ہے اور تجربہ کو قبول بھی کیا

جاتا ہے اور مسترد بھی۔ انھوں نے کہا کہ "تروینی ایک غیر مرئی [illegible] ہے جو ہمیں نظر نہیں آتی اور گلزار نے اسی کا تجربہ کیا ہے۔"

ماہنامہ "اردو دنیا" کے نائب مدیر ڈاکٹر عبدالحی نے گلزار کی کتاب پر اپنا تجزیہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ "یہ کتاب نہ صرف ایک اہم موضوع کا احاطہ کرتی ہے بلکہ قاری کو نئی جہت سے بھی روشناس کراتی ہے۔ سپریم کورٹ کے ایڈووکیٹ خلیل الرحمان نے بھی اس موقع پر اظہار خیال کیا۔ پروگرام میں موجود "سائنس کی دنیا" کے سابق ایڈیٹر [illegible] خلیل احمد، "راشٹریہ سہارا" کے سابق ایڈیٹر اسد رضا، این پی یو ایل کی اسسٹنٹ ڈائریکٹر شمع کوثر یزدانی، خرم شاہنواز اور یو این آئی کے صحافی عابد انور وغیرہ موجود تھے۔

روزنامہ ''راشٹریہ سہارا''، ''کشمیر عظمیٰ''، ''سیاست''
24/نومبر 2018ء
حیدرآباد

اُردو سے عشق ہے تو اُردو زبان کو زندہ رکھیے: گلزار

اُردو یونیورسٹی میں قومی سیمینار ''احساس کا سفیر گلزار'' کا انعقاد

ڈاکٹر محمد اسلم پرویز، ڈاکٹر تقی عابدی کی مخاطب

اردو سے عشق ہے تو اردو زبان کو زندہ رکھیے اور اسے نظر انداز نہ کریں۔ کیوں کہ اُردو ہندوستان میں پیدا ہوئی اور وہ ہندوستانی زبان ہے۔ ان خیالات کا اظہار ممتاز شاعر، نغمہ نگار و فلم ساز جناب گلزار نے مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی میں ایک روزہ قومی سیمینار ''احساس کا سفیر گلزار'' کے افتتاحی اجلاس میں کیا۔ اجلاس کی صدارت ڈاکٹر محمد اسلم پرویز، وائس چانسلر نے کی۔ گلزار نے جو اُردو بالخصوص مرزا غالب سے اپنے عشق کے لیے شہرت رکھتے ہیں مشورہ دیا کہ اُردو کے مروجہ الفاظ ضرور استعمال کریں ورنہ اُردو مٹ جائے گی۔ اردو نے ہمیشہ مختلف زبانوں کے الفاظ کو اپنے اندر سمویا ہے۔ عربی اور فارسی کے علاوہ اُردو کا دامن پراکرت، سنسکرت حتیٰ کہ انگریزی الفاظ سے مرصع ہے۔

بالی ووڈ فلموں میں استعمال کی جانے والی 90 فیصد زبان اُردو ہی ہے۔ بطور خاص ہندی والے اُردو زبان کا بڑا شوق رکھتے ہیں۔ مگر وہ اس کا صحیح تلفظ نہیں جانتے اس لیے ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان کی رہنمائی کریں۔ اس سے اُردو رسائی میں اضافہ ہوگا۔ گلزار نے گزشتہ دور کی معروف اداکارہ وجینتی مالا کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ''وہ اپنے اردو ڈائیلاگ تامل رسم الخط میں لکھ کر ازبر کیا کرتی تھیں۔ کسی بھی زبان کو کسی اور رسم الخط میں لکھ کر پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں۔'' انھوں نے اپنی نئی صنف ''تروینی'' کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ ''مختلف اصناف کی مشق کرتے ہوئے انھوں نے تروینی لکھنی

شروع کی۔" انھوں نے اس موقع پر اپنی مشہور نظمیں "لتا جی"، "یہ کیسا عشق اردو زبان کا"، "ٹیبل لیمپ" اور "بلی ماران" مخصوص انداز میں پیش کرتے ہوئے حاضرین سے زبردست داد حاصل کی۔ گلزار نے جو خود کو غالب کا "تیسرا خادم" مانتے ہیں، نظم "قلی قدم جان" کے ذریعہ اپنے پیر و مرشد کو زبردست خراج عطا کیا۔

ڈاکٹر محمد اسلم پرویز نے صدارتی تقریر میں کہا کہ "اردو یونیورسٹی سے گلزار کا رشتہ کافی پرانا ہے۔" گلزار کو یونیورسٹی نے 2012ء میں اعزازی ڈاکٹریٹ عطا کی تھی۔ گلزار نے 2014ء میں اردو یونیورسٹی کا مقبول عام ترانہ تحریر کیا۔ گلزار یونیورسٹی کی ایگزیکیٹیو کونسل کے رکن بھی رہ چکے ہیں۔ ڈاکٹر اسلم پرویز نے کہا کہ "جب تک یونیورسٹی رہے گی۔ اس ترانے کے ذریعے گلزار سے رشتہ برقرار رہے گا۔ انھوں نے اپنے اردو ماہنامہ "سائنس" کے لیے گلزار کی تحریر کردہ دو نظمیں بھی پیش کیں۔ ممتاز اسکالر ڈاکٹر تقی عابدی نے کلیدی خطبہ دیا اور گلزار کو 21ویں صدی میں اردو کا عظیم شاعر قرار دیا۔ مہمان اعزازی پروفیسر شہاب عنایت ملک، صدر شعبہ اردو جموں یونیورسٹی نے کہا کہ "گلزار کی شاعری کی ستائش تو ہوئی لیکن ان کی نثر پر توجہ کم ہوئی۔ گلزار کی نثر نگاری اہمیت کی حامل ہے۔ جس پر وہ ایک پی ایچ ڈی بھی کروا رہے ہیں۔" پروفیسر فاروق بخشی، شعبۂ اردو نے کارروائی چلائی اور شکریہ ادا کیا۔ پروفیسر نسیم الدین فریس، ڈین اسکول آف لینگویجز نے خیر مقدم کیا اور مہمانوں کا تعارف پیش کیا۔ دیدار اللہ کی قرأت کلام پاک اور ترجمانی سے جلسہ کا آغاز ہوا۔

روزنامہ "ہمارا سماج"، "انقلاب"، "راشٹریہ سہارا"

24/نومبر 2018ء

عبدالرحمٰن بجنوری

انسانیت کے سچے پرستار تھے: گوپی چند نارنگ

ساہتیہ اکادمی کے زیر اہتمام دوروزہ سیمینار کا افتتاح

اردو کے نامور ادیب، ناقد اور شاعر عبدالرحمن بجنوری کی حیات وخدمات پر ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی کے زیر اہتمام دو روزہ سیمینار کا افتتاحی اجلاس اکادمی آڈیٹوریم، منڈی ہاؤس، نئی دہلی میں منعقد ہوا۔ اجلاس کی صدارت اُردو کے ممتاز ناقد اور دانشور پروفیسر گوپی چند نارنگ نے کی۔ انھوں نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ "عبدالرحمن بجنوری کا یہ جملہ کہ "ہندوستان کی الہامی کتابیں دو ہیں، ایک "وید مقدس" اور دوسرا "دیوان غالب" غالب ڈسکورس میں جتنا مشہور ہوا اتنا مشہور کوئی جملہ نہیں ہو سکا۔ جب تک اُردو تنقید ہے تب تک یہ جملہ زندہ جاوید ہے۔" فلو کی زد میں آنے سے قبل صرف اکتیس سال کی عمر میں بجنوری نے غالب کی عظمت کا لوہا منوایا۔ انھوں نے یہ ثابت کردیا کہ غالب ہمارا شیکسپیئر ہے۔

پروفیسر نارنگ نے مزید کہا کہ "عبدالرحمن بجنوری کا ایک ایک لفظ ہندوستان اور اس کے مذاہب کی محبت سے سرشار ہے۔ بجنوری انسانیت کے سچے پرستار تھے اور ان جیسی کوئی دوسری شخصیت پیدا نہیں ہو سکتی۔" پروفیسر نارنگ نے ساہتیہ اکادمی اور اس کے فعال سکریٹری ڈاکٹر کے سری نواس راؤ کا شکریہ ادا کیا کہ اس ادارے نے بجنوری کی وفات کے سو سال بعد ان پر سیمینار کرا کر انھیں سچی خراج عقیدت پیش کی ہے۔ اس سے قبل کینیڈا سے تشریف لائے اُردو کے ممتاز ناقد اور محقق ڈاکٹر سید تقی عابدی نے سیمینار کا افتتاح کیا۔ اپنی

افتتاحی تقریر میں انھوں نے کہا کہ "بجنوری کی تنقید کا کوئی جواب نہیں۔ گلشن دیوان غالب کا پہلا دروازہ کھولنے والا پہلا شخص عبدالرحمن بجنوری ہی ہے۔" اکادمی کے سکریٹری ڈاکٹر کے سری نواس راؤ نے تمام مقالہ نگاروں اور مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ انھوں نے اپنی مختصر تقریر میں اُردو تنقید کا ایک جائزہ پیش کیا اور اکادمی کے ذریعہ ماضی میں منعقدہ چند اہم سیمیناروں کا ذکر کیا۔ اس موقع پر ساہتیہ اکادمی کے اُردو مشاورتی بورڈ کے کنوینر جناب شین کاف نظام نے ابتدائی کلمات پیش کیے۔ انھوں نے بجنوری پر مختلف دانشوروں کی تحریروں کا حوالہ پیش کیا اور کہا کہ "بجنوری ایک نقاد کے علاوہ شاعر بھی تھے۔"

ممبئی سے تشریف لائے اُردو کے معروف ناقد اور صحافی جناب شمیم طارق نے اپنے مخصوص انداز میں جامع کلیدی خطبہ پیش کیا۔ انھوں نے بجنوری کی مشہور کتاب "محاسن کلام غالب" کو شاہکار بتایا لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ "بجنوری نے اس کے علاوہ بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ دراصل علمی اور ادبی مسائل بجنوری کو پڑھے بغیر حل نہیں کیے جاسکتے۔" انھوں نے کہا کہ "ہندوستان میں تصورِ علم یورپ کے تصورِ علم سے بہت وسیع ہے۔ غالب شناسی کی اصل بنیاد اس جملہ پر قائم ہے۔"

پروگرام کی نظامت اکادمی کے افسر بکارِ خاص ڈاکٹر دیویندر کمار دیویش نے کی اور انھوں نے اظہارِ تشکر بھی پیش کیا اور امید ظاہر کی کہ کل سیمینار کے باقی اجلاس میں بھی لوگوں کی شرکت حوصلہ افزا ہوگی۔ کل کے اجلاس میں بالترتیب ف۔س۔ اعجاز، انیس اشفاق اور ابن کنول صدارت کریں گے جب کہ فاروق ارگلی، راشد انور راشد، حبیب نثار، حقانی القاسمی، سرور الہدیٰ، انور پاشا، قاسم خورشید، دانش الہ آبادی مقالے پیش کریں گے۔ اس موقع پر دہلی کی سرکردہ شخصیات موجود تھیں۔

ہفتہ وار ''گواہ'' حیدرآباد

13/ستمبر 2019ء

عالم انسانیت کے رہبر حضرت امام حسینؓ

ڈاکٹر سید تقی عابدی کا توسیعی لکچر

ادارہ ہفتہ وار ''گواہ'' اردو میڈیا پلس، حیدرآباد کے زیر اہتمام ممتاز محقق، ادیب، دانشور، شاعر و نقاد ڈاکٹر سید تقی عابدی (کینیڈا) کا ایک توسیعی لکچر ''عالم انسانیت کے رہبر حضرت امام حسینؓ'' زیر صدارت مولانا محمد رحیم الدین انصاری، صدر نشین تلنگانہ اسٹیٹ اُردو اکیڈیمی، بتاریخ 14/ستمبر 2019ء بروز ہفتہ، بوقت 11:30 بجے دن، بمقام میڈیا پلس آڈیٹوریم، جامعہ نامیہ کامپلکس، چوتھی منزل، روبرو ایس بی آئی، گن فاؤنڈری، حیدرآباد میں منعقد کیا جا رہا ہے۔ سی ای او میڈیا پلس و آن لائن ایڈیٹر ہفتہ وار ''گواہ'' اردو سید خالد شہباز کے مطابق پروفیسر فاطمہ پروین، سابق وائس پرنسپل و صدر شعبہ اُردو جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد، پروفیسر محمد نسیم الدین فریس ڈین اسکول آف لینگویجز و صدر شعبہ اُردو مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی حیدرآباد اس لکچر کے مہمانانِ خصوصی ہوں گے جب کہ ممتاز شاعر جناب رشید شہیدی، نذرانۂ عقیدت پیش کریں گے۔ ڈاکٹر سید فاضل حسین پرویز، مدیر اعلیٰ ہفتہ وار ''گواہ'' و سربراہ میڈیا پلس کا خطبہ استقبالیہ ہوگا۔ ڈاکٹر محمد شجاعت علی راشد اس لکچر کے کنوینر ہوں گے۔ ڈاکٹر محمد عبدالرشید جنید، جوائنٹ ایڈیٹر و سید خالد شہباز، سی ای او میڈیا پلس و آن لائن ایڈیٹر ''گواہ'' نے تمام مدعوئین، دلچسپی رکھنے والے خواتین و حضرات و اسکالرس سے بہ پابندیٔ وقت شرکت کی پرخلوص خواہش کی ہے۔

ہفتہ وار ''گواہ'' حیدرآباد

13/ستمبر 2019ء

کلامِ اقبال میں فلسفہ شہادت امام حسینؓ

ڈاکٹر سید تقی عابدی کا توسیعی لکچر

محفل اقبال شناسی، حیدرآباد کے زیر اہتمام، ممتاز محقق، ادیب، دانشور، شاعر و نقاد ڈاکٹر سید تقی عابدی (کینیڈا) کا توسیعی لکچر بعنوان ''کلام اقبال میں فلسفہ شہادت امام حسینؓ'' 14/ستمبر 2019ء بروز ہفتہ، بوقت شام 6:30 بجے، بمقام گلشن حبیب، ...ہال، حمایت نگر، حیدرآباد میں منعقد کیا جارہا ہے۔ کنوینر لکچر ڈاکٹر محمد شجاعت علی راشد کے مطابق پروفیسر فاطمہ بیگم پروین، سابق ...پرنسپل وصدر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد۔ اس لکچر کی صدارت کریں گی جب کہ پروفیسر ایس اے شکور، صدر شعبہ اردو ...، حیدرآباد مہمانِ اعزازی ہوں گے۔ صدر استقبالیہ جناب ... سینئر ایڈوکیٹ، کنوینر محفل اقبال شناسی خطبۂ استقبالیہ پیش کریں گے۔ ڈاکٹر محمد شجاعت علی راشد نے تمام مدعوئیں اور دلچسپی رکھنے والے خواتین وحضرات سے مع احباب بہ پابندی وقت شرکت کی پرخلوص خواہش کی ہے۔

روزنامہ ''سیاست'' حیدرآباد

14/ستمبر 2019ء

عالم انسانیت کے رہبر حضرت امام حسینؓ

ظلم کی پیروی انسانیت کی شکست،

حق کے لیے قربانی پیغام کربلا: ڈاکٹر تقی عابدی کا لکچر

ظلم کی پیروی انسانیت کی شکست ہے۔ جبر و ستم کا مقابلہ حق کے لیے ہر قسم کی قربانی دراصل حق کی جیت ہے۔ ان خیالات کا اظہار ممتاز محقق ڈاکٹر سید تقی عابدی نے میڈیا پلس آڈیٹوریم میں ''عالم انسانیت کے رہبر حضرت امام حسینؓ'' کے عنوان پر منعقدہ توسیعی لکچر میں کیا۔ جس کا اہتمام ہفتہ وار ''گواہ'' اور میڈیا پلس نے کیا تھا۔ مولانا محمد رحیم الدین انصاری صدر نشین تلنگانہ ریاستی اردو اکیڈیمی نے صدارت کی۔ پروفیسر فاطمہ بیگم پروین سابق وائس چانسلر و صدر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ، پروفیسر نسیم الدین فریس ڈین اسکول آف لینگویجز صدر شعبہ اردو مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے مہمانان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔ محمد شعیب رضا خان کی قرأت کلام پاک سے محفل کا آغاز ہوا۔ ڈاکٹر سید فضل حسین پرویز نے خیر مقدم کیا۔ رشید شہیدی نے بارگاہ حضرت امام حسینؓ میں منظوم نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ ڈاکٹر محمد شجاعت علی راشد نے نظامت کی۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی نے کہا کہ ''حضرت امام حسینؓ رہتی دنیا تک حق و صداقت کی علامت بن گئے ہیں اور یزید ہمیشہ کے لیے باطل طاقت کے طور پر یاد کیا جاتا رہے گا۔ جس طرح اللہ رب العالمین ہیں اور خاتم النبیینؐ رحمتہ للعالمین ہیں، اسی طرح جنت کے نوجوانوں کے سردار حضرت سیدنا امام حسینؓ تمام عالم انسانیت کے رہبر ہیں۔'' انھوں نے کہا کہ ''حضرت امام حسینؓ اخلاق، کردار، اپنی سیرت پاک سے دشمنوں اور باطل طاقتوں کے لیے بھی قابل احترام رہے۔''

انھوں نے کہا کہ ''امن کے لیے اخلاص اور اخلاص کے لیے یقین ضروری ہے۔ قناعت، استغنا اور اتحاد حسینی درس ہے۔ آج ہم آپس میں لڑ رہے ہیں اور اسلام دشمن طاقتیں متحد ہو رہی ہیں۔ آج کے حالات کے باوجود بھی اگر سبق نہیں لیا گیا تو یہ بے دینی اور بدبختی ہے۔''

پروفیسر نسیم الدین فریس نے کہا کہ ''یزید نے اسلامی خلافت کی خلاف ورزی کی۔ اسلامی خلافت کا اصول یہ رہا ہے کہ پہلے بیعت کی جاتی اور پھر خلافت کے منصب پر فائز کیا جاتا لیکن یزید نے پہلے خود کو خلیفہ ہونے کا اعلان کیا اور پھر جبری بیعت کروائی۔ اس نے خلافت کو ملوکیت یا بادشاہت میں تبدیل کیا۔ حضرت امام حسینؓ نے اسلامی اصولوں کی حفاظت کے لیے مقابلہ کیا۔''

پروفیسر فاطمہ بیگم پروین نے کہا کہ ''ظالم کی مخالفت اور مظلوم کی طرفداری تاقیامت حضرت امام حسینؓ کی یاد دلاتی رہے گی۔'' انھوں نے کہا کہ ''معرکہ کربلا وقت کی ضرورت تھی۔'' رحیم الدین انصاری نے اس بات پر زور دیا کہ ''مقررین اپنی تقاریر میں حضرت امام حسینؓ کی مظلومیت سے زیادہ آپؓ کی عزیمت کو بیان کریں تاکہ آپ کے کردار، عظمت سے نئی نسل واقف ہوسکے۔''

اس موقع پر جسٹس ای اسمٰعیل، افتخار حسین، ڈاکٹر اسلم فاروقی، جلال الدین اکبر، ڈاکٹر محمد ناظم علی، ڈاکٹر خواجہ فرید الدین صادق و دیگر معزز شخصیات موجود تھیں۔ ڈاکٹر عبدالرشید جنید نے شکریہ ادا کیا۔ دعا پر محفل کا اختتام عمل میں آیا۔

حیدرآباد

23/دسمبر2019ء

ناندیڑ میں 25/دسمبر کو ڈاکٹر تقی عابدی پر سیمینار اور ڈاکٹر نورالامین کی کتاب کی رسم اجراء

ادارہ ''گہوارۂ ادب'' اور ''فروغ اردو فورم ناندیڑ'' کے زیر اہتمام 25/دسمبر بروز چہار شنبہ، ہوٹل ایتھی، شیواجی نگر، ناندیڑ میں ڈاکٹر نورالامین کی مرتب کردہ کتاب ''بہت مشکل ہے شجیع ہونا'' [فن اور شخصیت] کی رسم اجراء اور عالمی شہرت یافتہ ناقد، شاعر، ادیب ڈاکٹر سید تقی عابدی (کینیڈا) کے فن اور شخصیت پر قومی سیمینار کا انعقاد عمل میں لایا جارہا ہے۔ مذکورہ کتاب میں معروف ادیب، افسانہ نگار، تنقید نگار ڈاکٹر محمد شجاعت علی پر شائع مشہور ادیبوں کے مضامین اور مقالے شائع کیے گئے ہیں۔ 10 بجے صبح اجلاس اول میں اس کتاب کی تقریب رسم اجراء کی صدارت پروفیسر رحمت یوسف زئی (سابق صدر شعبہ اردو، یونیورسٹی آف حیدرآباد) کریں گے جب کہ ہیمنت پاٹل، رکن پارلیمان، ہنگولی)، ممتاز مورخ، نقاد اور شعلہ بیان مقرر علامہ اعجاز فرخ (حیدرآباد)، ارتکاز افضل خان (اورنگ آباد) اور پروفیسر فاطمہ پروین سابق پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد) مہمانان خصوصی ہوں گے۔ جب کہ دوسرے اجلاس کا دوپہر 2 بجے آغاز ہوگا جس میں ڈاکٹر سید تقی عابدی (کینیڈا) کے فن اور شخصیت پر علامہ اعجاز فرخ، پروفیسر رحمت یوسف زئی، ارتکاز افضل خان، پروفیسر فاطمہ پروین، پروفیسر مجید بیدار، پروفیسر نسیم الدین فریس، پروفیسر مسرت فردوس، پروفیسر یونس فہمی، ڈاکٹر فہیم الدین صدیقی، ڈاکٹر سلیم محی الدین، ڈاکٹر حنا سنجری، ڈاکٹر اسلم فاروقی، ڈاکٹر سید تقی جاوید، ڈاکٹر جعفر جری، ڈاکٹر جمال رضوی، ڈاکٹر سید حسین حیدر زیدی مقالے پیش کریں گے تیسرے اجلاس میں کلام شاعر بہ زبان شاعر میں ڈاکٹر سید تقی عابدی اپنا کلام سنائیں گے۔

روزنامہ ''راشٹریہ سہارا''

نئی دہلی

24/دسمبر 2019ء

اُردو کونسل اُردو زبان کی توسیع و ترقی کا عالمی مرکز بن چکا ہے۔ قومی اُردو کونسل کے دفتر میں کتابوں کے اجرا کی تقریب میں ڈاکٹر شیخ عقیل احمد کا اظہار خیال

اُردو پوری دُنیا میں پھیل رہی ہے۔ یہ اُردو کا وہ ادب ہے جو دُنیا کے ان تمام لوگوں کے لیے ہے جو اُردو زبان کی توسیع کا کام کرتے ہیں۔ اب قومی اُردو کونسل اردو زبان کی توسیع و ترقی کا عالمی مرکز بن چکا ہے۔ آج کا پروگرام قومی نہیں بلکہ بین الاقوامی ہے۔ یہ باتیں قومی اُردو کونسل کے ڈائریکٹر ڈاکٹر شیخ عقیل احمد نے صدر دفتر میں منعقدہ کتابوں کی رسم اجرا کے موقع پر کہیں۔ اس موقع پر نیدرلینڈ سے تشریف لائے معروف محقق و ناقد سید تقی عابدی کی کتاب ''باقیات و نادرات فیض احمد فیض'' اور ''ماریشس میں اُردو'' نیز تاشیانہ شمتا لی کی کتاب ''جوش اور اقبال کا تقابلی مطالعہ'' کا اجرا ڈاکٹر شیخ عقیل احمد اور پروفیسر انور پاشا کی موجودگی میں عمل میں آیا۔ رسم اجرا سے قبل سید تقی عابدی نے اپنی تصنیف ''باقیات و نادرات فیض احمد فیض'' کے بارے میں قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی۔ نیز اس کے مآخذ و منابع اور مواد کی فراہمی میں درپیش مشکلات سے حاضرین کو آگہی دی۔ ماریشس سے تشریف لائے ڈاکٹر آصف علی محمد نے ماریشس میں اُردو کی صورت حال پر گفتگو کی اور ہندوستان میں اپنے تعلیمی سفر کی روداد سناتے ہوئے کہا کہ ''ہم ہر سال ہندوستان آتے ہیں اور یہاں کے دانشوروں اور اہل کمال سے علمی قوت لے کر تازہ ہوتے ہیں۔''

صدر نشیں پروفیسر انور پاشا نے بالترتیب سید تقی عابدی، ڈاکٹر آصف علی اور تاشیانہ

شمتالی کی کتابوں پر اظہار خیال کیا۔ انور پاشا نے قومی اُردو کونسل میں سفیرانِ اُردو کی آمد پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ''برصغیر کے بعد اُردو کا اگر کوئی گھر ہو سکتا ہے تو وہ ماریشس ہے۔ اُردو وہاں کی تہذیبی و ثقافتی شناخت بن چکی ہے۔'' آخر میں قومی اُردو کونسل کے ڈائریکٹر شیخ عقیل احمد نے مہمانانِ گرامی ڈاکٹر سید تقی عابدی، ڈاکٹر آصف علی محمد، تاشیانہ شمتالی اور پروفیسر انور پاشا و دیگر خواتین و حضرات کا شکریہ ادا کیا۔

روزنامہ ''راشٹریہ سہارا'' حیدرآباد

26/دسمبر 2019ء

ڈاکٹر زور اور امجد حیدرآبادی دکن کے عظیم سپوت

زور فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام ڈاکٹر تقی عابدی کا توسیعی لکچر

ممتاز، محقق، ناقد، دانشور ڈاکٹر سید تقی عابدی نے اس بات پر تاسف کا اظہار کیا کہ ''حیدرآباد میں آپ نے عظیم سپوت ماہر لسانیات، مؤرخ، شاعر اور اردو کے عظیم خدمت گزار ڈاکٹر محی الدین قادری زور کی قدر نہیں کی جس کے وہ مستحق تھے۔ اگر وہ ایران میں پیدا ہوئے ہوتے تو کم از کم ان کے نام سے دو یونیورسٹیز قائم کی جاتیں۔'' ڈاکٹر تقی عابدی 24/دسمبر کی شام میڈیا پلس آڈیٹوریم میں ڈاکٹر زور فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام ''امجد حیدرآبادی کی رباعیات میں آفاقی قدریں'' کے موضوع پر توسیعی لکچر دے رہے تھے۔ پروفیسر فاطمہ بیگم پروین نے صدارت کی۔ پروفیسر سلیمان صدیقی سابق چانسلر عثمانیہ یونیورسٹی، پروفیسر اشرف رفیع، جناب سید رفیع الدین فاروقی، جناب سید امتیاز الدین، ڈاکٹر محمد شجاعت علی راشد شہ نشین موجود تھے۔ اس موقع پر ڈاکٹر زور کے فرزند جناب سید رفیع الدین قادری کی مرتبہ ''افادات زور | جلد ششم |'' کی رسم اجراء بھی عمل میں لائی گئی۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی نے کہا کہ ''ڈاکٹر زور نے نواب عنایت جنگ کا کتب خانہ حاصل کرکے اُردو کی نادر و نایاب کتابوں اور مخطوطات کی حفاظت کی ہے۔ انھوں نے اردو کی جو خدمات کی ہیں، وہ غیر معمولی ناقابل فراموش ہیں۔'' انھوں نے کہا کہ ''کبھی اُردو ترقی بورڈ کا قیام عمل میں لایا گیا تھا آج اُردو تحفظ بورڈ کے قیام کی ضرورت ہے۔'' انھوں نے حیدرآباد کے عظیم سپوت رباعیات کے شاعر امجد حیدرآبادی کو خراج عقیدت پیش کیا اور کہا کہ ''1955ء میں ڈاکٹر زور نے جوش ملیح آبادی اور دوسرے اہم شعراء کرام کی موجودگی میں امجد حیدرآبادی کو حکیم الشعراء کا خطاب دیا تھا۔ امجد حیدرآبادی مولانا روم کی طرف فلسفہ

وجود کے قائل تھے۔ ان کا کلام عشقِ الٰہی اور حبِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہے۔ امجد حیدرآبادی پر جتنی ریسرچ ہونی چاہئے تھی۔" انھوں نے امجد حیدرآبادی کے کلام سے مختلف نمونے پیش کیے۔ اور بتایا کہ انھوں نے اگر غزل بھی کہی تو اس میں تصوف کا رنگ اس قدر غالب رہا کہ دُنیا نے اُسے نعت قرار دیا۔" ڈاکٹر تقی عابدی نے کہا کہ "علم عمل کے بغیر، عمل اخلاص کے بغیر اور اخلاص یقین کے بغیر بے معنی ہے۔"

پروفیسر سلیمان صدیقی نے کہا کہ "حیدرآباد کی سرزمین سے کئی عظیم سپوت پیدا ہوئے ہیں جن میں حضرت عبدالقدیر حسرتؔ، حضرت ابراہیم ادیبؔ، پروفیسر ہارون خان شیروانی، ڈاکٹر غلام یزدانی، پروفیسر عبدالمجید صدیقی، پروفیسر مسعود حسین خان، ڈاکٹر عبداللطیف اور ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ان عظیم ہستیوں پر توسیعی لکچرس کی ضرورت ہے۔ انھوں نے بتایا کہ "آرکائیوز میں کم از کم 16 ہیں نادر و نایاب ایسے دستاویزات ہیں جنھیں نئی ٹکنالوجی استعمال کرتے ہوئے ان کی مائیکرو فلم بنا کر اُسے محفوظ کرنے کی ضرورت ہے۔" ڈاکٹر زور کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ "انھوں نے 61 کتابیں تصنیف کی ہیں اور ہزاروں مضامین لکھے۔" پروفیسر اشرف رفیع نے کہا کہ "ڈاکٹر زور نے صرف 57 سال کی عمر پائی اور اس میں وہ کارنامے انجام دیئے جو شاید ہی کسی اور نے انجام دیئے ہوں گے۔ انھوں نے گاندھی جی کی طرح اُردو کو ہندوستانی زبان کا نام دیا تھا۔ 1935ء میں انھوں نے ایک ماہرِ لسانیت کی حیثیت سے ہندوستان کی مختلف زبان سے متعلق جو تحقیقی مواد فراہم کیے اُس سے ان کی محنت، صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ افسوس کہ دکن والوں نے آپ کو نظرانداز کر دیا۔"

جناب سید امتیاز الدین نے انھیں بتایا کہ "ڈاکٹر زور نے لندن کے علاوہ فرانس میں بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔" انھوں نے اپنی تحقیق سے کئی غیر ملکی شعرا کو دریافت کیا اور ان کا کلام بھی شائع کیا تھا۔ پروفیسر فاطمہ بیگم پروین نے صدارتی تقریر میں بابائے دکنیات، نظم، نثر، ڈاکٹر محی الدین قادری زور کی حیات و خدمات اور کارناموں پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور اس بات پر مسرت و طمانیت کا اظہار کیا کہ "جناب سید رفیع الدین قادری ان کے مشن کو جاری رکھے ہوئے ہیں اور نئی نسل کے نمائندہ کی حیثیت سے ڈاکٹر زور کے پوتے

ابرار بھی اپنی ذمہ داریوں کو نبھا رہے ہیں اور ڈاکٹر زہرہ کی صاحبزادی تسنیم زہرہ دیارِ غیر میں اردو کی شمع روشن کیے ہوئے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ حیدرآباد میں ڈاکٹر زور پر بھی اور ادبِ حیدرآبادی پر بھی کام ہو رہا ہے جو باعث طمانیت ہے۔ ڈاکٹر محمد شجاعت علی راشد نے نظامت کے فرائض انجام دیے اور ڈاکٹر سید فاضل پرویز نے شکریہ ادا کیا۔ اس تقریب میں ڈاکٹر تسنیم جوہر، ڈاکٹر نکہت آرا شاہین، اسلم فرشوری، شبینہ فرشوری، ڈاکٹر رؤف خیر، جے ایس افتخار جرنلسٹ بھی موجود تھے۔

ڈاکٹر سیدہ نسیم سلطانہ

اسسٹنٹ پروفیسر

مارچ 2020ء

عثمانیہ یونیورسٹی کالج فار ویمن میں حضور نظام کو زبردست خراج دو روزہ کانفرنس میں دانشوروں کا خطاب

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی

ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

53 ویں برسی کے موقعہ پر حضور نظام کو زبردست خراج، عثمانیہ یونی ورسٹی کالج فار ویمن میں دو روزہ کانفرنس، دانشوروں کا خطاب "میرا ایک اور مذہب، صلح کل، جو رعایا میری سلطنت میں رہتی ہے اس کے جان و مال کا تحفظ، مذہب و عقائد اور عبادت گاہوں کی حفاظت میرا اولین فریضہ۔"

علمی و ادبی، تہذیبی و ثقافتی اور تاریخی ورثوں کا تحفظ ہمارا اولین فریضہ ہے۔ ہمارے اسلاف نے ماضی میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ صد افسوس کہ آج ہم نہ صرف اپنے اسلاف کی میراث کو بھلا چکے ہیں بلکہ اُن کے کارناموں کو خراج تحسین پیش کرنے سے بھی غافل ہیں جب کہ یہ وہ عظیم ہستیاں ہیں جن کی علمی و ادبی، تہذیبی و ثقافتی اور تعمیری خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ ان ہی میں قومی یکجہتی کے علمبردار، رعایا پرور، متقی و عادل حکمران حضور نظام، آصف جاہ سابع نواب میر عثمان علی خاں بہادر بھی ہیں جن کے کارناموں کو دنیا بھر میں عزت و توقیر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے لیکن چند شر پسند، تنگ نظر عناصر حضور نظام کو بدنام کرنے کی مذموم کوشش کر رہے ہیں جو فرقہ پرستی اور

زعفران زاری کے سوا کچھ اور نہیں۔

ایسے میں دانشوران ملت، سماج کے ذمہ دار اشخاص اور ہر علم دوست شہری پر یہ فرض عین ہوگا کہ حضور نظام کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے حضور نظام سے محبت اور وفاداری کا حق ادا کریں۔ آج الحمد للہ حضور نظام کو جنت نصیب ہوئے 53 سال کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن ان کے کارنامے رہتی دنیا تک یاد رکھے جائیں گے۔ اسی ضمن میں بانی جامعہ عثمانیہ کی 53 ویں برسی (وفات 24 رفروری 1967ء) کے موقعہ پر عثمانیہ یونیورسٹی کالج فار ویمن کوٹھی میں 25 اور 26 رفروری کو قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے اشتراک سے دو روزہ بین الاقوامی دکنی کانفرنس جامعہ عثمانیہ کے تناظر میں اور پہلا میموریل لیکچر ''بانی جامعہ عثمانیہ، آصف سابع نواب میر عثمان علی خاں بہادر'' بعنوان ''جامعہ عثمانیہ کا قیام، اغراض و مقاصد اور پس منظر'' اور مشاعرے کا اہتمام کیا گیا۔

حضور نظام کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے مشاہیر ادب، اساتذہ، سماجی کارکنوں اور ریسرچ اسکالروں کی کثیر تعداد شریک رہی۔ صبح 10 بجے وقت دیا گیا تھا لیکن حسب روایت مہمان ساڑھے دس بجے سے آہستہ آہستہ آنا شروع ہوئے، دیکھتے ہی دیکھتے 11 بجے تک ہال بھر چکا تھا۔

پروگرام کی ابتداء ہی حضور نظام کو خراج تحسین پیش کرنے والے ان اشعار سے کی گئی۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

•••

اب سوچتے ہیں لائیں گے تجھ سا کہاں سے ہم
اٹھنے کو اٹھ تو آئے ترے آستاں سے ہم

•••

اسی کو ناقدریٔ عالم کا صلہ کہتے ہیں
مرگئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا

نبیرہ حضور نظام کو اس شعر کے ساتھ اسٹیج پر مدعو کیا گیا۔

گلوں میں رنگ بھرے باد نو بہار چلے
چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے

عالمی شہرت یافتہ اسکالر عالی جناب تقی عابدی صاحب کو اس شعر کے ساتھ سہ نشین کو رونق بخشنے کہا گیا۔

محفل میں چار چاند لگانے کے باوجود
جب تک نہ آپ آئے اجالا نہ ہو سکا

پروفیسر مجید بیدار کی شخصیت کی عکاسی اس شعر سے کی گئی۔

جن کے کردار سے آتی ہے صداقت کی مہک
ان کی تدریس سے پتھر بھی پگھل سکتے ہیں

پروفیسر ایس اے شکور کی نمائندگی اس شعر کے ساتھ کرتے ہوئے اسٹیج پر مدعو کیا گیا۔

اسے گماں ہے کہ میری اڑان کچھ کم ہے
مجھے یقیں ہے کہ یہ آسمان کچھ کم ہے

مہمان خصوصی ڈاکٹر سید عبدالمہیمن قادری لاابالی کی نذر یہ شعر کرتے ہوئے سہ نشین پر جلوہ افروز ہونے کو کہا گیا۔

شریعت کی روح اور طریقت کی جاں
حقیقت کا جیو، معرفت کی رواں

نواب میر عثمان علی خاں بہادر یادگار لکچر کے لیے خصوصی طور پر مدعو پروفیسر مولا بخش اسیر کی نذر یہ شعر کیا گیا۔

وہ آئے بزم میں اتنا تو برق نے دیکھا
پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

شمع روشن کرکے پروگرام کا آغاز کیا گیا۔ مہمانوں کو گلدستے پیش کیے گئے۔ مہمانوں سے حضور نظام کی زندگی کے آخری ایام کے مخطوطے کے مشاہدے کی درخواست کی گئی ساتھ ہی بوائی من ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (1854AD-1270H) کے ڈائریکٹر،

ڈاکٹر سید عبدالمعیمن قادری لاابالی نے نذیر احمد صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونی ورسٹی کالج فار ویمن کوٹھی کی بے لوث تعلیمی خدمات پر ڈاک ٹکٹ کا اجرا فرمایا۔ محمد نذیر احمد نے استقبالیہ کلمات ادا کیے اور ملک کے موجودہ حالات پر اظہار تاسف کرتے ہوئے کہا کہ "اس طرح کی کانفرنسوں کا انعقاد شہر حیدرآباد میں ایک صحت مند فضا ہموار کرتا ہے کیوں کہ ادب اور دین کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے، سماج ادب ہی کے تابع ہوتا ہے اور وہ انسانوں کو توڑتا نہیں بلکہ جوڑتا ہے لیکن آج بھی مذہب کے نام پر تو کبھی جانوروں کے نام پر انسانوں کو مارا جا رہا ہے۔ میں جامعات کے طلبہ و ریسرچ اسکالرس کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں کہ ان نوجوانوں نے انسانیت کی بقا کے لیے قربانیاں دی ہیں، انسانیت اور جمہوریت کا تحفظ نوجوانوں کی اہم ذمہ داری ہے کیوں کہ جب انسانیت بچے گی تب ہی جمہوریت بچے گی دھرم بچے گا، مذہب بچے گا۔ انھوں نے نوجوانوں سے اپیل کی ہے کہ وہ اپنی تحریک کو آگے بڑھائیں، ہندوستان میں آزادی کے بعد یہ سب سے بڑی تحریک ہے اور جب تک یہ تحریک جاری رہے گی عدم تشدد سے کام لیں کیوں کہ تشدد کمزوری کی علامت ہے۔

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو
نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن تم ہو
بجلیاں جس میں ہوں آسودہ وہ خرمن تم ہو
بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن تم ہو

عالمی شہرت یافتہ اسکالر، نقاد، محقق اور شاعر تقی عابدی صاحب نے اپنے کلیدی خطبے میں کہا کہ "آج کے اس پر آشوب دور میں حضور نظام کو خراج تحسین پیش کرنا مستحسن اقدام ہے۔ ہندوستان میں تعلیمی ترقی اور عدالتوں کا قیام نواب میر عثمان علی خاں کا کارنامہ ہے وہ ہندو مسلم اتحاد کے علمبردار تھے۔" انھوں نے حضور نظام کے ان زریں اقوال سے سامعین کو روشناس کروایا کہ "حضور نظام نے ہندو مسلم کو اپنی دو آنکھیں قرار دیا اور کہا کہ "میں ایک دوسرا مذہب صلح کل بھی رکھتا ہوں۔ جو رعایا میری سلطنت میں رہتی ہے اس کے جان و مال کا تحفظ، مذہب و عقائد اور عبادت گاہوں کی حفاظت میرا اولین فریضہ ہے۔"
عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام سے قبل یہاں مدرسہ فخریہ اور دارالعلوم کا قیام عمل میں آ چکا تھا،

رابندر ناتھ ٹیگور نے جامعہ عثمانیہ میں اردو ذریعہ تعلیم کی ستائش کی تھی۔ نبیرہ حضور نظام نواب نجف علی خاں نے کوٹھی ویمن کالج کی کاوشوں کی ستائش کرتے ہوئے نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔ پروفیسر مولا بخش اسیر علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی نے اپنے لیکچر میں حضور نظام کے کارناموں پر 28 صفحات پر مشتمل بہت ہی کارآمد مضمون پیش کیا نیز انھوں نے شمالی ہند پر دکنی کے اثرات کی مدلل نشاندہی کی۔

پروفیسر مجید بیدار نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''آج کے پرہنگم ماحول میں نواب میر عثمان علی خاں کو یاد کرنا تاریخ دہرانا ہے۔ میر عثمان علی خاں یک رعایا پرور حکمران تھے جنھوں نے نہ صرف حیدرآبادی عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کام کیے بلکہ ہندوستان بھر میں جب بھی ضرورت آن پڑی بے دریغ مال و زر خرچ کیا۔'' پروفیسر مجید بیدار صاحب نے یہ انکشاف کیا کہ عثمانیہ یونی ورسٹی میں اپنے دورِ صدارت میں انھوں نے اس طرح کی علمی وادبی کانفرنسوں کے انعقاد کے لیے شعبہ اُردو میں 12 لاکھ روپے کی رقم جمع کروا چکے ہیں۔ پروفیسر ایس اے شکور نے کہا کہ ''حضور نظام کی ذات وصفات اور کارناموں کا احاطہ دو روزہ کانفرنس میں ناممکن ہے۔ بحیثیت عثمانیہ یونی ورسٹی کے استاد اس طرح کی علمی وادبی سرگرمیوں کی سرپرستی کرنا ان کی اولین ذمہ داری ہے۔'' برصغیر کے معروف شاعر و ادیب، نثار، فرزند عثمانیہ جناب نذیر عبدی صاحب اس تقریب کو کامیابی سے ہمکنار کرنے دہلی سے شرکت کی اور اپنی قیمتی آرا سے مستفید کیا کہ ''ایسی کانفرنسوں کے ذریعے جو لوگ ہم سے دور ہو چکے ہیں انھیں قریب کیا جائے خاص طور پر ہندی اور تیلگو زبان کے اسکالرس اور شعراء کو بھی شامل کیا جائے۔''

مہمان خصوصی ڈائرکٹر ہدایت دکن ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ڈاکٹر سید عبدالمعین قادری الملتانی نے کہا کہ ''اسلامی، تاریخی، علمی وادبی، مخطوطات ومطبوعات کا تحفظ ان کا خاندانی ورثہ ہے جس کو وہ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔'' ممتاز فکشن رائٹر محترمہ قمر جمالی صاحبہ نے اس کانفرنس میں اپنی شرکت کا مقصد بتایا کہ وہ نئی نسل میں اپنی امانت منتقل کرنا چاہتی ہیں گویا وہ نئی نسل میں خود کو زندہ رکھنا چاہتی ہیں۔ انھیں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ نئی نسل انھیں پڑھے یا نہ پڑھے۔ پرنسپل کے رجیہ رانی نے صدارتی خطاب

میں کہا کہ اردو تمام ہندوستانیوں کی زبان ہے۔ نواب میر عثمان علی خاں کی فن تعمیرات، ان کے علمی و ادبی کارناموں اور قومی یکجہتی کے جذبے کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اس موقع پر نواب بہادر یار جنگ کے افراد خاندان، ممتاز سماجی جہد کار محترمہ جسمیت کور، محترمہ رفیعہ نوشین، میڈیا نمائندوں کے علاوہ اساتذہ، طلبا، وریسرچ اسکالرس کی کثیر تعداد موجود تھی۔

اس کانفرنس میں علی گڑھ، پونے، کرنول، بیجاپور، نظام آباد، موتیہ اور سنگاریڈی، دوحہ سے شاعروں اور مقالہ نگاروں نے شرکت کی۔ کل 26 تحقیقی مقالے، 10 منی افسانے، مائیکرو فکشن پیش کیے گئے۔ پروفیسر شاہد نوخیز، پروفیسر عزیز بانو، معروف افسانہ نگار محترمہ نفیسہ خان، ڈاکٹر عرشیہ جبین، ڈاکٹر نصرت آرا شاہین، ڈاکٹر محمد کاشف، ڈاکٹر عابد القوی کے علاوہ دیگر نے مختلف اجلاس کی صدارت کے فرائض انجام دیئے۔

مشاعرہ جناب تقی عابدی کی صدارت میں منعقدہ یہ مشاعرہ موجودہ دور میں جامعہ عثمانیہ کا سب سے کامیاب اور یادگار مشاعرہ ثابت ہوا۔ ذوق سامعین کے دلوں پر اس مشاعرے کا اثر دیر پا قائم رہا۔ کنوینر پروگرام نے کہا کہ دو مسلسل کام سے وہ بے حد تھک چکی تھیں لیکن اس مشاعرے نے زندگی کی تھکان اتار دی۔ جناب سید تمجید حیدر نے تمہید باندھی۔

پاس خاطر سے پشیماں ہو گئے
سارے قاتل چاک داماں ہو گئے
اک موحد جب سے مشرک ہو اٹھا
جتنے کافر تھے مسلماں ہو گئے

نوخیز شاعر جناب ریاست علی اسرار (نبیرہ حضرت ریاست علی تاج مرحوم) نے نوجوان نسل میں نمائندہ شاعر کا بگل بجا دیا اور اپنی دو غزلیں پیش کیں۔

زندان میں اسیروں کی لکھی ہوئی غزل
احساس انقلاب دلاتی ہوئی غزل
سب سمندر، نگل گئے دیکھو
کتنے گہرے بھنور چنے ہم نے

جناب تقی عابدی کینیڈا نے اپنے مخصوص کلام اور مخصوص لب و لہجے اور گھن گرج سے سوتوں کو جگایا، دلوں کو گرمایا، وقت کو تھمایا۔

اربابِ حکومت سے کبھی خوف نہ کھانا
مٹی کے کھلونے ہیں یہ مٹی میں ملا دو
بھٹکے ہوئے منزل پہ پہنچ جائیں گے خود ہی
رستوں سے اگر راہ نماؤں کو ہٹا دو

پروفیسر مولا بخش اسیر نے اپنے اثر انگیز کلام اور دلفگار ترنم سے غزل کے بانکپن کو بامِ عروج پر پہنچادیا۔

میرے ہونے سے کیا فائدہ تو نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں
ایک وہم و گماں ہے جہاں اب تو مل جائے کہیں نہ کہیں
تیری دنیا سے منہ موڑ کر میں چلا جاؤں گا چھوڑ کر
کچھ تڑپتی ہوئی خواہشیں کچھ تمنا کی بنجر زمیں

جناب رؤف خیر نے سرسید احمد خاں کی غیر دریافت فارسی نعت کا اپنا منظوم اردو ترجمہ پیش کیا جسے خوب داد و تحسین پیش کی گئی۔ عصر حاضر کے مشہور و معروف شاعر آغا سروش کے کلام پر سارا ماحول واہ واہ کی صداؤں سے گونج اٹھا۔

اب پسِ تقطیع و تنقید کچھ باقی نہیں
وقت میرے واسطے فاروقی و نارنگ تھا

•••

شہروں سے بہنے والے خون کی رنگت سرخ تھی
پرچموں کا تو ہرا اور زعفرانی رنگ تھا

سردار اثر نے اپنے مزاحیہ کلام سے ماحول کو قہقہہ زار کیا۔

آپ چن کر لائے ہیں اس کو تو وہ نیتا بنا
ورنہ وہ قاتل لٹیرا دوغلا پہلے سے تھا

ایک دو اشعار کا سرقہ کیا میں نے تو کیا
شاعروں میں اس طرح کا سلسلہ پہلے سے تھا

ڈاکٹر صبیحہ نسرین نے میزبان مشاعرہ کے فرائض انجام دیے۔ ڈاکٹر نوری خاتون جوائنٹ کنوینر نے لمحہ آخر تک اس پروگرام کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے تگ و دو کی۔ جناب مختار احمد فردین ایسوسی ایٹ ایڈیٹر روزنامہ "تاثیر" نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

روزنامہ "سیاست"

11/جون2020ء

کل ہند نہج البلاغہ سوسائٹی کا آن لائن سیمینار
کینیڈا سے ڈاکٹر تقی عابدی کا خطاب

کل ہند نہج البلاغہ سوسائٹی کی جانب سے سیمینار بعنوان "نہج البلاغہ کی اہمیت و افادیت" اتوار 14 رجون کو ہندوستانی وقت کے مطابق شام 7:30 بجے منعقد ہوگا۔ اس سیمینار کے مہمان مقرر، عالمی شہرت یافتہ اسکالر، شاعر، مصنف و ناقد، ڈاکٹر سید تقی عابدی ہوں گے۔ جناب زاہد علی خاں ایڈیٹر روزنامہ "سیاست" مہمان خصوصی ہوں گے۔ یہ پہلی مرتبہ ہے کہ عالمی سطح پر نہج البلاغہ سوسائٹی نے اس طرح کے سیمینار کا انعقاد کیا جارہا ہے۔ اس سیمینار کو حیدرآباد، دبئی، کینیڈا، لندن سے النور انسٹی ٹیوٹ کے فیس بک

facebook.com alnoorinstitute

اور حیدرآباد سے shiaindia.com پر براہ راست دیکھا جا سکتا ہے جو ہندوستان میں 7.30 بجے شام، دوبئی میں 6 بجے شام، لندن میں 3 بجے دن اور نیویارک میں 10 بجے صبح ہوگا۔ پروگرام کی صدارت ڈاکٹر شوکت علی مرزا صدر کل ہند نہج البلاغہ سوسائٹی کریں گے۔

حیدرآباد

14/اگست 2020ء

شعبہ اُردو حیدرآباد یونیورسٹی کے زیر اہتمام

ڈاکٹر سید تقی عابدی (کینیڈا)

کا آن لائن توسیعی لکچر اور مذاکرہ

شعبہ اُردو یونیورسٹی آف حیدرآباد کے زیر اہتمام ایک توسیعی لیکچر اور مذاکرہ بعنوان ''مجتبیٰ حسین طنز و مزاح کا عظیم فنکار'' 16/اگست بروز اتوار 12 بجے دن زوم پر انعقاد عمل میں لایا جارہا ہے جس کو اُردو کے ممتاز محقق نقاد ادیب و خطیب ڈاکٹر تقی عابدی (کینیڈا) مخاطب کریں گے۔ اجلاس کی صدارت پروفیسر سید فضل اللہ مکرم صدر شعبہ اُردو یونیورسٹی آف حیدرآباد فرمائیں گے جب کہ پروفیسر نسیم الدین فریس صدر شعبہ اُردو و ڈین مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی مہمان خصوصی ہوں گے۔

پروگرام کی نظامت ڈاکٹر محمد کاشف اسسٹنٹ پروفیسر کے ذمہ ہوگی۔ پروفیسر سید فضل اللہ مکرم صدر شعبہ اُردو نے تمام طلبا و طالبات و ریسرچ اسکالرز اور ادب دوست حضرات اور مجتبیٰ حسین کے چاہنے والوں سے زوم آئی ڈی 81584595954 اور پاس کوڈ:951646 پر شرکت کی گزارش کی ہے۔

روزنامہ "نظام آباد مارننگ ٹائمز"

نظام آباد

23/اگست 2020ء

اکیسویں صدی میں امجد کی رباعیات اخلاقی سدھار کا ذریعہ

امجد حیدرآبادی یادگار آن لائن توسیعی لکچر سے ڈاکٹر تقی عابدی کا خطاب

امجد ایک ہمہ جہت شخصیت تھے، امجد حیدرآبادی نے اپنی رباعیات میں قرآنی آیات کو اسی وزن اور عبارت پرویا ہے یہ امجد کا ہی کمال تھا۔ امجد نے اردو اور فارسی میں رباعیات کہی ہیں، امجد کی رباعیات کے موضوعات مقام انسان، حقوق انسان، فضیلت انسان، انسانیت اور تصوف ہیں۔ موجودہ دور میں امجد کی رباعیات اخلاقی سدھار کا اہم ذریعہ ہیں اور امجد کے پیغام کو عام کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ان خیالات کا اظہار ممتاز محقق و ماہر اقبالیات و فیض جناب ڈاکٹر تقی عابدی (کینیڈا) نے "رباعیات امجد حیدرآبادی کی معنویت" کے عنوان پر اردو اسکالرس اسوسی ایشن تلنگانہ کے زیر اہتمام 11 بجے دن "امجد حیدرآبادی یادگار" آن لائن توسیعی لکچر سے کیا۔ ڈاکٹر تقی عابدی کینیڈا سے بذریعہ زوم کال لائف خطاب کر رہے تھے اور دنیا بھر سے ریسرچ اسکالرز اساتذہ اور محبان اردو نے ان کے بصیرت افروز خطاب سے استفادہ کیا۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے اردو رباعی کے سرمد ثانی کہے جانے والے شاعر امجد حیدرآبادی کی حیات کے مختلف گوشوں کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ "1908 کی آفت ناگہانی یعنی موسی ندی میں آئی طغیانی نے امجد کو تنہا کردیا۔ یہ ان کی زندگی کا بہت بڑا حادثہ تھا اس طغیانی سے متاثر ہو کر انھوں نے نظم

"قیامت صغریٰ" لکھی۔ موسی ندی میں آئی طغیانی نے امجد کو اپنی پیاری ماں، عزیز بیوی اور چہیتی بیٹی سے محروم کر دیا۔ رباعی گوئی میں امجد حیدرآبادی کو انفرادیت حاصل تھی۔ امجد کی شاعری میں اخلاقیات کا درس پایا جاتا ہے۔ امجد حیدرآبادی کی شاعری میں دل کی آواز پائی جاتی ہے، انسانی زندگی کا رخ نظر آتا ہے۔ امجد کی شاعری پاکیزہ ہے۔ ان کے خیالات اعلیٰ ہے۔ امجد کی رباعیات کو نور ہیرے کی مانند ہیں۔ امجد کی شاعری میں واجب الوجود کا فلسفہ ملتا ہے۔"

ڈاکٹر تقی عابدی نے امجد حیدرآبادی کی نثری تصانیف ان سے متعلق تحقیقی پیش رفت اور دیگر پہلو اجاگر کیے۔ اس آن لائن پروگرام میں پروفیسر فاطمہ پروین، سابق صدر شعبہ اُردو عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ "امجد حیدرآبادی کو اہل حیدرآباد کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ امجد حیدرآبادی پر شائع ہونے میں تحقیقی کام ہوا ہے، اس کو شائع کرانے کی ضرورت ہے۔ امجد کی زندگی یا نہ روزگار ہے، حرف شکایت کبھی ان کی زبان پر نہیں آیا۔ امجد نے کسی مصیبت کا شکوہ نہیں کیا۔ آج ہم کو اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم امجد حیدرآبادی کی حیات سے سبق حاصل کریں، فطرت پر غور و فکر کریں اور ہر حال میں اللہ کے شکر گزار رہیں۔" انھوں نے مزید کہا کہ "نوجوان امجد حیدرآبادی کو اپنا رول ماڈل بنائیں، امجد حیدرآبادی کے پیام کو آگے تک پہنچائیں۔"

پروگرام کے آغاز میں ڈاکٹر اسلم فاروقی نے تنظیم کے مقاصد کو بیان کیا اور کہا کہ "تلنگانہ ریسرچ اسکالرز ایسوسی ایشن ملک بھر کی جامعات کے اردو ریسرچ اسکالرز کی رہنمائی کر رہی ہے۔" انھوں نے اس لکچر کے انعقاد پر روشنی ڈالی، ڈاکٹر عزیز سہیل نے ڈاکٹر تقی عابدی کا تعارف پیش کیا۔ پروگرام میں مہمان خصوصی کے طور پر سید فضل اللہ مکرم، صدر شعبہ اُردو یونیورسٹی آف حیدرآباد نے شرکت کی۔ اس کے علاوہ دنیا بھر سے آن لائن پروگرام میں شریک ہونے والوں میں ڈاکٹر اسلم جمشید پوری، پروفیسر رضا زیدی، ڈاکٹر وصی اللہ بختیاری، ڈاکٹر محمد ناظم علی، ڈاکٹر نثار احمد، ڈاکٹر امین الدین، ڈاکٹر گل رعنا، ڈاکٹر ابرار الباقی، ڈاکٹر حسن سنجری، ایڈوکیٹ خلیق الرحمن، محمد عبدالبصیر پرنسپل، رحمن داؤدی، مصطفی علی سروری، صبیح الدین صبیح رحمانی، ڈاکٹر عظمی تسنیم، ڈاکٹر ریشما پروین،

ڈاکٹر حمیرہ سعید، نساء فردوس کے علاوہ ملک بھر کی مختلف جامعات کے اساتذہ، ریسرچ اسکالرس، اور محبان اُردو نے شرکت کی۔ سوال جواب کے ذریعے امجد حیدرآبادی کی حیات اور ان کے فکروفن کے مختلف گوشوں پر بات کی گئی فیس بک کے ذریعے اس منفرد آن لائن پروگرام کو دُنیا بھر کے ناظرین نے دیکھا۔ محسن خان نے سبھی شرکاء سے اظہار تشکر کیا۔

روزنامہ ''نظام آبادی مارننگ ٹائمز'' نظام آباد

20/ستمبر 2020ء

مسدس حالی کی عصری معنویت
ڈاکٹر تقی عابدی کا آن لائن لکچر

ممتاز محقق ماہر اقبالیات، فیض، حالی وانیس ڈاکٹر سید تقی عابدی حالی شناسی پروجیکٹ کے تحت ایک توسیعی لیکچر بعنوان ''دور حاضر میں مسدس حالی کی معنویت'' 20 ستمبر بروز اتوار صبح 11.00 بجے زوم پر کینیڈا سے براہ راست پیش کریں گے۔ زوم آئی ڈی 88562436936 اور پاس کوڈ 647907 ہوگا۔ اس توسیعی لکچر کا اہتمام اردو اسکالرس ایسوسی ایشن تلنگانہ نے کیا ہے۔ ایسوسی ایشن کے اراکین ڈاکٹر محمد اسلم فاروقی، ڈاکٹر محمد ناظم علی، ڈاکٹر محمد عبدالعزیز سہیل اور محسن خان نے اردو ریسرچ اسکالرس، شعراء ادیب، صحافیوں اور ادب دوست ناظرین سے اس زوم لکچر میں شرکت کی خواہش کی ہے۔ لکچر کے بعد ڈاکٹر سید تقی عابدی شرکاء کے سوالات کے جوابات دیں گے۔ اس براہ راست لکچر کو فیس بک کے ذریعے بھی عالمی سطح پر پیش کیا جا رہا ہے۔

روزنامہ "انقلاب"، "راشٹریہ سہارا"، "میرا وطن"، "صحافت"،

نئی دہلی

15/اکتوبر 2020ء

ڈاکٹر عظیم امروہوی کو نثر و نظم دونوں میں یکساں عبور حاصل تھا: ڈاکٹر تقی عابدی

برصغیر کے ممتاز ادیب و دانشور، محقق، نقاد ڈاکٹر عظیم امروہوی کے سانحہ ارتحال پر ادبی تنظیم امروہہ فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام دہلی میں عالمی آن لائن تعزیتی جلسہ کا انعقاد زیر صدارت پروفیسر اختر الواسع، وائس چانسلر مولانا آزاد یونی ورسٹی کیا گیا۔ اس دوران بین الاقوامی شہرت یافتہ ادیبوں اور دانشوروں نے اس جلسہ میں حصہ لے کر ڈاکٹر عظیم امروہوی کی شخصیت پر تبادلہ خیال پیش کیا۔ ڈاکٹر کلیم اصغر کی نظامت میں منعقد اس جلسہ میں تعارفی کلمات پیش کرتے ہوئے معروف شاعر سید پیمبر نقوی نے ڈاکٹر عظیم امروہوی کی علمی خدمات پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے بتایا کہ "ڈاکٹر عظیم امروہوی کے سانحہ ارتحال پر پوری ادبی دُنیا غمگین ہے۔"

کینیڈا سے نامور ادیب اور محقق ڈاکٹر تقی عابدی نے کہا کہ "ڈاکٹر عظیم امروہوی جدید مرثیہ نگار تھے، ان کی علمی صلاحیتوں کو دیکھ کر جوش ملیح آبادی جیسے شاعر نے آج سے چالیس برس قبل ہی ان کو آنے والے وقت کا ایک عظیم شاعر قرار دیا تھا اور جون ایلیا نے ڈاکٹر عظیم کا موازنہ انگریزی کے عظیم شاعر برلین سے کیا تھا۔"

پٹیالہ یونیورسٹی کے شعبہ صوفی ازم کے سابق صدر اور معروف شاعر پروفیسر ناشر نقوی نے بتایا کہ "ڈاکٹر عظیم امروہوی 70 کی دہائی سے جدید مرثیہ سے وابستہ ہیں اور ہندوستان میں اس شمع کو روشن کیے ہوئے تھے۔ دہلی اردو اکادمی کے وائس چیئرمین اور جامعہ ملیہ اسلامیہ شعبہ اُردو کے سابق صدر ڈاکٹر شہپر رسول نے کہا کہ "عظیم امروہوی عمر

حاضر کے جدید مرثیہ نگاروں کے میر کارواں تھے۔"

عالمی شہرت یافتہ شاعر آغا سروش حیدرآبادی اور پاکستان کی ممتاز علمی و ادبی شخصیت ڈاکٹر ہلال نقوی نے ڈاکٹر عظیم امروہوی کی شاعری اور ان کی علمی اور ادبی خدمات معروف کی تخلیقات اور ان کے اخلاق پر اظہار تاثر پیش کیے اور دعائے مغفرت بھی فرمائی۔ صدرِ جلسہ پروفیسر اختر الواسع نے تمام مقررین کی کہی باتوں پر مجموعی طور پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ "عظیم امروہوی اپنے نام کی مانند عظیم المرتبت شخصیت کے مالک تھے۔ اب دنیا ان کے انتقال پر غمزدہ ہے۔" جلسے کے روحِ رواں فرمان حیدر نقوی نے بتایا کہ "انجمن ہذا کو ڈاکٹر عظیم امروہوی کی سرپرستی عرصہ طویل تک حاصل رہی۔ انھوں نے مرثیہ فاؤنڈیشن کو ہمیشہ مفید مشوروں سے نوازا۔ 2014 میں ہماری آرگنائزیشن نے وزیر تعلیم کے دست مبارک سے ڈاکٹر عظیم کو "فخر امروہہ" اعزاز سے سرفراز کیا تھا۔ ان کی کمی کسی طرح پوری نہیں ہو سکتی۔" ادارہ ڈاکٹر عظیم امروہوی کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہے۔

روزنامہ ''راشٹریہ سہارا'' حیدرآباد

8/نومبر 2020ء

شعبہ اُردو حیدرآباد یونیورسٹی میں ڈاکٹر تقی عابدی کا توسیعی لکچر

شعبہ اُردو یونیورسٹی آف حیدرآباد کی جانب سے علامہ اقبال کی یوم پیدائش کے موقع پر ایک آن لائن توسیعی لکچر اور مذاکرہ بعنوان ''دورِ حاضر میں کلامِ اقبال کی اہمیت'' بروز پیر 9 نومبر گیارہ بجے دن زوم ایپ پر انعقاد عمل میں آرہا ہے۔ اُردو ادب کے مایہ ناز محقق، نقاد و شاعر ڈاکٹر تقی عابدی (کینیڈا) توسیعی لکچر دیں گے۔

مہمان خصوصی کی حیثیت سے پروفیسر فاطمہ پروین (سابق وائس پرنسپل آرٹس کالج عثمانیہ یونیورسٹی) شرکت کریں گی۔ اجلاس کی صدارت پروفیسر سید فضل اللہ مکرم صدر شعبہ اُردو یونیورسٹی آف حیدرآباد فرمائیں گے۔ نظامت ڈاکٹر نشاط احمد اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو کے ذمہ ہوگی۔ اُردو کے تمام دوست واحباب اور اساتذہ وطلبہ وطالبات سے زوم آئی ڈی 89606163393 اور پاس ورڈ 511833 پر شرکت کی گزارش کی جاتی ہے۔

رپورٹ: غالب انسٹی ٹیوٹ

22 جنوری 2021ء

بین الاقوامی سیمینار (یومِ غالب) کا انعقاد

غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام، آغا خان فاؤنڈیشن، انجمن ترقی اردو، دہلی، غالب اکیڈمی کے تعاون سے غالب کی یوم وفات (یومِ غالب) کے موقع پر ''کلامِ غالب کا تجزیہ'' کے موضوع پر منعقد بین الاقوامی سیمینار کا افتتاح کرتے ہوئے آغا خان فاؤنڈیشن کے چیئرمین پروفیسر آباد احمد نے فرمایا کہ غالب کی غزل کے ساتھ ان کے خطوط نے بھی ہمیں اردو نثر کا قیمتی سرمایہ دیا ہے۔ ہندوستان کی تاریخ کو ہم غالب کی شاعری کے بغیر نہیں سمجھ سکتے۔ آپ نے اس سیمینار کے انعقاد کے لیے غالب انسٹی ٹیوٹ کو مبارکباد پیش کی اور اپنا تعاون پیش کرتے رہنے کا وعدہ کیا۔ اپنی صدارتی تقریر میں پروفیسر صدیق الرحمن قدوائی سکریٹری غالب انسٹی ٹیوٹ نے کہا کہ ''غالب کے اشعار کا کمال ہے کہ اس کے بے شمار معنی ہم نکال سکتے ہیں۔'' غالب کے اشعار کی خوبی ہے کہ ہر محفل میں اس کے کئی سیاق وسباق سے ہم متعارف ہوتے ہیں۔ آپ نے موضوع کے تعلق سے فرمایا کہ ''ہمیں امید ہے کہ ہمارے اسکالرز اس موضوع کے تعلق سے کلامِ غالب کا تجزیہ مختلف اور نئے انداز میں پیش کریں گے۔'' ڈائرکٹر غالب انسٹی ٹیوٹ ڈاکٹر سید رضا حیدر نے اپنی افتتاحی گفتگو میں کہا کہ ''غالب انسٹی ٹیوٹ اور انجمن ترقی اردو کی شاخ پچھلے 54 برسوں سے غالب کی یومِ وفات کے موقع پر یومِ غالب کا اہتمام کر رہی ہے۔ اس دفعہ ہم نے اس جلسہ کا دائرہ وسیع کر دیا ہے اور اسے بین الاقوامی سیمینار اور عالمی مشاعرہ کی شکل دے دی ہے۔''

آپ نے مزید فرمایا کہ ''غالب کے کلام کا اعجاز ہے کہ کلامِ غالب کی فوقیت یہ ہے کہ دو سو سال کا طویل عرصہ گذر جانے کے بعد بھی غالب کی شاعری ہماری فضا کو معطر

کیے ہوئے ہے۔ غالب کے کلام کو پڑھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ غالب ہماری زندگی سے بے حد قریب ہے۔" معروف ادیب و دانشور اور خدا بخش لائبریری کے سابق ڈائریکٹر ڈاکٹر عابد رضا بیدار نے فرمایا کہ "غالب کی شاعری کا کمال ہے کہ وہ اپنے اشعار میں ایسا نکتہ پیش کرتے ہیں جو ہماری تہذیب سے بے حد قریب ہے۔ یہ بھی غالب کے کلام کی خوبی ہے کہ اردو پر تو برا وقت پڑ سکتا ہے مگر غالب کی شاعری پر نہ کبھی برا وقت پڑا اور نہ پڑے گا۔"

کینیڈا کے معروف اسکالر اور ڈرامہ نگار جاوید دانش نے فرمایا کہ "اتنے طویل عرصے کے گزر جانے کے بعد بھی ہم آج بھی غالب کو یاد کر کے خراجِ عقیدت پیش کر رہے ہیں۔" آپ نے یہ بھی فرمایا کہ "اس انفارمیشن ٹکنالوجی کے دور میں بھی غالب فیس بک اور انٹرنیٹ کی دنیا میں بھی کافی مقبول ہیں۔ غالب امریکہ اور کینیڈا میں صرف اردو داں طبقے میں مقبول نہیں ہیں بلکہ ہر پڑھا لکھا آدمی غالب کو پڑھتا اور سمجھتا ہے۔" اس موقع پر آپ نے غالب کی ایک غزل کا انگریزی ترجمہ بھی پڑھ کر سنایا۔

لندن سے تشریف لائے "صدا" میگزین کے ایڈیٹر اقبال مرزا نے فرمایا کہ "انگلینڈ میں رابندر ناتھ ٹیگور، اقبال اور غالب بے حد مقبول ہیں اور غالب ان دونوں سے زیادہ مقبول ہیں۔ غالب کے اشعار کی خوبی یہ ہے کہ ہر خاص و عام میں غالب کے اشعار مقبول ہیں۔" افتتاحی اجلاس کے اختتام سے پہلے انجمن ترقی اردو دہلی شاخ کے جنرل سکریٹری شاہد دہلی نے تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کر کے اس جلسہ کی تاریخی حیثیت پر بھی روشنی ڈالی۔ آخر میں الہ آباد سے تشریف لائیں معروف غزل سنگر منیرہ خاتون نے غالب کی غزلیں اپنی خوب صورت آواز میں پیش کیں۔ اس جلسے میں علم و ادب کی بے شمار ہستیاں موجود تھیں۔

دو روزہ بین الاقوامی سیمینار کے دوسرے دن کے پہلے اجلاس کی صدارت لندن سے تشریف لائے مہمان اسکالر اور "صدا" میگزین کے مدیر ڈاکٹر اقبال مرزا اور انجمن ترقی اردو ہند دہلی شاخ کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی نے کی اور نظامت کا فریضہ ڈاکٹر شعیب رضا خاں نے انجام دیا۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر سہیل انور، ڈاکٹر خالد مبشر، ڈاکٹر

شہاب الدین ثاقب، ڈاکٹر نجمہ رحمانی اور ڈاکٹر مرزا شفیق حسین شفق نے اپنے گراں قدر مقالات پیش کیے۔ ان تمام حضرات نے غالب کی اہم غزلوں کا تجزیہ بڑی خوب صورتی کے ساتھ پیش کیا۔ اس اجلاس میں کینیڈا کے معروف ادیب و دانشور ڈاکٹر تقی عابدی کا مقالہ جے این یو کے ریسرچ اسکالر محمد رکن الدین نے پڑھا۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے اپنے مقالہ میں غالب کی ایک فارسی غزل کا عالمانہ محاکمہ پیش کیا۔ جس کی ذخیل مقرر نے خوب صورت قرأت کی۔

سیمینار کے دوسرے اجلاس کی صدارت میں غالب انسٹی ٹیوٹ نے مدینہ کی پروفیسر صدیق الرحمن قدوائی، پروفیسر شمیم حنفی اور ازبکستان سے تشریف لائے ڈاکٹر ڈاکٹر سراج الدین نورمتو موجود تھے۔ اس اجلاس میں پروفیسر انوار پاشا، ڈاکٹر ثروت ناہید، پروفیسر عتیق اللہ نے اپنا عالمانہ مقالہ پیش کیا۔ اس جلاس کے اہم مقالہ نگار پروفیسر عتیق اللہ نے غالب کی پہلی غزل کے پہلے شعر پر اپنا پُرمغز مقالہ پیش کیا۔ پروفیسر عتیق اللہ نے اپنے مقالہ میں غالب کے پہلا شعر کا کما حقہ محاکمہ پیش کیا۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر ممتاز عالم نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔ سیمینار کے آخری اجلاس کی صدارت پروفیسر شریف حسین قاسمی، ڈاکٹر عابد رضا بیدار اور کینیڈا کے معروف ڈرامہ نگار ڈاکٹر جاوید دانش نے کی اور اس اجلاس میں پانچ اہم مقالے پیش کیے گئے۔ ڈاکٹر مشتاق صدف، ڈاکٹر ذکیل اختر، ڈاکٹر کوثر مظہری، ڈاکٹر سراج اجملی اور ڈاکٹر ابوبکر عباد نے اپنے مقالات پیش کیے۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر شگفتہ یاسمین نے نظامت کی۔ اس سیمینار کی خاص بات یہ تھی کہ تمام مقالہ نگار حضرات نے غالب کی 20 اہم غزلوں کا عالمانہ تجزیہ پیش کیا اور اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کی۔ اس موقع پر آغا خان فاؤنڈیشن کی امیر خسرو پر لکھی ہوئی خوب صورت کتاب تمام مقالہ نگار حضرات کو تحفتاً پیش کی گئی۔ اس سیمینار میں طلبا و طالبات، ریسرچ اسکالرز، اساتذہ اور مختلف علوم وفنون کے ماہرین کثیر تعداد میں موجود تھے۔ سیمینار کے بعد ایک عالمی مشاعرے کا اہتمام کیا گیا جس کی صدارت جناب گلزار دہلوی نے کی۔ مہمان خصوصی کی حیثیت سے دہلی اسمبلی کے ایم ایل اے جناب شعیب اقبال موجود تھے۔ اس مشاعرے میں ملک اور بیرون ملک کے اہم شعرا نے شرکت کی۔

رپورتاژ

حیدرآباد کی اُردو خدمات اور یادرفتگان

تعزیتی نشست

حیدرآباد کی ادبی خدمات مسلمہ ہیں مگر حیدرآبادی شعراء اور ادیبوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا۔ حیدرآباد نے نہ صرف عظیم شعراء، ادیب، ناقد و محققین پیدا کیے بلکہ اپنے دامن میں بیرون حیدرآباد کے شعراء، ادیبوں کو جگہ دی۔ ان کی پذیرائی کی، ان کی صلاحیتوں کو نکھارا، سنوارا بلکہ یہاں کی سرزمین نے انھیں اپنی آغوش میں سمو یا جیسے داغ اور فانی۔

یہ بدنصیبی ہے کہ اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر قلی قطب شاہ کا دیوان جو 1922ء تک موجود تھا وہ لاپتہ ہے۔ امجد حیدرآبادی جیسے عظیم شاعر کو فراموش کر دیا گیا۔ مخدوم، جس کی غزل پر فیض احمد فیض نے غزل لکھی، اس کے لیے حیدرآباد کی کسی یونیورسٹی میں کوئی گوشہ نہیں۔ حد تو یہ ہے کہ عوام شعر سے تو واقف ہیں مگر اس کے شاعر سے واقف نہیں۔

ان خیالات کا اظہار بین الاقوامی شہرت کے حامل ادیب، شاعر، نقاد اور محقق ڈاکٹر تقی عابدی نے کیا۔ وہ 21 جنوری کو ''حیدرآباد کی اردو خدمات اور یادرفتگان'' کے موضوع پر منعقدہ تعزیتی نشست سے زوم کے ذریعہ مخاطب تھے۔ ''گواہ'' اور ''تلنگانہ ریاستی اردو اکیڈیمی'' نے اس تعزیتی اجلاس کا اہتمام میڈیا پلس آڈیٹوریم میں کیا تھا۔ جس سے دنیا کے مختلف مقامات سے مختلف شخصیات نے پروفیسر شمس الرحمن فاروقی، حسن چشتی سے لے کر رحمن جامی تک کو خراج عقیدت پیش کیا۔

میڈیا پلس آڈیٹوریم میں آف لائن اجلاس سے ڈاکٹر محمد غوث ڈائریکٹر سکریٹری تلنگانہ ریاستی اردو اکیڈیمی، پروفیسر فاطمہ بیگم پروین، ڈاکٹر عابد معز، محسن جلگانوی،

پروفیسر فضل اللہ مکرم، ڈاکٹر اسلام الدین مجاہد، ڈاکٹر سید فاضل حسین پرویز نے خطاب کیا۔ جب کہ زوم پر دہلی سے ممتاز شاعر ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی نے شمس الرحمن فاروقی اور حسن چشتی کی منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔

ڈائریکٹر این سی پی یو ایل ڈاکٹر شیخ عقیل احمد نے کہا کہ ''ڈاکٹر شمس الرحمن فاروقی اس عہد کی عبقری اور نابغہ شخص تھے۔ تنقید کے باب میں وہ فاروقی کا عہد تھے۔ انھوں نے تنقید کو اعلی معیار عطا کیا۔ ایک خاموش شخصیت تھے جن کی تحریروں نے بہت سے دبستان قائم کیے۔ اور تنقیدی ذہن کو مہمیز اور متحرک کیا۔ ترجمہ، تنقید، تحقیق، ترتیب کے باب میں جو ان کی خدمات اور ان کا جو کنٹری بیوشن ہے اسے اُردو دنیا بھی فراموش نہیں کر سکتی۔ بین الاقوامی شہرت یافتہ شمس الرحمن فاروقی نے اپنی تصانیف کے ذریعہ اُردو دنیا کو بہت کچھ دیا ہے جو قابل رشک ہے۔ ''شعر شور انگیز''، ''تفہیم غالب''، ''اُردو کا ابتدائی زمانہ''، ''افسانے کی حمایت میں''، ''کئی چاند تھے سر آسماں'' اور اس کے علاوہ دیگر کتابوں میں ان کا اعلی فنی، تنقیدی اور تخلیقی شعور نظر آتا ہے۔ ان کی خاص بات یہ تھی کہ ادبیات عالم پر گہری نظر تھی اور عالمی رجحانات، رویے اور تحریکات پر بھی وہ نگاہ رکھتے تھے۔ اُردو، انگریزی، ہندی، فارسی، فرنچ اور عربی پر عبور رکھنے والے فاروقی نے اُردو ادبیات کو انگریزی حلقہ میں بھی متعارف کروایا۔ اور کئی اہم تصانیف کو انگریزی میں ترجمہ کر کے انھوں نے اُردو زبان کی ثروت کا احساس دلایا۔''

آرکیٹکٹ عبدالرحمن سلیم شکاگو نے مرحومین سے اپنی وابستگی کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی بے لوث اور ناقابل فراموش خدمات کو خراج عقیدت پیش کیا اور کہا کہ ضیاء الدین شکیب صاحب کے انتقال کی خبر سن کر دلی تکلیف ہوئی۔ ان کے ساتھ 76-1975 میں حیدرآباد اربن ڈیولپمنٹ اتھارٹی کی جانب سے منعقد کردہ تصویری نمائش ''حیدرآباد کل، آج اور کل'' کو بنانے اور مکمل کرنے کا موقع ملا تھا۔ حیدرآباد کی تاریخ پر ان کی نظر بہت گہری تھی اور ڈاکٹر زور کی شخصیت کا اثر جھلکتا تھا۔ ڈاکٹر زور ہی کے بااثر شاگردوں میں تھے۔ حیدرآباد پر تصویری نمائش کے لیے آرکائیوز سے ڈیپوٹیشن پر HUDA میں کچھ عرصہ کام کیا۔ اپنے حوالہ کیے جانے والے ہر کام کو بخوبی پایہ تکمیل کو پہنچاتے۔ ہر دن کا کام مقرر

کرتے اور اس کام کو اسی دن مکمل کرتے چاہے اس کی تکمیل میں رات کے بارہ بج جائیں۔ گولکنڈہ سوسائٹی سے بے پردہ کے پیچھے رہ کر کام کیا کرتے تھے۔

ڈاکٹر تقی عابدی نے حیدرآباد کی ادبی خدمات پر سیر حاصل روشنی ڈالی اور اس بات پر زور دیا کہ عظیم شعراء اور ادیبوں کی حیدرآباد کی جامعات میں گوشے قائم کرنا چاہیے۔ انھوں نے ڈاکٹر ضیاءالدین شکیب کی رحلت کو ناقابل تلافی نقصان قرار دیا۔ ان کی ادبی تحقیقی خدمات پر روشنی ڈالی۔ مجتبیٰ حسین، ابراہیم جلیس اور محبوب حسین جگر مرحوم کا تذکرہ کیا۔ مظفر حنفی کی غیر معمولی خدمات سے واقف کروایا۔ خان لطیف خان مرحوم کی اردو صحافت کے لیے بے مثال اور گراں قدر حصے کا تذکرہ کیا۔ کے ایم عارف الدین، نریندر لوتھر اور رحمن جامی کی خدمات سے نئی نسل کو واقف کروانے کی کوشش کی۔

ڈاکٹر تقی عابدی نے کہا کہ ''اردو واحد زبان ہے جو نستعلیق میں لکھی جائے تو ''اردو'' اور ''دیوناگری'' رسم الخط میں لکھی جائے تو ''ہندی'' بن جاتی ہے۔ اردو مسلمانوں کی زبان ضرور ہے مگر یہ خود مسلمان نہیں کیوں کہ دیگر مذاہب کا بہت زیادہ علمی سرمایہ اس میں محفوظ ہے۔''

ڈاکٹر تقی عابدی نے مرحوم شعراء اور ادیبوں کی خدمات پر ریسرچ کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ انھوں نے اردو کو ٹکنالوجی، روزگار سے جوڑنے، سنڈے اسکولوں میں پڑھانے، املا کو آسان بنانے کی ضرورت پر زور دیا۔ مرحومین کی کتابوں کو حسن یوسف کی طرح کنویں میں بند نہ رکھنے کی تلقین کی۔

محترمہ فاطمہ بیگم پروین نے ڈاکٹر ضیاءالدین شکیب کو متاثر کن الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ ''وہ اپنے علم کی نمائش نہیں کرتے تھے۔ وہ صلاحیتوں کو پرکھنے کی غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل تھے۔ داغ کے قبر کی انھوں نے مرمت کروائی۔ امیر مینائی کے مزار پر توجہ دی۔ وہ علم و ادب کے بحر بیکراں تھے۔ خلاق اور کردار کے جاں نثار تھے۔ انھوں نے پروفیسر شمس الرحمن فاروقی کی ادبی خدمات کو لاجواب اور بے مثال قرار دیا۔ حسن چشتی کے بارے میں کہا کہ ان کا ظاہر اگرچہ مغربی تھا مگر روح مشرقی تھی۔''

ڈاکٹر فضل اللہ مکرم نے کہا کہ ''کووڈ سے اتنی بلاکتیں نہیں ہوئیں جتنی اس کے خوف

سے ہوئیں۔ کووڈ نے دراصل ہمیں اپنی مٹتی ہوئی تہذیب اور اقدار کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔" انھوں نے ان تمام شاعروں اور ادیبوں اور اُردو کے خدمت گزاروں کی تاریخ وفات کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے خراجِ عقیدت پیش کیا جن میں رؤف خلش، اسرار جامعی، مجتبیٰ حسین، اکرام باگ، خان لطیف خان، راحت اندوری، ے۔ ایم عارف الدین، نریندر لوتھر، رحمٰن جامی اور ضیاء الدین شکیب قابلِ ذکر ہیں۔

ڈاکٹر عابد معز نے کہا کہ "نہ صرف صحافی، شاعر اور ادیب ختم ہو رہے ہیں بلکہ انجمنیں بھی دم توڑ رہی ہیں۔ طنز و مزاح کے لیے کبھی پنجاب اور دکن کا نام لیا جاتا تھا مگر دکن میں طنز و مزاح کمزور ہو گیا ہے۔ نئے لکھنے والوں کی کمی ہے۔ اس کا بھی محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے۔" انھوں نے حیدرآباد میں طب کے حوالے سے اُردو تعلیم پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ "کئی ڈاکٹروں نے جن میں ڈاکٹر رام پرشاد، شیام سندر، ڈاکٹر عبدالمنان، ڈاکٹر مجید خان قابلِ ذکر ہیں، اُردو کی بہت زیادہ خدمات انجام دیں مگر انھیں یاد نہیں کیا جاتا اس پر بھی کام کرنے کی ضرورت ہے۔"

ڈاکٹر اسلام الدین مجاہد نے ولولہ انگیز تقریر کی اور کہا کہ "شاذ تمکنت کے بعد رحمٰن جامی نے حیدرآباد کو اُردو دُنیا میں ایک نئے مقام تک پہنچایا تھا۔" انھوں نے ڈاکٹر ضیاء الدین شکیب کے مسجد عالیہ میں دیئے گئے لیکچرس کا بھی ذکر کیا۔

جناب ضیاء الدین نیر نے اقبال اکیڈیمی کے مرحوم صدر ظہیر الدین احمد کی خدمات پر بھی روشنی ڈالی۔ انھوں نے حسن چشتی کے بارے میں بتایا کہ جب وہ سعودی عرب میں تھے تو انڈو پاک مزاحیہ مشاعرہ عمل میں آیا تھا۔

ڈائرکٹر سکریٹری اُردو اکیڈیمی ڈاکٹر محمد غوث نے کہا کہ "نئے سال نے نئے زخم دیئے۔ جب کہ گزرے ہوئے سال کے زخم ابھی تک تازہ ہیں۔ ابھی ہم پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی، حسن چشتی کے صدمہ سے سنبھلے بھی نہ تھے کہ حضرت رحمٰن جامی، نریندر لوتھر اور ضیاء الدین شکیب بھی جدا ہو گئے۔" تلنگانہ ریاستی اُردو اکیڈیمی ان کی خدمات کا اعتراف ایک نئے انداز میں کرے گی۔ طنز و مزاح نگاری، شاعری، صحافت پر ابھرتے ہوئے قلمکاروں اور شعراء کے لیے ورکشاپ کا اہتمام کیا جائے گا تاکہ جو خلا آج پیدا ہو

رہے ہیں، انھیں چند برسوں میں ہی سپرد کیا جا سکے۔

تلنگانہ ریاستی اردو اکیڈیمی انتقال کر جانے والوں کو خراج عقیدت پیش کرتی ہے تو بقید حیات شخصیات کی خدمات کا اعتراف بھی کرے گی۔ کوشش کی جائے گی کہ ان ہستیوں کی خدمات کو کتابی شکل دی جائے۔ انھوں نے بتایا کہ ڈگری کلاس کی نوٹ بکیں بہت جلد شائع ہوکر آجائیں گی۔ انھوں نے کہا کہ عالمی وبا کے باوجود اردو اکیڈیمی نے غیر معمولی کام کیا ہے۔

جناب افتخار شریف، جناب جلیل انصاری نے بھی خطاب کیا۔ زوم سے شرکت کرنے والوں میں حسن چشتی کے فرزندان جاوید حسن چشتی کے علاوہ دیوا سے ای ستے ظفر اکبر بھی شامل رہے۔ سید خالد شہباز نے آن لائن اور محبوب خان اصغر نے آف لائن کارروائی چلائی۔

جموں

27 فروری 2021ء

گورنمنٹ مولانا آزاد میموریل پی جی کالج میں ویبینار کا انعقاد

''غالب پہلا ترقی پسند شاعر''

موضوع پر ڈاکٹر سید تقی عابدی نے پرمغز لکچر دیا

گورنمنٹ مولانا آزاد میموریل پی جی کالج میں شعبہ اُردو کی جانب سے ایک ویبینار کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت کالج کے پرنسپل پروفیسر سنیل اُپل نے کی اور بین الاقوامی سطح پر مشہور معالج، درجنوں اُردو کتابوں کے مصنف اور عالمی شہرت یافتہ شاعر ڈاکٹر سید تقی عابدی نے ''غالب پہلا ترقی پسند شاعر'' کے عنوان سے پرمغز لکچر دیا۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے غالب کی شاعری کے ترقی پسندانہ پہلوؤں پر مفصل روشنی ڈالی۔ ویبینار میں ملک و بیرون ملک کے ادبا وادباء کے ساتھ ریسرچ اسکالر اور طلباء و طالبات نے شرکت کی۔ ویبینار کی نظامت کے فرائض صدر شعبہ اُردو ڈاکٹر شہناز قادری نے انجام دیے جب کہ پروفیسر سنیل اُپل پرنسپل مولانا ابوالکلام آزاد میموریل پی جی کالج جموں نے ڈاکٹر تقی عابدی کا استقبال کیا پرمغز لکچر سے کیا۔ انھوں نے کہا کہ ''آج کل کے دور میں جب کہ لوگ وبائی صورت حال سے گزر رہے ہیں اس قسم کے موضوعات پر ویبینار کرانے کی اشد ضرورت ہے۔ ویبینار میں شعبہ انگریزی کے پروفیسر سنجے سنگھ نے اپنی تقریر کا آغاز غالب کے خوب صورت اشعار سے کیا۔ انھوں نے اپنی تقریر میں ڈاکٹر سید تقی عابدی کی شخصیت کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے، ڈاکٹر صاحب کی صلاحیتوں سے مسلسل فیضیاب ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ ویبینار کے اختتام پر ڈاکٹر شہناز قادری نے شکریہ کی تحریک پیش کی۔ اس کے بعد انھوں نے کالج کے عملے کے ساتھ ساتھ آرگنائزنگ کمیٹی کے ممبران کا بھی شکریہ ادا کیا۔ انھوں نے کہا کہ ''اس قسم کے ویبینار کا اہتمام آئندہ بھی کیا جائے گا۔ انشاءاللہ''

رپورٹ: ورلڈ اردو ایسوسی ایشن

3-5/اپریل 2021ء

سہ روزہ عالمی سیمینار میں

مہجری ادب کے موضوع پر دانشوروں کا اظہار خیال

"معاصر مہجری ادب، سمت و رفتار" کے موضوع پر ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام سہ روزہ عالمی کانفرنس کا افتتاحی پروگرام انتہائی کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ اس پروگرام میں دنیا بھر کے مشاہیر اردو نے شرکت کی۔ جن میں ڈاکٹر سید تقی عابدی، پروفیسر یوسف خشک، چیئرمین اکادمی ادبیات پاکستان، پروفیسر یوسف عامر، سابق وائس چانسلر ازہر یونیورسٹی، قاہرہ مصر، پروفیسر خلیل طوقار صدر شعبہ اردو، استنبول یونیورسٹی ترکی، پروفیسر رانیہ فوزی، صدر شعبہ اردو عین شمس یونیورسٹی مصر، ڈاکٹر جاوید شیخ صدر اردو مرکز لندن، جناب نصر ملک ڈنمارک، جناب اقبال حیدر جرمنی، جناب امین حیدر صدر اردو انسٹی ٹیوٹ شکاگو امریکہ، جناب جیم فے غوری اٹلی، ڈاکٹر اطہر فاروقی، سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند، جناب خلیل الرحمن ایڈوکیٹ اور ناصر ناکاگاوا نے بطور مہمان شرکت کی۔

پروگرام کے آغاز میں ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کے چیئرمین پروفیسر خواجہ اکرام الدین نے مہمانوں کا استقبال کیا اور کہا کہ "یہ سعادت کی بات ہے کہ کورونا کے اس عہد میں بھی ہم دنیا بھر کے ادیبوں کے ساتھ مل کر بیٹھے ہیں اور اردو زبان و ادب کی خدمت میں مصروف ہیں۔ نیز اردو کی نئی بستیوں میں اردو زبان و ادب پر جتنے کام ہوئے ہیں انھیں ابھی تک قابل توجہ نہیں سمجھا جاتا اور جتنے قلم کار ہیں ان کی خدمات کو تسلیم نہیں کیا جاتا اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کی خدمات کو سراہا جائے اور مہجری ادب کو مقام دیا جائے۔"

ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کی سہ روزہ عالمی کانفرنس میں ڈاکٹر سید تقی عابدی، کینیڈا نے کلیدی خطبہ پیش کیا۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے کلیدی خطبہ میں کہا کہ "اردو میں مہجری ادب، فر

مقدار میں موجود ہے۔ مہجری ادب کی جانب اُردو کے نقاد و محققین نے کم توجہ دی ہے حالاں کہ اُردو کی تین سو سالہ تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو مہجری ادب کہیں پیچھے نہیں ہے۔'' موصوف نے اُردو کے مہجری ادب پر بہت جامع کلیدی خطبہ پیش کیا۔ پروفیسر خلیل طوقار نے لفظ ''ہجرت'' اور ''مہجری ادب'' پر مختصر روشنی ڈالی اور اس کے نکات پر گفتگو کی۔ خلیل الرحمان ایڈووکیٹ نے مہجری ادب سے حوالے سے بہت ہی معلوماتی اور پر مغز گفتگو کی اور مہجری ادب کیا ہے اور اس کی کیا خصوصیات ہیں ان پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ اُردو میں مہجری ادب کا ابھی واضح تصور ابھر کر نہیں آیا ہے اس لیے نقاد اور دانشوروں کو اس جانب توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ جواہر لعل نہرو یونیورسٹی کے استاد ڈاکٹر شیخ عقیل احمد نے نظامت فرمائی اور آخر میں ڈاکٹر رکن الدین نے تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ واضح ہو کہ یہ سیمینار سہ روزہ ہے۔ امید ہے کہ مہجری ادب کے مختلف گوشوں پر دانشوران اظہار خیال فرمائیں گے۔

میرٹھ

2/ستمبر 2021ء

شعبۂ اردو میں

یک روزہ عالمی ویبنار و سیمینار کا انعقاد

''اردو ادب میں چاہے مرثیہ ہو یا قصیدہ، غزل ہو یا دیگر اصناف ادب۔ ہر صنف میں واقعۂ کربلا کے عناصر ملتے ہی نہیں بلکہ ہمارے ذہنوں کو جھنجھوڑتے بھی ہیں۔ اقبال، غالب، میر انیس، سودا، ذوق وغیرہ ہر ایک نے اپنے کلام میں لوگوں کو قربانی دینے کا درس دیا ہے۔'' یہ الفاظ تھے ڈاکٹر تقی عابدی کے جو شعبۂ اردو، چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی، میرٹھ اور بین الاقوامی نوجوان اردو اسکالرز انجمن (آیوسا) کے زیر اہتمام یک روزہ عالمی ویبنار و سیمینار بعنوان ''واقعۂ کربلا کی ادبی اور عصری معنویت'' پر منعقد ویبنار میں کلیدی خطبہ پیش کر رہے تھے۔ انھوں نے مزید کہا کہ ''اقبال کی نظم اٹھایئے یا دیگر شعرا کے مرثیے وقصائد کا مطالعہ کیجیے آپ کو جا بجا میدان کربلا کے عناصر اور حق و باطل کی مزید جھلکیاں نظر آئیں گی۔''

محترم عارف نقوی نے واقعۂ کربلا کے سانحہ پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ''آج کے نوجوان ادبا و شعرا کی تخلیقات میں بھی جھوٹ اور سچ کے نقوش مل رہے ہیں جن کا تعلق واقعۂ کربلا سے جا ملتا ہے۔ ہمیں واقعۂ کربلا کو یاد کرتے ہوئے حق اور باطل کے درمیان فرق کرنا ہوگا۔''

اس سے قبل پہلے سیشن کا آغاز سعید احمد سہارنپوری نے تلاوت کلام پاک سے کیا۔ صدارت کے فرائض معروف ادیب محترم عارف نقوی، جرمنی (سرپرست، آیوسا) نے ادا کیے جب کہ استقبالیہ ڈاکٹر شاداب علیم اور نظامت کے فرائض ڈاکٹر عابد حسین حیدری نے انجام دیے۔ مہمان ذی وقار کے بطور پروفیسر ناشر نقوی، امروہہ شامل رہے۔

دوسرا سیشن 12 بجے سے 1:30 بجے تک آن لائن جاری رہا اور دوسرے سیشن کی مجلس صدارت پر پروفیسر غلام ربانی، ڈھاکہ یونیورسٹی، بنگلہ دیش، پروفیسر کوثر مظہری، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، پروفیسر انور پاشا، جے این یو دہلی پروفیسر شبنم حمید، الہ آباد یونیورسٹی اور فہیم اختر، لندن رونق افروز رہے۔ اور مقررین کے بطور پروفیسر ریاض احمد، جموں یونیورسٹی، مولانا اطہر کاظمی، میرٹھ، مولانا عباس باقری، حیدرآباد شریک رہے۔ دوسرے سیشن میں استقبالیہ اور نظامت کے فرائض بالترتیب ڈاکٹر شاداب تبسم، ڈاکٹر ارشاد سیانوی اور فرح ناز نے بخوبی انجام دیے۔

اس موقع پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے مولانا اطہر کاظمی نے کہا کہ ''اردو ادب سے کربلا کو نکال دیں تو اخلاقی اقدار ختم ہو جائیں گے۔ انسانی قدریں ختم ہو جائیں گی۔'' مولانا باقری نے کہا کہ ''مرثیوں اور قصیدوں میں واقعہ کربلا کے نقوش لوگوں کو ہمیشہ انسانیت کا درس دیتے رہیں گے۔''

پروفیسر انور پاشا نے کہا کہ ''زندگی کے ہر شعبے کے لیے واقعہ کربلا کی معنویت برقرار رہے گی۔ باضمیر لوگ اس واقعے سے لوگوں کے ضمیر کو جگانے کا کام کرتے ہیں۔ انسانوں کی جماعت میں واقعہ کربلا کی روشنی ملتی رہے گی۔

لندن سے فہیم اختر نے کہا کہ ''واقعہ کربلا کا پیغام شعبوں سے نکل کر عوام تک جانا چاہیے اور آج کے پس منظر میں تو یہ اور بھی ضروری ہو جاتا ہے کیوں کہ آج حق اور باطل میں فرق ختم ہوتا جارہا ہے۔

بنگلہ دیش سے پروفیسر غلام احمد ربانی نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ''ہمیں واقعۂ کربلا سے درس لینا چاہئے خواہ کیسے بھی حالات آئیں حق و باطل میں تمیز کرتے ہوئے حق اور سچ کے لیے قربانی کے لیے تیار رہنا چاہئے۔'' پروفیسر شبنم حمید نے کہا کہ ''ہم واقعۂ کربلا کی تعلیم و تاریخ کو اپنی زندگی کا حصہ بنائیں اور اس واقعہ سے صبر کرنے کی عادت کو عام کرنا چاہئے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ سے پروفیسر کوثر مظہری نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ''واقعہ کربلا ایک ایسا حادثہ ہے جس کے کرداروں میں حوصلہ اپنا اہم کارنامہ انجام دیتا ہے۔ ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی کردار ہوتا ہے۔ کربلا کے سانحہ کے

کردار بھی انسانی ہمدردی کی تعلیم دیتے ہیں۔"

تیسرا سیشن 2:30 بجے سے 4:00 بجے تک شعبہ اُردو، چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی، میرٹھ کے پریم چند سیمینار ہال میں آف لائن منعقد ہوا جس کی مجلس صدارت پر پروفیسر اسلم جمشید پوری، صدر شعبہ اُردو، پروفیسر نوین چندر لوہنی، ڈین فیکلٹی آف آرٹس، ڈاکٹر جمال احمد صدیقی، ڈپٹی لائبریرین جلوہ افروز ہوئے۔ مہمانان ذی وقار کے بطور ڈاکٹر ہاشم رضا زیدی، بھارت بھوشن شرما نے شرکت کی جب کہ مقالہ نگاروں میں ڈاکٹر فرحت خاتون نے "اسلم جمشید پوری کے افسانوں میں واقعت کربلا"، ڈاکٹر عفت ذکیہ، اسماعیل گرلز ڈگری کالج، نے "منظر کاظمی کے افسانے ایک جلائی ہوئی شام میں سدمات کربلا" اور شوبی زہرا نقوی، ریسرچ اسکالر، سی سی ایس یو، نے "جدید اُردو غزل میں عصر حاضر کی عکاسی کربلا کے خصوصی حوالے سے" عنوانات پر پُر مغز مقالات پیش کیے۔

پروگرام کے آخر میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ڈاکٹر ہاشم رضا زیدی نے کہا کہ "کربلا ایک ایسی کیہ ہے جو حق و باطل کے معرکے کا ایک نشان بنا رہے گا۔ اسلام میں تحقیق واقعہ کربلا کے بعد ہی شروع ہوئی۔ ہمیں اس واقعے سے حق اور باطل کے فرق کو محسوس کرنا چاہیے۔"

مقالات پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے صدر شعبۂ اُردو پروفیسر اسلم جمشید پوری نے کہا۔ آج کے زمانے میں ہر ظالم جب ظلم کرتا ہے تو یزید یاد آتا ہے جب بھی مظلوم پر ظلم ہوتا ہے تو واقعہ کربلا کو یاد کرنا چاہیے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ہمیں حق بات کہنے کا بھی حوصلہ رکھنا چاہیے۔ یہی وقت کا تقاضا ہے۔ آخر میں ریسرچ اسکالر کلناز نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ اس موقع پر ڈاکٹر ہما مسعود، ڈاکٹر عابد زیدی، ایڈوکیٹ سرتاج احمد، مدیحہ اسلم اور طلباء و طالبات موجود رہے۔

5/ستمبر 2021ء

ڈاکٹر سید تقی عابدی کے ہاتھوں

ورلڈ اُردو ریسرچ اینڈ پبلی کیشن سینٹر،

ای بک، آن لائن اُردو لرننگ اور رسالہ ''ترجیحات'' کا اجرا

ورلڈ اُردو ایسوسی ایشن نئی دہلی نے ذریعے اردو کے فروغ و استحکام کے لیے ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کی دُنیا میں چار نئے ڈیجیٹل پلیٹ فارم کا افتتاح کیا گیا جس کے تحت ورلڈ اُردو ریسرچ اینڈ پبلی کیشن سینٹر کا قیام، آن لائن اردو لرننگ پروگرام، آن لائن رسالہ ''ترجیحات'' اور ای بک پبلی کیشن کا آغاز کیا گیا۔ پروگرام کے افتتاح میں ڈاکٹر تقی عابدی نے ورلڈ اُردو ریسرچ اینڈ پبلی کیشن سینٹر کے آغاز کو بہت ہی خوش آئند قدم اور فروغ اُردو کے لیے سنگ میل قرار دیا۔ انھوں نے کہا کہ ''اردو کی نئی بستیوں کو جوڑنے کے لیے ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کی دُنیا میں ای بک اور آن لائن اردو لرننگ کا پروجیکٹ بہت اہم ہے لہٰذا تمام تحقیق کاروں اور ادیبوں کو ایک ساتھ ایک کشتی میں سوار ہو کر بیڑا پار لگانا ہے۔ آنے والا دور چوں کہ ڈیجیٹل ٹیکنالوجی ہی کا دور ہوگا اور مشرق و مغرب تک اپنی بات پہنچانے کے لیے سب سے اہم ذریعہ بھی، ایسے میں ورلڈ اردو ریسرچ اینڈ پبلی کیشن سینٹر کے ذریعے ڈیجیٹل دُنیا میں اُردو کی بنیاد مضبوط اور مستحکم ہوگی۔ اس لیے جدید ٹیکنالوجی کو فروغ اردو کے لیے کام میں لانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

ورلڈ اُردو ایسوسی ایشن کے چیئر مین پروفیسر خواجہ اکرام الدین نے ان چاروں پلیٹ فارموں کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی اور فروغ اُردو کے لیے اپنے متعدد منصوبوں پر گفتگو کی۔ انھوں نے کہا کہ ''ورلڈ اُردو ایسوسی ایشن دُنیا بھر میں اُردو زبان و ادب اور تہذیب و ثقافت کی نشر و اشاعت کے لیے سرگرم عمل ہے اور مستقبل میں اس کے بہترین

نتائج برآمد ہوں گے۔" ایڈووکیٹ خلیل الرحمان نے اس موقع پر کہا کہ "اردو ایسوسی ایشن کا یہ اجتماع اُردو زبان کے ذوق وشوق کی بنیاد پر ہی قائم ہے اور تمام مسائل کے باوجود اُردو کا یہ کارواں آگے بڑھ رہا ہے۔ بلاشبہ "ترجیحات" کے ذریعے ہجری ادیب وشاعر کی تخلیقات سامنے آئیں گی اور نئے دروازے کھلیں گے۔"

پروفیسر شہاب عنایت ملک نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ "اردو کی تاریخ میں یہ ایک تاریخی دن ہے جس میں ایک نئی دُنیا میں قدم رکھا گیا ہے جس سے اُردو زبان وادب کو بڑا فائدہ ہوگا۔ ورلڈ اُردو ایسوسی ایشن کی یہ پیش قدمی یقیناً کارآمد اور وقت کی اہم ضرورت ہے۔"

پروفیسر خلیل طوق رصدر شعبہ اُردو استنبول یونیورسٹی نے اُردو کے مسائل پر گفتگو کی اور کہا کہ "ترکی میں لکھی جانے والی اُردو کتابوں کی اشاعت کے لیے یہ ایک اہم پلیٹ فارم ہوگا۔ نیز اُردو رسم الخط کے مسائل پر بھی انھوں نے توجہ دلائی اور اُردو رسم الخط میں لکھنے پر زور دیا۔"

نصر ملک نے کہا کہ "پوری دُنیا میں کسی ادارے نے پہلی بار اس جانب پیش قدمی کی ہے لہذا یہ راستہ مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں ہے۔" ان کے علاوہ عارف محمود کسانہ نے ای بک کی اہمیت اور افادیت پر گفتگو کی۔ ڈاکٹر شکیل احمد خان ایم ایل اے بہار اسمبلی نے اُردو کے فروغ میں اسے اہم قدم قرار دیا اور کہا کہ "یہ وقت کی ضرورت ہے۔" ڈاکٹر سید ناصر حسین ممبر آف پارلیمنٹ راجیہ سبھا، نے اپنے بھرپور تعاون کی یقین دہانی دلاتے ہوئے کہا کہ "دُنیا کی ساری زبانیں اس سمت میں کام کررہی ہیں۔ خوشی ہے کہ اُردو کے حوالے سے اس ایسوسی ایشن نے ایک بڑا قدم آگے بڑھایا ہے۔" پروگرام کی نظامت ڈاکٹر محمد رکن الدین نے کی اور اتقیٰ زرمی نے ہدیہ تشکر پیش کیا۔

غلام ثاقب (شکاگو)

8/ستمبر 2021ء

فلسفہ حسینؑ انسانیت کی معراج ہے: ڈاکٹر تقی عابدی

انجمن علم و ادب اور ساؤتھ ایشین کلچرل سوسائٹی بہ اشتراک اکیڈمی (امریکن فیڈریشن آف مسلمس آف انڈین اوریجن) آف شکاگو، کی جانب سے 8 ستمبر کو امام حسینؑ کی یاد میں آن لائن بین الاقوامی کانفرنس و عالمی مشاعرے کا انعقاد کیا گیا، جس میں کئی ممالک کے ادباء و دانشوروں نے شرکت کی۔ کانفرنس میں سلام و منقبت کے علاوہ مقالات بھی پڑھے گئے۔ پروگرام کی صدارت معروف جرنلسٹ مسرور قریشی نے کی جبکہ نظامت کا فریضہ انجمن کے ایگزیکٹیو ڈائریکٹر شیخ محبوب اور اُبھرتی ہوئی معتبر ادیبہ و شاعرہ غوثیہ سلطانہ نوری نے انجام دیا۔ پروگرام کا آغاز ورنگل تلنگانہ سے ملک گیل ترابی دہلی (انڈیا) کی نعت پاک سے ہوا۔ اس کے بعد عالمی شہرت کے حامل ادیب و ناقد ڈاکٹر تقی عابدی (کینیڈا) نے یادِ حسینؑ کے تعلق سے اپنا پُرمغز مقالہ پڑھا، جس میں انھوں نے اکیسویں صدی میں افکارِ حسینؑ کی ضرورت پر خاص زور دیا۔ انھوں نے کہا کہ "جہاں بھی حق و باطل کے درمیان لڑائی ہوگی، وہاں حسینی فکر و فلسفہ روشن و تابندہ نظر آئے گا۔" کربلا کے تعلق سے گفتگو کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ "واقعۂ کربلا میں حسینؑ کی شہادت انسانی اقدار کو نہ صرف زندہ کرتی ہے بلکہ دنیاوی جاہ و حشمت کو چھوڑ کر خداوند سے بھی قریب کرنے میں ہماری مدد کرتی ہے۔"

ڈاکٹر سیدہ سعدیہ (پاکستان) نے اپنی گفتگو میں کہا کہ "امام حسینؑ کی شہادت ہمارے لیے رول ماڈل ہے، وہ ہمیشہ مظلوموں کے ساتھ کھڑے رہے۔" نامور اسکالر ڈاکٹر قطب الدین (شکاگو) نے اپنے مقالے میں کہا کہ "کربلا میں امام حسینؑ کی شجاعت، محبت، صبر و شکر اور قربانی عشقِ الٰہی کا اعلیٰ معیار پیش کرتی ہے۔" انھوں نے مزید کہا کہ "امام

حسینؑ نے کربلا میں ثبات قدمی کا اعلیٰ نمونہ پیش کر کے ہمیں حالات سے مقابلہ کرنے کا بہترین درس دیا ہے۔" بنگلہ زبان میں اُردو ادب کو پہنچانے والے اُردو بنگلہ ادیب پروفیسر ڈاکٹر غلام ربانی ڈھاکہ (بنگلہ دیش) نے درس کربلا کے تعلق سے مقالہ پڑھا اور کہا کہ "امام حسینؑ نے یزیدیت کے خلاف نہایت بے باکی سے آواز اٹھائی اور باطل کی پرزور مذمت کی۔" سینئر ادیب رانا اعجاز (کویت) نے کہا کہ "یزیدی قوت جہاں بھی موجود ہو، وہاں ہمیں امام حسینؑ کی طرح ہی باطل کی مخالفت کی ضرورت ہے۔" انھوں نے مزید کہا کہ "کربلا میں حسینؑ کا ہر عمل انسانی اقدار سے لبریز ہے۔" بہترین انداز بیاں اور بیباک گفتار کی مالک ڈاکٹر شگفتہ فردوس (پاکستان) نے کہا کہ "کربلا کا واقعہ ہمیں صبر کی تلقین کرتا ہے۔" اس کے علاوہ منقبت اور سلام پڑھنے والوں میں شیریں لحن شاعرہ اور مراٹھواڑہ سے تعلق رکھنے والے ہز رنعتیں لکھنے والی ادیبہ و شاعرہ ہاشمی نسرین سحر (بیڑ، انڈیا)، نوجوان شاعر و ادیب غلام ثاقب (بیڑ، انڈیا)، موقر ادیب ڈاکٹر بدایونی (انڈیا)، وغیرہ شامل تھے۔

پہلے سیشن کے اختتام میں سینئر ادیب و صحافی وجذبہ "پوسٹ امریکہ" کے مدیر پروفیسر سرور قریشی نے اپنے صدارتی خطبے میں تمام مقالہ نگاروں اور شرکاء کو مبارکباد پیش کی اور کہا کہ "کربلا میں امام حسینؑ کی ثابت قدمی نے انسانی تاریخ پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام حسینؑ کی جدوجہد اور شہادت کو صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی نہایت عقیدت و احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔" انھوں نے اپنے خطاب میں کہا کہ "اگر دنیا میں انقلاب برپا کرنا ہے تو ہمیں امام حسینؑ کے دکھائے ہوئے راستے پر چلنا ہوگا۔"

پروگرام کے دوسرے سیشن میں سلام، نعت، منقبت اور حمد کا اہتمام کیا گیا، جس میں سوز و گداز سے بھرپور شاعر نبیل ترابی نے اپنے سلام سے محفل کا آغاز کیا۔ اس سیشن کی صدارت تلک راج پارس (جبل پور، انڈیا) نے کی، جب کہ نظامت کے فرائض انجمن کی روح رواں غوثیہ سلطانہ نے انجام دیے۔ انھوں نے اپنے خطاب میں تلک راج پارس کو سونے کی کان سے تشبیہ دی اور کہا کہ "تلک راج کے یہاں ادب کا بیش قیمتی خزانہ موجود ہے۔" انھوں نے حسینؑ پر منعقد کی گئی کانفرنس کو عبادت سے بھی تعبیر کیا۔ اس محفل میں

امریکہ کی نامور ادیبہ وشاعرہ ڈاکٹر نزہت شاہ (نیویارک)، سینئر ادیب وشاعر ڈاکٹر
منیر الزماں منیر (شکاگو) نے سلام، سینئر خوش گلو شاعر انصار احمد معروفی (نئی دہلی)، ڈاکٹر
توفیق انصاری (شکاگو)، انجمن مدار اور غوثیہ سلطانہ نوری نے منقبت پڑھی۔ بھارتیہ ادب
وکاس فاؤنڈیشن سولاپور کے صدر و نوجوان ادیب وافسانہ نگار سلطان اختر کی پروگرام میں
خصوصی شرکت رہی۔

اس عالمی کانفرنس میں ادباؤ دانشوروں کے علاوہ بڑی تعداد میں ریسرچ اسکالرس
نے بھی شرکت کی۔

آن لائن پروگرام
5/اکتوبر 2021ء

غالبؔ کے فارسی کلام کی آفرینی کا ثانی نہیں: ڈاکٹر تقی عابدی

غالبؔ کی فارسی شاعری کا وہ پایہ تو نہیں جو ان کی اردو شاعری کا ہے۔ لیکن یہ اپنی نوعیت کا منفرد کلام ہے۔

وقت کی ضرورت ہے کہ ہم غالبؔ کے فارسی کلام پر بھی خاطر خواہ توجہ دیں۔ ان خیالات کا اظہار غالب انسٹی ٹیوٹ میں دوسرا آن لائن غالب توسیعی خطبہ کے دوران معروف ادیب و محقق ڈاکٹر تقی عابدی نے کیا۔

انھوں نے کہا کہ ''میں غالب انسٹی ٹیوٹ کا شکر گزار ہوں اور اسے مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ اس نے اس موضوع کی اہمیت کو سمجھا اور اس پر خطبے کا انعقاد کیا۔'' انھوں نے کہا کہ ''غالب کو اپنی فارسی پر ناز تھا اور وہ فارسی خطوط بڑے اہتمام سے لکھتے تھے۔ انھوں نے فارسی میں بڑی کامیاب مثنویاں کہیں جن میں ''چراغ دیر'' اور ''ابرِ گہربار'' سب سے زیادہ مشہور ہوئیں اور حقیقت یہ ہے کہ وہ بلند ترین فنی معیار کو پہنچتی ہیں۔''

ان کے فارسی کلام میں معنی آفرینی کے ایسے نمونے پنہاں ہیں جن کی مثال آسانی سے دستیاب نہیں ہو سکتی۔

خطبے کی صدارت غالب انسٹی ٹیوٹ کے سکریٹری پروفیسر صدیق الرحمن قدوائی نے کی۔ صدارتی کلمات ادا کرتے ہوئے پروفیسر صدیق الرحمن قدوائی نے کہا کہ ''اگرچہ موضوع بڑا وسیع تھا لیکن ڈاکٹر تقی عابدی کا علمی تجربہ ایسا ہے کہ انھوں نے غالب کے فارسی کلام کے مختلف پہلوؤں پر معنی خیز گفتگو کی۔ غالب کے فارسی آثار پر بھی اگرچہ خاصی گفتگو

کی جا چکی ہے لیکن ابھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خاطر خواہ مواد سامنے نہیں آ سکا۔"

غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر ڈاکٹر ادریس احمد نے کہا کہ "ڈاکٹر تقی عابدی ہمارے عہد کے ممتاز ادیبوں میں شمار ہوتے ہیں۔"

انھوں نے کلاسیکی شعر پر خصوصی جو کام کیا ہے اس سے ادبی دنیا بخوبی واقف ہے۔ انھوں نے "فیات غالب فارسی" کو بڑی محنت اور تحقیقی تقاضوں کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ آج کے توسیعی خطبے بعنوان "دورِ حاضر میں غالب کے فارسی کلام کی معنویت، اہمیت اور افادیت" کے موضوع پر جس عالمانہ انداز میں گفتگو کی وہ انھیں کا حصہ ہے۔ ڈرامہ اور غالب انسٹی ٹیوٹ کے فیس بک پیج پر کثیر تعداد میں لوگوں نے اس پروگرام میں شرکت کی۔

آن لائن پروگرام
نئی دہلی
12/اکتوبر 2021ء

نندلال نیرنگ سرحدی کی تحریریں گنگا جمنی تہذیب کی عکاس: دانشوران

ورلڈ اردو ایسوسی ایشن نے

نندلال نیرنگ سرحدی کی ادبی خدمات کے اعتراف میں ''محبّ اردو ایوارڈ'' پیش کیا

ورلڈ اردو ایسوسی ایشن، نئی دہلی اور نیرنگ سرحدی بزم ادب میموریل فاؤنڈیشن، کینیڈا کے زیر اہتمام ''نیرنگ سرحدی، فن و شخصیت'' پر ادبی مذاکرے اور توسیعی خطبے کا انعقاد کیا گیا۔ نیرنگ سرحدی کی زندگی کے بہت سارے پہلو ہیں، ان میں سب سے اہم اور یادگار پہلو ان کا ادبی فن پارہ ہے جو شعر اور نثر کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ نیرنگ سرحدی نے غزل، نظم، افسانے، خطوط اور دیگر اصناف میں طبع آزمائی کی۔ نیرنگ سرحدی کی زندگی گویا یک انجمن کی تھی جس میں مختلف اصناف جگنو کی طرح جگمگا رہے تھے۔ نیرنگ سرحدی کی زندگی پر اظہار خیال کرتے ہوئے ان کے صاحبزادے نریش نارنگ نے کہا کہ ''نیرنگ سرحدی کی پوری زندگی گنگا جمنی تہذیب کے لیے وقف تھی۔'' ان کے خدوخال کا تعارف پیش کرتے ہوئے موصوف نے کہا کہ ''انھیں دیکھ کر برصغیر کی تہذیبی تاریخ یاد آجاتی تھی۔''

اس ادبی مذاکرے میں، ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کے روح رواں پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے صدارت کی جب کہ ڈاکٹر شفیع ایوب نے نظامت کی ذمہ داری نبھائی۔ مقرر خصوصی کی حیثیت سے ڈاکٹر سید تقی عابدی نے توسیعی خطبہ پیش کیا۔ ڈاکٹر تقی عابدی جو کہ محقق و ناقد ہیں، انھوں نے بڑی تفصیل سے نیرنگ سرحدی پر تحقیقی گفتگو کرتے ہوئے کہا

کہ ''ان کی زندگی کے کئی پہلو ہیں جن میں غزل، نظم، قطعات، رباعیات، شخصی مرثیے، فارسی شاعری، خطوط وغیرہ شامل ہیں۔ اس عالمانہ گفتگو سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اردو ادب میں نیرنگ سرحدی کا مقام ومرتبہ کیا ہے۔''

نیرنگ سرحدی پر اظہار خیال کرتے ہوئے نیہا ٹھاکر داس، جو کہ نیرنگ سرحدی کی پوتی ہیں، نے کہا کہ ''دادا کی ادبی وراثت کو ہم سب بہت آگے لے کر جائیں گے تاکہ ان کی تحقیقات سے پوری دنیا روشناس ہو سکے۔'' ساتھ ہی نیہا نے کہا کہ ''نیرنگ سرحدی کی پوری زندگی گنگا جمنی تہذیب اور اُردو تہذیب کے لیے وقف تھی، اس لیے ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم سب اسی مشن سے جڑ کر انھیں بہترین خراج عقیدت پیش کریں۔'' ادبی مذاکرے میں شامل مقررین کی آرا سے قبل نیرنگ سرحدی کی خدمات کے اعتراف میں ورلڈ اردو ایسوسی ایشن، نئی دہلی نے انھیں ''محبّ اردو ایوارڈ'' سے سرفراز کیا۔ ساتھ ہی ایک اہم تحقیقی کتاب ''تعمیر بقا'' کی رسم رونمائی بھی عمل میں آئی۔ اس تحقیق پر اظہار خیال کرتے ہوئے پروفیسر خواجہ اکرام نے کہا کہ ''نیرنگ سرحدی کے خاندان کینیڈا جاتے ہوئے ایک اہم ادبی وراثت اپنے ساتھ لے گئے۔'' ڈاکٹر سید تقی عابدی نے اُردو دنیا کے سامنے ایک نایاب شے ''تعمیر بقا'' پیش کی ہے جو کہ نیرنگ سرحدی کی ادبی کاوش ہے۔ یقیناً اُردو دنیا اس تحقیق سے استفادہ کرے گی۔

اس ادبی مذاکرے میں مقررین کی حیثیت سے پروفیسر شہاب عنایت ملک، ڈاکٹر اطہر فاروقی، جناب خلیل الرحمان، ایڈووکیٹ، جناب ناصر عزیز وغیرہ نے شرکت کی۔ مقررین نے نیرنگ لال سرحدی، فن و شخصیت پر اپنی رائے پیش کرتے ہوئے کہا کہ ''نیرنگ سرحدی کی تحقیقات اور تصنیفات یقیناً اُردو ادب میں اہم اضافہ ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ نیرنگ سرحدی کی ادبی جہات کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ نئی نسل نیرنگ سرحدی کی ادبی خدمات سے استفادہ کر سکے۔''

روزنامہ ''منصف''، ''آداب تلنگانہ'' حیدرآباد

21/دسمبر 2021ء

فراقؔ اُردو کی کلاسیکی غزل کا آخری شاعر

ڈاکٹر تقی عابدی

''فراقؔ گورکھپوری کی شاعری میں جمالیات اور ارضیت پسندی'' کے موضوع پر توسیعی خطبہ پیش کرتے ہوئے کہا۔

فراقؔ اردو کی کلاسیکی غزل کا آخری شاعر ہے۔ جگرؔ مرادآبادی، یگانہؔ چنگیزی، جوشؔ ملیح آبادی جیسے شاعر بھی ان کی عظمت کے قائل تھے۔ فراقؔ حسن، عشق اور انسانیت کا شاعر ہے۔ انھوں نے اردو شاعری کو نیا عاشق اور نیا معشوق دیا۔ ان کی غزلوں اور رباعیوں میں ہندوستانی مٹی کی خوشبو ملتی ہے۔

ان خیالات کا اظہار ممتاز محقق و ناقد ڈاکٹر سید تقی عابدی، کینیڈا نے آج ''فراقؔ گورکھپوری کی شاعری میں جمالیات اور ارضیت پسندی'' کے موضوع پر توسیعی خطبہ پیش کرتے ہوئے کیا۔ شعبہ اردو، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کی جانب سے سید حامد لائبریری آڈیٹوریم میں ڈاکٹر سید تقی عابدی کے توسیعی خطبہ کا اہتمام کیا گیا تھا۔

جلسہ کی صدارت شیخ الجامعہ پروفیسر سید عین الحسن نے کی۔ اس موقع پر ڈاکٹر تقی عابدی کی مرتب کردہ کتب ''کلیات فراقؔ گورکھپوری'' اور ''مطالعہ رباعیات فراقؔ گورکھپوری مع روپ (تجزیہ، تنقید و تدوین)'' کی رونمائی شیخ الجامعہ پروفیسر عین الحسن نے کی۔

پروفیسر سید عین الحسن نے صدارتی کلمات پیش کرتے ہوئے کہا کہ ''فراقؔ گورکھپوری پر فارسی کے عظیم شاعر حافظ شیرازی کا اثر نظر آتا ہے۔'' ڈاکٹر تقی عابدی نے فراقؔ گورکھپوری کی شاعری کے کئی اہم گوشوں سے واقف کرایا ہے۔

پروفیسر نسیم الدین فریس ڈین اسکول برائے السنہ، لسانیات اور ہندوستانیات اور صدر شعبہ اُردو نے استقبالیہ کلمات پیش کرتے ہوئے کہا کہ ''بیسویں صدی میں جن شعرا نے اُردو غزل کی روایت کو جو استحکام بخشا ان میں ایک اہم نام فراق گورکھپوری کا ہے۔ ان کے بارے میں جگر مرادآبادی نے کہا تھا کہ ہم کو بھول جائیں گے لیکن فراق کو یاد رکھیں گے۔''

جلسہ کی نظامت شعبے کے استاد ڈاکٹر ابوشہیم خاں نے کی اور ڈاکٹر بی بی رضا نے اظہار تشکر کیا۔ پروگرام کا آغاز محمد سلمان، ایم اے اُردو کی تلاوت قرآن سے ہوا۔ اس موقع پر نائب شیخ الجامعہ پروفیسر ایس ایم رحمت اللہ، رجسٹرار انچارج پروفیسر صدیقی محمد محمود، ڈین بہبودی طلبا پروفیسر سید علیم اشرف جائسی کے علاوہ اساتذہ و طلبا کی کثیر تعداد موجود تھی۔

روزنامہ "منصف"، "سیاست" حیدرآباد
21/دسمبر 2021ء

داغؔ دہلوی میموریل آڈیٹوریم ریسرچ سنٹر کے قیام کا حکومت سے مطالبہ

نظام ششم اور علامہ اقبالؔ کے استاد کے مزار پر مشاہیرینِ ادب کی حاضری اور فاتحہ خوانی

کل ہند داغؔ دہلوی فاؤنڈیشن نے حکومت تلنگانہ سے مطالبہ کیا کہ حیدرآباد میں "حضرت داغؔ آڈیٹوریم اور ریسرچ سنٹر" قائم کرے تاکہ نہ صرف اردو کے اس عظیم شاعر کو خراجِ عقیدت پیش کیا جا سکے۔ بلکہ ریسرچ اسکالرس کو بھی فائدہ پہنچایا جا سکے۔ فاؤنڈیشن کی جانب سے 20/دسمبر کو مزارِ داغؔ پر فاتحہ خوانی کا اہتمام کیا گیا تھا۔ ممتاز شاعر، ادیب و محقق ڈاکٹر تقی عابدی، سکریٹری ڈائرکٹر اردو اکیڈیمی ڈاکٹر محمد غوث کے علاوہ فاؤنڈیشن کے بانی صدر سید مسکین، پروفیسر ایس اے شکور ڈائرکٹر سی ای ڈی ایم، ڈاکٹر جاوید کمال، پروفیسر مجید بیدار، سردار سلیم اور کئی سرکردہ شخصیات موجود تھیں۔ حضرت داغؔ دہلوی کے ہزاروں شاگرد تھے جن میں علامہ اقبالؔ کے علاوہ آصف جاہ ششم نواب میر محبوب علی خاں بھی شامل ہیں۔ داغؔ پہلی بار اپریل 1888ء میں حیدرآباد آئے تھے۔ دوبارہ مارچ 1890ء کو حیدرآباد آئے۔ 6/فروری 1891ء کو انھوں نے چھٹے نظام کی غزل کی اصلاح کی۔ جس پر انھیں وظیفہ مقرر ہوا اور اس پر دو سال پہلے سے عمل آوری ہوئی۔ 14/فروری 1905ء کو عید الاضحیٰ کے دن ان کا انتقال ہوا۔ مکہ مسجد میں ان کی نمازِ جنازہ میں نظام ششم نے شرکت کی۔ احاطہ درگاہ حضرات یوسفین میں ان کی مزار ہے۔ داغؔ کے سینکڑوں اشعار مشہور ہیں۔

ڈاکٹر تقی عابدی نے کل ہند داغ فاؤنڈیشن کے قیام پر مسرت کا اظہار کیا اور کہا کہ "یہ ایسے عظیم شاعر ہیں جن کی شاگردی پر علامہ اقبال فخر کرتے تھے اور نظام ششم نواب میر محبوب علی خان ان کا احترام کرتے تھے۔ سید مسکین احمد نے اس موقع پر اعلان کیا کہ داغ کے یوم ولادت کے موقع پر کل ہند مشاعرہ منعقد کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ ان کے ایصال ثواب کے لیے محفل قرآن خوانی کا اہتمام کیا جائے گا۔ انھوں نے چیف منسٹر سے مطالبہ کیا کہ وہ اردو اور اردو والوں کی ترقی کے لیے عملی اقدامات کریں۔ داغ جیسے شعراء کرام کی یادگار تعمیر کرنے سے تلنگانہ کی کل ہند سطح پر مسلم اور اردو دوستی کی شبیہ بہتر ہوں۔

روزنامہ "لازوال" جموں

23/دسمبر 2021ء

آئی ایم ایف اے میں پانچ روزہ قومی آرٹ ورکشاپ کا افتتاح

ڈاکٹر سید تقی عابدی نے

"اُردو اور موسیقی کا باہمی رشتہ"

موضوع پر خصوصی لکچر دیا

انسٹی ٹیوٹ آف میوزک اینڈ فائن آرٹس جموں یونیورسٹی میں وائس چانسلر جموں یونیورسٹی پروفیسر منوج کمار دھر نے کینیڈا کے نامور محقق، ادیب اور شاعر ڈاکٹر سید تقی عابدی کی موجودگی میں پانچ روزہ قومی آرٹ ورکشاپ کا افتتاح کیا۔ اس موقعہ پر پرنسپل انسٹی ٹیوٹ آف میوزک اینڈ فائن آرٹس جموں یونیورسٹی پروفیسر شہاب عنایت ملک اور ادارے کے فیکلٹی ممبران اور طلبا بھی موجود تھے۔ ورکشاپ کا افتتاح کرتے ہوئے وائس چانسلر جموں یونیورسٹی پروفیسر منوج کمار دھر نے کہا کہ "جموں یونیورسٹی کے تحت چلنے والا انسٹی ٹیوٹ آف میوزک اینڈ فائن آرٹس موسیقی اور فائن آرٹس کے فروغ کے لیے شاندار رول ادا کر رہا ہے۔" انھوں نے کہا کہ "گزشتہ چند مہینوں سے انسٹی ٹیوٹ پروفیسر شہاب ملک کی نگرانی میں بہت فعال اور متحرک ہے۔ حال ہی میں راجوری اور ریاسی میں کتھک ڈانس کی ورکشاپ بھی منعقد کرائی گئی ہیں۔" انھوں نے کہا کہ "جموں یونیورسٹی موسیقی اور فائن آرٹس کو وسیلہ بنا کر آپسی بھائی چارے کو فروغ دینے کے لیے کام کر رہا ہے۔"

اس موقعہ پر ڈاکٹر سید تقی عابدی نے "اردو اور موسیقی کا باہمی رشتہ" موضوع پر خصوصی لکچر دیا۔ انھوں نے کہا کہ موسیقی اردو زبان کے بغیر نامکمل ہے اور اس حوالے سے چند فلمی گانوں کو بھی بطور مثال پیش کیا۔

اس کے قبل پروفیسر شہاب عنایت ملک نے استقبالیہ خطبہ پیش کیا۔ انھوں نے کہا کہ ”مارچ 2022ء میں انسٹی ٹیوٹ کی سالانہ تقریب منعقد کی جائے گی جس میں نامور فلم موسیقار، شاعر اور ڈائریکٹر گلزار کو انسٹی ٹیوٹ کے سالانہ جشن میں مدعو کیا جائے گا اور اس دوران شامِ غزل کا انعقاد بھی کیا جائے گا۔“ اس دوران پروگرام کی نظامت ڈاکٹر فلک شرما اتکی او ڈی پینٹ نے انجام دیے۔ اس دوران ورکشاپ میں کشمیر یونیورسٹی، جامعہ ملیہ یونیورسٹی نئی دہلی، کروکشیتر یونیورسٹی اور بنارس ہندو یونیورسٹی کے طلبا ورکشاپ میں حصہ لے رہے ہیں۔

روزنامہ ''لازوال'' جموں

23/دسمبر 2021ء

''غالبؔ سے فراقؔ تک:
اُردو شاعری میں مقامی تھیوری کی جستجو''

مولانا آزاد میموریل پی جی کالج میں یک روزہ سیمینار کا اہتمام

فراقؔ کی شاعری کے پیغام کو عام کرنا وقت کا تقاضا: ڈاکٹر تقی عابدی

مولانا آزاد میموریل پی جی کالج جموں میں شعبہ اُردو اور آئی کیو اے سی کے اشتراک سے ''آزادی کا امرت مہوتسو'' سلسلے کے تحت ''غالبؔ سے فراقؔ تک۔ اردو شاعری میں مقامی تھیوری کی جستجو'' کے موضوع پر یک روزہ سیمینار کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت کالج کے پرنسپل پروفیسر جی ایس رکوال نے کی۔ اس دوران تقریب میں کینیڈا کے نامور ادیب، شاعر اور ناقد ڈاکٹر سید تقی عابدی مہمان خصوصی تھے، جب کہ پرنسپل انسٹی ٹیوٹ آف میوزک اینڈ فائن آرٹس جموں یونیورسٹی پروفیسر شہاب عنایت ملک مہمان ذی وقار تھے۔ اس موقعہ پر کالج کے دیگر اساتذہ بھی ایوان صدارت میں موجود تھے۔ معزز شخصیات کی موجودگی میں ڈاکٹر سید تقی عابدی کی مرتب کردہ کتاب ''فراقؔ گورکھپوری کلیات کامل'' کا اجراء بھی کیا گیا۔ موضوع سے متعلق خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ڈاکٹر سید تقی عابدی نے کہا کہ ''فراقؔ گورکھپوری کا اصلی نام رگھوپتی سہائے تھا اور ان سے متعلق بڑے نقادوں نے کہا کہ ان کا ذہن آٹھ جہتیں رکھتا تھا۔'' انھوں نے کہا کہ ''فراقؔ گورکھپوری کی شاعری میں مقامی تھیوری یعنی ہندوستانیت کی نمایاں مثالیں ملتی ہیں۔'' ڈاکٹر سید تقی عابدی نے کہا کہ ''فراقؔ نے ہندوستانی تہذیب وثقافت، حب الوطنی اور تحریک

آزادی کو فروغ دینے میں کلیدی رول ادا کیا ہے اور اسی وجہ سے انھیں گیان پیٹھ جیسے عظیم اعزاز سے نوازا گیا۔'' انھوں نے کہا کہ ''فراق غیر معمولی شاعر تھا اور اس نے اپنی شاعری کے ذریعے جو پیغام دیا ہے اس کو عام کرنا موجودہ وقت کی ضرورت ہے۔'' انھوں نے مزید کہا کہ ''فراق سے پہلے اردو شاعری میں عاشق اور معشوق کے درمیان محبت کا پیمانہ مختلف تھا لیکن فراق کی شاعری نے عاشق و معشوق کو برابری پر لانے میں کلیدی رول ادا کیا۔'' اس موقعہ پر خیالات کا اظہار کرتے ہوئے پروفیسر شہاب عنایت ملک نے کہا کہ ''ڈاکٹر سید تقی عابدی اردو ادب کی خدمت کے لیے جو خدمات انجام دے رہے ہیں ان کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا ہے۔'' انھوں نے کہا کہ ''تقی عابدی کی اردو ادب سے لیے گراں قدر خدمات کا احاطہ کرنے کے لیے درجنوں تحقیقی مقالے درکار ہیں۔'' کالج کے پرنسپل جی ایس رکوال نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ڈاکٹر سید تقی عابدی کی مولانا آزاد کالج میں تشریف لانے اور یہاں پر اپنی کتاب کا اجراء کرنے کا شرف اس ادارے کو بخشنے کے لیے شکریہ ادا کیا۔ انھوں نے کہا کہ ''یہ ہمارے کالج کی خوش قسمتی ہے کہ یہاں آکر آپ نے طلباء کو اہم موضوع پر لکچر دیا۔'' انھوں نے امید ظاہر کی کہ ڈاکٹر سید تقی عابدی آئندہ بھی کالج میں تشریف لاتے رہیں گے۔ اس دوران نظامت کے فرائض صدر شعبہ اردو مولانا آزاد میموریل کالج جموں ڈاکٹر شہناز قادری نے پیشہ وارانہ انداز میں ادا کیے جب کہ شعبہ انگریزی کے پروفیسر سنجے سمبیال نے شکریہ کی تحریک پیش کی۔ سیمینار میں کالج کے فیکلٹی ممبران اور طلباء کی کثیر تعداد موجود تھی۔

26/دسمبر 2021ء

ورلڈ اُردو ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام

فراقؔ کی شخصیت اور شاعری پر توسیعی خطاب

فراقؔ ارضیت کے ساتھ ساتھ آفاقیت کا شاعر ہے: ڈاکٹر تقی عابدی

ورلڈ اُردو ایسوسی ایشن باشتراک ہندوستانی زبانوں کا مرکز، اسکول آف لینگویجز، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی نئی دہلی میں ڈاکٹر سید تقی عابدی کے اعزاز میں ایک پروگرام کا انعقاد کیا گیا جس میں ان کی تین کتابوں کا اجرا عمل میں آیا۔ ساتھ ہی ساتھ فراقؔ کی شخصیت اور شاعری کے حوالے سے ڈاکٹر تقی عابدی کا توسیعی خطاب بھی ہوا۔ پروگرام کے افتتاح میں پروفیسر خواجہ اکرام الدین نے ڈاکٹر سید تقی عابدی کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ ''ڈاکٹر تقی عابدی پیشے کے اعتبار سے ایک ماہر ڈاکٹر ہیں لیکن اس کے باوجود تحقیق و تنقید کے حوالے سے ان کا بہت اہم کام ہے۔ انھوں نے غالبؔ، فیضؔ، حالیؔ، انیسؔ اور فراقؔ کے علاوہ کئی مشاہیر ادب کی حیات و خدمات کے حوالے سے بہت اہم کام کیا ہے اور ان کی کلیات کو تحقیق و تدوین کے بعد شائع کیا۔'' اسکول آف لینگویجز کے ڈین پروفیسر مظہر آصف کی خصوصی اجازت اور تعاون سے اس پروگرام کا انعقاد کمیٹی روم میں کیا گیا۔ انھوں نے اپنی مختصر گفتگو کے دوران مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور اپنے خوب صورت کلمات سے سامعین کو محظوظ کیا۔

ڈاکٹر سید تقی عابدی چوں کہ پیشے کے اعتبار سے ڈاکٹر ہیں اس لیے انھوں نے ابتدا میں ضمنی طور پر کورونا کے مسائل اور احتیاطی تدابیر پر گفتگو کی۔ اس کے بعد ''فراقؔ گورکھپوری شخصیت اور شاعری'' کے موضوع پر بہت ہی معلوماتی تقریر کی اور فراقؔ کو آفاقی شاعر بتایا۔ انھوں نے اس کی وضاحت کی کہ فراقؔ نے پہلے روایتی غزل، پھر ترقی پسند غزل، پھر جدید غزل اور اس کے بعد مابعد جدید غزل کہی۔ گویا فراقؔ کے یہاں تمام رجحانات شعر و شعور

ہیں۔ ''کلیات فراق گورکھپوری کامل'' فراق فہمی کے باب میں بہت اہم کارنامہ ہے۔ انھوں نے اپنے خطاب میں کہا کہ ''فراق گورکھپوری کی خانگی زندگی بہت پرسکون نہیں تھی باوجود اس کے فراق نے اردو کی بہت خدمات انجام دیں۔ لہٰذا ان کے بند گوشوں پر مزید کام کرنے کی ضرورت ہے۔''

اس پروگرام میں صدارت کے فرائض پروفیسر انور پاشا نے انجام دیے۔ انھوں نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ ''تقی عابدی پوری دنیا میں علم کی روشنی بانٹتے ہیں اور اردو زبان و ادب کے فروغ میں کوشاں رہتے ہیں۔'' ایڈووکیٹ خلیل الرحمن نے فراق کی شخصیت اور شاعری پر مختصر اور بہت جامع گفتگو کی۔ ساتھ ہی ڈاکٹر تقی عابدی کی خدمات کو سراہتے ہوئے کہا کہ ''ان کا مقصد محض ادبی وراثت کو آنے والی نسلوں تک پہنچانا ہے۔'' انجمن ترقی اردو کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی نے کلیات فراق کی ترتیب و تدوین پر بہت خوشی کا اظہار کیا اور اس کام کو فراق فہمی کے باب میں سنگ میل قرار دیا۔ اس موقع پر ایڈوکیٹ ناصر عزیز نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ پروفیسر خان مسعود سابق وائس چانسلر خواجہ معین الدین چشتی یونیورسٹی لکھنؤ، ڈاکٹر شفیع ایوب، ڈاکٹر شفیع الرحمن، ڈاکٹر لیاقت علی، ڈاکٹر احمد علی جوہر، جلیل اقبال خان، مشتاق صدیقی، شہباز رضا کے علاوہ بہت سے اساتذہ اور ریسرچ اسکالروں نے شرکت کی۔ واضح رہے کہ پروگرام میں کورونا پروٹوکول کی پابندی بھی کی گئی۔

روزنامہ ''ہماراسماج'' نئی دہلی

29/دسمبر 2021ء

غالبؔ ادب عالیہ کی رونق اور ہماری شناخت کی شمع روشن ہے: ڈاکٹر تقی عابدی

شعبۂ اُردو سی سی ایس یو میں دوروزہ بین الاقوامی آن لائن وآف لائن سیمینار اختتام پذیر

''غالبؔ جو سچا! ترقی پسند شاعر ہے جو ہمارے تاج محل اور اُردو زبان کی طرح ہماری سرزمین کا تحفہ ہے۔ اس کی یاد بود ہماری ادبی، سماجی، ثقافتی تہذیب کا مرکز ہے جس سے ادب عالیہ کی رونق اور ہماری شناخت کی شمع روشن ہے۔ یہ الفاظ تھے کینیڈا سے تشریف لائے معروف فکشن ناقد اور ماہر غالبیات ڈاکٹر تقی عابدی کے جو شعبۂ اُردو، چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی اور بین الاقوامی نوجوان اُردو اسکالرز انجمن (آیوسا) کے زیر اہتمام منعقد دوروزہ بین الاقوامی آن لائن، آف لائن سیمینار ''غالبؔ فکروفن کے آئینے میں'' موضوع پر خصوصی مقرر کی حیثیت سے اظہار خیال کے دوران ادا کر رہے تھے۔ انھوں نے مزید کہا کہ ''مرزا غالب دُنیا کے بہترین شاعروں میں سرفہرست تھے۔'' انھوں نے اپنے کلام کے ذریعے کائنات کے رموز و نکات پر جس فلسفیانہ انداز سے نظر ڈالی ہے اس کی مثال دوسرے شعراء کے یہاں مفقود ہے۔ لیکن ان سے ابھی تک پورے طور پر استفادہ نہیں کیا ہے جب کہ عہد حاضر اور ترقیات کے اس دور میں غالبؔ کی معنویت مزید بڑھ گئی ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ آج ایک بار پھر محققین اور ناقدین غالبؔ کی خدمات پر پوشیدہ پہلوؤں کو منظر عام پر لائیں یہی غالب جیسے شاعر کو سچی خراج عقیدت ہوگی۔ اس ادبی محفل کی صدارت کے فرائض صدر شعبۂ اُردو، چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی، میرٹھ

پروفیسر اسلم جمشید پوری نے انجام دیے۔ مہمان خصوصی کے طور پر پروفیسر وائی ۔ وی۔ (نائب شیخ الجامعہ، چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی، میرٹھ) اور مہمانان اعزازی کے طور پر پروفیسر صغیر افراہیم (سابق صدر شعبہ اُردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) اور معروف شاعر و ناقد پروفیسر احمد محفوظ (جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی) نے شرکت کی۔ خصوصی مقرر کی حیثیت سے امریکا سے تشریف لائے ماہر غالبیات ڈاکٹر تقی عابدی نے شرکت کی۔ استقبالیہ کلمات ڈاکٹر شاداب علیم، نظامت ڈاکٹر آصف علی اور شکریے کی رسم ڈاکٹر ارشاد سیانوی نے ادا کی۔ محفل کا آغاز فاروق شیروانی نے تلاوت کلام پاک سے کیا۔ مہمانان کا پھولوں کے ذریعے استقبال کیا گیا۔ بعد ازاں سعید احمد سہارنپوری نے غالب کی غزل اپنی مترنم آواز میں پیش کر کے سامعین کو محظوظ کیا۔

اسی دوران شعبۂ اُردو کی ششماہی میگزین "ہماری آواز" کے غالب نمبر، ڈاکٹر عابد حسین حیدری کی تصنیف "مرثیے کی جمالیات اور تحریک ادب بنارس کا خصوصی شمارہ" کا اجراء مہمانان کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اس موقع پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے پروفیسر صغیر افراہیم نے کہا کہ "غالب ہمارے لیے، ہماری تہذیب و ثقافت اور زبان و ادب کے لیے بیش قیمت ہیں۔ ان کی یاد میں ہونے والا یہ جشن ہمیشہ عزم و حوصلہ عطا کرتا ہے۔ قابل مبارک باد ہیں اسلم جمشید پوری اور ان کے رفقا، جنھوں نے ہم کو غالب کو یاد کرنے محسوس کرنے کا موقع عطا کیا۔ غالب جو آج کی صورت حال میں بھی تر و تازہ ہیں اور رہبری کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔"

پروفیسر احمد محفوظ نے کہا کہ "شعبہ اردو، چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی قابل مبارک باد ہے کہ یہاں غالب کے تعلق سے دو روزہ عالمی سیمینار منعقد کیا گیا ہے۔ غالب کا شمار اُردو کے سب سے بڑے شعراء میں ہوتا ہے اور غالب کا یہ امتیاز ہے کہ ان کی شاعری نے عالمی سطح پر بڑے ذہنوں کو متاثر کیا ہے۔ غالب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے کلام نے جدید ذہن کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔ غالب انسانی وجود کے ان پہلوؤں کو سامنے لائے ہیں جو نئے زمانے میں غیر معمولی معنویت کے حامل ہیں۔"

ڈاکٹر سرور ساجد نے کہا کہ "غالب کی شاعرانہ عظمت ان کی انفرادیت میں پوشیدہ

ہے۔ غالب نے اپنی شاعری میں ایک ایک لفظ کو اس طرح برتا ہے کہ ان میں منفرد اسلوب کی مہر ثبت کر دی ہے۔ غالب کے موضوعات آج بھی قابل قدر ہیں۔ لیکن غالب کی انفرادیت کا اظہار موضوعات سے زیادہ ان کے اسلوب میں مضمر ہے۔ غالب کا ذہن اس قدر تازہ اور نیا ہے کہ ہم آج بھی ان سے استفادہ کرنے پر مجبور ہیں۔"

ڈاکٹر عابد حسین حیدری نے اپنے تاثرات پیش کرتے ہوئے کہا کہ "آج بھی غالب سب سے مقبول ترین شاعر ہیں لیکن افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ انھیں اُردو کے بجائے دیوناگری اور رومن میں پڑھا جا رہا ہے۔ اس پر ہم اُردو والوں کو سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا کہ نئی نسل اُردو سے دوری کیوں اختیار کر رہی ہے۔ آج کا یہ سیمینار نئی نسل سے اُردو کو غالب سے جوڑنے کی ایک اچھی کوشش ہے جس کے لیے پروفیسر اسلم جمشید پوری اور شعبہ اُردو کے تمام متعلقین مبارک باد کے مستحق ہیں۔"

روزنامہ ''اعتماد''، ''نظام آباد مورننگ ٹائمز'' حیدرآباد و دیگر اردو نیوز پیپر

30/دسمبر 2021ء

ڈاکٹر تقی عابدی دُنیا بھر میں اُردو زبان وادب کے سفیر اور بے مثال محقق ہیں: شیخ عقیل احمد

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے صدر دفتر میں کینیڈا میں مقیم معروف ادیب و محقق ڈاکٹر تقی عابدی کی تین کتابوں ''کلیات فراق کامل''، ''مطالعہ رباعیات فراق گورکھپوری''، ''بلسند بے حبہ'' کا کونسل کے ڈائریکٹر پروفیسر شیخ عقیل احمد، معروف افسانہ نگار شموئل احمد اور مشہور شاعر ملک زادہ جاوید کے ہاتھوں اجرا عمل میں آیا۔ اس موقعے پر شیخ عقیل احمد نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر تقی عابدی و مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور ان کی ادبی، تحقیقی خدمات کا تعارف کروایا اور کہا کہ ''ڈاکٹر تقی عابدی رات دن تحریر و تحقیق میں سرگرم رہتے ہیں اور لگاتار ان کی کتابیں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اسی سلسلے کی ان کی یہ تین کتابیں ہیں۔ وہ جس موضوع پر لکھنا چاہتے ہیں اس پر بھرپور تحقیق کرتے ہیں، پھر لکھنا شروع کرتے ہیں۔'' انھوں نے کہا کہ ''ڈاکٹر تقی عابدی نے ادب کے کسی موضوع کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے، ہر موضوع پر قابل قدر تحقیقی، تنقیدی کام کیا ہے۔ وہ جس موضوع پر کام کرتے ہیں اس کے ماہر بن جاتے ہیں، یہ ان کی بہت بڑی خوبی ہے۔ یہ دُنیا بھر میں اُردو ادب کے سفیر بھی ہیں، جہاں بھی اُردو پر بات ہوتی ہے وہاں ان کا کسی نہ کسی حوالے سے تذکرہ ضرور ہوتا ہے۔''

شیخ عقیل نے کہا کہ ''یہ میرے لیے شرف کی بات ہے کہ اُردو کے اتنے بڑے ادیب و مصنف کی تین کتابوں کے اجرا کا موقع ملا۔'' شموئل احمد نے کہا کہ ''ڈاکٹر تقی عابدی کی تنقیدی بصیرت کا میں ایک عرصے سے قائل ہوں۔ ان کے دل میں اردو کا درد ہے،۔۔۔

اسے پوری دُنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں اور اس کے لیے شب و روز کوشاں رہتے ہیں۔ میں ان کتابوں کی اشاعت پر انھیں مبارک باد دیتا ہوں۔''

ملک زادہ جاوید نے تقی عابدی کی ادبی فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ''اردو کی نئی بستیوں میں کوئی بھی ادبی مجلس تقی عابدی کے ذکر سے خالی نہیں رہتی۔ یہ میرے لیے خوشی کا مقام ہے کہ ان کی تین کتابوں کے اجرا کی تقریب میں شمولیت کا موقع ملا۔''

ڈاکٹر تقی عابدی نے اپنے تاثرات پیش کرتے ہوئے ڈائریکٹر قومی کونسل، دیگر مہمانان اور شرکا، کا شکریہ ادا کیا اور تینوں کتابوں کا تعارف پیش کرتے ہوئے کہا کہ ''اردو کو اکیسویں صدی کے ترقیاتی دور میں محفوظ رکھنے اور فروغ دینے کے لیے بڑوں کے تجربات سے استفادہ ضروری ہے۔ اسی طرح نئے اسکالرز اور محققین کے لیے ضروری ہے قدیم ادبا و شعرا کی باقیات کی تحقیق و تجزیے پر خاص توجہ دیں اور انھیں منظر عام پر لانے کی فکر کریں۔ انھوں نے اپنی مرتبہ ''کلیات فراق کامل'' سے سامعین کو منتخب اشعار بھی سنائے اور فراق کے شعری و ادبی امتیازات پر بھی روشنی ڈالی۔ اسی طرح غالب کے شاگرد بالمکند بے صبر کی ادبی خدمات پر بھی گفتگو کی۔

اس موقعے پر جامعہ ملیہ اسلامیہ کے پروفیسر ندیم احمد اور دہلی یونیورسٹی کے پروفیسر احمد امتیاز نے بھی ڈاکٹر عابدی کو مبارک باد پیش کی۔ تقریب میں کونسل کا عملہ بھی شریک رہا۔

امروہہ

31/دسمبر 2021ء

علمی درس گاہ آئی ایم انٹر کالج پہنچے نامور اُردو ادیب ڈاکٹر تقی عابدی

ہماری نئی نسل کو جدید تعلیم حاصل کر کے سماج میں قائم کرنی ہوگی اپنی منفرد شناخت: ڈاکٹر تقی عابدی

نامور اُردو ادیب، تحقیق اور تدوین کے حوالے سے عصرِ حاضر کے معتبر ترین نام ڈاکٹر تقی عابدی نے آج امروہہ پہنچ کر یہاں کی قدیمی علمی درس گاہ آئی ایم انٹر کالج کا جائزہ لیا۔ اس دوران کالج پہنچنے پر پرنسپل ڈاکٹر شاہد کمال اور انتظامیہ کمیٹی کی جانب سے وسیم زیدی نے ان کا خیر مقدم کیا۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے کہا کہ ''امروہہ ایک علمی و ادبی شہر ہے اس شہر نے علم و ادب کی خدمت کے حوالے سے پوری دنیا میں منفرد شناخت قائم کی ہے۔'' انھوں نے کہا کہ ''نئی نسل کو جدید تعلیم سے آراستہ ہونے کی شدید ضرورت ہے۔ اعلیٰ اور معیاری تعلیم ہمیشہ ہماری شناخت رہی ہے اور ہمیں ہمیشہ اس شناخت کو زندہ رکھنا ہے۔'' اس دوران انھوں نے اُردو ادب میں مرثیہ کی حصہ داری پر بھی تبادلۂ خیال پیش کیا اور امروہہ کے اہم مرثیہ نگاروں کو یاد کرتے ہوئے ان کی خدمات کی پذیرائی کی۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے میر انیس کے حوالے سے اور مرزا دبیر کی خدمات پر نہایت عمدہ اور جامع تقریر کی اور ان کے سلسلے میں نہایت ہی اہم معلومات فراہم کرتے ہوئے ان کی خدمات کو یاد کرتے رہنے کی تاکید کی۔ اس کے بعد انھوں نے علمی مرثیہ سینٹر کے چیئرمین ڈاکٹر عظیم کی قبر پر جا کر ان کو خراج عقیدت پیش کی۔

روزنامہ ''صحافت''، ''سیاسی تقدیر'' و دیگر، نئی دہلی
31/دسمبر 2021ء

اُردو شعر و ادب کا مستقبل تابناک ہے

نئی نسل کو اُردو سے جوڑنا ہماری اولین ذمہ داری: ڈاکٹر تقی عابدی

عالمی شہرت یافتہ ادیب، محقق، شاعر، مصنف، مرتب اور موٴلف ڈاکٹر تقی عابدی کا کہنا ہے کہ ''امروہہ سمیت دُنیا بھر میں نئی نسل کے شعرا، جس انداز کی شاعری کر رہے ہیں اسے دیکھ کر یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اُردو کا مستقبل روشن اور تابناک ہے۔'' ڈاکٹر تقی عابدی نے ان خیالات کا اظہار برصغیر میں ادبی لحاظ سے منفرد مقام رکھنے والے شہر امروہہ میں اپنے اعزاز میں منعقدہ ''ایک شام تقی عابدی کے نام'' پروگرام میں کیا۔ تقی عابدی نے کہا کہ ''اُردو کو زندہ اور تابندہ رکھنے کے لیے ہمارا یہ فریضہ ہے کہ ہم نئی نسل کو اُردو سے جوڑیں اور اُردو کی جانب اسے راغب کریں۔ اُردو کو سنبھالنے کی ذمہ داری ہم میں سے ہر شخص پر عائد ہوتی ہے۔

امروہہ کی شیعہ جامع مسجد کے امام جمعہ و جماعت ڈاکٹر محمد سیادت نقوی کی صدارت میں ہوئے اس پروگرام میں شہر کی ایسی ہستیوں اور غیر سرکاری تنظیموں کو ''فخر امروہہ'' ایوارڈ سے نوازا گیا۔ جنھوں نے کسی بھی شعبہ حیات میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ جن شخصیات کو ''فخر امروہہ'' ایوارڈ سے نوازا گیا ان میں ہاشمی گروپ آف ایجوکیشن کے چیئرمین ایڈووکیٹ سراج الدین ہاشمی، آئی ایم انٹر کالج کے پرنسپل اور شاعر جمشید کمال، ڈاکٹر وسیم گوہر، یوپی اُردو ادب سوسائٹی کے صدر، کوثر علی عباسی، آرٹسٹ ذیب خاں، سماجی کارکن سید مصطفیٰ رضوی ادبی تنظیم ''کاروانِ خلوص'' کے صدر محبوب زیدی اور انجمن تحفظ عزاداری کے صدر حسن شجاع، شامل ہیں۔ ڈاکٹر شان صادق کو ''میڈیل آف یوتھ'' ایوارڈ سے نوازا گیا۔

کورونا کے دور میں عوامی خدمت کے لیے شہر کی جن غیر سرکاری تنظیموں کو ایوارڈ سے نوازا گیا، ان میں انجمن رضاکار حسینی بھی شامل ہے۔ شہر کے چند صحافیوں کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انھیں بھی اعزاز سے نوازا گیا۔ پروگرام کی ابتدا مولانا شہوار نقوی نے تلاوت کلام مجید سے کی جب کہ سلیم امروہوی نے نعت کا نذرانہ پیش کیا۔ ڈاکٹر نشتر نقوی، سراج نقوی اور شان حیدر بے باک نے مہمان خصوصی ڈاکٹر تقی عابدی کی شخصیت اور ادبی کارناموں پر روشنی ڈالی۔ اس موقع پر ڈاکٹر لاڈلے رہبر، فراز عرشی، شیبان قادری، ناصر امروہوی اور پنڈت بھون شرما نے نعت و منقبت پیش کی۔

ڈاکٹر تقی عابدی کا تعلق حیدرآباد سے ہے اور وہ کینیڈا میں مقیم ہیں۔ وہ خود کو اردو کا وکیل کہتے ہیں جب کہ دنیائے اردو ادب انھیں "محسن اردو" کے نام سے پہچانتی ہے۔ ڈاکٹر تقی عابدی کی اردو ادب اور ادبی شخصیات کے حوالے سے پچاس سے زیادہ کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ انھوں نے متعدد ایسی ادبی شخصیات کو بھی دنیا سے متعارف کرایا جو تاریخ کے تہ خانوں میں گم تھیں۔ حال ہی میں فراق گورکھپوری کی شخصیت اور شاعری پر ان کی کتاب منظر عام پر آئی ہے جسے ادبی حلقوں میں ہاتھوں ہاتھ لیا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر تقی عابدی اردو کے ایسے ادیب ہیں کہ جو اردو سے پیسہ کمانے میں نہیں بلکہ اردو پر اپنی جیب سے پیسہ خرچ کرنے میں یقین رکھتے ہیں۔

صدر جلسہ سید محمد سیادت نقوی نے ڈاکٹر تقی عابدی کی کوششوں کی تعریف کی اور کہا کہ "اردو ادب کی بیش قیمت خدمات میں ڈاکٹر تقی عابدی کا نام صف اول میں ہے۔ ان کے تحقیقی، تنقیدی اور ادبی کارنامے اردو ادب کی دستاویز اور تاریخ ہیں۔"

"ایک شام تقی عابدی کے نام" اور تقسیم انعامات کا پروگرام امروہہ فاؤنڈیشن کی جانب سے کیا گیا تھا۔ پروگرام کی نظامت کمال حیدر نے کی۔

آدمیت احترامِ آدمی
باخبر شو از مقامِ آدمی

• • •

برتر از گردوں مقامِ آدم است
اصلِ تہذیب احترامِ آدم است

• • •

آدم از بے بصری بندگیِ آدم کرد
گوہری داشت ولی نذرِ قباد و جم کرد
یعنی از خوئے غلامی ز سگاں خوار تر است
من ندیدم کہ سگی پیشِ سگی سر خم کرد

• • •

حدیثِ بی خبراں است بہ زمانہ بساز
زمانہ با تو نسازد تو بہ زمانہ ستیز

• • •

(عمل) (خاص) (یقین)
یقیں افراد کا سرمایۂ تعمیرِ ملت ہے
یہی قوت ہے جو صورت گرِ تقدیرِ ملت ہے

• • •

چون رومیؔ در حرم دادم اذاں من
از او آموختم اسرارِ جاں من
بہ دورِ فتنۂ عصرِ کہن او
بہ دورِ فتنۂ عصرِ دوراں من

• • •

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

• • •

ع : کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

• • •

بتاؤں تجھ کو مسلماں کی زندگی کیا ہے
یہ ہے نہایت اندیشہ و کمال جنوں

◆◆◆

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ

◆◆◆

باش مانند خلیل اللہ مست
ہر کہن بت خانہ را باید شکست

◆◆◆

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

◆◆◆

خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نور بصیرت عام کر دے

◆◆◆

میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہوگی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہوگا

◆◆◆

پیر رومی را رفیق راہ ساز
تا خدا بخشد ترا سوز و گداز
زانکہ رومی مغز را داند ز پوست
پائے او محکم فتد در کوی دوست

◆◆◆

وہ قوم نہیں لائق ہنگامۂ فردا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں

◆◆◆

وہ سجدہ روح زمیں جس سے کانپ جاتی ہے
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

پٹنہ

2/جنوری 2022ء

مغربی ممالک میں اُردو اور ہندی کی صورت حال پر لکچر

مغربی ممالک میں اُردو اور ہندی کی صورت حال کے موضوع پر خدا بخش لائبریری میں ایک لکچر کا انعقاد کیا گیا۔ اپنے تمہیدی کلمات میں ڈاکٹر شائستہ بیدار، ڈائریکٹر خدا بخش لائبریری نے فرمایا کہ ''زبانیں سب محبت کا درس دیتی ہیں۔ زبانیں ٹکراؤ اور تفرقہ نہیں سکھاتی ہیں بلکہ یہ ایک دوسرے کو قریب لاتی ہیں۔ ہندوستانی جب بولی جاتی ہے تو ہندوستانی ہوتی ہے اور جب اسے تحریر میں منتقل کیا جاتا ہے تو وہ اُردو اور ہندی بن جاتی ہے۔ کسی زبان کی شناخت دھرم اور مذہب کی بنیاد پر نہیں ہوتی۔ نہ اُردو مسلمان ہے نہ ہندی ہندو ہے بلکہ وہ انسان کی زبان ہے۔ ہندو مسلمان میں کوئی فرق نہیں ہے البتہ ایک مندر کو جاتا ہے اور دوسرا مسجد کو۔ یہ تو نفرت کی سیاست ہے کہ لمحوں میں ہندو اور مسلمان بنا دیتی ہے۔'' مغربی ممالک میں اُردو اور ہندی کی کیا صورت حال ہے، اس موضوع پر گفتگو کرنے کے لیے ڈاکٹر تقی عابدی صاحب کو مدعو کیا گیا ہے۔ آپ پیشے سے ڈاکٹر ہیں لیکن اُردو سے محبت رکھتے ہیں۔ ان کی متعدد کتابیں اُردو اور فارسی میں شائع ہو چکی ہیں۔ علم و ادب کی دنیا میں ایک دانشور محقق کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر تقی عابدی نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ ''مغربی ممالک میں اُردو اور ہندی کی صورت حال یکساں ہے۔ یونیسکو کے مطابق 450 ملین افراد اُردو جانتے ہیں۔ اردو کانوں کی زبان بن گئی ہے، آنکھوں کی نہیں، اگر میں کہوں مجھے پانی چاہئے تو 450 ملین لوگ مجھے پانی دیں گے اور اگر یہ بات لکھوں تو اس کا دسواں حصہ بھی نہ سمجھے گا نہ پانی دے گا اور پانی کی طلب میں پیاسا رہ جاؤں گا۔ گلکرسٹ نے 220 سال قبل لندن میں پہلے اردو اسکول کی بنیاد رکھی۔ اُردو اور ہندی 70 سے زائد ممالک میں سمجھی جاتی ہے۔ مغربی ممالک

میں اُردو کی 9 بستیاں ہیں اور سب سے پرانی لندن کی ہے۔ اردو اس وقت بہت تیزی سے پھیل رہی ہے۔ اُردو مسلمان تو نہیں ہے البتہ مسلمانوں کی سب سے بڑی زبان ہے۔ زبان ایک میڈیم ہے جس میں مذہب کی چیزیں بھی ہیں۔ اُردو کے معنی لشکر کے ہوتے ہیں۔ جس طرح لشکر میں ہر طبقہ، ہر فرقہ، ہر مسلک، ہر مذہب اور ہر رنگ کے افراد شامل ہوتے ہیں، اسی طرح اردو میں متعدد زبانوں کے خوب صورت الفاظ ہیں۔ حالی کی "مناجات بیوہ" خالص ہندوستانی زبان میں لکھی گئی ہے اور یہ نظم سن کر گاندھی جی کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ اُردو اور ہندی دونوں بہنیں ہیں۔ اردو کی بقا اور تحفظ کے لیے ضروری ہے کہ اسے ٹکنالوجی سے جوڑا جائے۔ مغربی ممالک میں اُردو اور ہندی کا تحفظ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب والدین اپنے بچوں کو ان زبانوں کی تعلیم دلوائیں گے۔ اردو کو روزگار سے جوڑنا ہوگا ورنہ طلبہ اس سے کنارہ کشی اختیار کریں گے۔ ملک کا 90 فیصد تاریخی مواد فارسی اور اُردو میں ہے۔ اس کا تحفظ ضروری ہے۔ جہاں تک رسم الخط کا مسئلہ ہے تو اس کا تحفظ بھی ضروری ہے ورنہ اُردو کے بڑے ادیب و شاعر کے کلام ختم ہو جائیں گے۔ مغربی ممالک کی متعدد یونیورسٹیوں میں اُردو اور ہندی کی تعلیم دی جاتی ہے۔"

پروگرام کے آخر میں سامعین نے سوالات کیے جس کا ڈاکٹر نے بخوبی جواب دیا۔ اور بحث کو سمیٹتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ اختلاف ختم ہو، ہندی اور اُردو ایک زبان ہو جائیں وہ زبان جو عام آدمی بولتا ہے، وہ زبان جو پہلے دلی کی زبان تھی، آج بھی دلی کی زبان ہے۔ اس لیے کہ دلی والا اور عام ہندوستانی بھی جب بولتا ہے تو وہ بولی ہمیشہ ایک بولی ہوتی ہے۔ اب بھلے ہی اسے 50 آدمی اردو کہیں، 50 ہندی کہیں۔ یہ فلم کی زبان ہے۔ یہ مشاعرہ کی زبان ہے، اسے ہندوستانی کہتے ہیں۔

نیٹ سے

''لازوال'' نئی دہلی

4/جنوری 2022ء

ورلڈ اُردو ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام

ڈاکٹر تقی عابدی کی کتاب ''گلستان ہند'' کی رسم اجرا

مرزا غالبؔ کے شاگرد بال مکند بے صبرؔ کا نایاب نسخہ

ڈیڑھ سو سال بعد تقی عابدی کی محنت سے منظر عام پر آیا

ورلڈ اُردو ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام انڈیا انٹرنیشنل سینٹر میں ڈاکٹر تقی عابدی کی تدوین کردہ کتاب ''گلستان ہند'' بال مکند بے صبرؔ کا اساتذہ اور دانشوران کے ہاتھوں اجرا عمل میں آیا۔ واضح رہے کہ ''گلستان ہند'' منشی بال مکند بے صبرؔ کی تصنیف ہے جو پہلی بار 1871ء میں شائع ہوئی تھی۔ تاہم اس کا آج ایک بھی نسخہ دستیاب نہیں ہے سوائے اس ایک نسخے کے جو ڈاکٹر تقی عابدی کی ذاتی لائبریری کینیڈا میں موجود ہے۔ لہٰذا ڈیڑھ سو سال بعد ڈاکٹر تقی عابدی نے تحقیق و تدوین کے بعد اس نسخے کی اشاعت کی۔ منشی بال مکند بے صبرؔ غالبؔ کے شاگرد اور ہرگوپال تفتہؔ کے بھانجے تھے۔ اُردو فارسی کے بہترین شاعر اور علم عروض و قوافی کے ماہر تھے۔ اس کتاب کے محقق کے بقول یہ اُردو میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جو سعدی شیرازی کی گلستان کے طرز پر لکھی گئی ہے۔

ڈاکٹر تقی عابدی نے اپنے خطاب میں کہا کہ ''یہ کتاب حسن یوسف کی طرح ہے جو اب تک کنویں میں بند تھی لیکن اب یہ دنیا کے سامنے پیش کر دی گئی ہے جس کی روشنی ادبی دنیا کو یقیناً منور کرے گی۔'' ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کے چیئرمین پروفیسر خواجہ اکرام الدین نے استقبالیہ کلمات پیش کیے اور تقی عابدی کی اس کتاب کو ایک بازیافت اور اردو تحقیق کے

باب میں ایک اہم اضافہ قرار دیا۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے عرصہ دراز سے اس نسخہ کو سنبھال کر رکھا اور آج تدوین و تحقیق کے بعد ہمارے سامنے پیش کیا۔ اس پروگرام کی مہمان خصوصی کامنا پرساد نے اپنی گفتگو میں کہا کہ "روزمرہ کی زبان ادب کی زبان سے مختلف ہوتی ہے۔ سب صبر کی اردو اگرچہ آج نہیں بولی جاتی لیکن اس کی تاریخی اور تہذیبی اہمیت بہر حال مسلم ہے۔"

واضح رہے کہ ڈاکٹر تقی عابدی نے اس کتاب کا انتساب کامنا پرساد کے نام کیا ہے جو اردو کی گنگا جمنی تہذیب کی علامت ہیں۔ اس پروگرام میں صدارت کے فرائض ڈاکٹر اطہر فاروقی نے انجام دیے۔ اس موقع پر خلیل الرحمان سینئر ایڈوکیٹ سپریم کورٹ، روی کانت مشرا، نہرو میموریل، جے این یو، ہندی کے نامور ادیب و شاعر پروفیسر جتیندر نے بہت اہم گفتگو کی اور پروفیسر رضوان الرحمن، ڈاکٹر توحید خان، ڈاکٹر شفیق الامین، ڈاکٹر محسن، ڈاکٹر شفیع ایوب اور ڈاکٹر لیاقت کے علاوہ ریسرچ اسکالروں نے بھی شرکت کی۔ جب کہ تالیف حیدر نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔

سید اعجاز
روزنامہ ''بلند کشمیر''، ''کشمیر عظمیٰ''
3 مارچ 2022ء

شعبہ اردو کشمیر یونیورسٹی کی جانب سے آن لائن توسیعی خطبے کا انعقاد

فراق گورکھپوری شخصیت اور فن

2 مارچ بروز بدھ صبح دس بجے شعبہ اردو کشمیر یونیورسٹی کی جانب سے آن لائن توسیعی خطبات کے سلسلے کی پانچویں کڑی کے تحت پروفیسر اعجاز محمد شیخ صاحب کی سربراہی میں پانچویں توسیعی خطبہ کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں ہندوستانی نژاد اور کینیڈا میں مقیم عالمی شہرت یافتہ محقق، ادیب، ناقد، شاعر اور معلم ڈاکٹر سید تقی عابدی صاحب نے ''فراق گورکھپوری شخصیت اور فن'' کے عنوان سے بصیرت افروز، وسیع اور اہم خطبہ دیا۔ خطبے میں انھوں نے فراق کے حوالے سے کئی ایسے گوشوں کو واضح کیا جو کسی وجہ سے ابھی تک اہل ذوق کی نظر سے اوجھل تھے۔ فراق کی شخصیت اور شاعری کے علاوہ ان کی سماجی زندگی اور سیاسی جدوجہد کو بھی موضوع گفتگو بنایا۔ انھوں نے شعبے کے اسکالرز کو بھی فراق جیسی شخصیت کے حوالے سے تحقیق کرنے کی تلقین کی۔ اردو زبان و ادب اور اس کی بقا کے حوالے سے فراق کی کوششوں کو سراہتے ہوئے انھوں نے نئی نسل کو اردو کے تئیں متحرک ہونے اور اس کے ادبی سرمائے کو محفوظ رکھنے اور پڑھنے کی تلقین بھی کی۔ توسیعی خطبے سے قبل ڈاکٹر الطاف انجم بٹ نے ڈاکٹر تقی عابدی صاحب کے حوالے سے ایک نہایت ہی مفصل اور جامع تعارف پیش کیا جس میں انھوں نے تقی صاحب کی علمی و ادبی خدمات کے حوالے سے مختصر گفتگو کی۔ آخر میں صدر شعبہ اردو، کشمیر یونیورسٹی پروفیسر شیخ محمد اعجاز صاحب نے نشست کے حوالے سے اپنے زریں خیالات کا اظہار کیا۔ ساتھ ہی انھوں نے تقی صاحب کا شکریہ بھی ادا کیا۔ انھوں نے تمام مہمانوں جن میں ڈاکٹر اعجاز [illegible]

نئی دہلی

30 مئی 2022ء

امیر خسرو نے ہندوستان کی جیسی تعریف کی اس کی مثال دُنیا کے کسی وطن پرست شاعر کے یہاں نہیں ملتی: سید تقی عابدی

انجمن ترقی اردو دہلی شاخ کے زیر اہتمام بہ تعاون غالب انسٹی ٹیوٹ امیر خسرو یادگاری خطبے بعنوان "کلام امیر خسرو میں حقوق بشر، قومی یکجہتی اور انسان دوستی" کا انعقاد کیا گیا۔ اردو کے معروف دانشور ڈاکٹر سید تقی عابدی نے خطبہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ "امیر خسرو نے آج سے تقریباً سات سو برس پہلے جن نکات کو بیان کیا تھا آج دنیا انھیں کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یونائیٹڈ نیشن کے صدر دفتر میں سعدی کا وہ شعر لکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بنی آدم ایک دوسرے کے اعضا ہیں۔ لیکن اس کے باوجود آج ہم تیسری عالمی جنگ کے دہانے پر کھڑے ہیں یہ لمحہ فکریہ ہے۔ ہمارے اقدار اور ظاہری تصورات میں اتنا تضاد کیوں ہے۔ ہماری کوتاہی ہے کہ ہم نے دنیا کو یہ بتایا نہیں کہ امیر خسرو نے کس طرح وطن کی تعریف کی ہے اور حقوق انسان کے بارے میں کیا تصورات پیش کیے ہیں۔ میں اس حیثیت سے کہتا ہوں کہ "خسرو نے اپنے ملک کی جیسی تعریف کی ہے اس کی مثال دنیا کے کسی شاعر کے یہاں نہیں ملتی۔" صدارتی کلمات ادا کرتے ہوئے غالب انسٹی ٹیوٹ کے سکریٹری پروفیسر صدیق الرحمن قدوائی نے کہا کہ "ڈاکٹر تقی عابدی کی نظر اردو اور فارسی ادبیات پر بہت گہری ہے۔ قدرت نے انھیں یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ مسائل کو بہت گہرائی میں اتر کے دیکھتے ہیں۔ آج کا یہ خطبہ بہت سے سوال پیدا کرتا ہے اور ہمیں یہ سوچنے پر مجبور

2 جون 2022ء

جموں

شعبۂ اردو جموں یونیورسٹی میں "تعمیر بقا" کی رسم رونمائی

شعبۂ اردو جموں یونیورسٹی کے زیر اہتمام پروفیسر گیان چند جین سیمینار ہال جموں یونیورسٹی میں اردو کے نامور شاعر نندلال نیرنگ سرحدی کے مجموعہ کلام "تعمیر بقا" (تحقیق، تجزیہ، تدوین) مرتب: ڈاکٹر سید تقی عابدی (کینیڈا) کی رسم اجرا تقریب کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت نامور اردو اور پنجابی افسانہ نگار خالد حسین نے کی۔ اس موقع پر نرسنگ نارنگ سیم معروف ادیب مہمان خصوصی تھے۔ پروفیسر محمد ریاض احمد صدر شعبہ اردو جموں یونیورسٹی اور پروفیسر شہاب عنایت ملک پرنسپل انسٹی ٹیوٹ آف میوزک اینڈ فائن آرٹس جموں یونیورسٹی بھی موجود تھے۔ اپنے خطاب میں خالد حسین نے نندلال نیرنگ سرحدی کے شعری مجموعہ کو منظر عام پر لانے کے لیے مرتب ڈاکٹر سید تقی عابدی کو مبارک باد پیش کی۔ انھوں نے کہا کہ "نندلال نیرنگ سرحدی کی شاعری زندگی کے حقائق کی عکاس ہے۔" انھوں نے انسانیت، مساوات، بھائی چارے اور قومی یکجہتی کے موضوعات کو اپنی شاعری میں بہت دلچسپ انداز میں پیش کیا ہے۔ خالد حسین نے کہا کہ "نیرنگ سرحدی کی شاعری حب وطن کی عکاسی کرتی ہے اور انسانی اقدار کی بحالی کرنے پر زور دیتی ہے۔" انھوں نے شاندار تقریب کے انعقاد کے لیے صدر شعبہ اردو جموں یونیورسٹی کا شکریہ ادا کیا۔ نرسنگ نارنگ سیم نے اپنے خطاب میں نندلال سرحدی کے شعری مجموعے کی خوبیوں پر روشنی ڈالی اور اس مجموعے کو منظر عام پر لانے کے لیے ڈاکٹر تقی عابدی کے رول کو سراہا۔ انھوں نے زبانوں کی ترقی میں اردو اور ہندی شاعری کی اہمیت اور کردار پر بھی خیالات کا اظہار کیا۔ انھوں نے کتاب کی رونمائی تقریب کے لیے شعبہ اردو کے تعاون کو بھی سراہا۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے اپنے خطاب میں کہا کہ "شعبہ اردو جموں یونیورسٹی کا شمار ہندوستانی جامعات کے متحرک شعبوں میں ہوتا ہے۔" انھوں نے کہا کہ "نامور شاعر و ادیب کو منظر عام پر لانے

دہلی

5/جون 2022ء

ممتاز شاعر ناصر عزیز ایڈووکیٹ نے جے این یو میں کہا کہ

''تعمیر بقا'' ایک قیمتی ادبی خزانہ ہے۔

ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام

نیرنگ سرحدی کی کلیات ''تعمیر بقا'' کا اجراء عمل میں آیا

نند لال نیرنگ سرحدی کی شاعری میں ہندوستان کی روح پوشیدہ ہے لہٰذا اس کو منظر عام پر لانا یقیناً ایک اہم کام ہے: پروفیسر خواجہ اکرام الدین

ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام اور ہندوستانی زبانوں کا مرکز، جے این یو کے اشتراک سے ڈاکٹر تقی عابدی کی مرتبہ کتاب ''تعمیر بقا'' کا اجرا عمل میں آیا۔ ساتھ ہی اردو کے شاعر و ادیب ''نند لال نیرنگ سرحدی'' کو ان کی خدمات کے اعتراف میں ''محب اردو'' ایوارڈ سے نوازا گیا جسے ان کے صاحبزادے نریش نارنگ نسیم نے حاصل کیا۔ نیرنگ سرحدی اردو کے بہترین شاعر گزرے ہیں لیکن ایک زمانے تک ان کی شاعری گمنامی کے پردے میں رہی جسے تقی عابدی نے تلاش و تحقیق کے بعد بہت ہی اہتمام سے بیک وقت اردو اور ہندی میں شائع کیا۔ واضح رہے کہ اس کتاب کی تدوین و ترتیب میں تقی عابدی نے بہت ہی جاں فشانی سے کام کیا ہے۔

پروگرام کے آغاز میں ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کے چیئرمین پروفیسر خواجہ اکرام الدین نے تمام مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے نیرنگ سرحدی کی خدمات پر مختصر روشنی ڈالی۔ ساتھ ہی نریش نارنگ نسیم کی اردو دوستی و محبت۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے اپنے خصوصی خطاب میں کہا کہ ''تعمیر بقا'' کوئی ایک مخطوطہ نہیں ہے بلکہ بہت سی پرانی بیاضوں کا مجموعہ

روزنامہ ''ہندسماچار'' امرتسر، ''نظام آباد، مارننگ نامہ'' حیدرآباد

7رجون 2022ء

نیرنگ سرحدی اردو کے جینوئن شاعر اور ہندوستانی تہذیب وثقافت کے نمائندہ تخلیق کار تھے: پروفیسر شیخ عقیل احمد

نندلال نیرنگ سرحدی اپنے عہد کے نابغہ روزگار فن کار، تخلیق کار، شاعر، ادیب، نثر نگار اور مترجم تھے۔ اردو کے علاوہ دیگر کئی زبانوں میں درک رکھتے تھے۔ انھوں نے اردو شاعری کو اپنے متنوع تخلیق سے مالا مال کیا۔ یہ بات قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر پروفیسر شیخ عقیل احمد نے ڈاکٹر تقی عابدی کی مرتب نندلال نیرنگ سرحدی کے مجموعہ کلام ''تعمیر ابقا'' کی رسم اجرا انجام دیتے ہوئے کہی۔

انھوں نے کہا کہ ''غزلوں کے علاوہ دیگر متعدد اصناف میں طبع آزمائی کی۔ پوری زندگی درس وتدریس سے وابستہ رہے اور ساتھ ہی اردو کے فروغ کے لیے عملی کوششیں کیں۔ ان کی شخصیت کو ادبی دنیا سے متعارف کروانا ہم سب کی ذمے داری ہے۔'' انھوں نے کہا کہ ''نیرنگ سرحدی کی زندگی کے بہت سارے پہلو ہیں۔ ان کی شخصیت گویا ایک انجمن تھی جس میں مختلف اصناف جگنو کی طرح جگمگا رہے تھے۔ غزل، نظم، قطعات، رباعیات، شخصی مرثیے، فارسی شاعری، خصوصاً وغیرہ میں ان کی تخلیقات اعلی فنی معیار پر کھری اترتی ہیں۔''

مسٹر شیخ عقیل نے کہا کہ ''ہمارے عہد کے بے مثال محقق، مدون ڈاکٹر تقی عابدی نے ان کے تمام کلام کو ایک ضخیم کتاب میں جمع کر کے ایک بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔'' تقی عابدی صاحب اپنے ذوق وشوق سے اردو ادب کی بے مثال خدمت کر رہے ہیں اور ایسے ایسے زاویے اور گوشے تلاش کر رہے ہیں جو عام طور پر لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہیں، چنانچہ اب تک ان کی ایسی درجنوں کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں اور اب انھوں نے نندلال نیرنگ سرحدی کی تمام تر شعری ونثری تخلیقات اپنی تحقیق وتدوین کے ساتھ شائع

روزنامہ "راشٹریہ سہارا" دہلی

15 جون 2022ء

وزیر اقلیت ہند کو پیش کی گئی "تعمیر بقا" کتاب

وزیر اقلیت فلاح اور بہبود حکومت ہند مختار عباس نقوی کو ام البنین فاؤنڈیشن کے صدر فرمان حیدر نقوی (کینیڈا) ایک ادبی وفد نے "تعمیر بقا" کتاب پیش کی۔ اس دوران ادبی گفتگو میں وزیر موصوف نے ڈاکٹر تقی عابدی کی علمی ادبی خدمات کی پذیرائی کی۔ ام البنین فاؤنڈیشن کے صدر فرمان حیدر کے ہمراہ ان وزیر موصوف کی رہائش گاہ ۲ صفدر جنگ روڈ پر کینیڈا سے آئے ہوئے اردو اسکالر ڈاکٹر تقی عابدی صاحب اور تریش نارنگ اور ان کی اہلیہ سونیا نارنگ جی کے ساتھ جناب مختار عباس نقوی صاحب کو وفد اس نے تقی عابدی صاحب کی کتاب "تعمیر بقا" پیش کی اور اس وفد نے ان سے ملاقات کی۔ وزیر موصوف نے کتاب کی تعریف کی۔ اس دوران ام البنین فاؤنڈیشن کے صدر فرمان حیدر نقوی نے وزیر اقلیت سید مختار عباس نقوی کا شکریہ ادا کیا اور ان کو ام البنین تشریف لانے کی دعوت بھی دی۔

روزنامہ "راشٹریہ سہارا" دہلی
میرٹھ
13 جون 2022ء

نندلال نیرنگ سرحدی فطرت شناس، انسانیت کے علمبردار اور خوددار شاعر تھے: ڈاکٹر تقی عابدی

استقبالیہ کلمات ڈاکٹر شاداب علیم نے انجام دیے۔ ڈاکٹر ارشاد سیانوی نے خصوصی مقرر کا تعارف پیش کیا جب کہ نظامت ڈاکٹر آصف علی اور شکریہ کی رسم ڈاکٹر ارشاد سیانوی نے انجام دی۔ اس موقع پر پروفیسر اسلم جمشید پوری اور ڈاکٹر آصف علی کی مرتب کردہ کتاب ''ترسیل غیب'' اور ''نند لال نیرنگ سرحدی کی کتاب ''تعمیر بقا'' کا اجراء مہمانان کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ ساتھ ہی ڈاکٹر تقی عابدی کو ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں سید اطہر الدین انٹرنیشنل ایوارڈ 2022ء سے نوازا گیا۔ اس موقع پر مدیحہ اسلم نے اپنے مخصوص انداز میں سید اطہر الدین کی شہرہ آفاق نظم ''کاش! ایک اور دن مل جاتی'' سنا کر خوب داد و تحسین حاصل کی۔ اپنے صدارتی خطبے میں پروفیسر اسلم جمشید پوری نے ڈاکٹر تقی عابدی کو ''تعمیر بقا'' کے مرتب کرنے پر مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ ''یقیناً نند لال نیرنگ سرحدی کے ساتھ بڑی ادبی ناانصافی ہوئی ہے اور اس کی تلافی کرتے ہوئے ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم آئندہ نند لال نیرنگ سرحدی کی شخصیت اور ان کے فن پر تحقیقی کام کرائیں گے۔ ساتھ ہی شعبۂ اردو اور نیرنگ سرحدی کی پوتی کی قائم کردہ تنظیم مل کر ہر سال نیرنگ سرحدی پر ایک بڑا پروگرام اور ان کی یاد میں بین الاقوامی ایوارڈ بھی دیں گے۔'' پروگرام میں ڈاکٹر معراج الدین، حاجی عمران صدیقی، ڈاکٹر عفت ذکیہ، ڈاکٹر سیدہ، سید ریحان الدین، ڈاکٹر کہکشاں، ڈاکٹر فرحت خاتون، آفاق خاں، سلیم سیفی، نوید خان، بھارت بھوشن شرما، انل شرما، مکیش تیواری، ڈاکٹر شبستاں، ڈاکٹر ودیا ساگر، پروین، فرح ناز، ڈاکٹر فرقان سردھنوی، محمد شمشاد، فیضان انصاری، سیدہ مریم الٰہی، انجینئر رفعت جمالی، عمائدین شہر اور کثیر تعداد میں ادب نواز اور طلبہ و طالبات نے شرکت کی۔

روزنامہ ''راشٹریہ سہارا'' نئی دہلی

14 / جون 2022ء

غالب اکیڈمی میں ادبی نشست کا اہتمام

''تعمیرِ بقا'' کے شاعر نندلال نیرنگ فیض احمد فیضؔ کے معاصر تھے: ڈاکٹر تقی عابدی

مشہور ادیب ڈاکٹر تقی عابدی نے نندلال نیرنگ سرحدی کی کتاب ''تعمیرِ بقا'' کا تعارف پیش کرتے ہوئے کہا کہ ''تعمیرِ بقا'' کے شاعر نندلال نیرنگ فیض احمد فیضؔ کے معاصر تھے۔ تقسیم ہند کے وقت وہ ہجرت کرکے ہندوستان آگئے تھے۔ ہریانہ کے ریواڑی میں آباد ہوگئے تھے۔

یہ بات انھوں نے گزشتہ روز یہاں غالب اکیڈمی میں ایک ادبی نشست میں کہی۔ نندلال کے صاحبزادے نریش نے کہا کہ ''ان کے پاس ہمیشہ ''دیوان غالب'' رہتا تھا۔ 1969ء میں غالب صدی کے موقع پر ریواڑی میں مشاعرہ کروایا تھا۔ اس نشست میں شاداب تبسم نے شاد مرادآبادی کی شعری کائنات پر ایک مضمون پڑھا جسے پسند کیا گیا۔ چشمہ فاروقی اور محمد خلیل نے بھی مضمون پڑھا۔ اس ماہانہ ادبی نشست کی صدارت ڈاکٹر گلشن رائے کنول نے کی۔

نشست میں سرفراز احمد فرازؔ، شاکر دہلوی، شہلا احمد، راجیو کامل، عزیزہ مرزا، طلعت سروہا نے بھی اپنے اشعار پیش کیے۔ اس موقع پر پروفیسر شریف حسین قاسمی نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ ''اردو زبان سیکولرزم کی زبان ہے۔ اردو تمام انسانوں کی عزت کرتی ہے۔ آخر میں سکریٹری غالب اکیڈمی کے شکریہ کے ساتھ نشست ختم ہوگئی۔

روزنامہ ''راشٹریہ سہارا'' دہلی

میرٹھ

15/جون 2022ء

مشاعرے ہماری زبان کی بقا کے ضامن اور تہذیبی ورثے کی علامت ہیں: ڈاکٹر تقی عابدی

شعبۂ اُردو، سی سی ایس یو اور سید اطہر الدین میموریل سوسائٹی کے مشترکہ اہتمام میں بین الاقوامی مشاعرے کا انعقاد

مشاعرے ہماری زبان کی بقا کے ضامن اور تہذیبی ورثے کی علامت ہیں۔ شاعری کے ذریعے عمدہ اخلاق، اچھے خیالات اور مثبت فکر معاشرے میں پیدا ہوتی ہے۔ دراصل شاعر اپنے تجربے، مشاہدے اور تخیل کی بنیاد پر سماج میں پنپ رہی برائیوں کی کچھ ایسی تصویر کشی کرتا ہے کہ قاری اور سامع کے جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں اور وہ معاشرے کی اصلاح کے لیے کوشاں ہو سکتا ہے۔ یہ الفاظ تھے کینیڈا سے تشریف لائے معروف ناقد، محقق اور شاعر ڈاکٹر تقی عابدی کے جو شعبۂ اردو، چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی میرٹھ اور سید اطہر الدین میموریل سوسائٹی کے مشترکہ اہتمام میں میرٹھ کے معروف شاعر مرحوم سید اطہر الدین اطہر کی یاد میں منعقد بین الاقوامی مشاعرے میں اپنی صدارتی تقریر کے دوران ادا کر رہے تھے۔

اس سے قبل پروگرام کا آغاز معروف شاعر وارث وارثی نے نعت پاک سے کیا۔ مہمانوں نے مل کر شمع روشن کی اور مہمانان کا پھولوں کے ذریعے استقبال کیا گیا۔ پروگرام کی صدارت کے فرائض کینیڈا سے تشریف لائے ڈاکٹر تقی عابدی نے انجام دیے اور مہمان

خصوصی کی حیثیت سے ڈاکٹر معراج لدین احمد نے شرکت کی اور مہمانان اعزازی کے بطور حاجی عمران صدیقی اور نوجوان لیڈر سید ریحان الدین نے شرکت کی، نظامت کے فرائض ڈاکٹر فرقان سردھنوی نے انجام دیے۔ پروگرام کی شروعات مدیحہ اسلم نے اپنے خوب صورت اور منفرد انداز میں سید اطہر الدین کی شہرۂ آفاق نظم "کاش! ایک اولاد نا لائق ملی ہوتی" پیش کر کے خوب داد و تحسین حاصل کی۔ بعد ازاں نریش نارنگ سلیم نے اپنے والد نند لال نیرنگ سرحدی کا کلام سنا کر سامعین کو نہ صرف محظوظ کیا بلکہ ان کے کلام سے متحیر کر دیا۔ اس موقع پر پڑھا گیا منتخب کلام قارئین کی نذر ہے

مہک اٹھا ہے جو سارا جہان خوشبو سے
یہ کس کے جسم کو چھو کر بہار گزری ہے
وارث وارثی

وہ اگر ظلم کی طاقت پہ اتر آئیں گے
ہم قلندر ہیں کرامت پہ اتر آئیں گے
خالد اعظمی

بغض و نفرت کے چراغوں کو بجھا دو یارو
متحد رہنے سے ہی امن و اماں رہتا ہے
ڈاکٹر فرقان سردھنوی

ہم اپنے بزرگوں کی دعا اوڑھ کے نکلے
جب دھوپ میں نکلے تو گھٹا اوڑھ کے نکلے
نظروں میں نہ آ جائے کہیں پیاس ہماری
ہونٹوں پہ تبسم کی ردا اوڑھ کے نکلے
فخری میرٹھی

شاید لگی ہے شرط کوئی زندگی کے ساتھ
وہ ہم سے مل رہے ہیں مگر بے رخی کے ساتھ

وعدے کیے، بھروسہ دلایا، دکھائے خواب
ہر بات سے مکر گئے وہ سادگی کے ساتھ

ارشد بے تاب

شغل یہ اختیار کرلینا
دشمنوں سے بھی پیار کرلینا

امیر نہٹوروی

بھٹکے ہوئے منزل پہ پہنچ جائیں گے خود ہی
رستوں سے اگر راہ نماؤں کو ہٹا دو

تقی عابدی

پروگرام میں ڈاکٹر عفت ذکیہ، ڈاکٹر سیدہ، ڈاکٹر کہکشاں، ڈاکٹر فرحت خاتون، آفاق خاں، حلیم سیفی، نوید خان، بھارت بھوشن شرما، انل شرما، کیش تیواری، ڈاکٹر شبستاں، ڈاکٹر وویا ساگر، پروین، فرخ ناز، ڈاکٹر فرقان سردھنوی، محمد شمشاد، فیضان انصاری، سیدہ مریم الہٰی، انجینئر رفعت جمالی، عمائدین شہر ور کثیر تعداد میں ادب نواز اور طلبہ وطالبات نے شرکت کی۔

روزنامہ "راشٹریہ سہارا"، "صحافت" نئی دہلی، "آگ" لکھنؤ

18/ جون 2022ء

تنظیم امروہہ فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام

ایک شام ڈاکٹر تقی عابدی کے نام

شبستان امروہہ کے منور ستارے جناب فرمان حیدر نقوی نے اپنی تنظیم امروہہ فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام ٹورنٹو (کینیڈا) سے تشریف لائے عالمی شہرت یافتہ محقق، نقاد اور قادر الکلام شاعر ڈاکٹر تقی عابدی کے اعزاز میں "ایک شام تقی عابدی کے نام" منعقد فرمائی۔ واضح ہو کہ ڈاکٹر تقی عابدی کا نام اردو دنیا میں رثائی ادب کے حوالے سے کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ عالمی سطح پر جہاں جہاں اردو بولی یا پڑھی جاتی ہے ان کا نام مرثیے کے حوالے سے ایک سنگ میل کی حیثیت کا حامل ہے۔ ڈاکٹر تقی عابدی کے اعزاز میں اس عالمی سطح کی نشست کا اہتمام جامعہ نگر میں واقع جناب سکندر شجیع امروہوی کے دولت کدے پر کیا گیا جس کی صدارت ڈاکٹر تقی عابدی نے فرمائی۔ جب کہ مہمان خصوصی کی حیثیت سے محترمہ ریکھا متل صاحبہ اور مہمانان ذی وقار کی حیثیت سے دہلی یونیورسٹی میں اردو کی ایسوسی ایٹ پروفیسر ڈاکٹر عفت زریں اور ڈاکٹر نیر جلالپوری، ڈاکٹر صفی نقوی (ڈائریکٹر ارتھ سائنس)، جناب مفتی نقوی شوکت حمایت حسین (ایچ او ڈی جامعہ ہمدرد)، جناب نند لال نیرنگ سرحدی مرحوم کے فرزند جناب نریش نارنگ نے شرکت کی۔ شعراء میں جناب عرفان اعظمی، جناب شاہد انور، محترمہ شفا کجگانوی، جناب دانش ایوبی، جناب سرفراز احمد فراز، ڈاکٹر فرحت رضوی، جناب سکندر شجیع، جناب عمر فاروق نے شرکت فرمائی۔ نظامت کے فرائض مشہور شاعر جناب پیمبر نقوی نے اپنے مخصوص انداز میں ادا کیے۔ اس پروگرام کی خصوصیات میں ڈاکٹر تقی عابدی کی نئی کتاب "تعمیر بقا" کی رسم اجراء کے ساتھ ساتھ تین اہم کتب، دوہا نگار جناب انس خان کی کتاب "انس کے دوہے"، دبستان دہلی کے مشہور شاعر جناب شاہد انور کے مجموعہ کلام "اشارت" اور انجینئر فیروز مظفر کی مرتب کردہ کتاب

''مظفر کے نام (کچھ ادبی خطوط)'' ڈاکٹر تقی عابدی صاحب کی خدمت میں پیش کی گئیں۔
علاوہ ازیں امروہہ فاؤنڈیشن نے ڈاکٹر عفت زریں کو اُردو ادب کی گرانقدر خدمات کے لیے سندرل نیرنگ ایوارڈ سے نوازا۔ ڈاکٹر نیر جلالپوری نے اپنے خطاب میں ڈاکٹر تقی عابدی کی رثائی خدمات پر روشنی ڈالی۔ پروگرام کا آغاز جناب شاداب نقوی کی تلاوت کلام پاک سے ہوا اور نعت شریف جناب ہمایوں حیدر نے پیش کی۔ پسند کیے گئے اشعار سامعین کی خدمت میں:

چھوڑ دوں کیسے بھلا اپنے بزرگوں کا چلن
میری رگ رگ میں ابھی ان کا نمک باقی ہے
(ڈاکٹر عفت زریں)

یہ مرا دل ہی نہیں آپ کا مسکن بھی تو ہے
آپ اس گھر میں بڑے شوق سے آئیں جائیں
(عرفان اعظمی)

خوف اور بغاوت میں، فاصلہ ہو بہتر ہے
انقلاب آئے گا، مل گئے اگر دونوں
(شاہد انور)

ان اشکوں سے ان کا نظر پھیر لینا
یقیناً یہ جذبوں کی بے حرمتی ہے
(شفق کچگانوی)

آئینے بدلنے سے عیب چھپ نہیں سکتے
آئینے حقیقت کا انکشاف کرتے ہیں
(دانش ایوبی)

ایک چراغ اک آئینہ ایک کنگھی اور سندور
ایک آہٹ ایک آس پہ بجنا برہن کو سمجھے کون
(ڈاکٹر فرحت رضوی)

ہوٹل کلارک اودھ، لکھنؤ میں
''تعمیر بقا'' کی کتاب کا رسم اجراء

ہوٹل کلارک اودھ، لکھنؤ میں کینیڈا سے آئے ہوئے ڈاکٹر سید تقی عابدی کی مرتب کردہ کتاب ''تعمیر بقا'' کا رسم اجراء آل انڈیا شیعہ پرسنل لاء بورڈ کے جنرل سکریٹری مولانا یعسوب عباس و مولانا مرزا محمد عجاز اطہر کے ہاتھوں سے ہوا۔ یہ اطلاع اظہر نقوی نے دی۔

Hindustan Times
(Chandigarh)
March 19, 2010

LECTURE ON GHALIB HELD

Dr Taqi Abedi, a scholar and poet from Canada, gave a special lecture on Mirza Ghalib at a function organised by the Haryana Urdu Akademi here on Thursday.

Stating that a book of Persian poetry of Mirza Ghalib entitled "Kulliyat-Ghalib Farsi", compiled by Dr Abedi, was also released on the occasion, the Akademi officials said that Shiv Raman Gaur, Director, Public Relations and Cultural Affairs, Haryana, chaired the function.

Akademi editor Shams Tabrezi conducted the function.

Embassy of Pakistan
Tehran
September 7, 2010

"Kulliyat-e-Ghalib" Launched in Tehran

An impressive ceremony was held at Pakistan House, Tehran (Embassy Residence) to launch a book titled "Kulliyat-e-Ghalib" edited and compiled by Dr. Taqi Abedi, a wel -known scholar based in Toronto, Canada.

Speaking on the occasion, Pakistan Ambassador of Iran, M.B. Abbasi paid tributes to the scholarly work of Dr. Abedi and said "Kulliyat-e-Ghalib", published in Persian language, would open new vistas of foster ng and enriching cultural links between Pakistan and Iran

Referring to the contributions made by the sub-continent poets particularly Mirza Ghalib and Allama Iqbal in bringing the two Persian and Urdu speaking nations closer, the Ambassador expressed the hope that Dr. Abedi's literary work would also leave its impact in this connection.

In introducing his own book, Dr. Abedi traced the history and impact of Persian language in the sub-continent and said it also produced several Persian poets of international standing He said his book would open a new dimension in introducing poet Ghalib to the Iranian society.

Iran's Ambassador to Pakistan Mashaallah Shakari read out a Persian poem of Mirza Ghalib and reiterated the need for forceful projection of literary works of poets and writers from the sub-continent in Iran.

A large number of Iranian writers, poets and intellectuals, members of the Pakistani community, diplomatic corps and representatives from print and electronic media were present at the book launching ceremony

A huge resource for Faiz admirers and research scholars by Dr Taqi Abedi "Faiz Fehmi" Book Launch & Book Distribution Ceremony

28th September 2011
7:30 PM Launch of "Faiz Fehmi"
7:30 PM Address by Dr Taqi Abedi Signing
7:45 PM Distribution & Book
8:15 PM Vote of Thanks
8:30 PM Dinner
Venue
Faiz Ghar 126-F Model Town, Lahore

Dr Abedi is a doctor by profession living in Canada but poetry and Urdu literature is his passion. He has many books to his credit. This book "Faiz Fehmi" is perhaps his most ambitious venture. The book was formally launched on June 2011 at the Almi Urdu Conference in New York, as a part of the Faiz centennial celebrations.

Dr Abedi is visiting Lahore for a day and has graciously offered complimentary signed copies of the book "Faiz Fehmi" to all members and life members of Faiz Ghar. Members not in Lahore can nominate someone to collect the book on their behalf.

Dr Abedi is a life member and very active in raising donations for Faiz Ghar. He is also the President of the Almi Urdu Management Committee USA

Faiz Fehmi

- More than 1500 pages
- 162 articles written on and about Faiz collected from all over the world

- Dr Abedi himself has written 40 articles
- Includes photographs, paintings & verses of Faiz

For details, call Faiz Ghar:
042-35835289

Qaisar Abbas
Pakistan Link
October 21, 2011

Celebrating Faiz and Urdu in New York

Celebrating Faiz Ahmed Faiz and the Urdu language in New York is a rarity which actually materialized as part of the 5th Almi Urdu Conference that devoted a whole day to this legendary Urdu poet, his work and his life. The colorful activities also included a book launching, presentations of research papers, two musical performances and an international mushaira.

The conference itself was a grand meeting of the known Urdu writers, poets and scholars from all over the world including India, Pakistan, England, Canada and the United States who came to Long Island, New York for a three day conference, June 24-26.

Dr. Gopi Chand Narang from India and Faiz's daughter Muneeza Hashmi, along with two known poets from Pakistan Amjad Islam Amjad and Anwar Masood, were the chief guests. Two scholars, David Mathews and Naomi Lazard, came all the way from England to talk about Faiz and emerging issues in Urdu literature. Ali Ahmed Fatemi, Sadiq Naqvi and Shahid Mahli, the noted Urdu writers from India also participated in the conference.

Muneeza Hashmi and Dr. Gopi Chand Narang launched Dr. Taqi Abedi's extraordinary new book "Faiz Fehmi" published in Lahore. The voluminous book of over 1400 pages includes numerous chapters on the poetry and

life of the poet, photographs and Sadaqian's paintings on his poetry.

Scholars and writers presented papers on Faiz and his poetry on the first day and discussed issues of journalism and Urdu the next day of the conference. Dr. Narang was very hopeful of the future of Urdu as a thriving language He said despite politics the language will be flourishing on both sides of the border in India and Pakistan.

Muneeza Hashmi introduced the newly established "Faiz Ghar" in Lahore in a short documentary. The Ghar, she said, established with an objective to continue the poet's legacy and thoughts, is becoming a center for literary, artistic and peace activities. To her, this is the only way we can respond to increasing extremism in our society.

Dr. David Mathews stressed the need for more research work, publications and serious discussions on Faiz and the rich Urdu literature. Despite the claim that Ghalib and Faiz are international poets there is not much material available on these poets in English, he added.

Dr. Qaisar Abbas from the University of North Texas in his paper "Faiz and the Youth Revolution in the Middle East" analyzed the youth movements in these countries and their ideological relevance to the poet's dream of a free and vibrant society. He said, Faiz as a revolutionary poet, was against dictatorship and his poetry reflects his strong belief in the Muslim youth in shaping the future.

Professor Ali Ahmed Fatemi from the Allahbad University, who is also president of the Progressive Writers in India, said Faiz as a founder of this movement in Pakistan was one of our great comrades and we are continuing his legacy. He pointed out that his poetry was

deeply integrated with the tradition, history and culture of the subcontinent and as such he was the poet of the whole region.

In his paper on myths about Faiz, Noon Meem Danish said interpretation of Faiz's poetry has been done based on dominant myths which limited alternate interpretations. Faiz is also being claimed, unfortunately, by conservatives these days who are trying to explore connections between his poetry and extremist ideologies, he deplored.

Dr. Ashraf Adeel, a philosophy professor of Kutztown University, Pennsylvania, discussed aesthetics of the poet's work. Using some examples of his poetry, he said, apart from his traditional diction Faiz juxtaposed aesthetics with ideological polemics brilliantly. Shaista Rizvi, a scholar from Canada, also discussing aesthetics of Faiz's poetry, said the poet did carry on esthetic traditions of Urdu poetry while adopting the modern poetic trends.

Raja Anwar, the former progressive student leader who is currently heading the Punjab Education Foundation in Lahore, discussed the poet's work during his confinement in the 1950s. To him, Faiz's poetry is deeply rooted in social consciousness in his society.

Overall, the failure of integrating Urdu with the Internet and information technologies was cited as a major hurdle in introducing it to our new generations and making it a global language.

The participants questioning professionalism of Urdu journalists emphasized the need for better training of journalists.

Vocalists Zafer Iqbal and Seema Sehgal entertained the conference attendees with their musical performances, singing ghazals and nazms of Faiz

The conference concluded with a grand mushaira in which poets from all over the world including Amjad Islam Amjad, Anwar Masood, Dr. Taqi Abedi, Iqbal Haider, Dr. Qaisar Abbas, Nasim Syed, Mona Shahab, Shoukat Fehmi, Muqsat Naeim, Dr. Sadiq Naqvi, Noon Meem Danish, Younis Aijaz, Aysha Malik, Shahid Mahli, Wakil Ansari, Abudrrehman Abd, Nahid Varak, Altaf Tirmizi, Noor Amrohvi, Zareen Yasin, Mubarak Ahmed and a long line of local poets participated.

Organizing international conferences of this stature needs a lot of hard work and planning. The selfless team led by Khalilur Rehman of Urdu Times in the US and Dr. Taqi Abedi from Canada deserves more community support, sponsorship and encouragement.

Ayub Khan
Beyondheadlines.in
April 5, 2012

Faiz Fahmi — Encyclopedic Work on Life & Thought of Faiz

Pigeon-holing writers and poets in particular literary schools or movements has been the great tragedy of Urdu literature. Such neat compartmentalization has resulted in the failure to capture the depth and breadth of a poet's message which has often tended to transcend such boundaries. This is best reflected in the critical appraisal of poets who were associated with the Progressive Writer's Movement. Despite the fact that they drew on a diversity of inclinations and inspirations they are often relegated or alternatively celebrated for their rejection of tradition and conformism. Dr. Taqi Abedi, the Toronto based scholar, bucks this trend by offering a more holistic review of the life, thought, and work of Faiz Ahmed Faiz in the new book Faiz Fahmi.

In this 1400 page chest-breaking tome are 162 articles on various aspects of Faiz by both Abedi and other scholars including Gopi Chand Narang, Shams ur Rahman Faruqi, Shan ul Haq Haqqi, Shamim Hanafi, Sajjad Zaheer, etc. While all articles are worth reading, the 41 articles written by Abedi stand out for their exploration of many untouched aspects of Faiz.

On the sensitive issue of Faiz's religion Abedi shows that despite his Marxist inclinations he remained a Muslim and often drew on Islamic themes in his poetry. He had memorized around three parts of the Holy Qur'an in his childhood and regretted later that he couldn't do it in its entirety due to the strain in his eyes. His first public appearance was at the age of five as a qari at the annual

function of Anjuman-e-Islamia. From the age of eight to the year he first went to college he would regularly pray at the local mosque and listen to dars of Maulana Ibrahim Sialkoti. He had even completed a year long course of Jamia Ashrafia taught by Mufti Muhammad Hussain. All his life events, including his marriage to Ellis Catherine, were conducted according to Islamic rites. He himself claimed, and this was testified by others, that he would give lessons of Qur'an and hadith to fellow prisoners. The strict categorization of Faiz into the "Communist camp" limits one's understanding of his multidimensional personality. Perhaps his religious inclinations are best represented in his claim (in a letter to his wife) that he was an "inhibited sufi."

His Islamic identity came into full force in his poetry when during the Arab-Israeli war of 1967 he wrote his famous nazm 'Sirr Wadi-e-Sina.' His other nazm "Mujaideen-e-Falstin Kay Naam" has Quranic verses interspersed throughout: "Haqqa hum jeetengay Qad jaa al Haq wa zahqal batil." His nazm on the Islamic revolution in Iran has the title from the Qur'anic verse "Wa Yabqa Wajhu Rabbik." Abedi brings to light the much neglected religious poetry of Faiz including hamd, naat, and marsiya.

Abedi's admiration of Faiz doesn't in any way come in his unbiased analysis and is reflected in the chapter dedicated to mistakes in his poetry. In his comparison of Faiz and Josh he lists their strengths and weaknesses without falling in the groupist trap of "Faiz Bada Ya Josh Bada."

Following in his earlier work on Iqbal's diseases Abedi has a complete chapter on Faiz's compiled from his letters. He has also compiled a list of all the books that Faiz had read in his later years. This gives keen insights into the development of his thought. It appears he was voracious reader who devoured everything from the poems of Shah Abdul Latif Bhitai and the works of Sarvepalli

Radhakrishna to the works of Upton Sinclair and Arnold Toynbee.

To supplement the exhaustive text Faiz Fahmi comes with scores of rare pictures of Faiz with various luminaries. It also has illustrations of his works by Sadiquain and other prominent artists This exhaustive work is truly an encyclopaedia and is destined to prove indispensible to anyone planning to understand Faiz

Its value could have been even more enhanced had it included a chapter on Faiz's adversaries. As is well known Faiz had a jovial personality and did not liked to entangle himself in personality clashes. His adversaries, however, were not kind. Ismat Chaghtai, for instance, knew Faiz and deeply disliked him. It is often said that in her semi-autobiographical Terhi Lakir the uncharitable portrayal of the progressive poet is based on Faiz. This character in his zeal to portray a progressive image (unkempt hair)becomes inactive in conventional politics. It would have been interesting to see how his other adversaries viewed and portrayed him

Title: Faiz Fahmi
Author: Dr. Syed Taqi Abedi
Pages: 1424
Publisher: Multi Media Affairs, 21-Nand St. Sham Nagar, Chowburji, Lahore-54505

Prof Ejaz Husain Award 2012 given to Dr Taqi Abedi

"Being a doctor I am doing treatment but I am myself the patient of Literature", Dr Taqi Abedi. The Canadian National of Indian Origin Dr. Syed Taqi Abedi in his less than 24 hours stay at Allahabad received "Prof Ejaz Husain Award 2012" and delivered a lecture at Urdu Department of Allahabad University on Monday. The topic of Lecture was "Firaq Gorakhpuri and his Rubaiyat". The programme was presided by Prof S M Aqeel Rizvi and was attended by hundreds of students of Urdu department and other dignitaries of Allahabad.

Earlier on Sunday night, he was given prestigious 'Prof Ejaz Husain Award' for the year 2012 by the literary organization KARAWAN. The programme was presided over by the Vice Chancellor, Anis Ansari, (Rtd IAS) of Khwaja Moinuddin Chishti University, Lucknow. Dr Anis Ansari handed over the Memento, Certificate and a shawl to Dr Taqi Abedi. A book entitled "Faiz Shanasi" was also released on the life of Veteran Poet Faiz Ahmad Faiz. This book of Dr Taqi Abedi contained 593 pages.

Speaking as the Chief Guest Dr Taqi Abedi said, "Firaq Gorakhpuri was a Prof of English but excelled in Urdu Poetry. Likewise, I am a medical practitioner and the patient of Literature." So far 3[illegible] books have been published written or compiled by me. Hasan Naqvi welcomed the guests. President KARAWAN, Sibtey Rizvi proposed the vote of thanks. Dr Fazil Hashmi conducted the programme.

Prof SM Aqeel Rizvi, Prof Zafar Raza, Prof Naushaba Sarda (HOD Urdu Deptt), Prof A A Fatmi, Prof Shabeena Rizvi also spoke on the occasion. Mashkoor Zaidi,

Hyderabad
December 29, 2012

Mir Taqi Mir Award for Dr.Taqi Abedi - 2 Muslim toppers honored at AFMI's 21st Annual Convention

The American Federation of Muslims of Indian Origin (USA & Canada) held its successful Annual International Convention and Gala Awards Ceremony in the historic city of Hyderabad on Dec 28-29, 2012. Around 145 Muslim toppers of X and XII board exams from each state received medals and cash awards. One noticeable feature of this year's convention was the large number of female students who have emerged as toppers.

The two day convention was attended by over 1200 people in its inaugural session on Dec 29th. A large number of educationists and public figures addressed the sessions. The convention was held in coordination with Muslim Educational Social and Cultural Organisation (MESCO) and the International Institute of Islamic Medicine (USA). AFMI's prestigious Sir Syed Ahmed Khan Award for Educational Excellence was awarded to Dr. Vizarat Rasool Khan of Shadan Group of Educational Institutions. The Mir Taqi Mir Award for contributions to Urdu language and literature was given to noted author Dr. Taqi Abedi of Toronto.

Muslim students who were given medals.

AFMI president Dr. Tajuddin Ahmed in his remarks outlined AFMI's efforts in combating illiteracy and poverty in India.He said that only an educationally empowered community will be able to help in the building of the nation and that all efforts need to focused on this issue. He said the Muslim educational institutions in Hyderabad have

lacunae in various government schemes he said , "In Medak district, Kasturba Gandhi Balika Vidyalayas (KGBV) are being operationalised where there are no Muslims. This means that education opportunities have not reached them. The target for KGBVs in districts with a substantial minorities' population in 2011-12 was 169 but the achievement was only 32. The enrolment of Muslims here accounts to a meagre 9% whereas that of SCs is 27% and STs is 28%." Muslims lagged behind with a literacy rate of only 67.6% as against the national rate of 74%. Muslim OBCs, he said recorded a negative growth of 2% in literacy.

Mr Wajahat Habibullah, Chairman National Commission of Minorities, said that it is a great tragedy that knowledge has been divided into religious and the worldly. He said that there is need to fuse them together to face the challenges of a changing globalised world. He said that after the release of the Sachar Committee Report a number of government schemes have been initiated but remain unused due to a lack of awareness in the community. He urged the NGOs and others to make coordinated efforts in educating the community about these schemes.

A section of the audience.

Justice MSA Siddiqui, chairman National Commission for Minority Educational Institutions, said that The community should move in an organized manner and shun the complaining attitude and instead should look for opportunities. He said that both the government and the community organizations have a role to play in the development of the community.

Convention chair Dr Fakhruddin Mohammed said, "The backwardness in education has led to the community's backwardness in other areas. As several commission reports pointed out that the community is highly backward

Intizar Husain
Daily "Dawn"
April 28, 2013

The Rubaiyat of Mir Anees

Dr. Syed Taqi Abedi started out as a researcher in the field of marsiya. Soon after, he extended his area of study to other kinds of poetry. So he chose to study Ghalib and Faiz and presented some valuable compilations. Now, Abedi is back to his original field of study and has brought out the Diwan-i-Rubaiyat-i-Anees. Previously he had published Rubaiyat-i-Dabir.

In the case of both Dabir and Anees, their rubaiyats have been treated as supplements to their marsiyas and are almost always accommodated in various volumes of their marsiyas. However, their rubaiyats are not always related to the theme of Karbala and deal with a variety of subjects; only a part of them are thematically in agreement with the marsiyas.

It appears that in Urdu, only Anees and Dabir have employed this genre seriously for their poetic expression. The other poets have treated it rather casually. They usually seem to write a few rubaiyat just for the sake of variety, or what we call in Urdu munh ka maza badalnay kay leyay.

In the Persian poetic tradition, a rubai stands as an independent genre, self-sufficient in its four lines. There have been poets in Persian who only expressed themselves in this form. Omar Khayyam may be cited as an example. He was a purely rubai writer. And he never suffered from the feeling that much of what he wanted to say remained unsaid because of the inadequacy of this genre as a mode of expression. The wisdom he carried with him found its full expression in this short form.

asiantelegraphqatar.com
May 17, 2017

Canada Based Dr Syed Taqi Hassan Abedi to Receive 'Life Time Achievement Award'

Doha based World's renowned Urdu language literary organization 'Majlis-e-Frogh-e-Urdu Adab' announced today selecting Dr Syed Taqi Hassan Abedi for awarding Life Time Achievement Award on the occasion of it's 21st Int'l Award and 23rd grand Urdu Poetry evening to be held in October November in Doha this year.

Abedi, born on 1st March, 1951, in Hyderabad, India, is an Indian Canadian physician and literary personality, who is not only a poet but also a Journalist and a critic and research scholar of the Urdu language. He is married and has two sons and two daughters.

His wife, Iran born inspired her husband to learn Persian.

He obtained his Bachelor's Degree in medicine from Osmania University, Hyderabad in 1975. He obtained his Master's in Science in Pathology in 1987 from Glasgow University, UK, FCAP in 1995 from Diplomat of the American Board of Pathology, USA. He acquired Fellowship of Royal College of Physicians and Surgeons Canada in 2001.

Dr Abedi is a Physician by profession who has served in Iran, England, USA and is presently working as physician in a hospital in Ontario, Canada.

In his book 'Choon Marg Ayed', he has composed extracts from the various letters written by Allama Iqbal in order to provide a picture of diseases and their impact on the life of Iqbal.

Moreover, Dr Abedi has attended and organized a number of seminars, in addition to his researched lectures at various institutions and universities.

In recognition of his literary works and achievements, Dr Abedi has received following Awards

1. Nishan-e-Imteyaz on his works on 'Anees-wa-Dabeer Award', IMA of India (2007)
2. Allama Iqbal Award of Excellence by the Government of Ontario, Premiere Ernie Eves-Canada
3. Imtiaz-e-Urdu Award- Tamil Nadu Urdu Raabita Committee, India (2010)
4. Urdu Adab Award U.P Sahitya Committee (2010)
5. Adeeb International Award, Sahir Cultural Academy, India. (2011)
6. Award of Excellence Hyderabad Deccan Foundation of Canada
7. Mir Taqi Mir Award, AFMI (2013)
8. Prof Ejaz Hussain Award Karwan Allahabad, India (2011)
9. Award of Outstanding Contribution to literature from Multiview Bureau of Greater Toronto- Canada
10. Life time Achievement Award for Excellence in Literature, Aligarh Alumni New Jersey (2014)
11. Award for Contribution and Achievements in Urdu language and literature, AAMI (2014)
12. 'Writer of the year' Award, Eastern News Canada, Toronto.

Gulf Times
May 18, 2017

Urdu literary forum to honour Dr Syed Abedi

Majlis-e-Froghe Urdu Adab, a renowned literary organisation, based in Doha, has decided to give the Special Frogh-e Urdu Award to Dr Syed Taqi Hassan Abedi, for his lifetime achievements in the Urdu literary world, in their annual 21st Aalmi Award and 23rd Mushaira functions, to be held in October/November in Doha this year.

Abedi, born on March 1, 1951, in Hyderabad, India, is an Indian-Canadian physician and literary personality, who is not only a poet but also a journalist and a critic and research scholar of the Urdu language.

After obtaining his MBBS degree from Osmania University, Hyderabad, India in 1975, he acquired his MSc in Pathology in 1987 from Glasgow University UK, FCAP degree in 1995 from Diplomat of the American Board of Pathology, USA and he acquired Fellowship of Royal College of Physicians and Surgeons, Canada in 2001.

Although Dr Abedi is a physician by profession who has worked in Iran, England, USA and is presently a serving physician in a hospital in Ontario, Canada, he also has written many books on prose, poetry, and criticism. Though most of his literary work is in Urdu and Persian, he has recently started writing in English.

His research work began in the field of Marsia with Rubais of Mirza Dabeer, compiling lost poetic material. He continued his work in this genre and wrote a number of articles which were published in Urdu literary circles and has become a well-appreciated literary personality of the American Federation of Muslims of Indian origin.

Qatar Tribune
May 27, 2017
Tribune News Network

Syed Taqi Hassan Abedi to receive Aalmi Frogh-e-Urdu Award

The Majlis-e Frogh-e-Urdu Adab will give a special Frogh-e Urdu Award to Dr Syed Taqi Hassan Abedi, for his achievements in Urdu literature on the 21st Aalmi Award and 23rd Mushaira function to be held later this year.

Born on March 1, 1951, in Hyderabad, India, Abedi is an Indian Canadian physician, poet, journalist and a critic and research scholar of the Urdu language. He is married with two sons and two daughters.

His wife, born in Iran, inspired him to learn Persian. After obtaining his MBBS degree from Osmania University, Hyderabad, India in 1975, he acquired his MSc in Pathology in 1987 from Glasgow University, UK, FCAP degree in 1995 from the Diplomat of the American Board of Pathology, USA and a Fellowship of Royal College of Physicians and Surgeons, Canada in 2001. Although Abedi is a physician by profession who has worked in Iran, England, USA and currently in a hospital in Ontario, Canada, he has written many books on prose, poetry and criticism. Though most of his literary work is in Urdu and Persian, he recently started writing in English. His research work began in the field of Marsia with Rubais of Mirza Dabeer, compiling lost poetic material. He continued his work in the genre and wrote a number of articles which were published in Urdu literary circles and has become a well-appreciated literary personality of the American Federation of Muslims of Indian origin. With this forum he extended his field of study and has written about 40 books

Aligarh University Alumni, New York, USA, Fakhr-e-Urdu International Award, Urdu Markaz International, Los Angeles, Sardar Jafri Literacy Award, The Aligarh Alumni Association, Texas (2014), Award of Excellence, Idare-e-Faiz-e-Adab, Washington, USA, Award of Excellence, Campack Chamber, Toronto, Canada, Best Critic and Research in Urdu poetry, Idare-e-Faiz-e-Adab, Washington and Special Literacy Award, UMAA, Washington (2009)

view Dr Taqi Abedi presented some of the letters of Galib to the audience. Mulana Abul Kalam Azad was the other letter writer in Urdu was discuss in detail by Dr Taqi Abedi. Regarding Mir Anees Taqi Abedi informed that Mir had written 10 letters in Persian language and he has translated all the 10 letters in Urdu. Mir was the 1st poet who talked about the right of women. Similarly the letters of Allama Iqbal was also discussed by Dr Taqi Abedi. He further said that there is need to preserve all the letters so that we could tell our generations about our old civilization.

In his presidential address Prof. R D Sharma Vice chancellor of Jammu University congratulated HOD URDU Prof. Shohab Inayat Malik for arranging the International seminar on a meaning full topic. He also congratulated Dr Taqi Abedi for delivering a tremendous keynote address which was a informative one. Prof. Sharma said that when he was a student the art of letter writing was taught in English but now a days no one writes detail letter. However, he is getting messages, e-mails, whatsapp messages which a information provides him. Letter writing is a important genre in every language and these types of program should be organized frequently. He appreciated the efforts of department of Urdu for organazing literary programs frequently and advice HOD Urdu to submit a detail proposal to UGC for getting SAP program. On the occasion Prof. R D Sharma announce that the recently the concluded meeting of the council. The council has recommended the name of Dr Taqi Abedi as honorary Professor of Jammu University. Prof. Abedi would visit Jammu University twice in a year and would benefit the students of the Urdu department by delivering lectures for that he would also provided a respectable honorarium. The announcement of Vice Chancellor regarding Dr Taqi Abedi has taken with big hands by the audience. Prof. R D Sharma further said that organazing seminars and conferences as the part and parcels of

Daily Excelsior
Jammu
October 27, 2017

2-day international seminar begins at JU

Two-day international seminar on letter writing in Urdu, being organized by the Department of Urdu, University of Jammu, began here today.

The seminar on the topic "Letter Writing in Urdu, Tradition, Continuity and Prospectus" was inaugurated by JU Vice-Chancellor Prof R.D. Sharma in the presence of galaxy of writers, poets and academicians.

The main feature of the seminar was the keynote address by the reputed Canadian writer, Dr Taqi Abedi on the 'Beginning and development of Urdu letter writing'. He discussed the letter writing of Galib, Sir Sayeed Ahmed Khan, Abdul Kalam Azad, Mir Anees and Iqbal, which are the treasure of Urdu language and literature.

Prof R.D. Sharma advised HoD Urdu to submit a detail proposal to UGC for getting SAP program. He informed that in its recently held meeting, the JU Council has recommended the name of Dr Taqi Abedi as Honorary Professor of Jammu University.

Two books written by Dr Mohd Asif Malik and Piarey Hatash were also released during the inaugural function. Tehzeeb-ul-aklaq, a literary Journal of Aligarh Muslim University, special number on Sir Sayeed Ahmed Khan was also released on the Occasion.

Earlier, in his welcome address, Prof Shohab Inayat Malik, HoD Urdu, threw light on the aims and objectives of the two day International seminar, in which about 30 papers will be presented on the subject.

Qatar Tribune (Doha)
L N Mallick
November 04, 2017

Indo-Pak Urdu writers receive 21st International Urdu awards

The Majlis-e-Frogh-e-Urdu Adab presented 21st Aalmi Frogh-e-Urdu Adab Award (International award for the promotion of Urdu literature) to India's Professor Abdus Samad and Pakistan's Professor Fateh Muhammad Malik during a ceremony held at Katara Amphitheatre on Thursday.

The event themed 'We Stand for Qatar' was organised under the patronage of the Ministry of Culture and Sports in cooperation with the Cultural Village Foundation (Katara).

Launched in 1996, the award comprises a gold shield and cash award of Rs150,000 which is given annually to two Urdu writers, one from India and the other from Pakistan, for their achievements in creative fiction, research or critical works.

Besides the award, a special Aalmi Frogh-e-Urdu Award was given to Canada-based literary personality Dr Syed Taqi Abedi, who originally hails from India.

Indian Embassy's Third Secretary Dr Mohammed Aleem and Pakistan Embassy's Community Welfare Attache Junaid Amir Sial joined Majlis' Chairman Mohammad Atiq and Majlis Patron M Sabih Bukhari in presenting the awards.

The award ceremony was followed by 23rd international poetry symposium, which was presided over by Dr Khurshid Rizvi, who opened the mushaira by lightning the traditional lamp.

The highly entertaining mushaira glued the audience to their seats till late hours of the evening. Katara Amphitheatre echoed with the chanting of wah, wah (bravo, bravo) and bahut khoob, bahut khoob (very good, very good) throughout the mushaira.

Guest poets from India were Farhat Ehsas, Azm Shakri, Lata Haya, Mehtab Alam and Vijay Tiwari. Guest poets from Pakistan included Dr Khurshid Rizvi, Dr Inam ul Haq Javed, Sabin Saif, Khalid Sharif, Zaeem Rashid, Syed Naveed Haider and Fakhra Anjum. Dr Taqi Abedi, Bader Seemab from Kuwait, Ghazal Ansari from UK and three Doha-based poets Fartash Syed, Aziz Nabil and Syed Mishfiq Raza Naqvi also participated in the mushaira. Furqan Ahmed Paracha and Fartash Syed compeered the programme. Amin Motiwala, Javed Humayun, Farzana Safdar, Qamaruzzaman Bhatti and Raza Hussain were present on the occasion.

A souvenir magazine was also released at the event. The award winners were decided by two juries. The Indian jury is headed by Prof Dr Gopi Chand Narang with Prof Shafey Kidwai, Nand Kishore Vikram and Prof Atiqullah as members while the Pakistani jury is headed by Dr Khurshid Rizvi with Dr Saleem Akhter, Prof Khwaja Mohammad Zakaria and Prof Tehsin Firaqi as members

indiansinkuwait.com
(Kuwait)
November 6, 2017

Writers' Forum, Kuwait organized Talk on Ghalib......

Dr Syed Taqi Abedi who is an Indian Canadian poet, author, critic, journalist and a scholar in Urdu language, in addition to being a physician by profession, was the guest of honour for the evening. His notable achievements are a compilation of a two-volume book, 'Kuliyat-e-Ghalib Farsi' collecting the poetry of Mirza Ghalib in Persian, he has also extensively researched poetry in praise of Prophet Muhammad by various Hindu poets, and and has produced Encyclopedic work on the life and thoughts of Faiz Ahmad Faiz which includes 40 articles which he himself has written on Faiz. The second guest of honour was Mr. Kedar Nath Kedar, a noted Punjabi and Urdu nonagenarian poet. The evening was presided over by Mr. Umesh Sharma, the former President of WFK.

After a brief welcome address by the Forum's General Secretary Rajesh Verlekar followed by the presentation of mementos and the Forum's published book, 'Navratna' by the President Mamtana Ali Chougle and Mr Umesh Sharma, respectively, to both the guests, Saeed Nazar Kadpavi invited Mamtana Ali Chougle to formally introduce Dr Abedi and she expressed the importance of his work for the present and future generation. Later Dr Abedi was invited to speak on the works of Mirza Ghalib. Describing Ghalib as a 'progressive writer', Dr Abedi gave a scholastic talk on the life and times of Ghalib and his poetic journey. He explained the innate importance of Ghalib to Urdu and Farsi poetry as it marked the beginning of an era of a path-breaking style of Urdu poetry. He recited

a number of couplets of Ghalib and brought to light its hidden facets and depth in great detail. Ghalib, he said is one of the three great things that happened during the Mughal period. He also thanked WFK for extending an invitation to speak on Ghalib.

In order to introduce the Guests of Honour to the literary activities of the WFK, the floor was opened for recitation of poetry by its members. Saeed Nazar Kadpavi, Dr. Radhika Bhardwaj, Maimuna Ali Chougle, Sabir Galsulkar, Sunil Sonsi, Syed Qamar Minto, Ameeruddin Ameer, and Umesh Sharma read their works. One of the guests of honour - Kidar Nath Kidar also recited his poems. In addition to the WFK members, some of the also guests also read poems.

In his concluding remarks, the President of the meeting—Umesh Sharma, thanked Dr. Abedi for accepting to deliver a lecture and expressed great appreciation over the depth of his research work on the literary giants like Ghalib, Mir Anis and Faiz. He further said that the memories of this scholastic evening will be forever etched on his mind. The Jt. Secretary Sunil Sonsi concluded the evening with a Vote of Thanks and especially thanked Mr. Ali Chougle and his family for organizing the meeting.

qatarliving.com
November 28, 2015

Iqbal Seminar in Urdu & Mushaira on Saturday 28 Nov 2015

A prominent scholar of Urdu, Dr Syed Taqi Abedi will be the keynote guest speaker at third annual Iqbal Seminar (in Urdu) being organized by Iqbal Academy Middle East (IAME) on Saturday 28th November 2015 at [illegible] Hotel, Doha at 7:00pm. Iqbal Academy Middle East (IAME) was founded by Qatar-based writer, researcher, and literary critic Faisal Hanif in 2013 to promote and disseminate the work of Allama Sir Muhammad Iqbal (1877-1938), a Persian and Urdu poet, a philosopher, and a visionary from the subcontinent. Iqbal is considered one of the most important literary figures in Urdu literature arguably the greatest after nineteenth century classical Urdu and Persian poet Mirza Asadullah Khan Ghalib. Though Iqbal is best known as an eminent poet, he is also a highly acclaimed "Muslim philosophical thinker of modern times". In much of South Asia and Urdu speaking world, Iqbal is regarded as the "Poet of the East". While he is a national poet of Pakistan, in India he is remembered as the author of the popular song "Saare Jahan se Acha Hindustan Hamara - Better than the entire world, is our India".

The guest speaker in Iqbal seminar, Dr Syed Taqi Abedi is a Canada-based physician and literary personality. Professor Abedi is an intellectual, writer, researcher and poet who authored more than 55 books in the field of Urdu language and literature (both poetry and prose) in Urdu, English and Persian. He is widely cited scholar in Urdu literary research by critics and researchers. His major research work is on classical poets from nineteenth century including Mirza Ghalib, Mir Anees, Mirza Dabeer, Altaf Hussain Hali, and twentieth century poets Allama Iqbal, and Faiz Ahmed Faiz.

Dr Abedi is a visiting professor at three universities, and recipient of several prestigious awards from India, Pakistan, USA and Canada including Award of Outstanding Contribution to Literature, in 2001, from Multiview Bureau of Greater Toronto, Canada, "Writer of the Year" Award in 2003 by Eastern News Canada, Award of Excellence in 2003by Idare-Faiz-Adab Washington, USA, Allama Iqbal Award of Excellence 2003 by the Government of Ontario, Canada, Award of Distinguished Service and Contribution to Urdu Literature – Aligarh University Alumni, New York City, 2005, Award of Excellence for Literature and Research Work – International Literacy Council, Pakistan, 2005, Valuable contributions to Urdu language, Legislative Assembly of Ontario, 2006, and many more.

Dr Syed Taqi Abedi will be lecturing on the topic: "Importance and Utility of Iqbal's Message in Today's World" in Urdu on Saturday 28th November 2015 at

J S Ifthekhar
Telangana Today
January 14, 2018

A doctor with a passion for poetry

Diagnosing ailments of others comes easy to him but his own malady eludes a remedy. He is a doctor with an incurable passion. No, it's not a case of physician heal thyself. Dr Syed Taqi Hassan Abedi is smitten with the love of Urdu poetry. And his obsession with it grows by the day.

The Hyderabad born Canadian physician is a man of many parts scholar, poet, critic, author all rolled into one. Abedi was presented the Life Time Achievement award last month by the Doha based Urdu language literary organisation, Majlis-e-Frogh-e-Urdu Adab. Having obtained his Bachelor's Degree in medicine from Osmania University, he served in Iran, England, US and is presently working in a hospital at Ontario, Canada.

Abedi's dalliance with Urdu poetry began right from his student days and it has taken him to different parts of the world where he delivers talks to packed audience. Recently he was in Hyderabad to deliver a talk on the relevance of Allama Iqbal, one of the Urdu's top notch poets.

The city's literary calendar is never dull. Not a day passes without a mushaira being held somewhere or the other. But Abedi's arrival brought the literati out of the woodworks as it were. Urdu aficionados thronged the Urdu Hall in Himayatnagar in large numbers to listen to the son of the soil.

Abedi's dalliance with Urdu poetry began right from his student days and it has taken him to different parts of the world where he delivers talks to packed audience. Recently he was in Hyderabad to deliver a talk on the relevance of Allama Iqbal, one of the Urdu's top notch poets. The occasion was the 914th address in the 'Iqbal Shinasi' lecture series being organised by senior advocate, Ghulam Yezdani, and it turned out to be a landmark. Audience demanding an encore during mushairas is nothing new. But Abedi's lecture saw people hanging on to his words and uttering 'wah-wahs' as he expounded the philosophy and poetry of Iqbal.

In his scholarly talk, Abedi dwelt on the notion of 'Khudi' (self), the epistemological dimensions and the metaphysical concepts enunciated in Javid Nama, the most mature of Iqbal's Persian epic. Quoting extensively from the works of Moulana Rumi, he touched upon the dialogue with 'Jahan Dost' which is a reference to Vishvamitra.

The erudite speaker tried to scan Iqbal's intellectual horizon and explained at length the concept of khudi (self), shaheen (falcon), taqdeer (destiny) the recurrent themes in Iqbal's poetry. He recited several inspirational couplets that goad man to realise his infinite potentiality in shaping the destiny of universe. The poet uses the attributes of shaheen like sky-aspiring, vigilance, perseverance while spurring the youth to reach the soaring levels of excellence.

Tund-e-Baad-e-Mukhalif se na Ghabra ae Uqaab
Yeh to chaltee hai tujhay oonchaa udanay Ke liye!
(O Falcon, don't be scared of the headwinds
They just blow to keep your flying to greater heights.)

Iqbal was primarily concerned with the human predicament and propagated a life of desire and action. To

dub him as poet of Islam or to blame him for the partition of the sub-continent is to do a great injustice. To quote his own words "even Iqbal doesn't know Iqbal'

A poet and thinker of his stature can't be confined to just India or Pakistan. "Iqbal is not the representative of any particular country, race or era. His is a poetry of purpose and his message is boundless and universal", says Abedi.

Urdudepartmentju.org
Janauary 18, 2018

Department of Urdu released a book "Banam-e-Taqi Abedi"

Prof. R.D Sharma, Vice Chancellor of University of Jammu released a book titled "Banam-e-Taqi Abedi" in the Prof. Gian Chand Jain seminar hall of the department of Urdu, University of Jammu. The Book Release function was organized by the department of Urdu, University of Jammu and was attended by galaxy of poets, writer, students, scholars and respectable citizens. The book based on the letter of towering Urdu writers to Taqi Abedi a renowned Canadian Urdu writer was complied in a book form by Dr. Shehnaz Qadri, Assistant Professor, MAM College Jammu. The book release function was presided over by noted short writer Khalid Hussain while Dean Faculty of Arts Prof. Kedar Nath was the Guest of honour. On the occasion Dr. Taqi Abedi the honorary professor of the department of Urdu, University of Jammu was also present.

Speaking on the occasion Prof. R.D. Sharma congratulated Dr. Shehnaz Qadri for bringing out a valuable book. He described her budding Urdu writer who has authored already 04 books in Urdu. Her new book will definitely provide the readers information about writing standard of Taqi Abedi as well as present scenario of Urdu language not only in sub-continent but also in Europe. Prof. R.D. Sharma further said that letters included in the book are of great value as these has been written by towering urdu writers of urdu world to Dr. Taqi Abedi. Prof. R.D. Sharma also appreciated the efforts of Urdu department for the promotion of Urdu language. he thanked the Government for establishing the Urdu council in the state

which was a long pending demand of the Urdu loving people. Prof. R.D. Sharma also lauded the efforts of Dr. Taqi Abedi who has been appointed Honorary Professor in the University of Jammu for the promotion of Urdu language. He inform that Taqi Abedi has been appointed as Honorary Professor in University of Jammu who will visit twice to the University in a year and will deliver thought provoking lecture to the students, scholars of the department of Urdu, University of Jammu. By doing this student, scholars academically would be benefitted. Prof. Kedar Nath too congratulated Dr. Shehnaz Qadri for her great work he said that he met the author in a refresher course of University of Jammu and came to know that she is not expert on Urdu language only but she too knows the other languages also. Describing letter a great treasure Dr. Kedar Nath said that these provide information regarding the culture and civilization of the past when they are written

Khalid hussain in his presidential address threw light on the origin and beginning of Urdu letters writing he in detail discussed the letter written by Galib, Sir Sayeed Ahmed Khan and other letter writers of Urdu and describe them letter important in the sense that they provides the importance of old age civilization. Describing Taqi Abedi one of the most important contemporary Urdu writer Khalid hussain said that he has renderd a marvelous service to the urdu language and literature especially in Europe. The author of 60 books in Urdu Dr Taqi Abedi is a expert on Galib, Mir, Anees, Iqbal and Hali. Describing a book of Dr Shahnaz Qadri valuable one Khalid Hussain described her not only a urdu writer but also a Nobel human being who has also attended various Inter-National and National seminar and also presented papers. It is pertinent to mention here that book contains 311 pages, its forward has been written by Dr. Shahnaz Qadri. It has been published by Shahid Publication Darya Gunj. Delhi The author has

dedicated the book to her husband Prof. Shohab Inayat Malik, HOD Urdu who according to the author is the source of inspiration for her. Later Dr. Taqi Abedi delivered a thought provoking lecture on the topic "Relevance of Gulzar's Poetry in present Era" He described the poetry of Gulzar a treasure of Urdu language and discussed its different dimensions in the present era. The thought provoking lecture on Gulzar was liked by one and all. A question answer session was also held to which Taqi abedi replied all the quarries of audience in a befitting manner.

Earlier in his welcome address HOD Urdu Prof. Shohab Inayat Malik discus the importance of letters and present scenario of Urdu in J&K state. He inform that a reputed poet of film world Gulzar has given his consent to visit the Jammu University in the month of April. He will interact with the students, scholars and respectable citizens of Jammu. This connection the arrangements are being made.

The proceedings of the programme was conducted by Dr. Reyaz Ahmed while vote of thanks was presented by Dr. Chaman Lal. Dr. A.R. Manhas and Dr. Farhat Shamim was also present on the occasion.

Peerzada Salman
Daily Dawn (Karachi)
November 20, 2018

Iqbal's message is respect for mankind, says scholar

The real message that one can glean from Allama Iqbal's poetry is that he talks about humanity, and the issue that the contemporary world is confronted with is the lack of respect for mankind which can be solved if the great poet's message is properly relayed

This was the crux of the thesis presented by Dr Syed Taqi Abedi at Urdu Bagh on Monday afternoon.

Dr Abedi, who lives in Canada and is on a personal visit to Pakistan, talked about Iqbal's ideas by reading the following Lines:

Ragon mein woh lahu baqi nahin hai
Woh dil, woh aarzu baqi nahin hai
Namaz-o-roza-o-qurbani-o-Haj
Yeh sub baqi hain, tu baqi nahin hai
[There's no blood of yesteryear valour
Nor your heart or its desire is the same
Prayers, fasting, the spirit of sacrifice and Haj
All remain, but you, in essence, don't exist]

'Javednama is counted among five greatest books in the Persian language'

'Maulana Iqbal Lahori'

He said today Iqbal's message, if understood correctly, could show us the way forward. In the last 700 years, after Rumi, Iranian culture had bestowed upon the title of Maulana on only one person, and that was Iqbal — Maulana Iqbal Lahori. There's a reason for it: Iqbal's book

Javednama was counted among five of the greatest books in the Persian language.

Dr Abedi said we were lucky that we had among us a poet who focused his creative pursuits on humanity or the human race (aadmiat). The biggest issue that the 21st century was faced with was that it didn't respect human beings and their fundamental rights. Iqbal once said that he called upon Muslims like Rumi because the two poets had something in common. In Rumi's time, 700 years ago, Khilafat-i-Baghdad was dismantled, and in Iqbal's time the Ottoman Empire came to an end

Allama Iqbal believed that we didn't have to be impressed with the West or get lost in the East's afsaney, but needed to look for a modern social system (jadeed muasharti nizaam). In that context the poet laid emphasis on respecting the human race. It was the gist of culture and civilisation. Today some] countries in the West couldn't claim to be civilised since they didn't respect their minorities. So Iqbal did not just pose question, but also provided answers to them, he added.

Dr Nomanul Haq presided over the event. Speaking after Dr Abidi's speech he said while he appreciated the way Iqbal was being remembered, he felt that the poet's craft, his diction, and his use of metaphors hadn't been discussed the way they merited. He mentioned Iqbal's brilliant metrical composition used in his masterpiece Masjid-i-Qurtaba. And in the book Baal-i-Jibreel he argued Iqbal blurred the line between nazm and ghazal. This particular quality of the poet to use words and metres in a certain manner needed to be pointed out. But he (Dr Haq) feared that Iqbal's poetics might disappear into oblivion if we didn't highlight it.

Dr Haq said he was once discussing Iqbal with the late Mushtaq Yousufi. Yousufi sahib remarked that Iqbal was a freak (in a positive sense for the poet was

prodigiously talented). To which Dr Haq replied that Iqbal was a miracle.

Earlier, two books – Iqbal Aur Pakistan and Mutala-i-Iqbal Ki Jahtein — were launched. Introducing the books to the audience, Prof Sahar Ansari said they were being launched in connection with Iqbal's birthday (Nov 9). The essays included in Mutala-i Iqbal Ki Jahtein had already been published in Urdu quarterly.

Expanding on the subject, Prof Ansari said the essays had to do with the different phases in Iqbal's life. First, when the global scenario was swiftly changing. Two, when Iqbal visited Europe (1905-1908). Third was to do with Iqbal's thoughts and ideas that were shaping up because of the preceding two factors. And fourth was related to his khutba-i-Allahabad.

In the end, Dr Fatema Hassan thanked the guests. After the event, a naatia mushaira was held.

Ather Moin
Hyderabad
November 23, 2018

Vyjayanthimala wrote her Urdu dialogues in Tamil script: Gulzar

The origin of Urdu language is in India and it is an Indian language, stated renowned lyricist, poet and filmmaker Gulzar while addressing the inaugural function of a one-day national seminar, "Gulzar. Ehsaas Ka Safeer" (Ambassador of Emotions)

Gulzar said Urdu had grown as it adopted the words from other languages. "It is adorned with words from Arabic, Persian, Prakrit, Sanskrit and English," he told the seminar organised by the department of Urdu of the Maulana Azad National Urdu University

"Almost 90 per cent of the language used in Bollywood films is Urdu People who know Hindi admire the Urdu language, but they do not know the true pronunciation, it is our responsibility to guide them This will enhance the reach of Urdu," he said.

Gulzar revealed that yesteryears heroine Vyjayanthimala used to write her Urdu dialogues in Tamil script Gulzar rendering some of his famous poems, 'Kitabein', 'Yeh Kaisa Ishq Hai Urdu Zaban Ka', 'Table Lamp', 'Balli Maraan' in his unique style

Gulzar whose regard for the famous Urdu poet Mirza Ghalib is well known, read a poem 'Galli Qasim Jaan' to pay him glowing tribute Gulzar regards himself as the 'third servant' of Ghalib.

Dr Mohammad Aslam Parvaiz, Manuu Vice-Chancellor, said Gulzar had penned the University tarana in 2014 in collaboration with music director Vishal Bharadwaj. It was rendered by Sukhvinder Singh.

G J Report
Jammu
March 12, 2019

Gulzar attends "Jashn-e-Gulzar", Ganai terms him as ambassador of rich Indian Culture

The Golden Jubilee celebration of Jammu University today began with "Jashn-e-Gulzar", with the inaugural ceremony witnessing participation of some world famous Indian writers and poets.

Advisor to Governor Khurshid Ahmed Ganai, in presence of eminent Film Director, legendry poet and writer Gulzar inaugurated the three day high profile cultural event organized by the Department of Urdu and Dean Student Welfare as part of celebrations of the University which will continue for the entire year.

Vice Chancellor Jammu University, Prof. Manoj K Dhar, Professor and a Canadian Urdu writer Dr Taqi Abedi, HoD Urdu, Prof Shohab Inayat Malik, Dean Student Welfare, Prof S S Jamwal, Director Information, Gulzar Ahmed Dar, Registrar University of Jammu Dr Meenakshi Kilam other dignitaries and a large number of writers, poets, intellectuals and lovers of literature from different parts of the Country and state attended the event.

Speaking on the occasion, the Advisor said that such programmes provide a perfect platform to budding writers and poets to scale up their talent and skills in the world of literature. He hailed the contribution of Gulzar Saheb towards Bollywood through some of the most iconic films like Aandhi, Mausam, Parichay, Mere Apne, Maachis etc then to poetry and to Urdu, the language of his poetry. He said that Gulzar sahib is a household name in the country

and a symbol and ambassador of India's composite culture also known as Ganga Jamuni Tehzeeb.

"Gulzar Sahib has been working with government organizations, including National Council for Promotion of Urdu Language (NCPUL) and for that his contribution has been of great value" Ganai said.

Underlining the need for further promotion and propagation of Urdu language, the Advisor said that this language was born in India and is by all definitions and standards an Indian language. "It is a matter of great satisfaction that MoHRD has setup NCPUL and is also supporting the Universities for promotion and propagation Urdu language," he noted. He said the government is taking all requisite steps to promote the language.

Ganai appreciated the role of Jammu University for organizing literary events and stressed upon on holding of more such events. He emphasized on the need to work inventively to stem the challenges that are causing decline to the language and thanked the Department of Urdu for taking the call to support the language.

Legendry Bollywood icon, Gulzar, presented a bunch of his heart throbbing creations which mesmerized the audience.

Journeyline
Jammu
March 14, 2019

JU organizes Intel Seminar on the "Life and works of Gulzar"

International seminar on the "Life and works of Gulzar"was organized on the 2nd day of the three day Jashan-e-Gulzar organized by the Department of Urdu in collaboration with Department of Student Welfare, University of Jammu in the Prof. Gian Chand Jain Seminar Hall of the Department of Urdu. The world renowned critic and researcher of Urdu, Dr. Taqi Abedi presented a key note address on the poetry and writing of living legend 'Gulzar.' He said Urdu is a language of love, brother-hood and mutual understanding and Gulzar is a symbol of Urdu language and literature.

Prof. Taqi Abedi said that Urdu should not be related to any religion as most of the religious books have been written also been written in Urdu. The language of Urdu is, was and would be for one and all. It has produced poets like Gulzar, who invented a new genre "Trivani". Dr. Taqi Abedi threw light on the various forms of 'Trivani' in detail and advised the students to write 'Trivani' as it is the need of 21st century.

Prof. Shohab Inayat Malik in his presidential address announced that Dept of Urdu will make efforts to introduce "Trivani" in the curriculum. Prof. Shohab Inayat Malik said that Gulzar migrated from Dena (now in Pakistan) to Mumbai where he started his career in different capacities. He worked with renowned actor Sanjeev Kumar also Dr Asif Almi, Dr. Farhat Shamim, Dr Shehnaz Qadri and Khalid Hussain presented a detail paper highlighting the contribution of Gulzar as Film maker, Writer, Producer and Director The speaker described Gulzar a living legend and

asked the audience to follow the writing of Gulzar, so that new generation could be know about his invention Trivani. While replying to volley of questions by the audience, Gulzar presented various verses depicting the tragedy of partition. He also presented a Nazam on Kashmir, which was highly appreciated by the audience. Gulzar said that Urdu is a language of culture and it would remain so, forever.

Dr Meenakshi Kilam, Registrar, University of Jammu presented a formal vote of thanks while Dr. Reyaz Ahmed conducted the proceeding of the program.

Mudassir Raja
Daily Gulf Times
October 28, 2019

MFUA set to mark silver jubilee of annual poetry sessions

Majlis-e-Frogh-e-Urdu Adab (MFUA), one of the most vibrant literary groups of Pakistani and Indian expatriates, is all set to organise its 25th (silver jubilee) mushaira (poetry symposium) this Friday.

The mushaira, the annual trade mark of MFUA, is going to take place at City Centre Rotana where number of Doha-based poets besides the known poets from Pakistan and India will present their fresh and much-celebrated works for the Urdu poetry lovers.

The mushaira that has always been received well in Doha will be preceded by 23rd Aalmi Frogh-e-Urdu Adab Awards, the awards ceremony has also been an annual feature of the literary group for the last 23 years. This year the awards will be presented to Prof Dr Tehsin Firaqi, a reputed Urdu scholar, researcher and critic from Pakistan, and Fay Seen Ejaz, an eminent literary journalist, poet, creative fiction and travelogues writer, critic from India.

The poets from Pakistan who will be taking part in the poetry symposium, includes Amjad Islam Amjad, Ambareen Haseeb Amber, Shaukat Fehmi, Dr Fartash Syed, Junaid Azar and Idrees Qureshi. The guest poets from India, include Charan Singh Bashar, Shakeel Azmi, Nusrat Zaheer Ahmed and Zubair Tabish. The other poets are Dr Syed Taqi Abedi, from Canada; Dr Nausha Asrar, from USA; Sadaqat Tarmazi, from Kuwait; and Qamar Riaz, from Oman. The poets from Doha, include Asif Shafi, Ahmed Ashfaq, Raza Hussain Raza and Sanwal Abbasi.

The poetic symposium will be presided over by Amjad Islam Amjad, a celebrated Pakistani poet. Amjad Islam Amjad is a gradaate in Urdu Literature. He has been an Urdu teacher for all his life. The noted playwright and columnist has also served as a director at Pakistan Television Corporation from 1975 to 1979.

MFUA was founded in 1991 by late Malik Museeb-ur-Rehman, who hailed from Lahore, Pakistan. The Majlis started organising its annual poetic symposiums in 1994. "The Majlis was founded purely to promote Urdu language and celebrate its literature. Later on, we also started the awards to highlight and acknowledge the contributions of prominent literary personalities from Pakistan, India and other parts of the world," said Mohamed Atiq, Chairman MFUA.

Atiq, who has been associated with the Majlis since its inception, further added, "As we started celebrating the Urdu poets and their works, we were suggested to recognise and award the prose writers of the language. The management of the Majlis decided to launch the awards on annual basis. We set up a committee, each in Pakistan and India, under the watch of prominent literary figures. They first select the jury that further shortlists the literary personalities who will receive the award. The Majlis has no hand in selecting the awardees," Atiq said.

He added, "Besides giving the medals to the awardees, the Majlis pays them cash as well. We started paying Rs 1,00,000 to each awardee from Pakistan and India. Later on we increased the amount to Rs.1,25,000 that was further enhanced upto Rs.1,50,000. Later on, the Majlis also started recognising Urdu scholars living outside Pakistan and India. In last 25 years, the Majlis has awarded 700 Urdu scholars, writers and poets hailing from different parts of the world. We have also been inviting much celebrated personalities, who have made contributions to the promotion of Urdu language, from different countries."

The MFUA chairman further said, "This year's event is going to be very special. We are going to launch four books on the occasion. The first book is Amjad Fehmi (Understanding Amjad). The book is written by Dr Syed Taqi Abidi, a well-known critic of Urdu literature. The book is quite bulky as it covers maximum poetic work of poet Amjad Islam Amjad. The second book is Zara Si Baat.

It's an anthology of new poems and sonnets by Amjad Islam Amjad. The third book is an Urdu translation of an Arabic novel. The translation has been done by Obaid Tahir, Senior Producer and Announcer at Qatar Radio. This is the first of its kind that a novel by a Qatari writer has been translated into Urdu. The fourth book is Qatar Ki Nakabandi. It is again a translation of an Arabic book by Al Jazeera TV on the unjust siege of Qatar. The book has been translated and published by Ashraf Siddique, a noted member of the Pakistani expatriate community."

Qatar Tribune
(Qatar)
November 20, 2019

Majlis-Frogh-e-Urdu Adab presents Urdu awards to reputed Indian, Pakistani writers

The Majlis-Frogh-e Urdu Adab presented the 23rd Aalmi Frogh-e-Urdu Awards to Prof Tehsin Firaqi, a reputed Urdu scholar, researcher and critic from Pakistan, and Fay Seen Ejaz, an eminent literary journalist, poet, critic, and creative fiction and travelogues writer from India, at a glittering ceremony at the City Centre Rotana Hotel recently.

Director of Publications and Translation at the Ministry of Culture and Sports Mohammed Hassan al-Kuwari was the chief guest on the occasion. The other prominent guests included Maqbool Habib Khalfan, Prof Qazi Abid and Prof Aqeela Bashir.

The Majlis launched the Aalmi Frogh-e-Urdu Adab Awards in 1996. The award comprises a gold medal and cash award of Rs150,000 for each winner, one from Pakistan and the other from India, for their life-time achievements in fiction, research and critical works. Mushfiq Raza Naqvi and Javed Bhatti presented citations in honour of the award winners. Obaid Tahir conducted the proceedings of the award ceremony.

After the awards presentation, an international mushaira was held, which featured top poets from Pakistan, India, the US, Canada, Kuwait, Oman and Qatar. Amjad Islam Amjad, a well-known Urdu poet, playwright, and columnist from Pakistan presided over the mushaira, while Dr Fartash Syed compered it.

The guest poets from Pakistan included Amjad Islam Amjad, Dr Tehsin Firaqi, Dr Ambareen Haseeb Amber, Shaukat Fehmi, Dr Fartash Syed, Junaid Azar and Idrees Qureshi. The guest poets from India included Fay Seen Ejaz, Charan Singh Bashar, Shakeel Azmi, Nusrat Zaheer Ahmed and Zubair Ali Tabish. Dr Syed Taqi Abedi from Canada, Dr Nausha Asrar from the US, Syed Sadaqat Ali Tarmazi from Kuwait, Qamar Riaz from Oman and Qatar-based poets Asif Shafi, Raza Hassan Raza and Sanwal Abbasi regaled the audience with their works. A souvenir and two books were also launched on the occasion. The first book, 'Zard Mosam Kay Gulab', is a translation of Qatari novel 'Maa-ul-Ward' by Dr Noora Faraj, which has been translated by Obaid Tahir. The second book, 'Qatar Ki Nakabandi' (The Blockade of Qatar), is also the translation of an Arabic book 'Hisar Qatar' by Al Jazeera Centre for Studies. The book has been published by Mohammad Ashraf Siddique and translated by Nadeem Maher and Niaz Ahmed Azami.

Earlier, Majlis Chairman Mohammed Atiq welcomed the gathering and thanked the Ministry of Culture and Sports and the Ministry of Interior of Qatar, the coordinators in India and Pakistan, and the sponsors for their support in organising the event. "We have been offering the awards continuously for the last 23 years. I became dejected after the death of the the founder of Majlis, Malik Museeb-ur-Rehman, in 2006. I felt very lonely while running the affairs of the literary group. However, I felt responsible to further the mission of Mr Museeb to promote Urdu literature. I am thankful to all members of Majlis whose support and contributions have helped the forum to continue its annual literary activities," said Atiq.

Expressing his immense pleasure in attending the event, Mohammed Hassan al-Kuwari, who is also a poet and novelist, said, "Minister of Culture and Sports HE

Salah bin Ghanem al-Ali personally asked me to come here and represent him. On this occasion, I recall the words of the Amir His Highness Sheikh Tamim bin Hamad al Thani, during his speech at the UN General Assembly. HH the Amir said he is proud of the residents of Qatar as much as he is proud of the people of Qatar. Qatar has had historic and deep-rooted relations with Pakistan and India. The cultural influences of these countries are overwhelmingly visible in Qatar. Urdu has its influence not only in Qatar but also in other Gulf states. I am proud that I have friends who speak Urdu. I wish I knew Urdu and I would be able to listen and enjoy the creative works of the renowned poets tonight."

Universalnewstimeline
Jammu
December 20, 2019

JU organises Manzar Azmi memorial lecture

The 4th Manzer Azmi Memorial lecture was organized today by the department of Urdu, University of Jammu in collaboration with the National Council for Promotion of Urdu Language and Literature, Ministry of HRD, Govt. of India, New Delhi (NCPUL).

The thought provoking lecture was delivered by Dr Taqi Abedi a Canadian Urdu scholar. The topic of the lecture was "Firaq Ki Rubyooun ke Roop".

In his thought provoking lecture Dr Taqi Abedi discussed various aspects of the poetry of Firaq Gorkpuri particularly his Rubuyat was discussed in detail. He informed that Firaq Gorkhpuri give new dimensions to Urdu poetry. He wrote on different themes, his art techniques was unique. In this regard Dr Taqi Abedi quoted various Urdu verses of Firaq Gorkpuri. The thought provoking lecture was appreciated by one and all. Participants asked various questions to Dr Taqi Abedi which he replied in a befitting manner.

Prof. Manoj. Dhar Vice Chancellor of the University of Jammu, Chief Guest on the occasion while speaking on the occasion congratulated the department of Urdu for organizing literary meets again and again. He described department of Urdu, University of Jammu the most active department in the campus which is organizing literary activities frequently. He also discuss the role of National Council for Promotion of Urdu Language and Literature for the promotion of Urdu language and informed that throughout India the National Council for Promotion of

Urdu Language and Literature is doing good job for the promotion of Urdu language. Describing Prof. Manzer Azmi an honest teacher and scholar of Urdu language. Prof. M.K. Dhar informed that the Research Books written by Manzer Azmi would be remembered for a long time.

Earlier Prof. Shohab Inayat Malik, Dean Faculty of Arts and HOD Urdu while presenting the welcome address informed that Manzer Azmi lecture was sanctioned to the department by National Council for Promotion of Urdu Language and Literature, New Delhi in 2010, since then department is organizing the lecture regularly. He said that Manzer Azmi served department of Urdu as lecturer, Reader, Professor and Head. Author of one dozens books in Urdu. Mazer Azmi was a honest teacher, his book written in Urdu are remarkable. He was a urdu poet also. Keeping his contribution in view the National Council for Promotion of Urdu Language and Literature (NCPUL) sanctioned the lecture to the department of Urdu, University of Jammu. The lecture is a great tribute to Prof. Mazer Azmi added Prof. Shohab Inayat Malik.

On this occasion special number of "Hakeem-ul-Ummat" a literary organ on Taqi Abedi was also released by Prof. Manoj Kumar Dhar Vice Chancellor of the University of Jammu. The "Hakeem ul Ummat" is being published from Srinagar, Kashmir by Zafer Haideri. The various literary personalities has written on the Art and Literature of Dr Taqi Abedi. The special number contains 332 pages.

Prof. Shohab Inayat Malik, Prof. Khawaj Ekram Uddin, Prof. Sharib Ruduahvi, Prof. Ali Ahmed fatmi, Prof. Beig Ehsas and Prof. Akber haideri has written their articles on the life, work and personality of Dr Taqi Abedi in the special number of "Hakeem Ul Ummat".

The proceeding of the program was conducted by Dr Mohd Reyaz Ahmed, Associate Professor of the department of Urdu, University of Jammu while Dr A.R.

Manhas. Assistant Professor of the department of Urdu, University of Jammu presented a vote of thanks. The program was attended by Students, scholars, Faculty member and a large number of Member of civil society.

Daily The Hans India
(Hyderabad)
February 26, 2020

Need to preserve Urdu manuscripts stressed

Urdu language scholars emphasised the need for decoding thousands of manuscripts preserved in the government institutions for understanding history and language transformation, particularly of Deccan so that the rich legacy is passed on to the next generations.

While delivering his keynote address on the first day of 2-day International Conference being organised at OU College for Women (Koti) marking the 53rd death anniversary of Mir Osman Ali Khan (the last of the Nizams), Prof Taqi Abedi, renowned critic and poet based in Canada called upon the younger generation to take up research and decode thousands of manuscripts in Persian and Urdu available at the government institutions. Citing the instance of fire accident almost 70 years back in OU, he bemoaned that in 1952 a treasure-trove of thousands of manuscripts was lost in thin air. He also referred to the quote of the then Prime Minister, Indira Gandhi who lamented the loss of thousands of manuscripts by terming it as 'darkest day'.

While emphasising the role of last two of the Asafjahi rulers in educating the masses, he said it was after several decades after some of the educational institutions already started rendering services in 19th century, the idea of establishing a University in Hyderabad came up. A team of experts were sent to study top Universities in Europe and later with global standards Osmania University was founded by investing Rs 40 lakh. "Unlike north India, the structures were built with amalgamation of local and

Islamic style, as emphasised by the rulers of the time, who were proponents of ganga-jamuni tehzeeb," he explained.

Maharaja Kishen Pershad an epitome of simplicity

Abedi said that the two-time Prime Minister of the then Hyderabad State, Kishen Pershad wrote more than 60 books in different languages including Urdu, Sanskrit and even Persian. "Upon his insistence Fani Badayuni (Shaukat Ali Khan), a famous poet was given post of headmaster in a school. Kishen Prasad was persistent and sure about Badayuni's capability. Hence, he dashed a handwritten letter putting straight his word," he added.

Poets like Allama Iqbal found the Prime Minister to be simple being, with high values.

"Whenever we remember Mir Osman Ali Khan, we should also remember the services of Kishan Prasad," he added.

Prof A Roja Rani, Principal, College for Women, lauded the services of the Nizam VII whose contribution to education and other sectors were immense. "He set a great example, without whom, the City would not have existed," she said.

Prof S A Majeed Bedar, former HoD of OU, Prof S A Shukoor, HoD, Department of Urdu Nizam College, Mohd Nazeer Ahmed, HoD (Urdu), OUCW, Dr Syed Abdul Mohaimin Quadri Laoubali, Director Hazrat Haadi-e-Deccan Library & Research Institute and others spoke on the occasion. Assistant Professor, Dr Syeda Naseem Sultana, convened the programme.

Daily Journeyline
Jammu
December 02, 2020

JU organizes webinar on 'Gulzar Ki Treweni'

Department of Urdu, University of Jammu organized a webinar on the topic 'Gulzar Ki Treweni" here today.

The webinar was attended by different Urdu scholars throughout the world. The reputed Urdu poet and critic Dr Taqi Abedi of Canada was the keynote speaker of the webinar. The webinar was presided over by Vice Chancellor of University of Jammu Prof Manoj Kumar Dhar while Samporan Singh Gulzar a legendary poet, film maker and writer was the Chief Guest on the occasion.

Speaking on the occasion, Gulzar sb. complimented University of Jammu for organizing a webinar on his "Treweni's'. He lauded the efforts of Vice Chancellor of University of Jammu Prof. Manoj Kumar Dhar, who is working tirelessly for the upliftment of culture and language. Gulzar informed that recently he has translated some poetry in 24 languages of India and Pakistan. The book has been recently published and it is the result of his nine years of hard work. Gular enthralled the audience with his latest "Treweni's".

In his presidential address, Prof Manoj Kumar Dhar, Vice Chancellor of University of Jammu thanked Gulzar and Dr Taqi Abedi for their special interest towards University of Jammu, which has surely uplifted the moral of the faculty and the students. He further said that it was a matter of great hnour that University of Jammu was able to get the Golden Jubilee Celebrations inaugurated by s Gulzar sahib and after pandemic is over, University shall again request and extend invitation for valedictory function

of Golden Jubilee celebrations. Describing Gulzar not only a Urdu poet of par excellence but also a noble soul, who has by virtue of his caliber and simplicity earned huge fan following with and outside India.

Earlier, Dr Taqi Abedi threw light in detail on the "Treweni's" written by Gulzar. He informed that "Treweni's" is based on three verses of poetry. The writer can produce romantic as well as social themes in the 'Treweni's" in Urdu. His Treweni's should be introduced in the syllabi of the every University of India so that new generation could know about the new form of poetry

He further said that Gulzar is the symbol of composite culture in India and is also a symbol of Urdu civilization, who has written many collection of short stories.

His Treweni's are impressive as well as attractive.

Dr Taqi Abedi quoted some beautiful Treweni's of Gulzar which were highly appreciated by Viewers. He described Gulzar the father of Urdu Treweni's

Daily The Hans India
(Hyderabad)
January 25, 2021

Great writings in Urdu to be published

In order to acknowledge the services of Urdu poets and writers of Hyderabad, particularly the departed, the TS Urdu Academy will publish their works. During a condolence meeting organised by Gawah Urdu Weekly in collaboration with Academy, the Director & Secretary of Academy Dr Ghouse Mohammed said that in recognition of their efforts and for promotion of the Urdu language, they must be honoured posthumously. Noted Urdu writers and poets including Prof Shamsur Rahman Farooqui, Hasan Chist, Khan Lateef Mohammed Khan (Editor Munsif Daily), Rahman Jaami, K. M. Arifuddin, eminent poet Dr Raahat Indori, Dr Ziauddin Shakeeb, and Narender Luther were paid homage. Participants from different countries joined virtually on video conferencing platform Zoom to pay homage.

Canada-based Hyderabad's renowned research scholar Dr Taqui Abedi, Architect Abdul Rahman from Chicago, Director National Council for Promotion of Urdu Language Dr Shaikh Aqueel Ahmed from Delhi paid homage virtually, while Ahmed Ali Barqi Azmi presented a poetic homage to the departed. Dr Taqui Abedi, in his virtual keynote address, highlighted Hyderabad's contribution to Urdu in memory of the departed souls. He proposed that great poets and writers must be honoured with a Chair named after them in State and National Universities.

He said Urdu poets and writers of Hyderabad have contributed significantly for the promotion of Urdu language. While some can be honoured posthumously, the

works of those who are living must also be duly acknowledged, he added. The programme was held under the supervision of Urdu Academy Director Mohammed Ghouse while Prof Fatima Parveen, Mohsin Jalganwi, KN Wasif, Abid Moiz among others enlightened the participants with the contributions of the great writers and poets of Urdu and its promotion. India's first overseas citizen Iftekhar Shareef, and Director Vision Group of Schools Jaleel Ansari were also present

Bilal Ahmed
Thenews (Karachi)
December 06, 2021

'Firaq's enormous influence on Urdu ghazal indisputable'

No other Urdu poet of the 20th century has a corpus of ghazal to his credit that is more diverse in its style and thematic content than the ghazal of Firaq Gorakhpuri.

Canadian scholar Dr Syed Taqi Abedi said this on Sunday at the Urdu Bagh, the secretariat of the Anjuman Taraqqi-e-Urdu, where he was invited to talk on the stature of Firaq in the tradition of Urdu literature. On the occasion, the scholar also launched his compilation of the entire poetry of Firaq, titled 'Kulliyat-e-Firaq Gorakhpuri Kamil'.

In the introductory remarks by Anjuman Secretary Zahida Hina and Treasurer Syed Abid Rizvi, Dr Abedi, who was born near Amroha in India, and is a heart specialist by profession, was praised for his literary acumen and extensive research in the field of Urdu literature.

Before the Canadian scholar launched his compilation of Firaq's poetry, Zahida shed light on the struggle of Firaq (1896-1982), who was a Hindu whose real name was Raghupati Sahai, for the cause of Urdu in India after Partition.

The Anjuman secretary said that when the Congress tried to undermine Urdu, Firaq's love for Urdu forced him to oppose Hindi. Dr Abedi informed the event that while the earlier compilations of Firaq's poetic works included at most 30 of his Nazm, he was able to find and include around 80 of his Nazm in his compilation.

Similarly, he said, his compilation had between 600 and 650 ghazals penned by Firaq. However, he admitted that despite all of his hard work, he could not get all of

Firaq's poetry. For instance, he said, Firaq wrote 52 Rubaiyat on the Chinese revolution, but he could only find 20 of them.

He said Firaq's enormous influence on the Urdu ghazal was indisputable and he is the only poet in whose works we can find specimens of the classical ghazal, specimens of ghazals that evolved under the influence of the Progressive Movement, specimens of ghazals that emerged due to the modernist movement and specimens of the post-modern ghazal.

The speaker conceded that Firaq was not an ideal man. Calling the poet a genius, he said Firaq had many abnormal traits like other geniuses. He loathed his wife, and what he wrote about her was unacceptable by all standards. Similarly, his behaviour prompted his son to commit suicide.

However, Dr Abedi maintained that the appreciation of a poetic work must be dependent only on the text and the virtues and vices of the poet must not be considered while evaluating his creative work. The speaker said Firaq's ghazals had no precedent in Urdu literature as he amalgamated the traditions of the literature of three languages. Firaq knew Sanskrit poetry very well, and he adopted the appreciation of beauty from the Sanskrit tradition. Dr Abedi quoted some verses of Firaq describing feminine beauty in a way that many Urdu poets might consider obscene.

In the Sanskrit tradition, a woman's beauty deserves worship, and so it should be exposed, but in the Islamic tradition, women should hide their beauty, said the speaker, adding that Firaq adopted his philosophy of beauty from the Sanskrit tradition.

Dr Abedi said that since Firaq was a teacher of English literature, he was influenced by Shelley, Wordsworth and Browning, and he tried to adopt their style of depicting scenes in his ghazals. Lastly, Firaq adopted the

Daily Times
Lahore
December 12, 2021

Alhamra organises literary session on Faiz Ahmad Faiz

Alhamra has organised a literary session titled "Kia Yeh Faiz Ka Dour Hai? Under the banner of the Lahore Arts Council and the City of Literature, Lahore is here on Wednesday at Alhamra hall 3, the Mall

The renowned Scholar Dr. Taqi Abedi was the speaker who shed light and spoke about Faiz Ahmed Faiz's poetry and personality. The chairperson Alhamra Moneeza Hashmi was the chief guest. The famous poet Amjad Islam has also attended the event.

Chairperson Alhamra Moneeza Hashmi welcomed Dr Taqi Abedi and said that the purpose of the programme was to provide an opportunity to the young generation to benefit from the words of Faiz Ahmed Faiz.

On the occasion, Dr. Taqi Abedi recited the poetry of Faiz Ahmed Faiz and conveyed the message to the youth. Abedi said that Faiz Ahmed Faiz is a poet of freedom; he always raised peace and knowledge on the world. He further said that Faiz's words are soothing, who promote inside, outside sincerity, Faiz is a romantic poet of life. Faiz's poetry saves from depression and gives everyone hope. He said that Faiz highlighted today's problems and offered solutions, he serving the language and literature at his best. Faiz's poetry conveys the message of tolerance, he added. Sumera Khalil hosted the event. A question and answer session was also held in the session.

The participants of the event benefited from the speech of Dr. Taqi Abedi and appreciated the efforts of the Lahore Arts Council. PUNA

J.S. Ifthekhar
Siasat (Hyderabad)
December 21, 2021

Hyderabad should not forego memory of Daagh; he is buried here, says Taqi Abedi

Too little too late. Yes, to some extent Mirza Ghalib got his due. But one of his most talented pupil, Daagh Dehlvi, is not so lucky. Pity is not many know where his final abode is. Hyderabadis who pride themselves on being saqun shinas (language knower) are blissfully unaware that one of the greatest of Urdu poets lies buried in their city.

Devotees who flock to the Yousufain Dargah in Nampally were taken by surprise the other day when there was a sudden commotion at a decrepit mausoleum. A battery of photographers rushed to snap Dr Taqi Abedi paying respects to the acclaimed poet and bending on his knees to read the tombstone.

Poet, writer, critic and author, the Hyderabad-born Canadian doctor was in the city to attend a programme. Despite his tight schedule, he squeezed time out to visit Daagh Dehlvi's grave and spend time there. Dr. Abedi was moved by the near oblivion the romantic poet suffered. His famous couplet on Urdu is recited everyday to celebrate the language but the poet himself is left uncared and unsung. The popular verse is:

Urdu hai jiska naam hamee jante hain Daagh
Hindostan mein dhoom hamari zuban ki hai

We realise the importance of Urdu, O Daagh
For our language is celebrated all over India

Dr. Abedi urged the Telangana government to honour Daagh in a befitting manner by developing the areas around his grave. Also mushairas and conferences should be

organised in his name to perpetuate his memory. Celebrated poet-philosopher, Allama Iqbal, took pride on being a pupil of Daagh. But in India not much work is done on him. "Had Daagh been in Iran at least 2000 books would have been written on him. Besides universities, auditorium and roads would have been named after him." Dr. Abedi said.

Daagh, who belonged to the *Dabistane Dehli* (Dehli school of thought), was guide to scores of poets who sought his advice to improve their works. Among them was Allama Iqbal and the 6th Nizam, Mir Mahboob Ali Khan. Being the king's *ustad*, Daagh was the toast of the town. There was not a *mushaira* where he was not invited and which he did not steal by his mesmeric poetry. He had immense love for Hyderabad which comes out in this couplet:

Hyderabad hai jannat se siva dar-ul-aman
Khake gandum na yahan se kabhi nikle Adam

Besides paradise, Hyderabad is the abode of peace
Once, from the dust of wheat here rose Adam

jammulinksnews.com
May 31, 2022

Dr. Syed Taqi Abedi's Book Released at Department of Urdu, JU

The department of Urdu, University of Jammu today organized a Book Release function in the jam packed Prof. Gian Chand Jain Seminar hall of the Urdu department.

Khalid Hussain, a Noted Urdu and Punjabi short story writer presided over the function while Noted Writer Naresh Nairang was Chief Guest on the occasion.

On the occasion Poetry collection of Nand Lal Narang Sarhadi "Tameer-E-Baqa" (Tehqeeq, Tajziya, Tadween) edited by Noted Urdu scholar from Canada, Dr Syed Taqi Abedi was released. The presidium was also shared by Prof. Mohd Reyaz Ahmed HOD Urdu University of Jammu and Prof. Shohab Inayat Malik Principal IMFA, Jammu University.

In his address, Khalid Hussain congratulated the editor for bringing out the poetry book of Nand Lal Nairang Sarhadi.

He depicted the realities of life in a very interesting manner. Khalid Hussain described that the poetry of Nairang Sarhadi covers all aspects of life. He said the function is one of the most impressive ones and highlighted the qualities of the head and HOD Urdu Prof. Mohd Reyaz Ahmed.

In his address, Naresh Nairang Highlighted the qualities of the poetry collection of Nand Lal Sarhadi and appreciated the work of Dr.Taqi Abedi about Sarhadi's poetry.

He also explains the importance and role of Urdu and Hindi poetry in the development of languages.

He also appreciated Prof. Mohd Reyaz Ahmed, HOD Urdu for organizing a book release function, in which a poetry collection was released.

In his speech, Dr.Taqi Abedi said that the Urdu department, University of Jammu is one of the most vibrant departments in the Urdu world.

The literary and academic activities organized by the department are the need of hour.

He also offered his full support to HOD Urdu Prof. Mohd Reyaz Ahmed and congratulated HOD Urdu for organizing a book release function in which a poetry book was released.

In his address, Prof Shohab Inayat Malik also congratulated the editor and Naresh Nairang for bringing out the poetry book of Nand Lal Nairang Sarhadi.

Prof. Mohd Reyaz Ahmad, HOD Urdu University of Jammu, congratulated Dr.Taqi Abedi for his book in his welcome address.

Prof. Mohd Reyaz Ahmed also appreciated the books and their role in the development of the Urdu language and literature. He also welcomed all the guests who attended the book release function.

Besides students, scholars, faculty members and civil society members also attended the lecture.

The lecture was attended by respectable citizens also, those who attended included Seema Anil Sehgal, Dr. Farhat Shamim, Raj Kumar Behrupia, Dr. Abdul Qayoom,Dr. Raza Mehmood, Dr. Mohd Ajaz, Dr. Javed Shahabad., Pyare Hatash, Khurshid Kazmi, Ameen Banihali, Irfan Arif, Fozia Mughal, Dr. Nasib Ali and others.

Dr. Abdul Rashid Manhas conducted the proceeding of the programme while Dr.Chaman Lal presented a vote of thanks.

Greater Kashmir
Srinagar
June 03, 2022

KU`s Iqbal Institute organises extension lecture on Moulana Rumi, Allama Iqbal

Kashmir University`s Iqbal Institute of Culture and Philosophy (IICP) on Thursday organised an extension lecture on 'Moulana Rumi and Allama Iqbal'.

Vice-Chancellor Prof Nilofer Khan presided over the inaugural session of the lecture titled 'Maulana Rumi and Allama Iqbal: Similarity in Educational Thoughts and Ideas.'

In her presidential address, Prof Nilofer said the universal message of humanity found in the writings of Moulana Rumi and Allama Iqbal transcends all boundaries and is ever-relevant for mankind to follow.

She said academics and scholars have a responsibility to spread this message amongst young students for them to further delve deep into the vision of these great personalities who have left a great impression on countless scholars across the world.

"Moulana Rumi and Allama Iqbal are not read by scholars of Moulana Rumi and Allama Iqbal alone because of the fact that their writings have a universal appeal that draws scholars from beyond the realm of social sciences or humanities to read and understand them," Prof Nilofer said, complimenting the IICP for organising the extension lecture.

The Vice-Chancellor assured her administration's support to all academic endeavors of the IICP.

"I am conscious of the history and services rendered by our Iqbal Institute and all steps will be taken vis-à-vis

augmentation of its human resource and infrastructure," she said.

Eminent writer and intellectual Dr Syed Taqi Abedi from Canada delivered the extension lecture, highlighting the vast writings of Allama Iqbal and Moulana Rumi and their great influence on the academic landscape across the world. He said young students must dig deep into the real philosophy behind the writings of Allama Iqbal and Moulana Rumi.

Coordinator IICP Dr Mushtaq Ahmad Ganai delivered the welcome address and highlighted the works and achievements of the Institute over the years. Two books authored by Dr Syed Taqi Abedi and Dr Shahnaz Qadri were released during the event, which was attended by noted literary personalities including Sultan-ul-Haq Shaheedi and Prof Aejaz Mohammad Sheikh on the dais.

Dr Altaf Anjum moderated the session, which was attended by hundreds of students, scholars and academicians from different departments within and outside the University. Dr Rukhsana Rahim delivered a vote of thanks.

Dr Abedi highlighted the contribution of Firaq Gorakhpuri to Urdu Ghazal and presented its critical analysis. He also identified the grey areas and research gaps in Firaq Gorakhpuri's poetic disposition and impressed upon scholars to plug these gaps.

Prof Aejaz Muhammad Sheikh, Dr Mushtaq Ahmad Ganie, scholars and teachers from DDE and Department of Urdu also attended the lecture, which was moderated by Dr Altaf Anjum. Prof Chishti highlighted the relevance of the theme while Dr Tawseef Ahmad introduced the guest speaker Dr Syed Taqi Abedi.

Prof Aejaz, Dr Mushtaq Ahmad Ganie, Dr Mushtaq Haider and several including research scholars and students expressed their opinion on the implications of the theme on the contemporary Urdu scenario. Zahoor Ahmad Ganie presented the vote of thanks.

अमर उजाला, दैनिक जागरण
(इलाहाबाद)
20-12-2005

कहते हैं कि ग़ालिब का है अंदाजे बयाँ और

विश्वविद्यालय के कुलपति प्रो. आर जी हर्ष ने कहा कि ग़ालिब की ग़ज़ल में वो मज़हब है जो इंसान को इंसान से जोड़ता है।

प्रो. हर्ष मंगलवार को विजयनगरम हाल में प्रवासी भारतीय डॉ. सय्यद तक़ी आब्दी की पुस्तक 'ग़ालिब: दीवान-ए-नात-ओ-मनक़बत' के विमोचन के मौक़े पर बोल रहे थे। इस पुस्तक में गालिब के उन शे'रों का संकलन है जिन में उन्होंने ख़ुदा के प्रति शुक्रिया अदा किया है। कुलपति ने कहा कि ग़ालिब के शे'र अमर हैं और हमेशा एक जैसे असरकारी हैं।

कार्यक्रम की अध्यक्षता कर रहे नेशनल काउंसिल फॉर प्रमोशन आफ उर्दू लेंग्वेज के उपाध्यक्ष प्रो. शम्सुर्रहमान फारूकी ने कहा कि यह ग़ालिब के शे'रों का ही असर है कि हर पढ़ने वाले को लगता है कि शे'र उसी के हालात पर कहा गया है। इस मौक़े पर डीन कालेजेज़ प्रो. एन आर फारूकी, प्रो. गजेंद्र कुमार, प्रो. [illegible] फारूकी ने भी गालिब के शे'रों पर विचार व्यक्त किए। रजिस्ट्रार फिरदौस वानी ने डॉ. आब्दी की एक अन्य पुस्तक 'मदद-ए-सुख़न' का विमोचन किया। यह पुस्तक उनके लेखों का संकलन है। कार्यक्रम के संचालक डॉ. फ़ाज़िल ए. हाशमी ने गालिब के क़द को उनके ही शे'र से बताने की कोशिश की

'हैं और भी दुनिया में सुख़नवर बहुत अच्छे
कहते हैं कि गालिब का है अंदाज-ए-बयाँ और'

धन्यवाद ज्ञापन रजिस्ट्रार श्री वानी ने किया।

इलाहाबाद
2012

आब्दी को "प्रोफ़ेसर एजाज़ हुसैन अवार्ड"
संस्था कारवाँ के समारोह में
तक़ी की किताब "फ़ैज़ शनासी" का विमोचन

संस्था कारवाँ की ओर से रविवार को उर्दू के मशहूर अदीब और कनाडा में रह रहे डॉ. सय्यद तक़ी आब्दी को उनके साहित्यिक योगदान के लिए वर्ष 2012 के 'प्रोफ़ेसर एजाज़ हुसैन अवार्ड' से नवाज़ा गया। इसके तहत उन्हें शाल ओढ़ाने के बाद प्रशस्ति पत्र और स्मृति चिन्ह प्रदान किया गया। समारोह में आब्दी की किताब 'फैज शनासी' का विमोचन भी किया गया। बाद में डॉ. आब्दी ने कारवां का शुक्रिया अदा करते हुए कहा, अवार्ड से मेरी जिम्मेदारी और बढ़ गई है। इसी तरह उन्होंने कहा, 'फ़ैज़' महबूबियत नहीं आम आदमी के शायर हैं।

कार्यक्रम के अध्यक्ष और ख्वाजा मुईनुद्दीन चिश्ती उर्दू राज्य विश्वविद्यालय के कुलपति डॉ. अनीस अंसारी ने कहा, डॉ. आब्दी इस अवार्ड के असल हकदार हैं। उर्दू में 'नज़ीर' अकबराबादी के अतिरिक्त 'कबीर', 'मीरा', जायसी को भी उर्दू का शायर मानते हुए उन पर काम किए जाने की जरूरत है। वस्तुतः अंतरभाषायी तुलनात्मक अध्ययन से ही हिंदुस्तान की साझा संस्कृति के बारे में पता चल सकेगा।

सिविल लाइंस स्थित एक होटल में आयोजित समारोह में अतिथियों का स्वागत, प्रोफेसर एजाज़ हुसैन से कारवां के जुड़ाव तथा संचालन सचिव डॉ. फाज़िल हाशमी जबकि धन्यवाद ज्ञापन अध्यक्ष सिब्त असगर ने किया। कार्यक्रम में प्रोफ़ेसर अक़ील रिज़वी, प्रोफ़ेसर जाफ़र रज़ा, प्रोफ़ेसर नाशाबा सरदार, प्रोफ़ेसर अली अहमद फातिमी, प्रोफ़ेसर शाहीना रिजवी, प्रोफेसर सालेहा रशीद, कमरूल हसन सिद्दीकी, प्रोफ़ेसर एसएन वर्मा, डॉ. अबुल क़ासिम, डॉ. अली हैदर, डॉ. नगमा परवीना, डॉ. निशात, डॉ. फखरूल करीम आदि मौजूद थे।

घुमक्कड़ बिजनौरी
नई दिल्ली
24.11.2018

साहित्य अकादमी में अब्दुल रहमान बिजनौरी पर संगोष्ठी आयोजित

कहते हैं की मिर्ज़ा ग़ालिब को ग़ालिब बनाने वाले अगर कोई हैं तो वह अब्दुल रहमान बिजनौरी ही हैं। वास्तव में अब्दुल रहमान बिजनौरी गुलशन दीवान ए-ग़ालिब का पहला दरवाजा खोलने वाले पहले शख्स है साहित्य अकादमी दिल्ली में अब्दुल रहमान बिजनौरी के जीवन एवं कृतित्व पर दो दिवसीय संगोष्ठी में आज पहले दिन अधिकांश वक्ताओं ने अब्दुल रहमान बिजनौरी की शख्सियत पर प्रकाश डालते हुए कहा कि वह इंसानियत के सच्चे पुजारी थे उर्दू के प्रतिष्ठित आलोचक अब्दुल रहमान बिजनौरी के जीवन एवं कृतित्व पर आयोजित संगोष्ठी का उद्घाटन मशहूर उर्दू साहित्यकार डॉक्टर तक़ी आब्दी ने किया। उन्होंने अपने उद्घाटन भाषण में कहा कि बिजनौरी की आलोचना का कोई जवाब नहीं एकेडमी के सचिव डॉक्टर के श्रीनिवास राव ने सभी का स्वागत करते हुए कहा कि अब्दुल रहमान बिजनौरी आधुनिक भारतीय साहित्य की बहुत महत्वपूर्ण आवाज है मात्र 31 साल की उम्र में निधन हो जाने के कारण वह ज्यादा कुछ तो नहीं लिख पाए लेकिन आलोचना पुस्तक महासीने कलाम-ए-गालिब एक महान साहित्यकार का गुणवत्तापूर्ण विश्लेषण है। इस अवसर पर अकादमी के उर्दू भाषा परामर्श मंडल के संयोजक शीन काफ निज़ाम ने अपना वक्तव्य देते हुए अब्दुल रहमान बिजनौरी की आलोचना पर विभिन्न विद्वानों की तकरीरों को उद्धृत किया और कहा कि वे आलोचक होने के साथ-साथ एक शायर भी थे। उद्घाटन सत्र की अध्यक्षता करते हुए हिंदी अकादमी के पूर्व अध्यक्ष तथा उर्दू के मशहूर आलोचक प्रोफ़ेसर गोपीचंद नारंग ने कहा कि बिजनौरी के एक एक शब्द में हिंदुस्तान और उसके मज़हबों की मोहब्बत से भरे हैं उनका मशहूर

عالمی فروغ اردو ایوارڈ
۲۳ واں عالمی مشاعرہ
ادب دوحہ۔ قطر

عزیز جمیل اور دیگر دوستوں کے ہمراہ

دوحہ قطر میں بیگم نامہ تقریب، بیگم خالد عزیز، خالد عزیز، کرامت غوری اور تقی عابدی

بیگم نامہ تقریب کی تصویر

عبدالحق یونیورسٹی میں وائس چانسلر اور دوسرے مہمانوں سے گفت و شنید

پروفیسر ... کی محفل ... میں ... بائیں منور جہاں اور فرحت شجاعت کے ساتھ

جناب انیس جیلانی صاحب سے یادگار حاصل کرتے ہوئے

بیٹی تو بلو کے گھر انگلینڈ میں

تقی عابدی عثمانیہ یونیورسٹی میں خطبہ دیتے ہوئے

[illegible] کے ساتھ

1986

ٹورنٹو میں مشہور وکیل اور آزادی خواہ جرنلسٹ کے ساتھ

شیفیلڈ کے معروف شاعر محمود نبی اور محمد کامران کے ساتھ

ڈاکٹر محمد حسن کے ساتھ

1989

ادبی قافلے میں نصرت مہدی کیک کاٹ رہی ہیں

خانہ خوش ادبی قافلہ کا استقبال کر رہی ہیں

1990

امریکہ میں سفیر [illegible] دیتے ہوئے

پروفیسر منیر ایوارڈ پیش کر رہے ہیں

اوپن یونی ورسٹی میں لیکچر کے بعد ایوارڈ شاہد کامران سے لیتے ہوئے

1991

اوپن یونیورسٹی اقبال میں محفل امجد فہمی

دائیں سے بائیں مرشد، شاہد حمید، تقی عابدی، امجد سلام امجد، گگن شاہد

بک کارنر کی طرف سے محفل امجد فہمی جہلم میں

1992

دائیں سے بائیں فاطمہ حسن، تقی عابدی، نور حق اور سحر انصاری

دائیں سے بائیں تقی عابدی، مہ جبین، فاطمہ حسن، ثمن شاہ، وردہ نقوی

دائیں سے بائیں پروفیسر سحر، تقی عابدی اور پروفیسر انجم
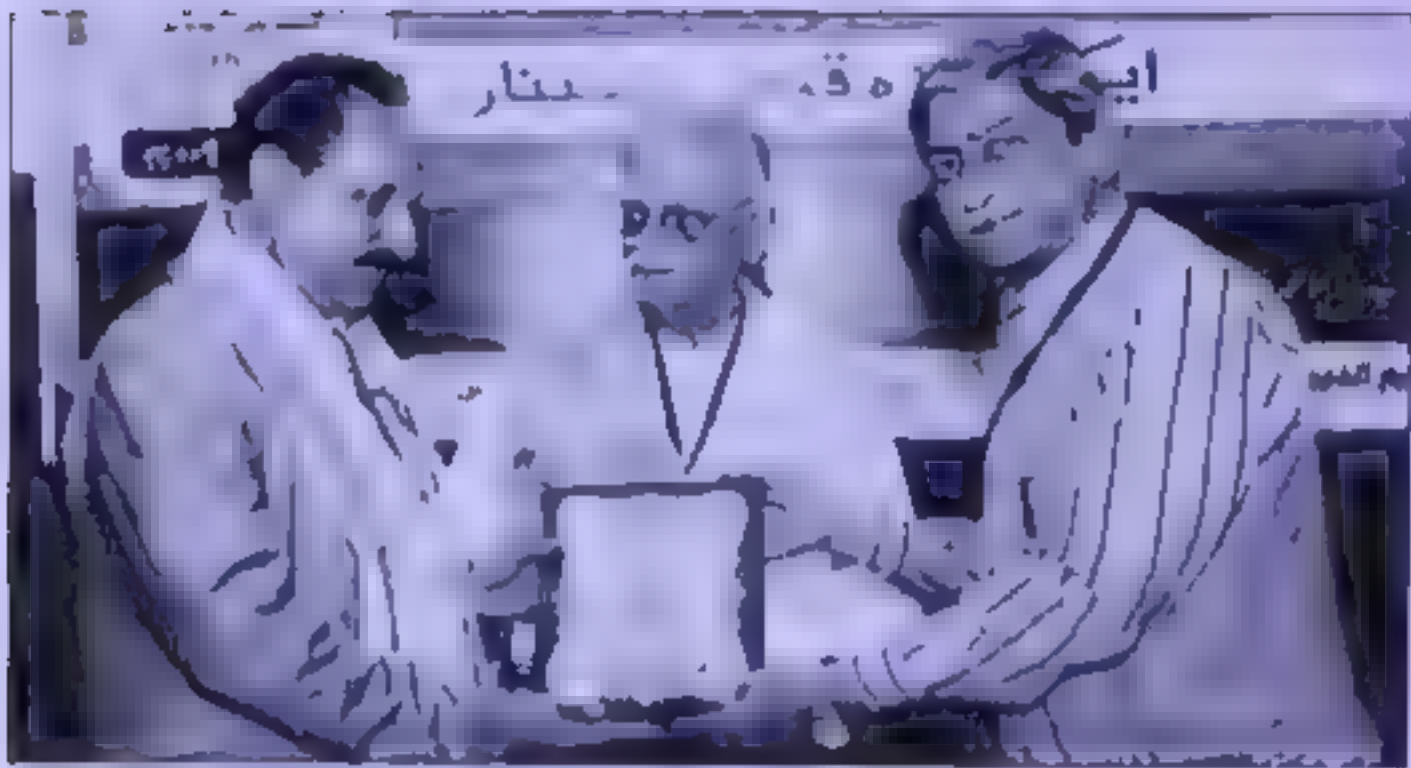
1994

دائیں سے بائیں وائس چانسلر پروفیسر بگز، تقی عابدی

مالویہ کے ہمراہ تقی کی رونمائی

دائیں سے بائیں نور پاشا، عقیل احمد، تقی عابدی، خلیل الرحمان

1995

دائیں سے بائیں ذکیہ غزل، تقی عابدی، سرور علی

دائیں سے بائیں زبیر لکھنوی، عابدی اور دوستوں کے ساتھ

دائیں سے بائیں خورشید عابدی، نجمہ عابدی، علی شاہ، تقی عابدی، درانی

1998

امجد اسلام امجد اور خالد مجرانی ''امجد فہمی'' کو پیش کرتے ہوئے
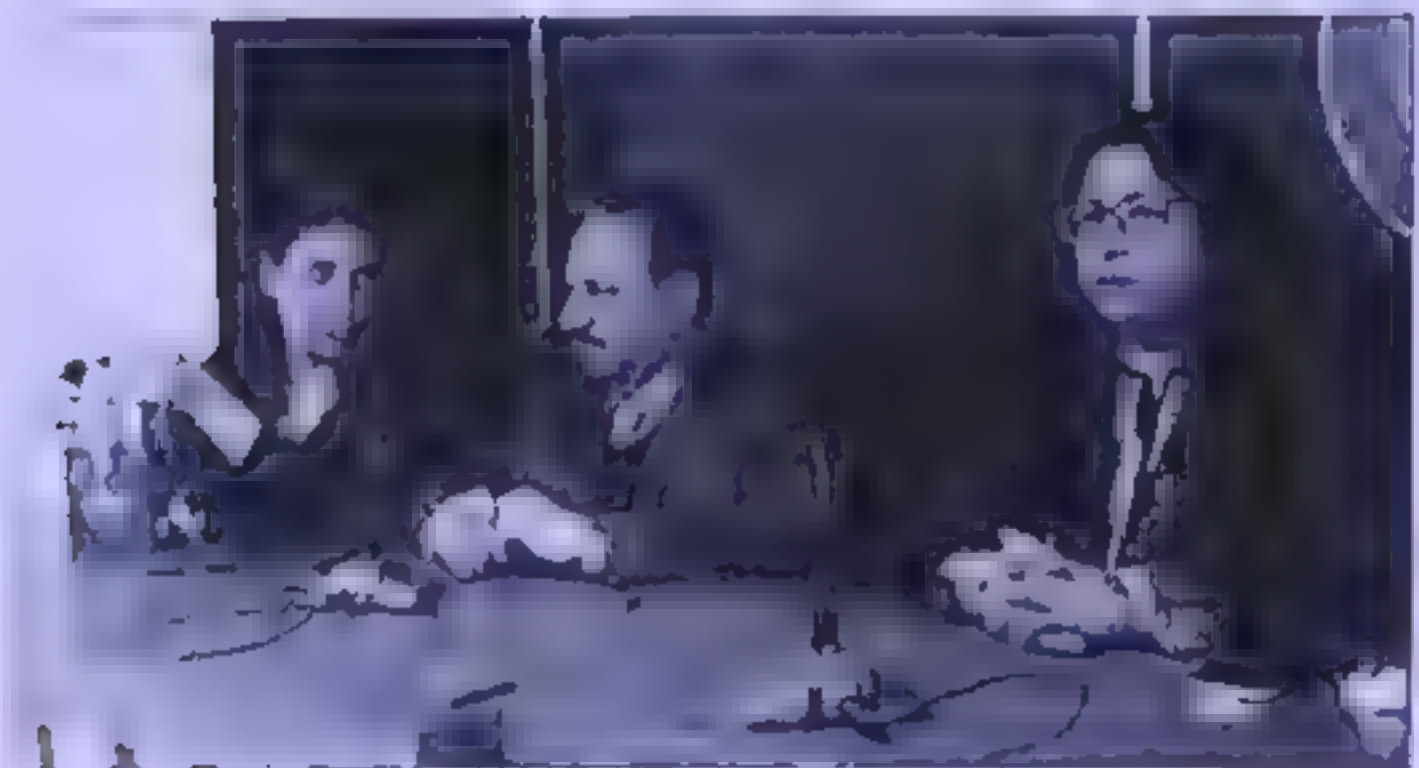
ڈاکٹر عقیلہ جاوید اور ڈاکٹر نبیلہ کے ساتھ ایوانِ اقبال میں

ڈاکٹر حمید تولی کی موجودگی میں کتاب کی رونمائی

1999

آیت اللہ عقیل الغزلی کے ساتھ

دہلی کا مشاعرہ
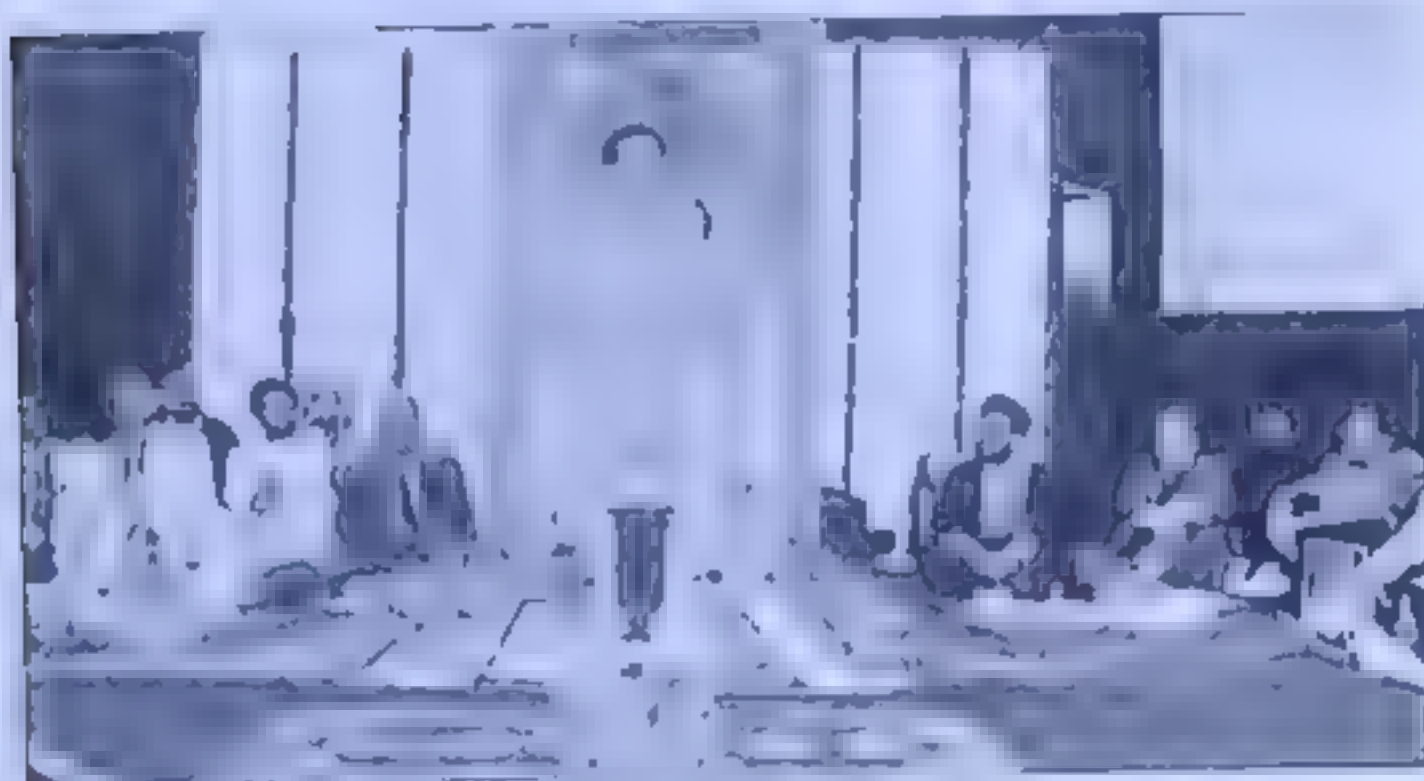
ڈاکٹر حیدر علی کو ''گلستان ہند'' پیش کرتے ہوئے

2000

دانشکدہ تہران میں، دائیں سے بائیں تقی عابدی، ڈین دانشکدہ، ڈاکٹر یزدان بخش اور ڈاکٹر اسماعیل

ڈاکٹر علی بیات کے ساتھ

دائیں سے بائیں تقی عابدی، رئیس احمد، پروفیسر قدوائی
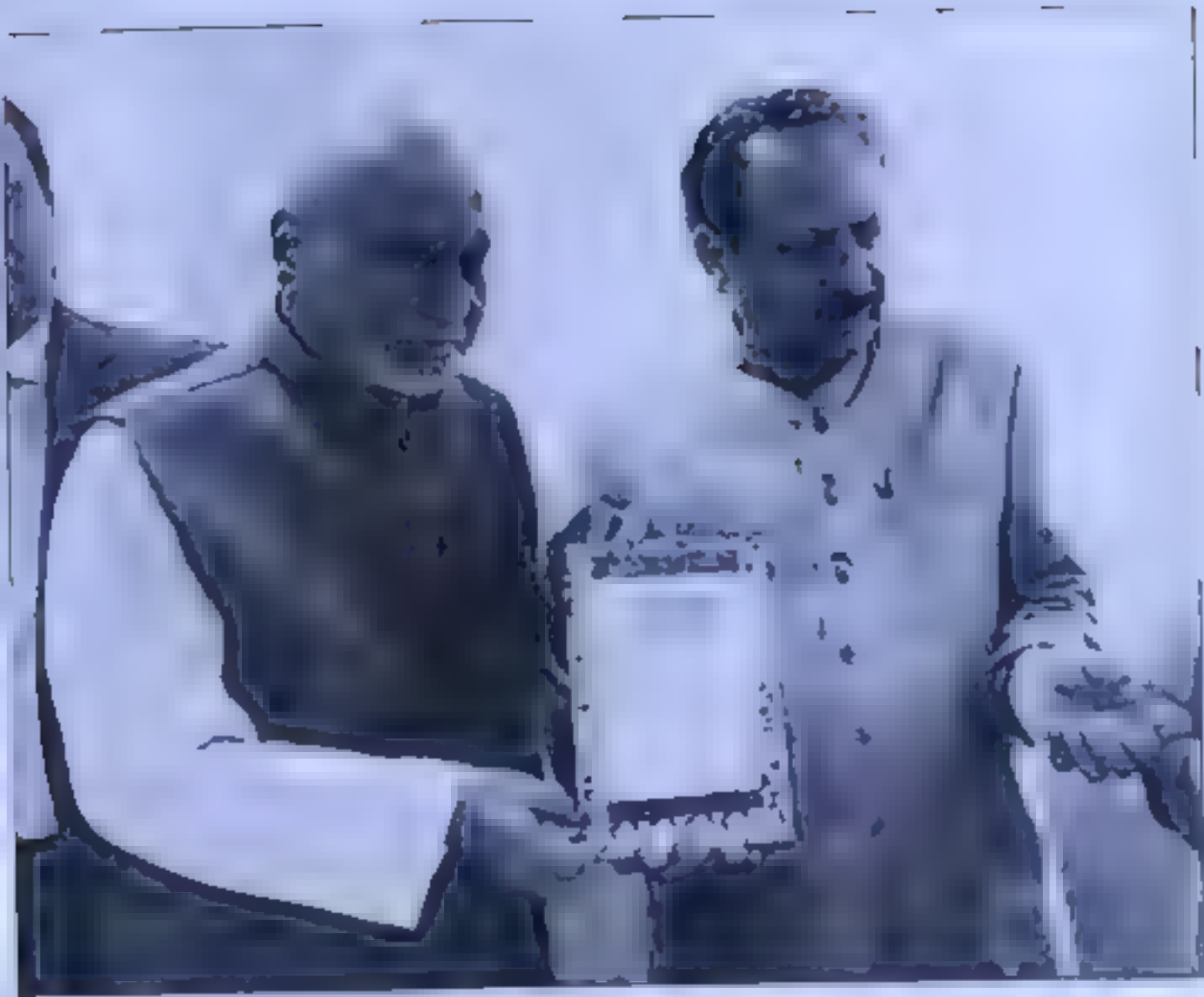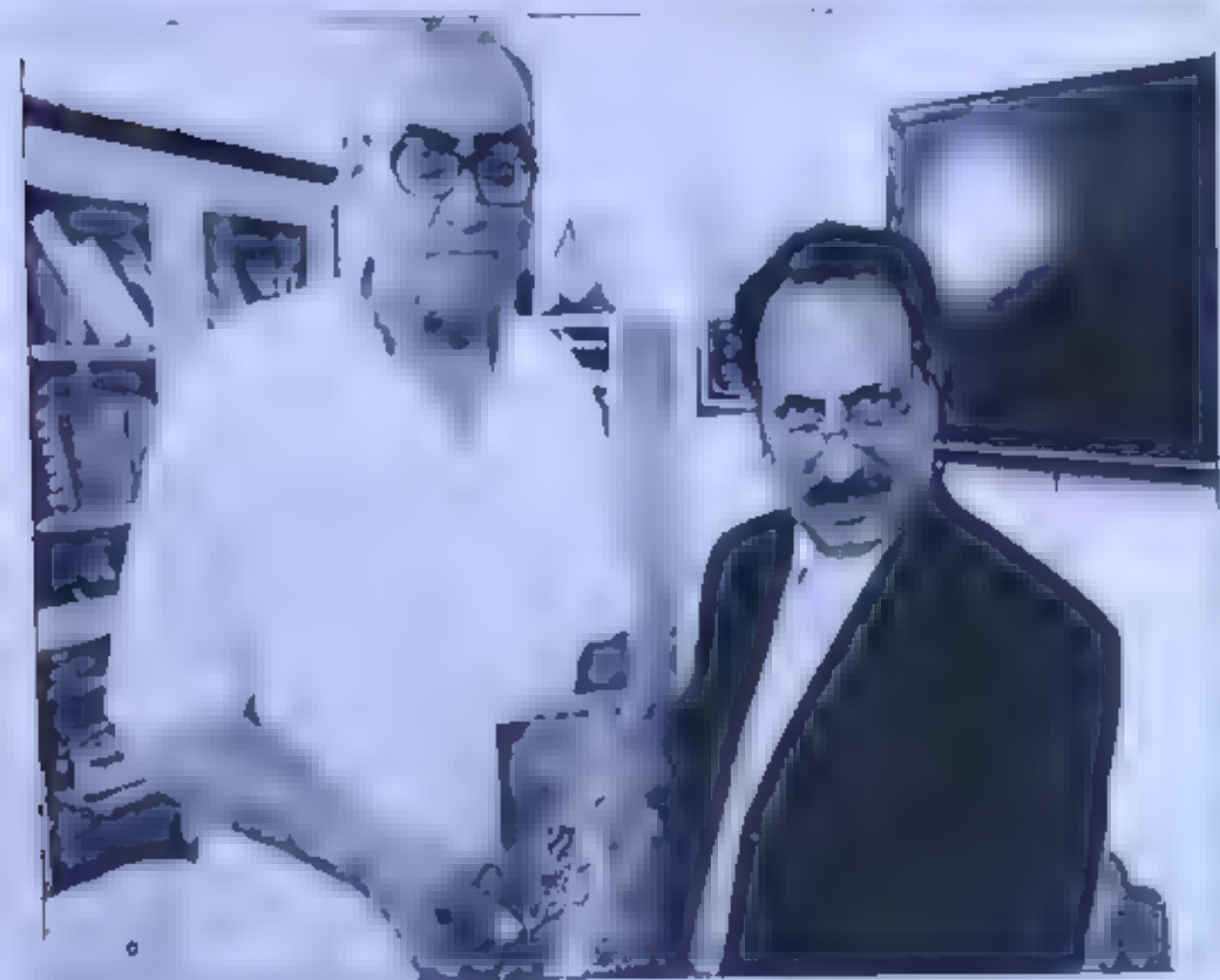
2001

باقر زیدی کے ساتھ

جسٹس وجیہ کو کتاب پیش کرتے ہوئے

2002

دائیں سے بائیں تقی مہدی، ثروت مہدی، پروفیسر فرمان حیدر

نیچے [illegible] درولی، فرمان حیدر کے ساتھ

شیعہ کالج میں مولانا مجاہد لکھنوی، مولانا اطہر لکھنوی کی کتاب رونمائی کر رہے ہیں

2003
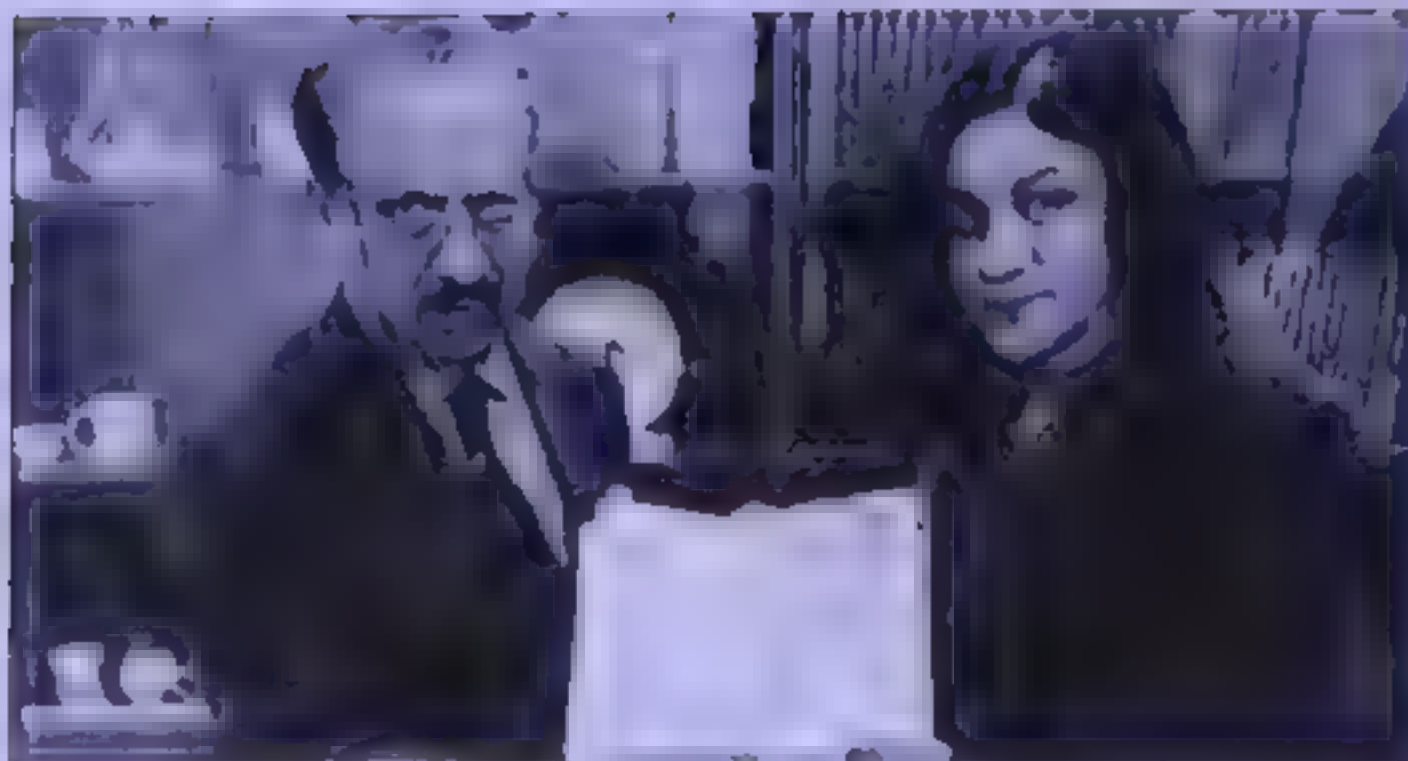
دائیں سے بائیں ڈاکٹر عظمی فرمان اور تنظیم الفردوس "طیبات فراق" کی رونمائی کرتے ہوئے

مرشد کے ساتھ

دائیں سے بائیں ڈاکٹر بریلوی، ولی اللہ شاہین، ج مجید اور تقی عابدی

2006

جناب گلزار صاحب کتاب کی رونمائی کرتے ہوئے

دائیں سے بائیں باقی صاحب و ریختہ صاحب "کلیات سعید شریدی" پیش کرتے ہوئے

2008

2011

دائیں سے بائیں: [illegible] پروفیسر یوسف خشک، تقی عابدی، بیگم یوسف خشک

کراچی پریس کلب میں رضوان صدیقی اور دیگر احباب کے ساتھ

کراچی پریس کلب میں ایوارڈ حاصل کرتے ہوئے

دائیں سے بائیں: تقی عابدی، جناب منور رانا، ڈاکٹر عشاق

دائیں سے بائیں: ڈاکٹر ثمینہ رفیق، تقی عابدی، جناب عامر جمیل

دائیں سے بائیں: ڈاکٹر معصومہ، تقی عابدی، امجد اسلام امجد، ارشد، شاہد واجد

2017

فیض احمد فیض کے نواسے ڈاکٹر علی مدیح ہاشمی

ڈھاکہ میں حیدر اور ڈاکٹر منیزہ ہاشمی

میڈیا پلس میں پروفیسر رفیع صاحب کے ساتھ

دائیں سے بائیں تقی عابدی، ڈاکٹر تسنیم جوہر اور ڈاکٹر شجاعت علی راشد

دائیں سے بائیں پروفیسر حسن عباس، ڈائریکٹر رامپور رضا لائبریری

کے گھر و کتاب خانہ کا دورہ کرتے ہوئے

2024

[illegible]

پروفیسر نسیم اور پروفیسر کامران کے ساتھ

دائیں سے بائیں پروفیسر نسیم، پروفیسر نذیر، پروفیسر کامران اور ساتھ

انڈیا انٹرنیشنل سنٹر میں محترمہ کامنا پرساد نے ''گلستان ہند'' کی رونمائی کی

''گلستان ہند'' کی تقریب انڈیا انٹرنیشنل سنٹر میں

تقریب ''گلستان ہند'' پروفیسر خواجہ اکرام الدین، کامنا پرساد اور ڈاکٹر اطہر فاروقی

خدابخش لائبریری کی ڈائریکٹر ڈاکٹر شائستہ بیدار کتاب پیش کرتے ہوئے

True ٹی وی کے سرپرست فرمان حیدر نقوی کے ساتھ

دہلی میں اردو فاؤنڈیشن کا جلسہ

پروفیسر نیر جلال پوری ایوارڈ دیتے ہوئے   علی نقوی صاحب ایوارڈ دیتے ہوئے

ایک شام تقی عابدی کے نام

تقی عابدی اور ڈاکٹر گوپی چند نارنگ

بزمِ دوستی مشاعرہ ٹورنٹو، دائیں سے بائیں تقی عابدی، وقار زیدی، حنیف اشعر

دائیں سے بائیں احمد فراز اور حنیف اشعر کے ساتھ

شاعرہ ناہید ورک اور حنیف اشعر کے ساتھ

دائیں سے بائیں صبیحہ، پروین اور تقی عابدی

دائیں سے بائیں تقی عابدی، نسیم سید، پروین صبا اور ناہید ورک

دائیں سے بائیں نامعلوم، تقی عابدی، عطا غوث، بشیر خان، ورخان صاحب

دائیں سے بائیں: نامعلوم، اشفاق حسین، تقی عابدی

تقی عابدی تقریر کرتے ہوئے

دائیں سے بائیں: بیدار بخت، نامعلوم، جاوید دانش، تقی عابدی، ساقی اور مہمانان

ٹوکیو یونی ورسٹی [illegible] اردو ڈپارٹمنٹ کے صدر اور استاد

ڈاکٹر ہادی تقی کے ساتھ

انقرہ یونی ورسٹی کی اردو ڈپارٹمنٹ کی صدر پروفیسر جلین اور طلبہ و طالبات کے ساتھ

دائیں سے بائیں ڈاکٹر ہلال نقوی، تقی عابدی، بیگم تقی عابدی

دائیں سے بائیں پروین صبا، کرامت غوری، ہلال نقوی، تقی عابدی، بیگم تقی عابدی

اختر دیولی ورجنی کے اردو ڈپارٹمنٹ کے ساتھ

انقرہ یونی ورسٹی کے اردو اساتذہ کے ساتھ

استنبول یونی ورسٹی میں ڈاکٹر خلیل طوقار، اردو ڈپارٹمنٹ کے اساتذہ

دائیں سے بائیں امجد اسلام امجد، ڈاکٹر جلین، تقی عابدی

مرشدہ خورشید کاشف محمود ، کالج کے ساتھ استقبالیہ تقریب

فیض ادبی میلہ ، بہاول پور ، اسلامیہ یونیورسٹی

رابعہ شفیق اور عامر تمیل سے ہمراہ فیض ادبی میلے میں

پروفیسر [illegible] کے ساتھ

لکھنؤ میں احباب کے ساتھ

استنبول میں : رفیق طوقار کے ساتھ

حیدرآباد دکن میں ویلی پیرولی

خانقاہ حضرت ارزانی کے عقیدت مشاعرے میں پروفیسر شاہ حسین اور پروفیسر ارشد صاحب کے ساتھ چند منٹ

وائس چانسلر مادر شہ مرزا ورشی صاحب کے ہمراہ

دائیں سے بائیں: ناصر محمود، ڈاکٹر ناز عثمان راؤ، تقی عابدی

دائیں سے بائیں: شاہد کامران، تقی عابدی، یاسر خالد

دائیں سے بائیں: عمران چودھری، تقی عابدی، ناصر محمود، کرامت غوث

دستار بندی، شادو دیت مروہ میں

جہت کے ایک مشاعرے میں امر شاہد کے ساتھ

دائیں سے بائیں: معصومہ، افضل خان، صبا، رحمت، فرحت غوری اور تقی عابدی

دہلی سے واپسی میں شوکت صدیقی اور [illegible] نقوی

حیدرآباد سندھ میں نجم الحسن اور ڈاکٹر منظر عباس صاحب کے ساتھ

بہلول یونیورسٹی میں ڈاکٹر روبینہ رفیق، منظر عباس اور لیاقت علی کے ساتھ

سید معشوق اور ... آفریدی کے نواسے کے ساتھ

محمود حسن ہاشمی کے ساتھ دفتر میں

دائیں سے بائیں تقی عابدی، گیان چند، بیٹی شمیم اور بیوی کے ہمراہ ... خانزادہ کے ساتھ

محمد علی اور زیبا بیگم کے ساتھ

منظر زیدی کے ساتھ

شیخ مسعود اور شاہد حیدری کے ساتھ

شفقت رضوی کے ساتھ

بیگم اور نند شوروں کے ساتھ

بریگیڈیر راز لکھنوی کے ساتھ

مجتبیٰ حسین کے ساتھ

ڈاکٹر شبیر الحسن کے ساتھ

قونسل جنرل عبدالحمید کو کتاب پیش کرتے ہوئے

دائیں سے بائیں تقی عابدی، کرامت غوری، یحییٰ نقوی

حیدرآباد میں پروفیسر تقی خان کے ساتھ

شکیل خان اور اقبال حیدر کے ساتھ

نارنگ ساقی کے ساتھ

دائیں سے بائیں وزیر اعظم منموہن سنگھ اور ڈاکٹر نارنگ کے ساتھ
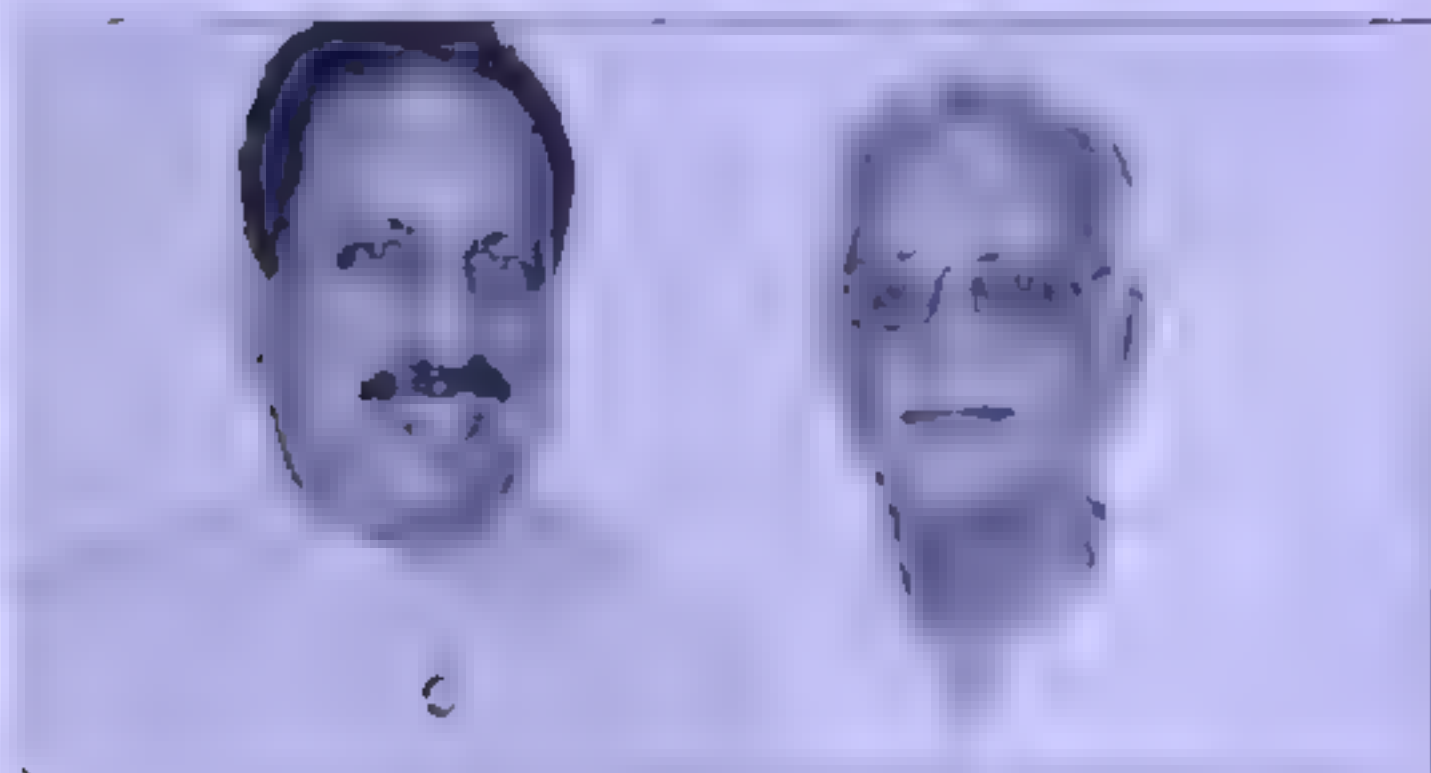
احتیش شیخ کے ساتھ

کیفی عابدی، سیدہ وسیم، تقی مہدی

عتیق رضوانی اور جی۔ حیدر کے ساتھ

زاہد علی خان مدیر "سیاست" دکن اور برادرم عسکری عابدی کے ساتھ
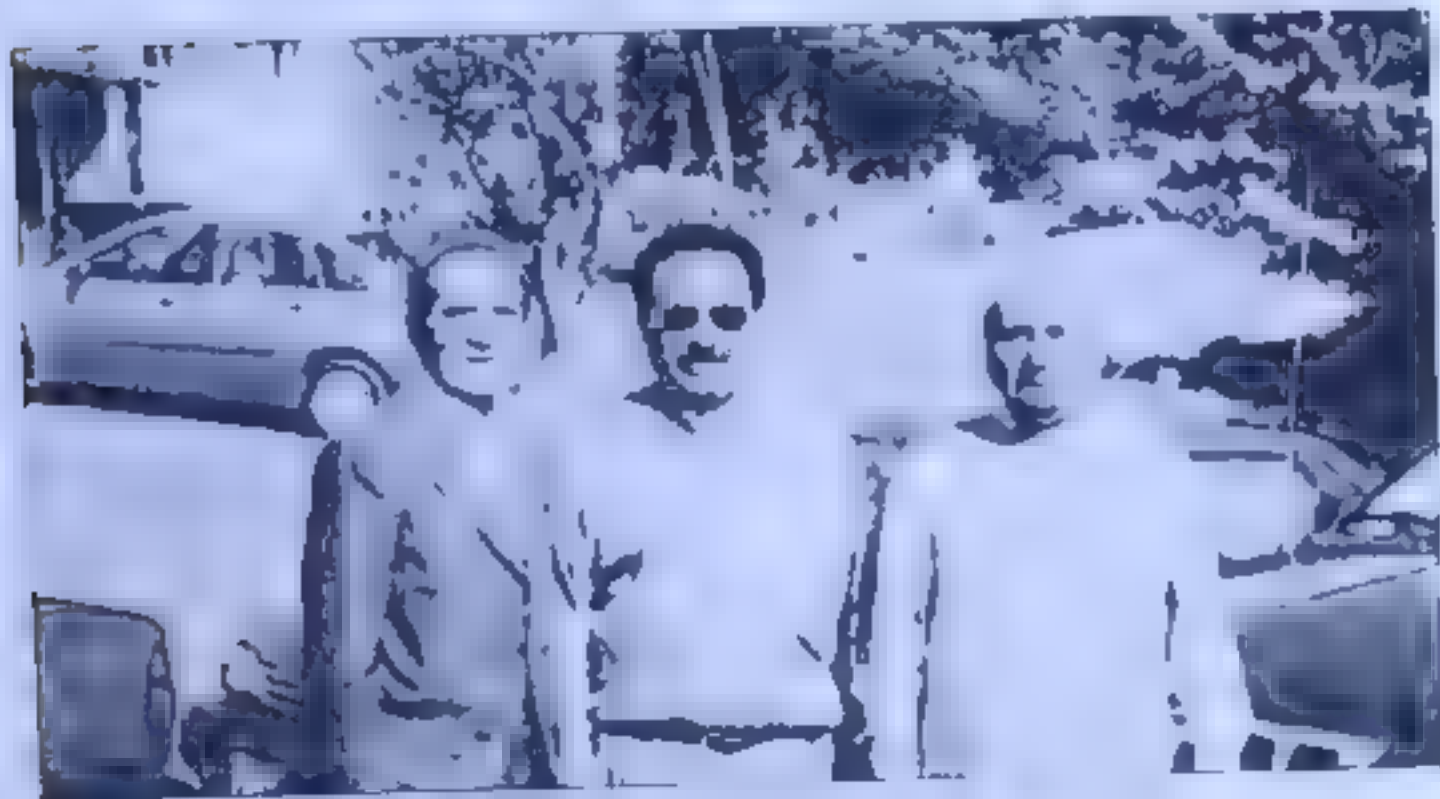
دائیں سے بائیں: باقر زیدی، تقی عابدی، عبدالرحمن صدیقی

دائیں سے بائیں تقی عابدی، جاوید اطہر رضوی

دائیں سے بائیں تقی عابدی، ڈاکٹر حامدی، روشن ریڈی، کیہ جعفری

رشید خان اور روشن رنچوت کے ساتھ

دائیں سے بائیں سحتی عابدی، تقی عابدی، اداکار قادر خان

دائیں سے بائیں سحتی عابدی، بیگم وسیم بریلوی، وسیم بریلوی، تقی عابدی

دائیں سے بائیں تقی عابدی، جمیل جالبی، بیگم جمیل جالبی، اروتی، سحتی عابدی

عمران صدیقی وفد سیدین کی کتاب پیش کرتے ہوئے

دائیں سے بائیں سیدہ آپا، عمران صدیقی اور تقی عابدی

دائیں سے بائیں تقی عابدی، توفیق اور خورشید رضوی

زیل نور محمد کے ساتھ

اطہر وی کے ہمراہ

دائیں سے بائیں: تقی عابدی، خورشید زیدی، آفاق حیدر

[illegible] کے ساتھ

کتب خانہ میں وقار خان سے گفت و شنید

دائیں سے بائیں: معلوم، عیسیٰ، محمود شاہ، تقی عابدی

کتب خانہ میں عابدہ وانی صدر

کتب خانہ میں دائیں سے بائیں وی کی پٹھان، تقی عابدی، وی کی محمد میاں اور بشیر خان

وی کی محمد میاں کے ساتھ

ڈاکٹر خلیق انجم دہلی میں انٹرویو دیتے ہوئے

ٹی وی انٹرویو دیتے ہوئے

جس ٹی وی قمی مدنی شہاب ملک اور کرار

[illegible] میں انٹرویو دیتے ہوئے

حیدرآباد میں ETV کے اینکر کو انٹرویو دیتے ہوئے

فرحت شجاعت نور ٹی وی اینکر کے ساتھ
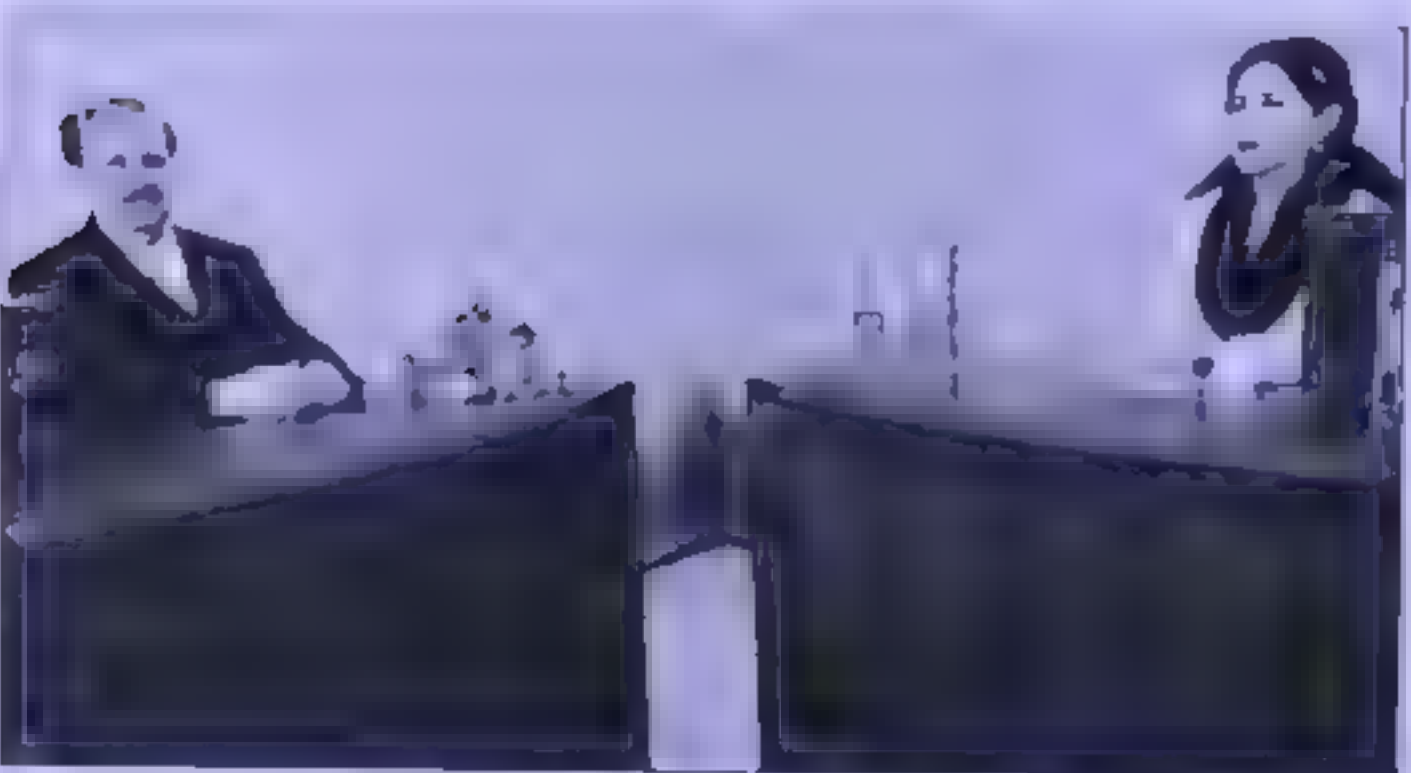
شاہی قبرستان حیدرآباد میں ندیم سید اور ان کی اہلیہ کے ساتھ

تاج محل میں امجد اسلام امجد کے ساتھ

اندرا میں دائیں سے بائیں شیخ مراد عبدالرحمان [illegible]

اندرا میں دو بچوں سے گفتگو کرتے ہوئے

اندرا میں شیخ مراد عبدالرحمان کے ساتھ

غرناطہ میں دائیں سے بائیں شفیق مراد، شن شاہ، ارم بتول اور تقی عابدی

برلن کے سنٹرل گراؤنڈ میں خان صاحب کے ساتھ

پروفیسر خواجہ اکرام کے ساتھ بنوں میں

ہیگ کے ورث کے سامنے

دائیں سے بائیں: اقبال حیدر، تقی عابدی اور سیفی کے ساتھ

جموں میں قلعے کی دیوار کے ساتھ

عبدالحق یونیورسٹی کا نیا کیمپس کا افتتاحی تختی، بدری، پروفیسر مظفر شہ میری، ڈاکٹر محمد شجاعت راشد

جموں ہوٹل میں دائیں سے بائیں ڈاکٹر عنایت ملک، تقی عابدی ڈاکٹر شہناز قادری

دائیں سے بائیں جاپانی اسکالر، اسامہ چودھری، ڈاکٹر خلیل احمد، تقی عابدی اور لیاقت علی

دائیں سے بائیں جاپانی اسکالر، تقی عابدی، ڈاکٹر شہناز قادری، ڈاکٹر عنایت ملک،
پروفیسر خواجہ اکرام، ڈاکٹر خلیل احمد اور لیاقت علی

استنبول اردو کانفرنس میں مندوبین کے ساتھ

ابن سینا میوزیم میں ڈاکٹر خلیل الرحمن اور ڈاکٹر حسین کے ساتھ

چین کراچی ... بائیں سے نامعلوم، کرن شاہ، شجاع اور تقی عابدی، ڈاکٹر نوید قمر کے ہمراہ

برادر ظلے مہدی سے ساتھ کاظمین بغداد میں

مزار غالب (دہلی)

بھتیجی مہدی کے ساتھ دہلی میں مزار غالب پر

کراچی میں نجم آفندی کی قبر پر اطہر حسین اور نجم کے نواسے کے ساتھ

TIPPU
SULTAN
WAS
FOUND HERE

دائیں سے بائیں ہادی حسن عابدی قمر حسن عابدی خورشید حسن عابدی تقی عابدی

Dr. Taghi Abedi (New York) 1988

نیویارک اسپتال میں آپریشن کرتے ہوئے

Picture in Statue Of Liberty New York 1988

نیویارک کے Statue of Liberty کے میوزیم کے امریکن جھنڈے میں تقی عابدی کی تصویر

لندن میں، دائیں سے بائیں تقی عابدی، بیگم تقی عابدی، بیٹی معصومہ عابدی، بیٹے رضا اور مہدی

تاج محل میں تقی عابدی اور بیٹی رباب عابدی کے ساتھ

بڑی بیٹی معصومہ عابدی اور چھوٹی بیٹی رویدہ عابدی کے ساتھ

فیملی گروپ: تقی عابدی، نقی عابدی، رویدہ عابدی، معصومہ عابدی (ایستادہ) رضا اور مرتضیٰ

تقی عابدی بیٹی معصومہ اور داماد [illegible] کے ساتھ

تقی عابدی، مرتضیٰ عابدی، نقی عابدی اور رضیہ عابدی

علی گڑھ المنائی امریکا میں ایوارڈ فنکشن بیٹی معصومہ اور بیگم تقی عابدی کے ساتھ

فیملی گروپ

دائیں سے بائیں حسن عابدی، تقی عابدی، ادا، فاروق خان، [illegible]

دفتر میں ٹورنٹو اسپتال میں

پی سیتا پیز شملی گڑھ

مصنف، پٹنہ میں غالب کی تصویر کے ساتھ

EXTENSION LECTURE & DISCUSSION

موسمی لکچر اور مذاکرہ

"سیر و سلوک"

ڈاکٹر تقی عابدی

A MAN OF LITERARY

فریاد مسجد اقصیٰ
(نظم)

غالب کی فارسی شاعری
ڈاکٹر سید تقی عابدی
Date: 2 January 2021 at 8 PM(IST)
Live on our & YouTube

BAZME AHLE QALAM

SHAYARE AHLE BAYT
NAJM AFANDI (1893-1975)

BAZME AHLEQALAM

WORLD URDU ASSOCIATION
ورلڈ اردو ایسوسی ایشن

Aalmi Mushaira

امروہہ فاؤنڈیشن عالمی مشاعرہ
Aalami
Mushaira
Natiya Mushaira
ON Sunday 11 April 2021 @ 8 30 PM
AmrohaFoundation

Presents
BAZME AHLE QALAM

30 May, 2021 | Sunday | 05:30 PM
REGISTER YOURSELF
SHIA P. G. COLLEGE, LUCKNOW

www.facebook.com/AllamaMiqbal

CERTIFICATE
10 YEARS

Presents
5-June

Presents
26-June

4TH JULY 2021
DAY 7TH, STAR SESSION-II
TIME : 10:30 P.M (IST)
Sadar E Mushaira
TAQI ABDI
(CANADA)

MUNTAHA E FIKR
Date
Dr Syed Taqi Abedi
Zulfiqar Naqvi
Live Telecast

Channel True Presents
Ten New
Lectures
By Dr. Taqi Abidi
1st to 10th Moharram @ 4:00 PM
The Visionary Significance and benefits of marsiya in the modern era
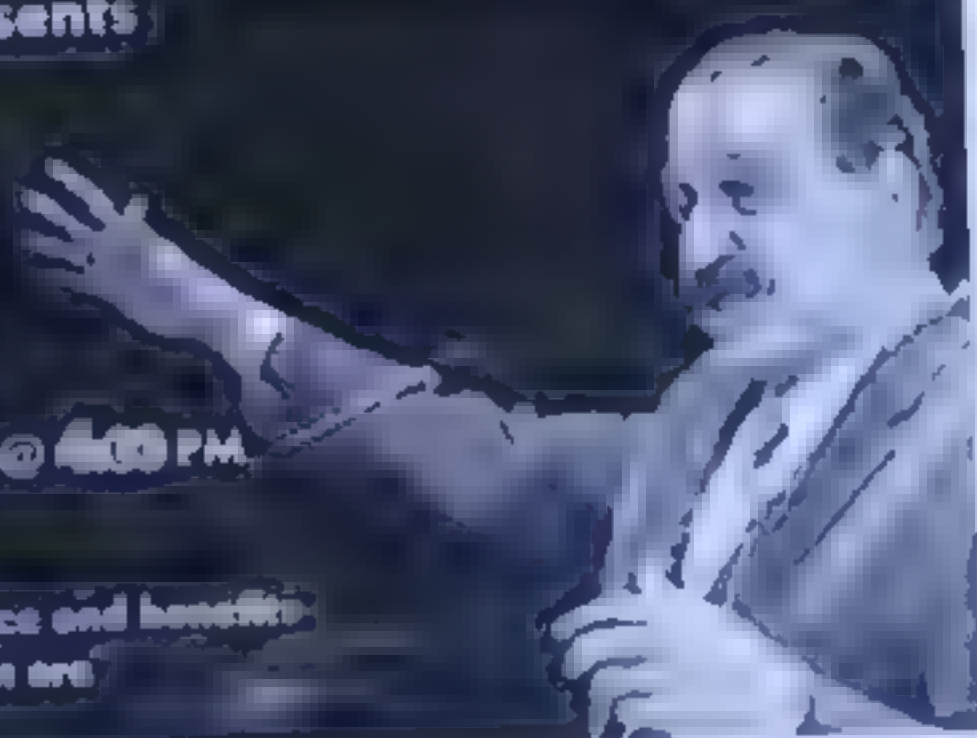
Isteghasa
AmrohaFoundation
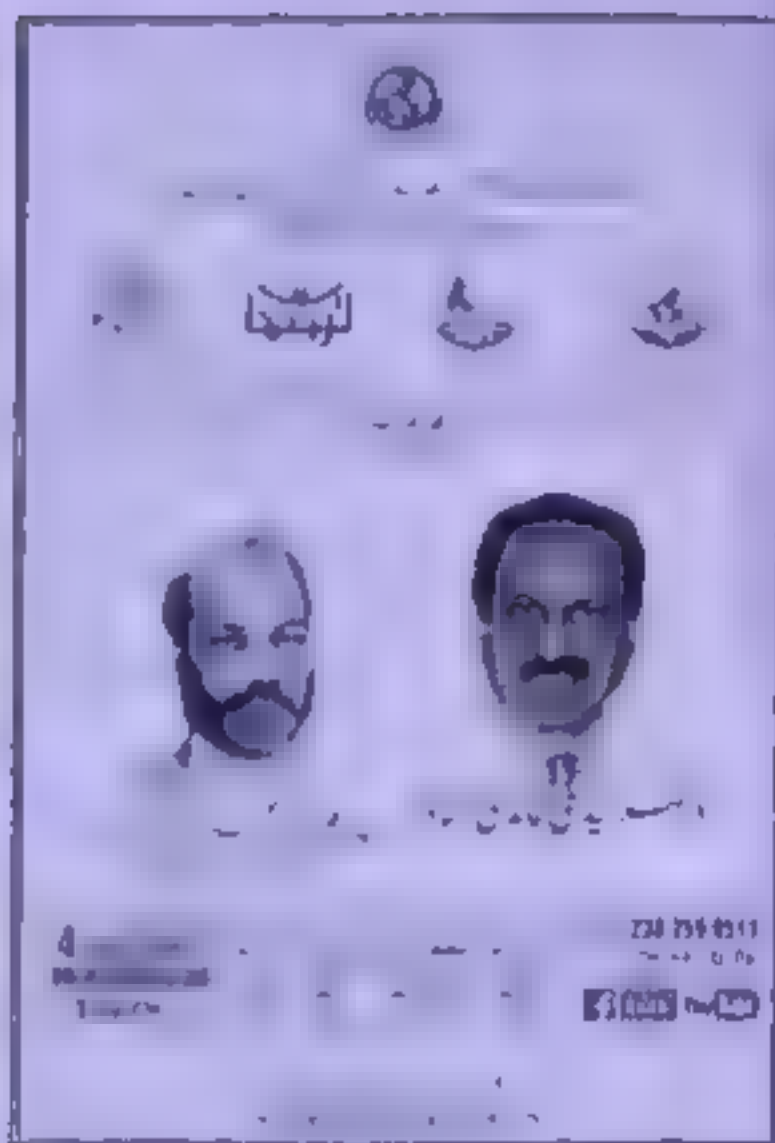
نظمیہ مشاعرہ

میر محمد مومن استرآبادی
ڈاکٹر سید تقی عابدی

کلام اقبال میں ذکر حسین

GHALIB INSTITUTE

INTERNATIONAL URDU FOUNDATION
TARYAQ NAMA LECTURE SERIES - 11
ON MONDAY 11th OCTOBER 2021 AT 8.00 P.M.

عالمی کانفرنس
یومِ اقبال
9th November

NATIONAL EDUCATION DAY

دور حاضر میں مرثیہ کی اہمیت اور افادیت
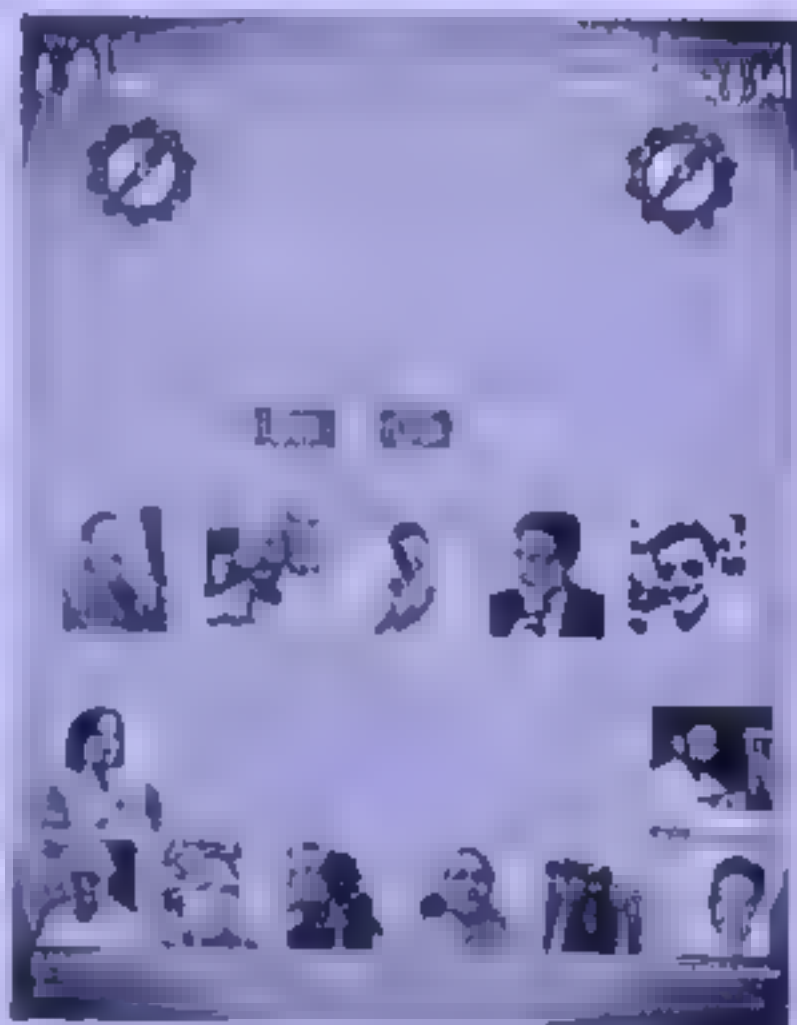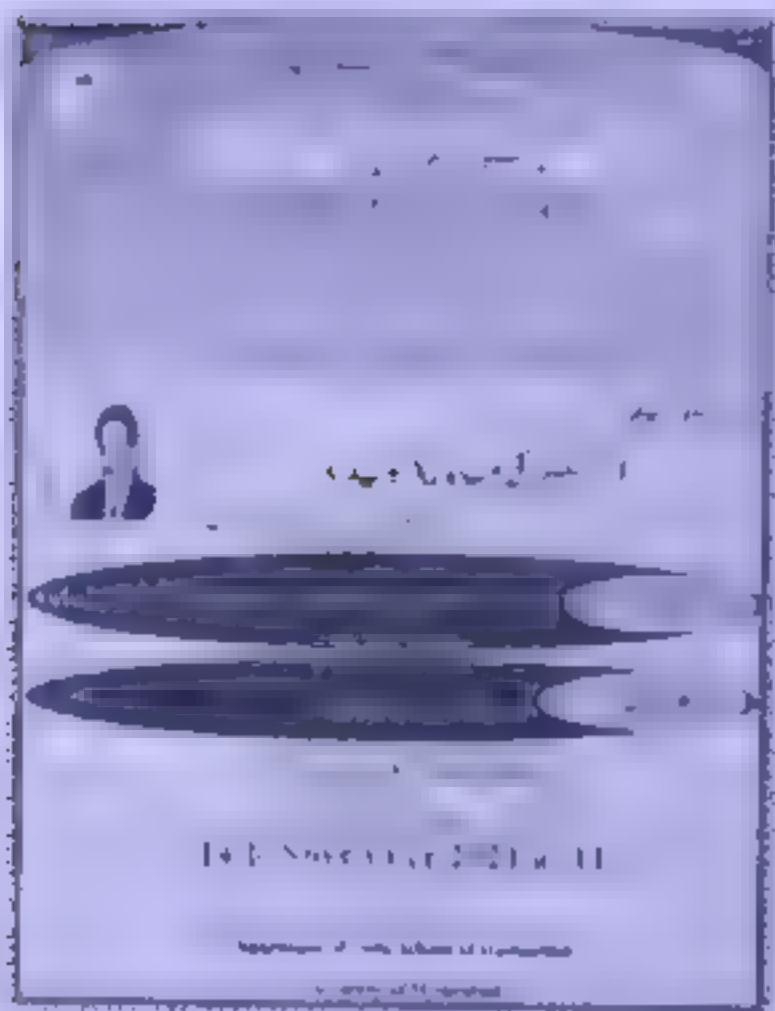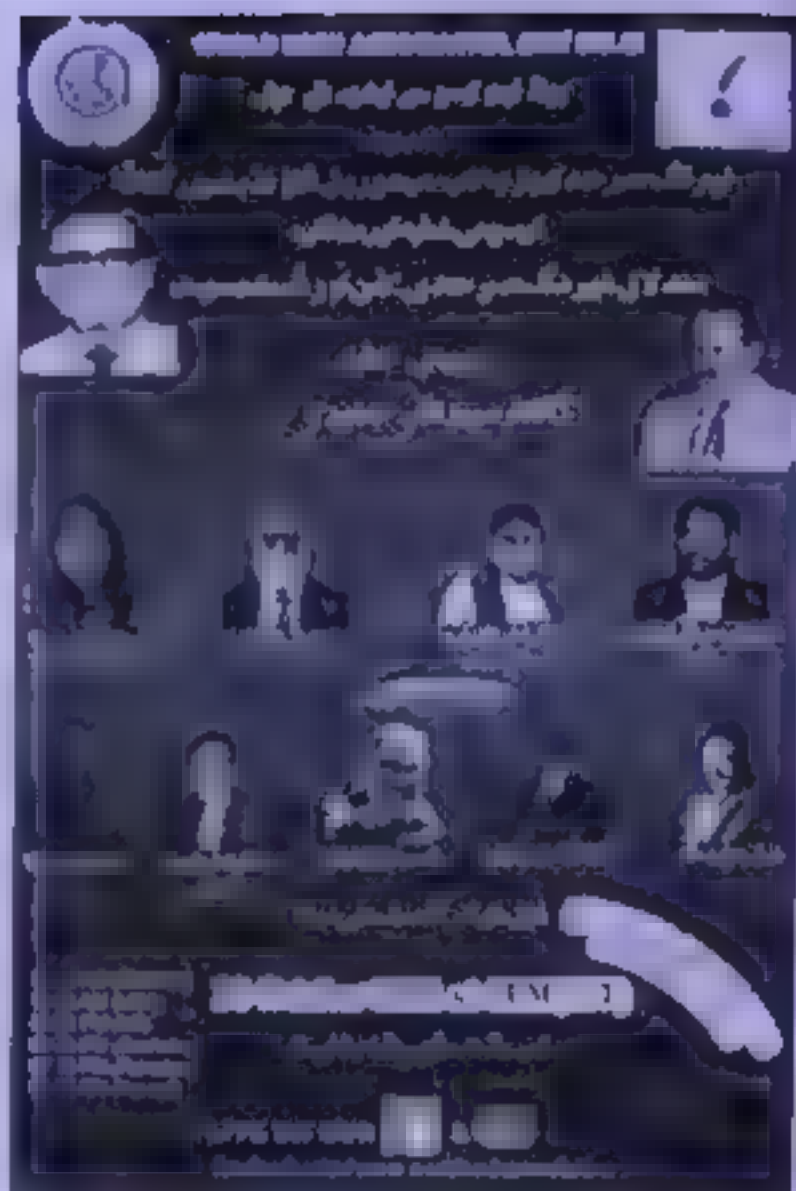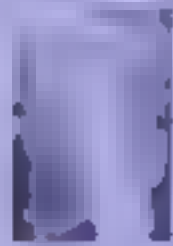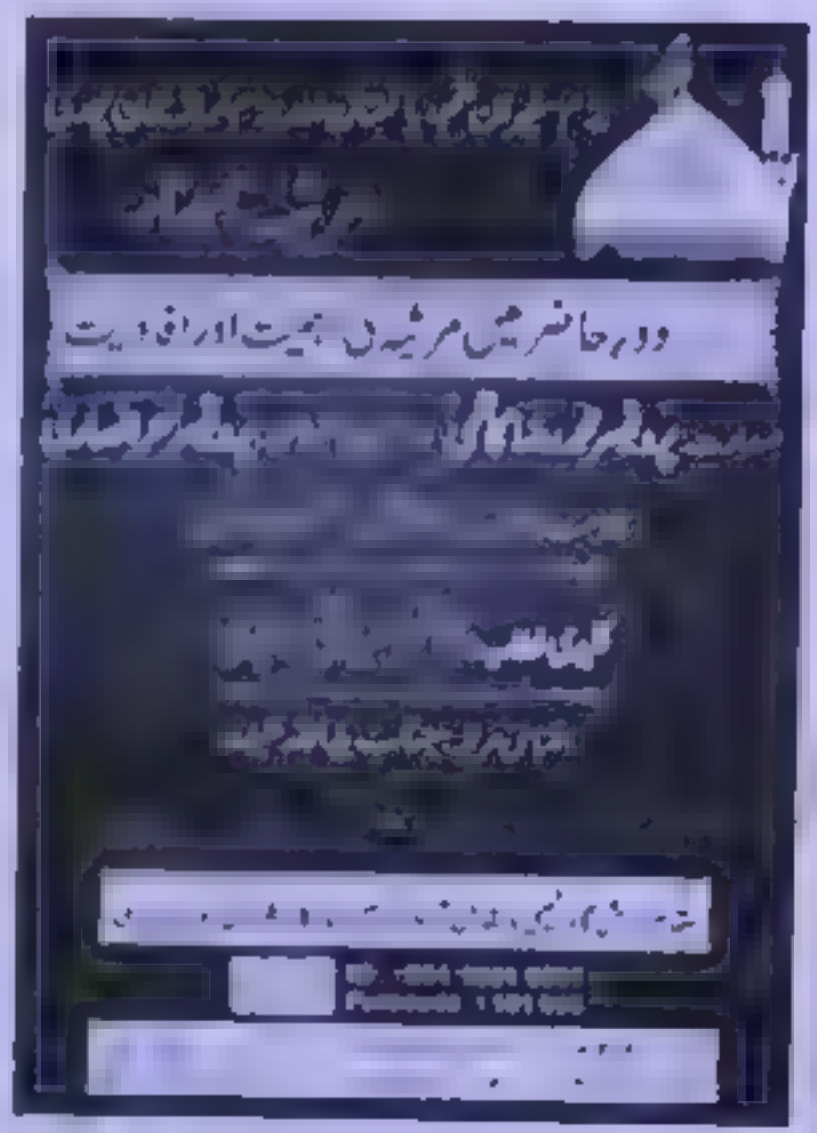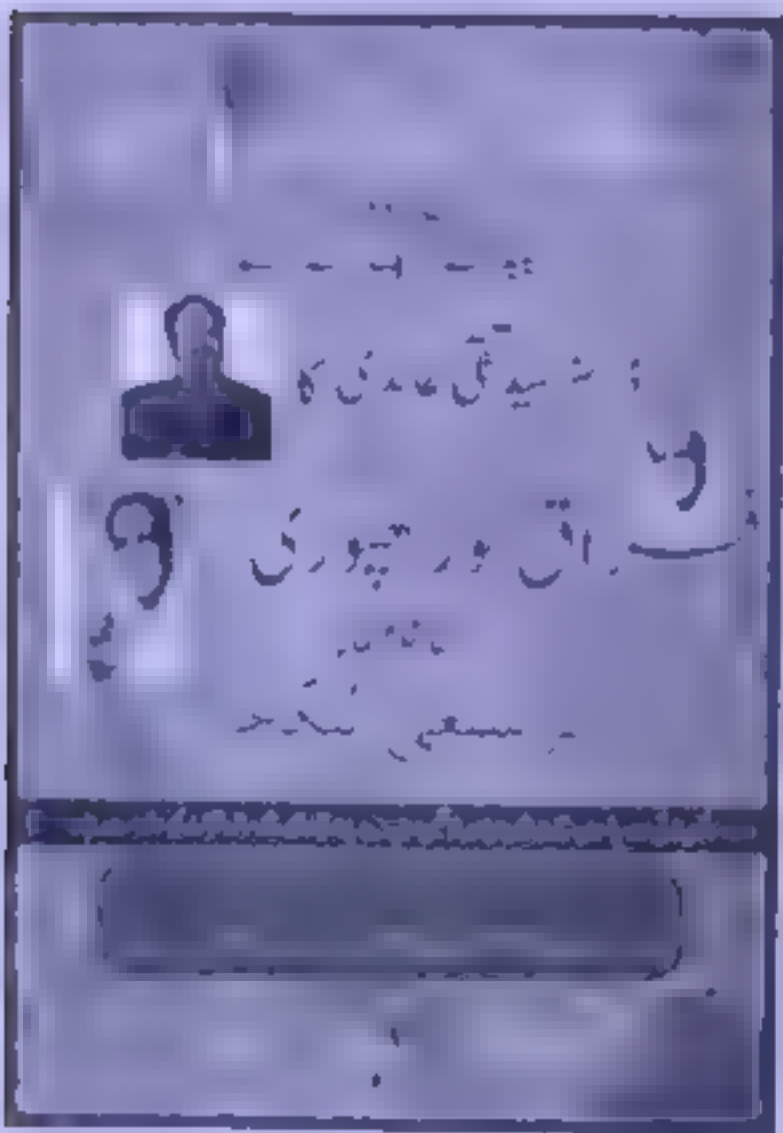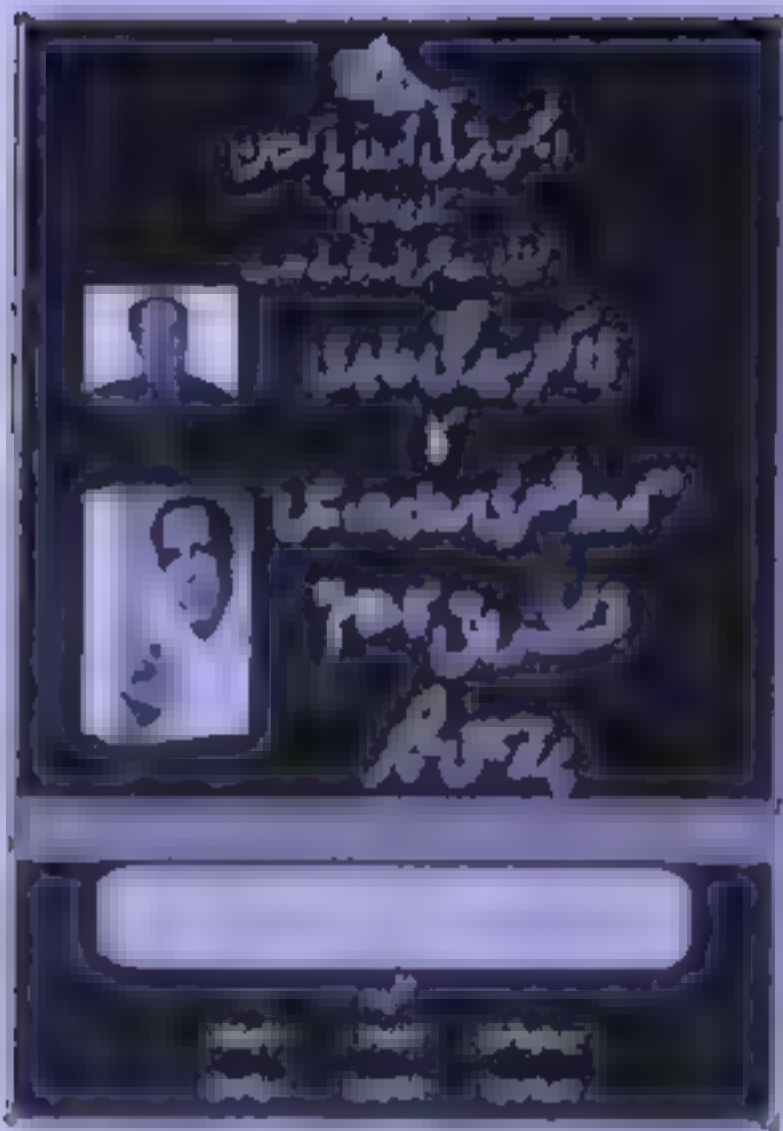
میزبان ڈاکٹر اسلم پرویز

تاریخ: اتوار، 21 نومبر 2021ء

ID 84346952547
Passcode 028865
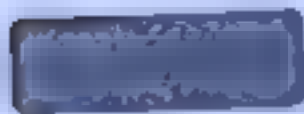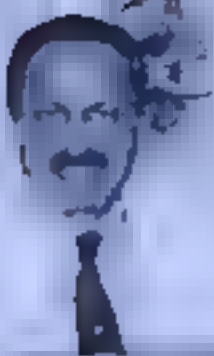
بین الاقوامی اردو سیمینار

اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

تلنگانہ اسٹیٹ اردو اکیڈیمی
تہنیتی تقریب
FELICITATION
DR TAQI ABEDI

تقریب رسم اجرا

ایک شام نقی عابدی کے نام

استقبالیہ

You are Invited in
Organised by
AmrohaFoundation®

AmrohaFoundation®

AmrohaFoundation®

9 PM(IST)
27th December 2021
ZOOM ID 865 983 7123
Pass code. 12345
YouTube

انجمن ترقی اردو (ہند)، نئی دہلی
WATCH ON:

Sunday 6th Feb 2022
ڈاکٹر سید تقی عابدی

invites you to
Edited by
Dr Syed Taqi Abidi
2:00 PM, 21st December 2021

AmrohaFoundation

Ek Sham Taqi Abedi Ke Nam
and
Fakhre Amroha Award Ceremany

On 29 December 2021

Farman Haider
President
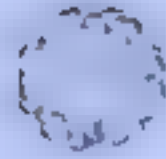
The Members and Executive Committee of
Ibn Sina Academy of Medieval Medicine and Sciences

Cordially invite you to the

Thirteenth Ibn Sina Memorial Lecture
By
Dr. Syed Taqi Hasan Abedi
(Distinguished Scholar and Poet, Canada)

Date 1 1 2022; Time 11 am
Venue Ibn Sina Academy, Dodhpur, Aligarh

Prof. S. Zillur Rahman
President

Prof. S. M. Razaullah Ansari
General Secretary

JASHNE
MOLA ALI

بین الاقوامی فیض احمد فیض سیمینار

Sadarat
Dr. Taqi Abedi

IMAM HUSAYN
IMAM ZAINUL ABIDEEN
HADRATH ABBAS
IMAM AL-KHOEI ISLAMIC CENTER

Festival

Sunday Mar 20, 2022
خصوصی گفتگو

Book Release Ceremony
تعمیر بقا
اجرا
13 JUNE 2022 (Monday)
Venue

LIVE

Amrohafoundation
Ek Sham Taqi Abedi K Naam
Wednesday / June 15 / 4:30 PM
Dr. Taqi Abedi

3 To 8
URDU ADAB
AUR
ARZE KARBALA
Live on
Karbala Iraq
Iraq Time
02:30 to 03:30 PM
India Time
05:00 to 06:00 PM
MIRZA MOHD. EJAZ ANWAR

Jashne-e-Ghadeer
Live

The Message Of Karbala

اردو ادب اور کربلا

اردو کا رثائی ادب

اردو ادب اور کربلا

Aalami Mushaira
January 2023

Aalami Mushaira
January 2023

Javed Akhtar

مع الرسول

کے زیر اہتمام زوم پر

JK URDU COUNCIL
جموں کشمیر اردو کونسل

جدید بیور پر لائیو نشر ہو گی

اشتہار یا اشتعال

بزمِ فرحت شعر و ادب کینیڈا

تأملی بر تعاملات
ادبی ایران و هندوستان

سلام
آنکھوں سے رواں اشک کا دریا
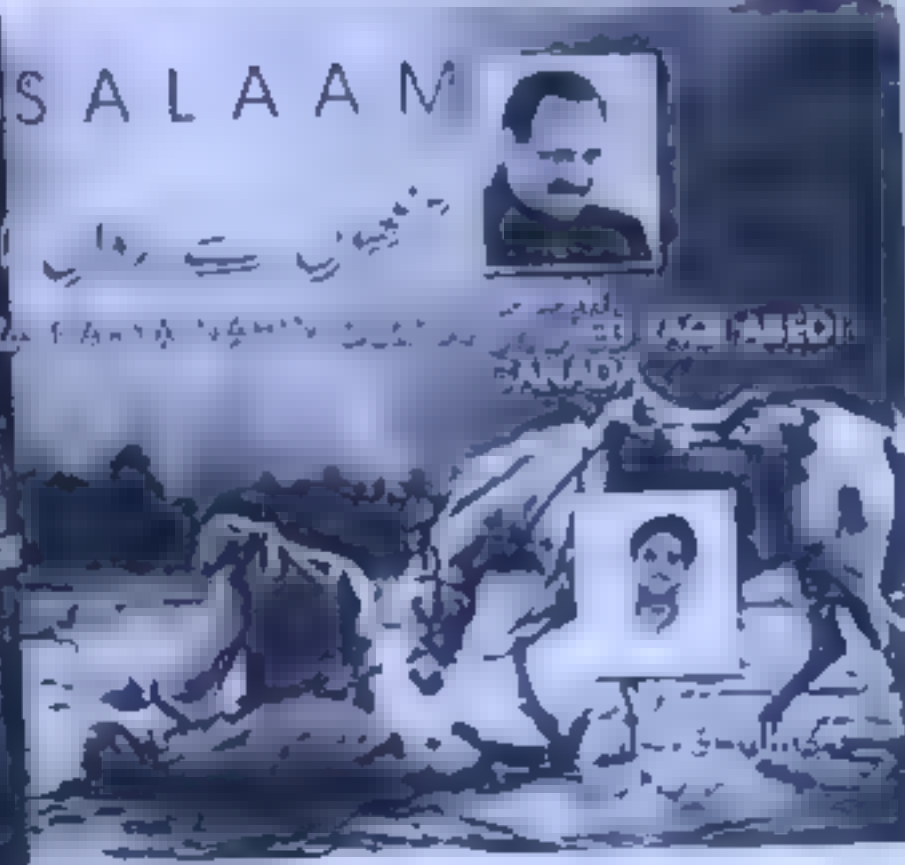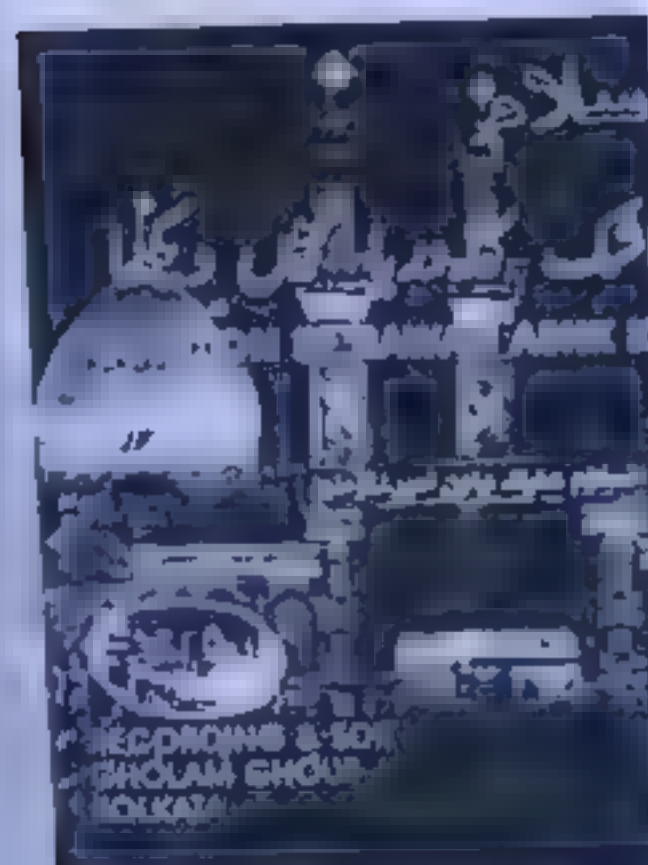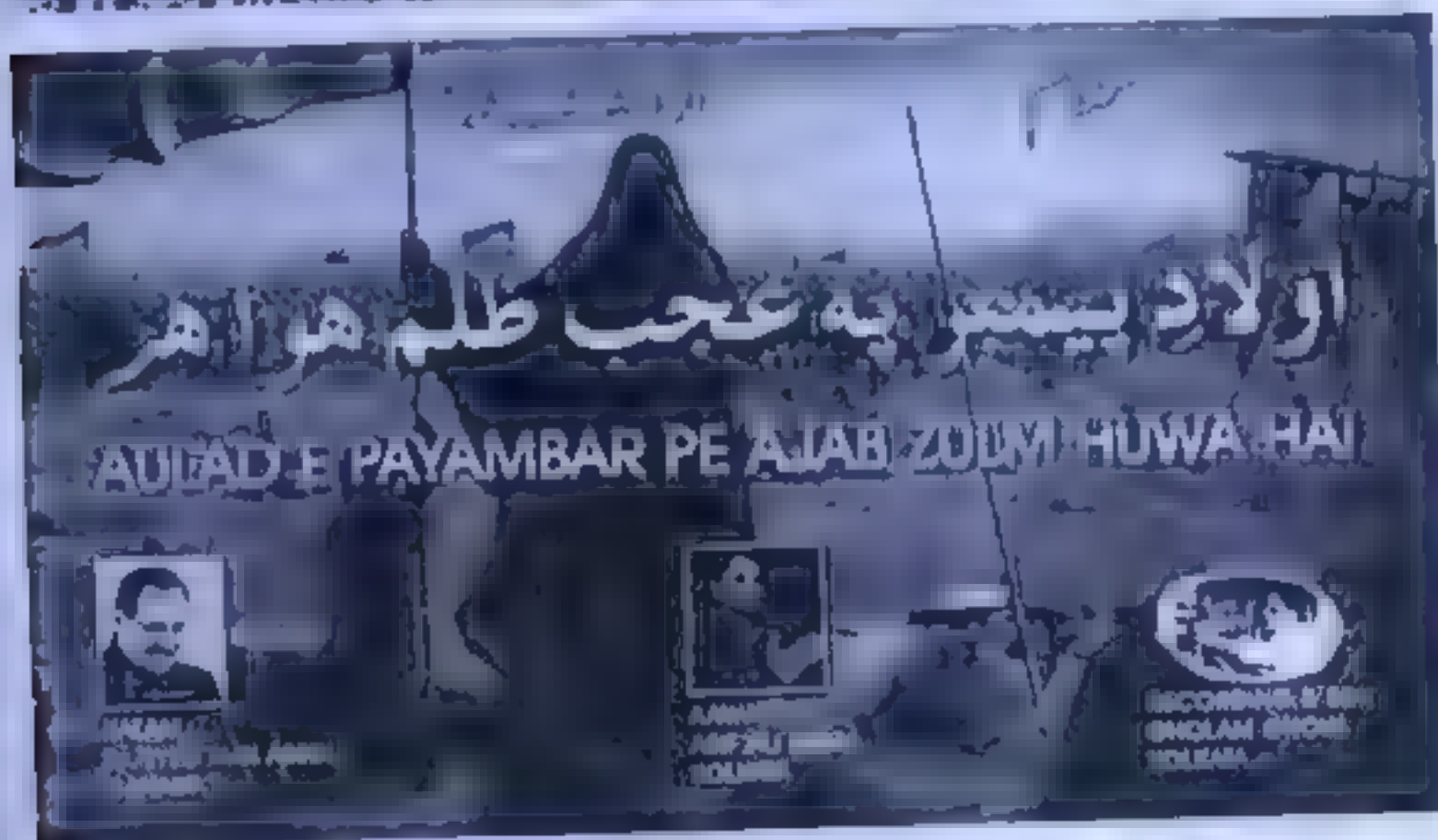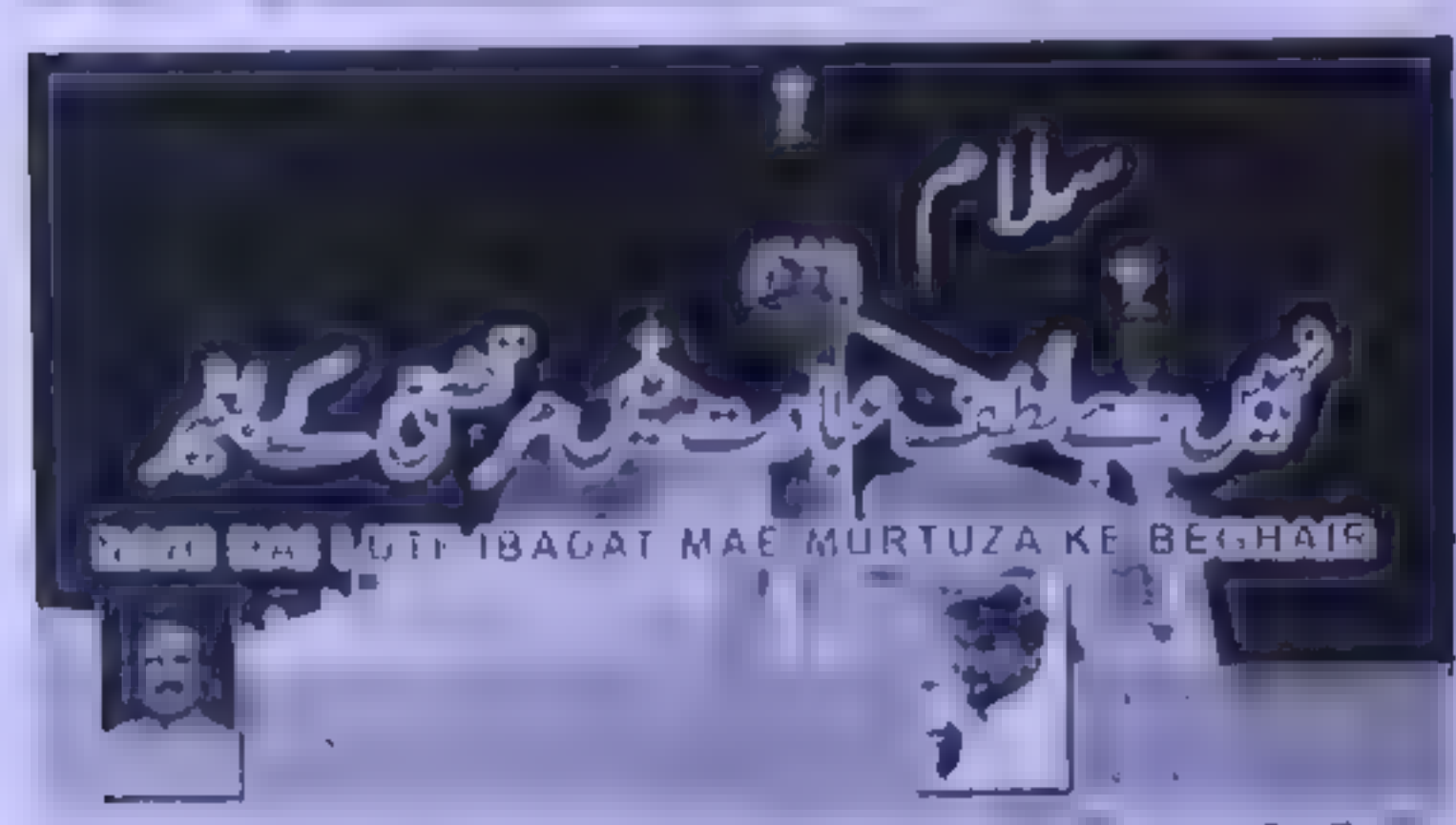
اولادِ پیمبر پہ عجب ظلم ہوا ہے
AULAD E PAYAMBAR PE AJAB ZULM HUWA HAI

SALAAM

MANQABAT
KUZE ME SHEH NE BHAR
DIYA DARIYA SAMET KE

سلام

سلام
IBADAT MAE MURTUZA KE BEGHAIR
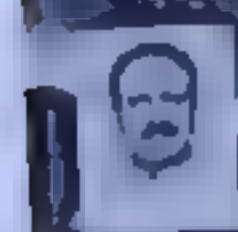
WOH MERA NABI HAI
Star Studio

جس طرح خاک نور منور کے سامنے
JIS TARHA KHAAK NOOR E MUNAWWAR KAE SAMNAE
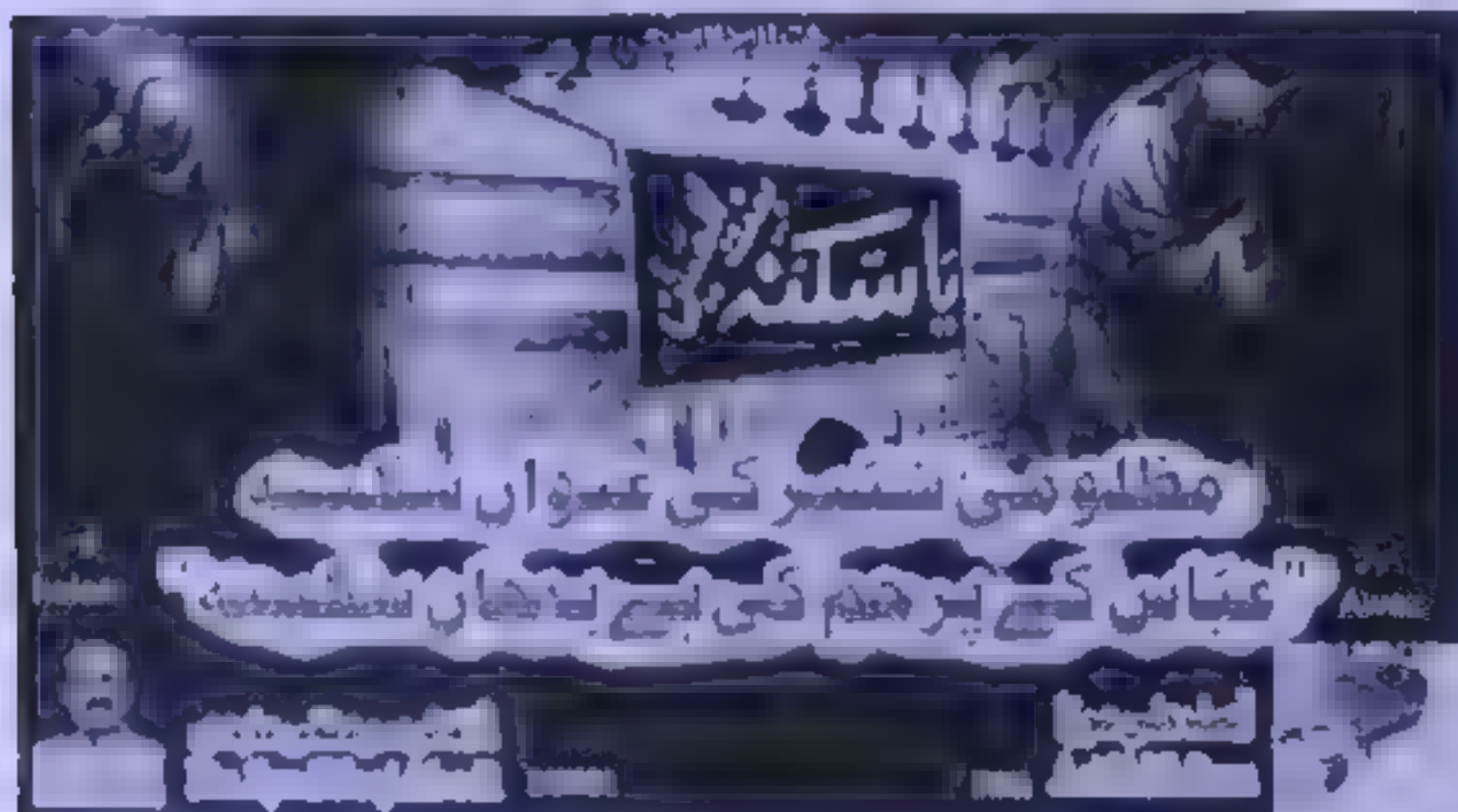
SALAM
سلام
کربلا
poetry/
DR SYED TAQI ABDI
Canada
/ VOICE
ASIF ALI MIRZA
India
تجلیات کا محور حسین ابن علی

منقبت
MANQABAT
قبر میں انٹرویو
QABR MEIN INTERVIEW

فاطمۃ الزہرا

MANQABAT
INDIA

MANQABAT
منقبت
CANADA
INDIA

TARHI MANQABAT
RAHI HAI

NAAT
نعت

MANQABAT
منقبت
INDIA
CANADA
وہ مولا علی مولا علی مولا علی ہے
WO MOOLA ALI MOOLA ALI MOOLA ALI HAI

HAMD E BAARI
حمد باری

شہید
اظہارِ حق
مثنویاتِ دبیر
ابواب المصائب
مرزا دبیر
مصحفِ فارسی
مرزا دبیر
ڈاکٹر سید تقی عابدی

ھُوالنجم

کلیات غالب
رباعیات انیس
فیض فہمی
مطالعہ دبیر کی روایت
شاہکار نظمیں
فیض شناسی
مسدس حالی
کلیات حالی
حالی فہمی
بچوں کے حالی
حالی کی نظمیں
حالی کی نعتیہ شاعری

تروینی
امجد فہمی
کلیات
دیوان
سلام اور کلام انیس
فراق گورکھپوری
برج شرف
باقیات و نادرات
فیض احمد فیض
گلستان ہند

ڈاکٹر سید تقی عابدی
بطور اقبال شناس

سید تقی عابدی

ڈاکٹر سید تقی عابدی

فنکار حق شعار